جان جاناں

تحریر :شانزے راجپوت

اسے جلد از جلد ہوٹل پہنچنا تھا۔ فارن ڈیلیگیشن سے میٹنگ فکس تھی۔ وہ کسی قسم کی کوتاہی نہیں چاہتا تھا مگر کراچی کے ٹریفک سے خدا پناہ دے۔ ہارن پر ہاتھ پہ ہاتھ مارتا وہ ونڈ سکرین سے باہر دیکھ رہا تھا۔ قطار خاصی لمبی تھی۔ اسے بیک وقت پریشانی اور کوفت نے آن گھیرا۔ لب بھینچ کر سٹیرنگ ویل پر مکا مارتے ہوئے بے اختیار اردشیر کی نظر ٹریفک سگنل پر پڑی۔ جہاں دو لڑکیاں فٹ پاتھ پر کھڑی سڑک پار کرنا چاہ رہی تھیں۔ سیاہ شال والی جیسے ہی آگے بڑھنے لگتی براؤن شال والی اسے ڈر کے مارے ہاتھ پکڑ کر پیچھے کھینچ لیتی۔ اس کے کتھئی نینوں میں خوف ہلکورے لیتا واضح دکھ رہا تھا۔

”تمہیں مسئلہ کیا ہے؟ روڈ پار نہیں کرنا؟“

صفیہ نے زچ ہو کر زائشہ کو کوفت بھری نظروں سے دیکھا۔

”کرنا ہے۔پر ٹریفک تو دیکھو کتنا ہے۔اگر غلطی سے سگنل کھل گیا تو کسی گاڑی کے نیچے آ کر مر مرا جائیں گے۔“

اس کی اپنی ہی فکریں تھیں۔صفیہ نے سر پیٹ لیا۔

"پچھلے پندرہ منٹ سے تو سگنل کھلا نہیں۔"

صفیہ نے طنزیہ کہتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیے مجبوراً زائشہ کو بھی اس کی پیروی کرنی پڑی۔

گاڑیوں کے بیچ سے نکلتے ہوئے اسے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ سگنل اتنی جلدی کھل جائے گا۔

صفیہ روڈ کراس کر چکی تھی جبکہ وہ خوف کے مارے آہستہ آہستہ چل رہی تھی جبھی گرین سگنل آن ہوا اور سڑک پر ٹریفک رواں دواں ہو گیا۔

ایک فلک شگاف چیخ کے ساتھ زائشہ نیچے بیٹھتی چلی گئ۔اردشیر نے بروقت گاڑی کو بریک لگایا اور تیزی سے گاڑی سے نکل کر اس کے نزدیک آیا۔وہ درد سے دوہری ہو رہی تھی۔

صفیہ بھی گھبرا کر اس کے نزدیک آ کر بیٹھی اور اس کے پاؤں کو ٹٹول کر دیکھنے لگی۔

''دکھائیں، زیادہ چوٹ تو نہیں لگی۔''

وہ وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھتا اس کے پاؤں سے سرخ و سفید ہاتھ ہٹاتا ہوا بولا۔

''تم ٹھیک تو ہو؟''

صفیہ سے مارے خوف کو بولا نہیں جا رہا تھا کہ کہیں اس کی ہڈی ہی نہ ٹوٹ گئی ہو۔ زائشہ نے نم آنکھوں سے نفی میں سر ہلایا۔

اردشیر اس کی نم آنکھوں میں ہلکورے لیتا درد دیکھ کر لب بھینچ گیا۔ یہ اس کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ نازک سی لڑکی اس کے باعث تکلیف میں مبتلا ہوئی تھی۔

صفیہ نے زائشہ کی تکلیف محسوس کرتے گھور کر اردشیر کو دیکھا۔

''دیکھ کر گاڑی نہیں چلا سکتے آپ؟ دیکھیں آپ کی وجہ سے میری دوست کو چوٹ لگ گئی۔''

صفیہ نے ماتھے میں بل ڈال کر اردشیر کو چار باتیں سنائی جس پر وہ کچھ سخت سست سنانے ہی لگا تھا کہ اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کی سسکاری سن کر لب بھینچ گیا۔

”میں آپ کو ہاسپٹل لے چلتا ہوں۔“

صفیہ کے سہارے وہ کھڑی ہوئی تو وہ سنجیدگی سے مصلحت کے تحت آفر دینے لگا۔اس وقت اسے میٹنگ قطعی بھول گئی تھی۔

”شکریہ! ہمیں آپ کے احسانِ عظیم کی ضرورت نہیں۔“

وہ بگڑ کر کہتی زائشہ کو لیے آگے بڑھ گئی۔

اردشیر نے سر جھٹکا اور گاڑی زن سے بھگا لے گیا۔

”حد کرتی ہو۔ایسے کیسے مفت میں جانے دیا اسے۔میں ہوتی ناں تو اس امیر زادے کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیتی۔“

مزینہ نے بگڑ کر تیکھے لہجے میں کہا۔

”ہر وقت جنگی تیارہ نہ بنی رہا کرو۔“

زائشہ نے اسے ٹوکا۔

”بہت خوب! الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔“

وہ بھنا ہی گئی تھی۔

صفیہ کچھ دیر قبل ہی اسے گھر تک چھوڑ کر گئی تھی۔اسے لڑکھڑا کر چلتے دیکھ کر پارس پریشان ہو گئی تھی۔اتفاق سے مزینہ بھی ادھر ہی تھی۔صفیہ کی زبانی سب سننے کے بعد اس کا غصہ کراچی کی گرمی کو بھی مات دینے لگا تھا۔

ساجدہ بیگم نے نیم گرم پانی سے اس کے پیر کی ٹکور کی تھی تو وہ اب قدرے سکون محسوس کر رہی تھی۔

"ایک بات کہوں آپا؟"

پارس نے اجازت طلب نظروں سے دیکھتے آبرو اچکائی۔

"تمہیں اس گاڑی والے کو سبق سکھانا چاہیے تھا۔سکول میں تو بچوں کو بہت کچھ سکھاتی ہو،اس بگڑی ہوئی نسل کو بھی سیدھا کر دیا ہوتا۔"

پارس نے مزینہ کی بات سے نہ صرف اتفاق کیا تھا بلکہ وہ مزینہ کی ہم خیال ہی ثابت ہوئی تھی۔

"مجھے ہوش تھی جو اتنی تکلیف میں میں اسے سبق سکھاتی۔"

زائشہ نے طنزیہ نظروں سے دونوں کو لتاڑا۔

”یوں بھی غلطی میری تھی۔ میں ہی اس کی کار کے سامنے آئی تھی۔“

پارس نے سر پیٹ لیا۔ وہ ضرورت سے زیادہ سیدھی تھی۔

وہ تازہ دم ہو کر باہر آئی تو تب تک ساجدہ بیگم کھانا لگا چکی تھیں۔

”یہ کیا امی! آپ نے پھر سے بھنڈی بنالی۔ ایک تو ویسے ہی بھوک نہیں لگتی اوپر سے یہ سبزی۔۔۔“

وہ برا سامنہ بناتی خون کے گھونٹ پی کر رہ گئ۔ یہ ہفتے میں دوسری مرتبہ بھنڈی بن رہی تھی۔

”تو اور کیا تیرے لیے مرغ مسلم بناؤں۔“

وہ حسبِ عادت اس کے انداز واطوار پر ناگواری سے بول اٹھیں۔

”تیرے ساتھ کی ہے۔ یہ بھی تو چُپ کر کے کھا رہی ہے۔ کمانے والے کے اتنے نخرے نہیں ہیں جتنے کھانے والوں کے ہیں۔ بی بی! چپ کر کے کھاؤ ورنہ اٹھ جاؤ۔“

ساجدہ بیگم ہاتھ جھلّا کر غصے سے کہتیں گلاس میں پانی ڈال کر زائشہ کے آگے رکھنے لگیں۔

پارس ایک جھٹکے سے اٹھ کر کمرے میں چلی گئ۔ ساجدہ بیگم نے ہنکارہ بھر کر سر جھٹکا۔ یہ تو آئے دن کی کہانی تھی۔

مزینہ ڈھلتی دوپہر کو چلی آئی تھی۔ یہ روز کا معمول تھا۔ دن میں اس کے دس چکر لگتے تھے ادھر کے اور ضرورت کی کوئی چیز مانگنے میں اسے عار نہ محسوس ہوتی تھی۔

''خالہ مجھے بھنڈی کا سالن دے دو۔''

زائشہ نے مسکراہٹ دبا کر اس کا خفا خفا چہرہ دیکھا۔

''اب ناراضگی چھوڑ بھی دو۔''

مجھے کیا ملے گا؟

مزینہ نے استفامیہ انداز میں کہتے ہوئے آئبرو اچکائے۔

''چاند سا دولہا۔''

زائشہ نے برجستہ کہا جس پر وہ کھلے دل سے ہنس کر آمین کہتی سالن کی پلیٹ لیے روانہ ہو گئ۔

”تجھے کتنی بار کہا ہے یہ فقیروں کی طرح نہیں مانگا کر۔ سیدھی طرح سمجھ نہیں آتی میری بات۔“

وہ بلال تھا اس کا تایازاد کزن اور اس کا منگیتر۔ اسے گلی میں ہی روک کر سخت لہجے میں بولا تھا۔ اسے مزینہ کا یوں منہ اٹھا کر گھر سے نکلنا اور مانگنا ہرگز پسند نہیں تھا۔

”میرا باپ بننے کی کوشش مت کر۔ بہت دیکھے ہیں تیرے جیسے۔ ہنہہ! خود تو تائی جان دس گھروں سے مانگتی ہیں۔ لعنت ہو ایسی جوان اولاد پر جو کام کی نہ کاج کی ہو اور دشمن اناج کی ہو۔“

طنزیہ لہجے میں کہتے تمسخر اڑاتی نظروں سے دیکھتے وہ گھر میں گھس گئی جبکہ وہ سرخ چہرہ لیے مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

اسے بلال ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ اس کے حکمیہ انداز اور روک ٹوک سے وہ زچ ہو جاتی تھی۔ وہ مردمار لڑکی صرف ماں کی وجہ سے چپ تھی۔ ورنہ بلال جیسے بندے کو خاک چٹا دیتی۔

شام ڈھلی تو رات نے پر پھیلائے تھے۔ چاند فلک پر آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ صحن میں لگے نیم کے درخت کی شاخیں ہوا سے جھوم رہی تھیں۔ موسم قدرے ٹھنڈا ہوا تھا۔

آفاق حسین سات بجے دفتر سے آگ ئے تھے۔ سفیر رات کو نو بجے گھر آیا تھا۔

پاکستان کے دیگر شہروں کی طرح روشنی کا شہر کراچی اس وقت اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔اس وقت اس علاقے میں لائٹ نہیں تھی۔ کمروں میں ایمرجنسی ٹارچ نے روشنی کی ہوئی تھی جبکہ صحن میں چاندنی بکھری پڑی تھی۔

''باباآپ تھک گ ئے ہونگے، میں سر کا مساج کر دوں؟ سکون ملے گا آپ کو اور نیند بھی اچھی آئے گی۔''

سفیر اور پارس مزینہ کے ساتھ کمرے میں لوڈو کھیل رہے تھے۔

وہ چپکے سے باہر آفاق حسین کے پاس آکر بیٹھ گئ تھی۔ دوسری چارپائی پر ساجدہ بیگم لیٹی ہوئی تھیں۔ آفاق حسین کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئ تھی۔

زائی شہ ان کی لاڈلی بیٹی تھی۔ وہ بہت محبت کرتے تھے اس سے اور وہ! وہ بھی تو اپنے بابا سے بے حد محبت کرتی تھی۔ ان کا خیال رکھتی تھی۔

ساجدہ بیگم نے رشک بھری نظروں سے زائشہ کو دیکھا جو آفاق حسین کے سر میں نرمی سے انگلیاں چلا رہی تھی۔

****

"السلام علیکم! بھابھی۔"

اردشیر نے ڈائننگ ٹیبل پر نشست سنبھالتے سلامتی پیش کی۔

"وعلیکم السلام"!

اس کے سلامتی بھیجنے پر وہ مسکرا کر جواب میں سلامتی دیتیں مسکرائی تھیں۔

"گڈ مارننگ لٹل چیمپین"!

اردشیر نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ چھوٹے سے حماس کو مارننگ وش کیا تھا۔

"گڈ مارننگ چاچو۔"

حماس نے اس گال پر بوسہ دیا تھا۔

"سحاب ابھی تک اٹھی نہیں؟ اسے اٹھائیں، یونیورسٹی کے لیے لیٹ ہو رہی ہے وہ۔"

اردشیر کے ماتھے میں بل نمودار ہوئے تھے۔

"اٹھ گئی ہے بس آتی ہی ہو گی۔"

روشنی نے حماس کو دودھ کا گلاس دیتے ہوئے سکون کی سانس خارج کی۔

"ہیلو ایوری ون"!

سحاب کی چہکتی آواز پر روشنی مسکرا دیں۔

"تمہیں کتنی بار کہا ہے سلام کیا کرو۔"

اردشیر نے چھوٹی بہن کو سختی سے ٹوکا۔

"اوکے نیکسٹ ٹائم۔"

وہ خوبصورتی سے ٹال گئی تھی۔ جان سے پیارے بھائی کی بات سے انکار کرنا اسے ہرگز اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ ہمیشہ یوں ہی ٹال مٹول کر دیا کرتی تھی۔

"سحاب ناشتہ تو کرو ٹھیک سے۔"

اسے کھڑے کھڑے چائے کے گھونٹ بھرتے دیکھ روشنی نے پیار سے ٹوکا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے بھابھی! کینٹین سے کچھ لے لوں گی۔ اسائنمنٹ جمع کروانا ہے۔"

وہ کہتی ہوئی حماس کو پیار کرتی چلی گئی۔

روشن نے ٹھنڈی سانس بھری۔ وہ ایسی ہی تھی۔ اپنی مرضی کی مالک۔

روشنی نے کرسی گھسیٹی اور حماس کے برابر میں بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگیں۔

”ارد شیر میں گھر سنبھالتے سنبھالتے تھک چکی ہوں۔ مجھ سے سارے کام نہیں ہوتے۔“

انہوں نے بات کا آغاز کیا۔

”میں آج ہی اخبار میں گھر کے لیے ملازموں کا اشتہار دے دیتا ہوں۔ کچھ ہی دنوں میں آپ کا یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔“

سنجیدگی سے کہتے وہ پلیٹ پر جھک گیا۔

بلیک رنگ کے ڈنر سوٹ میں ملبوس وہ نفاست سے فرائی ایگ کھا رہا تھا۔ چھ فٹ سے نکلتا قد، سرخ و سفید رنگت، تیکھے نین نقوش لیے وہ شخص کسی کا بھی دل ڈگمگا سکتا تھا، اس پر تضاد ہلکی بیئرڈ اور مونچھیں اس کے چہرے کی وجاہت میں اضافہ کرتیں تھیں۔ کیا اتنے خوبرو مرد کو ابھی تک کسی نے پسند نہیں کیا تھا یا پھر وہ خود ہی کسی کو گھاس نہیں ڈالتا تھا۔ وہ سوچ کر رہ گ ئی یں۔

”مجھے ملازموں کے حصول کے لیے تمہاری مدد درکار نہیں ہے، اس کام کے لیے میں خود ہی کافی ہوں۔ تم بس اس گھر کی بہو لے آؤ۔“

بھابھی نے تیر کمان سے نکالا۔

”یہ ناممکن ہے بھابھی۔“

اردشیر نے نیپکن سے ہاتھ صاف کیے۔ اس کے چہرے کے تاثرات قطعیت لیے ہوئے تھے۔

”کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔“

وہ بھی روشنی تھیں۔ اسی کا لہجہ واپس لوٹانا جانتی تھیں۔

”آپ کے لیے میں ملازم رکھوا دیتا ہوں۔“

وہ موضوع سے بچنا چاہ رہا تھا اور روشنی جان بوجھ کر بات کو طوالت دے رہی تھیں۔

”میں اس گھر پر ملازموں کا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گی اردشیر۔“

وہ تیز لہجے میں ناگواری سے بولی تھیں۔

وہ دنگ رہ گیا تھا۔ یہ مطالبہ وہ اکثر کرتی رہتی تھیں۔ پر کبھی اس لہجے میں مخاطب نہ ہوئی تھیں۔

''مجھے صرف تمہاری بیوی چاہیے۔ وہی اس گھر کو اور اس گھر کی ذمہ داریوں کو سنبھالے گی۔''

وہ اٹل لہجے میں بول کر ڈائننگ ٹیبل سے برتن سمیٹنے لگیں۔

''بھابھی آپ!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''مجھ سے کلام بھی مت کرنا اردشیر جب تک میری بات نہ مان لو۔ تمہیں زرا بھی احساس ہے میرا کہ کس قدر مصروف رہنے لگی ہوں میں۔ اپنے لیے بھی وقت نہیں نکال پاتی ہوں۔ ساری ذمہ داری ایک دم ہی میرے کندھوں پر آن پڑی ہے۔ پچھلے دو سال سے میں تنہا سفر کر رہی ہوں۔ رمیز کے جانے کے بعد کسی کو میرا خیال نہیں۔ کوئی میرے بارے میں نہیں سوچتا۔ تم بھی بے حسی کی چادر لپیٹے پھرتے ہو۔

تم آفس چلے جاتے ہو۔ سحاب یونیورسٹی چلی جاتی ہے اور حماس اسکول چلا جاتا ہے۔ پیچھے گھر میں میں اکیلی رہ جاتی ہوں۔ یہ وحشت و تنہائی مجھے ڈسنے لگتی ہے۔ میں کس سے اپنا غم

غلط کروں۔ سحاب من موجی طبیعت کی مالک ہے۔ مجھے ایک دوست کی، ایک سہیلی کی شدت سے ضرورت ہے اردشیر۔ میری بات مان لو۔ شادی کرلو۔“

وہ اسے ناراضگی سے خبردار کرتیں آخر میں ایموشنل بلیک میلنگ پر اترتیں التجا کرگئی تھیں۔

اردشیر توان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ہی ساکت رہ گیا تھا۔

وہ خاموشی سے پلٹ گئی تھیں جبکہ وہ حماس کو سکول ڈراپ کر کے آفس چلا آیا تھا۔

آفس میں بھی اس کا دل مضطرب رہا تھا۔ جب کسی طور سکون میسر نہ آیا تو وہ آفس سے باہر نکل آیا۔

ارادہ خرم کے پاس جانے کا تھا۔ خرم اس کا بچپن کا دوست تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے رازدان تھے۔ خرم ایک بہترین ڈینٹیسٹ تھا۔ اس کے گھر سے ذرا فاصلے پر ہی اس کا خود کا ڈینٹیل کلینک تھا۔

”مابدولت کیسے تشریف لے آئے؟ آگئی یاد میری؟“

اس کا میسج تو خرم کو موصول ہو چکا تھا۔ وہ اسی کا منتظر تھا۔ اس کے آتے ہی طنز شروع ہو گیا تھا۔

”روٹھی ہوئی محبوبہ کی طرح ناں شکوے ہی کرتے رہا کر۔ یہ نہیں کہ بندہ پوچھ ہی لے کیا پریشانی ہے۔“

وہ بدمزہ ہو کر کہتا کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

”تو تو منہ سے پھوٹ پڑ۔ کون سے درد اٹھ رہے ہیں تجھے، کہیں دانتوں میں کیڑا تو نہیں لگ گیا۔“

سلگ کر کہتا وہ آخر میں میز پر دونوں کہنیاں ٹکائے اس کی طرف جھک کر شرارت سے گویا ہوا تو اردشیر تپ اٹھا۔

”تو زندگی بھر لوگوں کے دانت کے کیڑے ہی نکالتے رہنا بیٹا کہ کیڑوں کا کام ہی کیڑے نکالنا ہوتا ہے۔“

اس نے بھی تاک کر نشانہ رکھا تھا۔

”تو اصل موضوع پر آئے گا یا نکالوں تیرے سارے دانت۔“

خرم نے اسے دھمو کا جڑا۔ وہ تو لقب کیڑا پر ہی ڈھل گیا تھا۔ اس کی شاندار شخصیت پر لڑکیاں آہیں بھرتی تھیں۔ اکثر تو اس کی فیمیل پیشینٹ ہی اس کے سحر میں گرفتار ہو جاتی تھیں اور ادھر وہ اس کی شخصیت کی دھجیاں بکھیر رہا تھا۔

”دس کلو کے ہاتھ ناں اپنے مریضوں کے دانت توڑنے کے لیے استعمال کیا کر۔“

اردشیر نے اسے ریوالونگ چیئر پر دھکا دیا۔

”چل اب بک بھی لے کیوں حسین سے مکھڑے پہ بارہ بجے ہوئے ہیں۔“

خرم نے کھینچ کر اسے پیپر ویٹ مارا جو اس نے بڑی مہارت سے کیچ کر لیا۔

”بھابھی چاہتی ہیں میں شادی کر لوں تاکہ ان کی ذمہ داریاں کم ہو جائیں جبکہ ذمہ داریوں کا تو صرف بہانہ ہے وہ مجھے میری زندگی میں خوش دیکھنا جانتی ہیں۔“

اس نے گہری سانس خارج کی۔

”ہاں تو کر لے یہ کون سا مشکل کام ہے سب ہی کرتے ہیں۔“

خرم کی شان بے نیازی پر اردشیر نے دانت کچکچائے تھے جیسے کہ وہ وجہ سے نابلد ہو۔

”میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“

وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھتا اسے باور کرا گیا۔

''ارادے بنانے سے بنتے ہیں اور یوں بھی ارادے نیک تو منزل آسان۔''

وہ سکون سے گویا ہوا۔

''تو تو کیوں نہیں کر لیتا۔''

خرم کی بے تکی باتوں پر وہ چڑ کر گویا ہوا تھا۔

''بھئ میری کون سا بھابھی ناراض ہیں جسے منانے کے لیے میں اپنی آزادی داؤ پر لگا دوں۔ مجھے اپنی آزادی سے بڑا پیار ہے۔''

وہ مزے سے بولا تھا۔

''اللہ کرے تجھے کوئی ایسی لڑکی ملے کہ تو آزادی لفظ ہی بھول جائے۔''

وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔ اس کی بات پر خرم کا قہقہہ گونجا تھا۔

اس کے غیر سنجیدہ انداز پر اردشیر نے سنجیدگی سے خرم کو دیکھا اور اٹھ کر کیبن سے باہر نکلنے لگا۔

''ناؤ ایم سیریس! بیٹھ ادھر۔''

خرم نے اسے بازو سے پکڑ کر دوبارہ کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔اس کے چہرے پر اس وقت سنجیدگی تھی جو اردشیر کو رکنے پر مجبور کر گئی۔

"دیکھ اردشیر! جانے والوں کو نا تو روک سکتے ہیں نا ہی ان کے ساتھ جا سکتے ہیں اور نا ہی ان کے جانے سے زندگی رک جاتی ہے۔زندگی کا تو کام ہے چلنا اور وہ چل رہی ہے تو کیوں نا اسے احسن طریقے سے خوبصورت انداز میں گزارا جائے۔میری مان تو شادی کے متعلق سوچنا شروع کر دے۔"

اس کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا وہ سنجیدگی سے اسے سمجھانے لگا۔

"مجھے بھابھی کی فکر ہوتی ہے۔اتنی کم عمری میں ان سے زندگی کے رنگ چھن گئے۔وہ رمیز بھائی کو بھلا نہیں پائی ہیں۔وقت ہی کتنا ہوا ہے انہیں بچھڑے۔میں شادی کر لیتا ہوں تو مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے اور میری بیوی کو ایک ساتھ دیکھ کر اندر ہی اندر گھٹنے لگیں گی۔رمیز بھائی کی یادیں انہیں اب ہی چین نہیں لینے دیتیں تو میری شادی کے بعد میری بیوی اور مجھے دیکھ کر تو وہ مزید بکھر جائیں گی۔ان کے آگے پوری زندگی پڑی ہی یار۔پہاڑ جیسی زندگی کیسے گزاریں گی وہ اس اذیت کے ساتھ۔"

اردشیر نے تھکے ہوئے لہجے میں اپنا اضطراب کھول کر اس کے آگے رکھ دیا۔

''تو کیا تو ساری زندگی شادی نہیں کرے گا کیونکہ بھابھی تو اب دوبارہ شادی نہیں کریں گی۔''

خرم کی بات میں طنز نہیں تھا وہ بہت سنجیدہ لہجے میں عام سی بات کہہ گیا تھا۔

''کچھ سمجھ نہیں آرہا یار۔''

اردشیر نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے بے بسی کہا۔

''شادی کرلے یار! ہوسکتا ہے بھابھی کا رویہ تیری سوچ کے خلاف ہو۔ جو تو سوچ رہا ہے ویسا نہ ہو کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ واپس اپنے ماں باپ کے پاس اسلام آباد چلی جاتیں مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور سسرال میں رہنے کو ترجیح دی جبکہ وہ ہر بات سے آگاہ تھیں کہ تیری اور نوریز کی زندگی میں کبھی تو خوشیاں آئیں گی۔''

خرم نے اس کا کندھا تھپکتے اسے حوصلہ دیا تھا۔

اردشیر نے سمجھتے سر ہلایا۔

"اٹھ بھی جا زینی! کیا پورے ہفتے کی نیند ایک ساتھ ہی پوری کرے گی۔ لوگوں کی جوان جہان بیٹیاں صبح سویرے اٹھ جاتی ہیں۔ ایک میری اولاد ہے رنگ رنگیلی۔"

اسے اب تک بستر پر پیر پسارے دیکھ کر وہ ناگواری سے اونچی آواز میں بولی تھیں۔ پر ادھر ہنوز سکون غالب تھا۔ خس کم جہاں پاک۔ پرواہ کسے تھی۔ وہ منہ میں بدبداتی ہوئی اسے ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر دوبارہ کام میں لگ گئیں۔

"ایک تو اماں تمہیں میری نیند سے پتا نہیں کیا دشمنی ہے، پتا نہیں وہ کون سی مائی یں ہوتی ہیں جو اپنی اولاد کے آرام میں زرا سا خلل بھی برداشت نہیں کرتیں۔"

بستر پرے پھینکتی وہ واشروم سے منہ ہاتھ دھو کر باہر آئی ی تھی اور اب ناشتہ کرتے وقت اس کے شکوے بھی زبان پر در آئے تھے۔

"آڈر پر بنتی ہیں ایسی مائیں، تو بھی بنوا لے جا۔"

برتن سنک میں پٹختے خالدہ نے بگڑے تیوروں کے ساتھ اس کی بات کا جواب دیا تھا۔

مزینہ نے بے اختیار کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"یہ سنک ٹوٹے گا کسی دن۔"

وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی پر اس کی بڑبڑاہٹ خالدہ سن چکی تھیں۔

"تیرا منہ نہیں ٹوٹتا تو سنک کیسے ٹوٹے گا۔"

وہ بدمزہ ہو کر نل کھولتیں برتن دھونے لگیں۔

"سنک سے میرے منہ کا کیا لینا دینا بھئی، خوامخواہ ہی مجھے سنک سے ملا دیا۔"

وہ برا منا گئی۔

"یہ دیکھ دو ہاتھ جڑوا زینی! تیرے ساتھ نہیں پوری آسکتی میں۔"

اس کی بے تکی باتوں پر وہ نل بند کر کے صابن لگے ہاتھ جوڑ گئی تھیں۔

"میں کیوں ہاتھ جڑواؤں تمہارے، اللہ میاں گناہ دے گا مجھے۔"

"ہاں جیسے باقی تو سارے گناہ معاف ہیں ناں۔"

وہ ناگواری سے گویا ہوئیں۔

"اماں میں دھولوں گی برتن۔ تم تائی جان سے ادھاری پیسے واپس لے آؤ۔ سنا ہے میکے جا رہی ہیں وہ کچھ دنوں کے لیے۔ اب تو سمجھو لمبی گئیں۔ اتنی جلدی ہاتھ نہیں لگیں گی۔"

ناشتہ کر کے برتن سمیٹتی وہ کچھ سوچ کر گویا ہوئی۔

"ارے چھوڑ! میں نہیں مانگنے جاتی۔ کیا سوچے گی وہ۔ بندے کو خود ہی احساس ہونا چاہیے نال کہ بیوہ عورت ہے جوان جہان بچی کا ساتھ ہے بھلا وہ کیسے گزر بسر کرتی ہو گی۔ جوان بیٹا ہونے کے بعد بھی در در پیسے مانگتی ہے۔ بیگاڑ کر رکھا ہوا ہے بیٹے کو۔ پورا دن گلی کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ گھومتا پھرتا ہے۔ نہ معلوم تیرے باپ نے ایسی کون سی خوبی دیکھی تھی اس شہزادے گلفام میں جو تیرا رشتہ جوڑ دیا۔ خود تو مر گیا۔ میرے سر پر عذاب مسلط کر گیا۔"

تیز آواز میں بولتے بولتے وہ مدھم لہجے میں بڑبڑانے لگیں۔ ماتھے پر سوچ کی لکیری تھیں۔ وہ کسی غیر مرعی نکتے کو تک رہی تھیں۔

مزینہ نے گہرا سانس خارج کیا اور ناشتے کے خالی برتن اٹھا کر کچن کی سمت بڑھ گئ۔

****

"اللہ حافظ امی جان"!

سروت بیگم کو اپنا خیال رکھنے کا کہہ کر ان کا ہاتھ چوم کر وہ انہیں الوادعی کلمات کہتا گھر سے کلینک کے لیے نکلا تھا۔

آج اسے دیر ہو گئی تھی۔ سروت بیگم کی طبیعت خراب تھی۔ کل رات وہ گھر دیر سے آیا تھا تب تک وہ سو چکی تھیں تو خرم نے انہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا مگر آج صبح فجر کے وقت ہی انہیں تیز بخار نے گھیر لیا تھا۔ خرم مسجد سے آ کر ان کے کمرے میں گیا تو پتا چلا کہ ان کی طبیعت خراب ہے۔ اس نے اسی وقت فیملی ڈاکٹر کو کال کر کے انہیں بلایا اور سروت بیگم کا چیک اپ کروایا۔ وہ کچھ دیر ان کے پاس ہی رک گیا تھا۔ عصمت صاحب اور خرم تو آج گھر پر ہی رکنا چاہتے تھے پر سروت بیگم کے آگے کب کسی کی چلی تھی۔ خرم تو انہیں ڈھیر ساری تاکید کر کے نکل گیا تھا جبکہ عصمت صاحب بیگم کی ضد کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ان کا خیال رکھنے کے لیے آفس سے چھٹی پر تھے۔

"بھابھی کو بتایا کہ تو شادی کے لیے راضی ہے؟"

چائے کی گھونٹ بھرتا وہ اردشیر سے موبائل پر گفتگو کر رہا تھا۔

”کل سے کوشش کررہاہوں بتانے کی پر وہ تو کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہیں۔رات جب گھر گیاتووہ کمرے سے باہر ہی نہیں نکلیں۔کھانا بھی ملازم نے سرو کیا تھا۔صبح میں بات کرنا چاہ رہاتھاپرانہوں نے موقع ہی نہیں دیااور حماس کو سکول چھوڑنے کے لیے نکل گئیں۔“

لہجے میں افسردگی سموئے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے ٹانگ پر ٹانگ دھرتے وہ جواب دے رہاتھا۔

”تجھ سے ایک بات نہیں کی جارہی تو شادی کیاخاک کرے گا۔“

خرم نے اسے لتاڑا۔وہ توسوچ رہاتھاکہ اب تک لڑکی ڈھونڈنے کی مہم بھی شروع ہوچکی ہو گی۔

”تواپنامنہ بند نہیں کرسکتا۔“

اردشیر نے دانت کچکچائے۔ایک تووہ پریشان تھااوپر سے وہ اسے باتیں سنارہاتھا۔

”گونگی کال سننے کاموڈ ہورہاہے تیرایاصرف میری سانسیں سننے کاخواہش مند ہے،ویسے اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے جب تک بیوی نہیں آجاتی تب تک مجھ سے کام چلا لے۔“

خرم نے شوخ لہجے میں کہتے اسے سلگا یا تھا۔

''خدانہ کرے کہ مجھے تیری گندی سانسیں سننی پڑیں۔''

اس کے تپے تپے انداز پر خرم کا قہقہہ چھوٹا تھا۔

''تو تیری سانسوں میں کون سا عطر بنفشہ گھلا ہوا ہے۔''

''تو تھکتا نہیں خرم! بول بول کر؟''

اس کی شوخیوں پر وہ تنگ آ کر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''اوکے ناؤ آئی ایم سیریس! تو نہ حماس کو سکول سے اٹھالے۔ مطلب چھٹی کے وقت سے گھنٹہ پہلے اسے اپنے آفس لے آ۔ جب بھابھی اسے سکول سے لینے جائیں گی اور انہیں پتا چلے گا کہ حماس تیرے پاس ہے اور سکول سے جلدی چلا گیا تھا تب وہ غصے میں سیدھا تیرے آفس آ کر تیری ستھری کریں گی تب تو بات کر لینا۔''

سنجیدگی سے اسے مشورہ دیتے آخر میں اس کی شرارتی رگ پھڑکی تھی۔

''خدا کرے کوئی تیری ہی ستھری کر دے کسی دن۔''

جل کر کہتا وہ فون کاٹ گیا تھا۔

آفس کے کام سے فراغت ملتے ہی اس نے حماس کے سکول کا رخ کیا تھا۔

''ایک تو آج ویسے ہی پرنسپل صاحبہ چھٹی پر ہیں اور اوپر سے میری کلاس نے شور ڈالا ہوا ہے۔

تم زرا آفس میں بیٹھ کر میری جگہ سنبھالوں۔میں ایک پیریڈ لے کر بچوں کو کام دے کر آتی ہوں۔ مصروف رہیں گے تو شور کا وقت ہی نہیں ملے گا۔''

صفیہ سکول کی انچارج تھی۔اتفاق سے پرنسپل صاحبہ کی طبیعت خراب تھی۔ جس کی وجہ سے وہ صفیہ کو چارج دے چکی تھی مگر اسی دن کلاس فورتھ کی ٹیچر سنبل نے بھی چھٹی کر لی تھی۔وہ تنگ آکر زائشہ کو آفس میں بٹھا گئ تھی۔

وہ گاڑی پارک کر کے سیدھا پرنسپل کے روم میں آیا تھا مگر وہاں اس دن حادثے والی لڑکی کو دیکھ کر اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا مگر وہ جلد ہی سنبھل گیا۔

دستک دے کر اندر آنے کی اجازت طلب کرتے وقت اس کے ہونٹوں پر بے حد خوبصورت مسکراہٹ کا پہرہ تھا۔

زائشہ نے کم ان کہہ کر جونہی اس طرف دیکھا تو سکتے میں آ گئی مگر جلد ہی خود پر قابو پا گئی۔

”السلام علیکم“!

ارر شیر نے سلامتی بھیجی۔

”وعلیکم السلام! جی کہیے۔“

وہ یوں انجان بن گئی جیسے یہ ان دونوں کی پہلی ملاقات ہو۔

”آپ کا پاؤں کیسا ہے اب؟“

وہ چیئر گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا۔اس کی نظریں سامنے بیٹھی لڑکی کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔اجلی رنگت میک اپ سے پاک فیروضی دوپٹے کے ہالے میں دمکتا چہرہ اور اس چہرے پر چھائی گہری سنجیدگی اس کے وقار کا پتا دے رہی تھی۔نیلے سمندر جیسی گہری اس کی آنکھوں میں اردشیر نے خود کو ڈوبتا پایا تھا اور جیسے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔اپنی حالت پر وہ خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ نظریں اس کے معصوم اور شگفتہ چہرے سے ہٹنے سے انکاری تھیں۔

”آپ یہاں مجھ سے یہ پوچھنے کے لیے آئے ہیں؟“

زائشہ نے ناگواری سے سوال داغا جس پر اردشیر کے گھنی مونچھوں تلے عنابی ہونٹوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"جی نہیں! اس حسین اتفاق کا مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا۔ میں تو یہاں اپنے بھتیجے کی چھٹی لینے آیا ہوں۔"

اردشیر ٹانگ پر ٹانگ جمائے فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا جبکہ زائشہ نے اس کے ادا ہوئے لفظ حسین پر خود میں ابال اٹھتا محسوس کیا تھا۔

"کس سلسلے میں چھٹی چاہیے آپ کو؟"

زائشہ نے چونک کر کڑے تیوروں سے استفسار کیا۔

"یہ جاننا آپ کے لیے ضروری نہیں ہے۔"

اردشیر کی لاپرواہی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ زائی شہ کڑھ کر رہ گ ئی۔

"بغیر وجہ جانے تو بچے کو چھٹی نہیں مل سکتی۔"

زائشہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ مجھے! یعنی اردشیر کو انکار کر رہی ہیں۔ اس کا نتیجہ جانتی ہیں۔"

اردشیر کی مردانا انا عود آئی تھی۔ وہ اپنے مخصوص لہجے میں سرد انداز لیے تنبیہہ کر گیا۔

"میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ بغیر کسی ٹھوس وجہ کے بچے کو چھٹی نہیں مل سکتی۔"

زائشہ کے لہجے میں بھی اس بار سختی در آئی تھی جس پر اردشیر کی آنکھیں کسی احساس کے تحت چمکی تھیں۔

"آپ کو تو چھٹی مل سکتی ہے ناں۔ بھتیجے کی جگہ آپ کو لے جاتا ہوں۔"

سامنے موجود لڑکی کو دیکھ کر نہ معلوم کیوں دل بے قابو سا ہوا تھا اور یونہی شرارت پر آمادہ تھا۔ لب دانتوں تلے دبائے وہ گہری نظروں سے اسے دیکھ کر بولا تو زائشہ کا چہرہ پل میں سرخ ہوا تھا۔ اس بیہودہ گفتگو پر اس کی مٹھیاں بھینچ گئی تھیں۔ وہ ایک جھٹکے سے سیٹ سے اٹھی تھی۔

"ہمت کیسے ہوئی آپ کی میرے بارے میں ایسی گھٹیا گفتگو کرنے کی۔ اپنی حد میں رہیں مسٹر۔ میں اتنی گری پڑی ہر گز بھی نہیں ہوں۔ آج یہ بیہودگی برداشت کر لی ہے مگر آئندہ۔۔۔۔۔۔"!

"یعنی آپ آئندہ ملاقات کا ارادہ رکھتی ہیں۔"

اردشیر نے کھڑے ہو کر پینٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈال کر دلکش لہجے میں کہتے مسکراہٹ دبا کر اس کی بات بیچ سے ہی اچک لی جس پر زائشہ کا پارا مزید ہائی ہوا تھا۔ وہ ایک زہر آلود نظر اس پر ڈالتی تن فن کرتی آفس سے نکل گئ۔ اس نے صفیہ کو وہاں بھیج دیا تھا۔

وہ حماس کی چھٹی لے آیا تھا۔ ادھر روشنی چھٹی کے وقت سکول گ ئی یں تو معلوم ہوا کہ اردشیر اسے گھنٹہ پہلے ہی لے جا چکا ہے۔ وہ شدید غصے کے عالم میں اس کے آفس پہنچی تھیں

اردشیر لیپ ٹاپ پر جھکا کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ ان کی متوقع آمد پر سر اٹھا کر دیکھا۔

"حماس کو سکول سے کیوں لے کر آئے ہو؟ پورا ایک پیریڈ مس ہو گیا اس کا۔ کون سی ایمرجنسی نافذ ہو گئ تھی۔"

سینے پر بازو لپیٹے وہ سنجیدگی سے مگر غصیلے لہجے میں جواب طلبی کر رہی تھیں۔

"آپ مجھ سے بات نہیں کر رہی تھیں، نہ ہی میری کوئی بات سن رہی تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تو تم نے حماس کو سکول سے اٹھوا لیا۔ بہت خوب۔"

بھابھی نے باقی کا جملہ خود ہی پورا کر دیا تھا جس پر اردشیر خجل سا ہو گیا۔

”اٹھوایا نہیں ہے، جلدی چھٹی لے لی ہے۔“

اس نے تصحیح کی۔

”بہت ہی کوئی نیک کام کیا ہے، اس پر تو تمہیں شاباشی ملنی چاہیے نئیں؟“

گہرے طنز میں کہتیں وہ حماس کی چیزیں سمیٹنے لگیں۔

”میں اس سے بھی زیادہ نیکی کا کام کرنے کے لیے تیار ہوں اس پر کیا دیں گی آپ مجھے“

اردشیر نے ترنگ میں کہا تھا اور چیئر گھما کر رخ روشنی کی طرف کیا تھا۔

”جو کرنا ہے کرو پر مجھ سے بات مت کرو۔“

وہ سخت غصے میں تھیں۔

”ٹھیک ہے میں کوٹ میرج کر لیتا ہوں آپ نے بات کرنے سے ہی منع کر دیا۔ میری شادی کیا کروائیں گی۔“

کندھے اچکاتے وہ دوبارہ لیپ ٹاپ پر مصروف ہو گیا جبکہ ترچھی نظریں ان پر ہی تھیں۔

وہ تو ہقا بقا رہ گئیں۔

”تم شادی کے لیے راضی ہو؟“

بے یقینی سے اردشیر کو دیکھتے وہ پوچھ بیٹھیں۔

”جی راضی ہوں۔"

مسکراہٹ دبا کر اس نے جواب دیا۔

”مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا۔“

وہ بے پایاں خوشی سے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنس دی تھیں۔

"تو یقین کرلیں۔"

اردشیر نے مسکرا کر کہا اور کام میں مصروف ہو گیا جبکہ وہ مطمئن ہو گئ تھیں

****

”یار پہلے شاپنگ کر لیتے ہیں پھر کچھ کھائیں گے۔“

مزنی نے تجویز پیش کی۔

”نہیں پہلے کچھ کھا لیتے ہیں پھر شاپنگ، وہ تم نے سنا نہیں کہ پہلے پیٹ پوجا بعد میں کام

دوجا۔“

حرا نے بھوک کا سوچتے کہا تھا اور آخری بات پر ہنس کر رینا کے ہاتھ پر ہاتھ مارا تھا۔

"کتنی نادیدی ہو تم حرا، ہر وقت بس کھانا، کھانا اور کھانا۔ کچھ اپنی ہیلتھ کا بھی خیال رکھو، دن بہ دن پھولتی جا رہی ہو۔"

سحاب نے طنزیہ اس کی جسامت پر چوٹ کی تھی جبکہ حرا موٹی نہیں تھی بس وہ مزنی رینا اور سحاب کی طرح سلم سمارٹ نہیں تھی، تبھی وہ لوگ اسے ٹوکتی رہتی تھیں۔

حرا نے دانت کچکچائے تھے مگر خاموش رہنا مناسب سمجھا تھا۔

"ارے یہ کیا گاڑی کیوں رک گئی؟"

ڈرائیونگ کرتی سحاب گاڑی کے اچانک رک جانے پر حیران پریشان ہوتی بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔

"اس موٹی کی بد دعا لگی ہے۔"

مزنی نے اسے گھورا۔

"او یو جسٹ شٹ اپ مزنی! بد دعاؤں سے بھی گاڑیاں خراب ہوتی ہیں کیا۔"

بگڑے موڈ کے ساتھ وہ گاڑی کا دروازہ دھاڑ سے بند کر کے باہر نکلی۔اس کے پیچھے ہی وہ تینوں بھی باہر آ گئیں۔

"کھالیا کھانا۔ہو گئی شاپنگ۔"

مزنی جل کڑھ کر کہا۔۔

"اب کیا کریں گے ؟"

رینا کو فکر ہوئی۔

"نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔"

رینا نے تبصرہ کیا۔

"یہاں کوئی گیراج تو ہو گا؟"

حرا نے آس پاس تا حد نگاہ نظریں دوڑا کر کہا۔

"چلو آگے چل کر دیکھتے ہیں شاید کوئی گیراج مل جائے،اب یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر تو نہیں بیٹھ سکتے۔"

سحاب نے کہتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیے تو وہ لوگ بھی اس کے ہمقدم ہوئیں۔ ان کی گاڑی ایک ایسی سڑک پر خراب ہوئی تھی جہاں آمدورفت اور دکانیں بہت کم تھیں۔

پندرہ منٹ کی پیدل مارچ کے بعد انہیں ایک گیراج نظر آیا تھا۔ گیراج میں داخل ہو کر ان کی نظر ایک پرانے ناڈل کی گاڑی پر پڑی جس کا رنگ اتر چکا تھا۔ اس کے نیچے کوئی لیٹا ہوا تھا۔ صرف ٹانگیں دکھائی دے رہی تھیں جس سے اسے اندازہ ہوا کہ وہ کوئی نو عمر لڑکا ہے۔ وہ لڑکا نیچے سے نکل کر اب گاڑی کے ٹائیر ٹھیک کر رہا تھا۔

"اے سنو تمہارا مالک کدھر ہے؟"

گاڑی کا ٹائر ٹھیک کرتے بچے سے سحاب نے حقارت سے پوچھا جس کے ہاتھوں پاؤں اور کپڑوں تک پر کالک لگی ہوئی تھی۔ بنا چپلوں کے پاؤں گرد آلود تھے۔ سحاب کو یک دم ہی اسے دیکھ کر قے آنے لگی تھی۔

"پہلی بات اپُن اے نہیں ہے، دوسری بات اپُن کا نام جمیل عرف جیمی ہے، تیسری اور آخری بات اپُن کا مالک اوپر ہے اور شہ رگ کے بالکل قریب ہے۔"

اس بچے نے سنجیدگی سے اپنی بات مکمل کر کے دوبارہ کام پر توجہ کی۔

مزنی کا منہ کھل گا۔

سحاب تو اس کے طرز تخاطب پر ہی چکرا گئ۔

''تمہیں تمیز نہیں ہے بات کرنے کی؟ کیا اپُن اپُن لگا رکھا ہے؟''

وہ ناک سکوڑ کر بولی تھی۔

''آپ کو تمیز ہے کیا؟''

بچے نے الٹا اس سے سوال کیا۔

''تم سے کہیں زیادہ ہے۔''

سحاب نے طنزیہ کہا تو جمیل ہاتھ جھاڑتا اس کے پاس آیا۔

''تو اپُن کو سکھادو تھوڑی سی۔''

اب کے جمیل نے بھی اسی کے لہجے میں بات کی تھی۔

''تم!۔۔۔۔ تمہاری اتنی ہمت مجھ جواب دو گے۔۔ کہاں ہے اس گیراج کا مالک۔ بلاؤ اسے۔ کیسے کیسے لوگوں کو رکھا ہوا ہے اس نے۔ جنہیں بات تک کرنے کی تمیز نہیں۔''

وہ غصے کی شدت سے چیخی اٹھ۔

”کیوں اپنا گلا پھاڑ رہی ہیں یہاں کوئی بھی بہرہ نہیں ہے۔خوامخواہ اپنے گلے کو اتنی تکلیف دے رہی ہیں۔بیٹھ گیا تو بولنے کے قابل نہیں رہیں گی۔“

سفیر نے ناگواری سے اپنے سامنے کھڑی بیہودہ لباس میں ملبوس اس مغرور لڑکی کو ٹوکا جس پر وہ مزید سیخ پا ہوئی۔

”اوہ تو مالک بھی نوکر جیسا ہی ہے۔“

وہ تمسخر اڑاتی بولی۔

”آپ کو اپنی بوریت مٹانے کے لیے کوئی اور نہیں ملا جو ہمیں پریشان کرنے چلی آئی ہیں۔وقت نہیں گزر رہا تو کسی فارغ مسٹنڈے کے پاس جا کر باتیں کیجیے اور ہمیں ہمارا کام کرنے دیجیے۔“

سفیر سنجیدگی سے کہتا مڑنے لگا تھا کہ مزنی نے اسے مخاطب کیا۔

”سوری بھائی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔دراصل ہماری گاڑی خراب ہو گئی ہے اور یہ جو میری دوست ہے نا،اسے پیدل چلنے کی عادت نہیں ہے وہ بھی اتنی گرمی میں۔بس اسی وجہ سے تھوڑا غصہ ہو گئی ہے۔“

مزنی نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

''گرمی سے ان کا برین سسٹم آؤٹ آف کنڑول ہو گیا ہے۔گھر جا کر تھوڑی دیر کے لیے فریج میں رکھ دیجیے گا۔''

وہ سر جھٹک کر کچھ فاصلے پر کھڑی گاڑی کو دیکھنے چلا گیا۔

سحاب نے مٹھیاں بھینچ کر دانت پیسے۔مزنی نے اسے ٹھنڈا کیا۔

''گیراج والے کے نخرے تو چیک کرو۔کرسٹل پیلس کے شہزادے جیسے ہیں۔ہنہہ! آیا بڑا شہازہ گلفام۔''

وہ اسے گاڑی ٹھیک کرتے دیکھ بڑبڑائی۔

سفیر اور جمیل گاڑی کو دھکا لگا کر گیراج تک لے آئے تھے۔انہیں کافی وقت لگا تھا۔

''کیا ہوا ہے گاڑی کو؟''

اسے گاڑی کا بونٹ بند کرتے دیکھ کر حرا نے تفکر سے پوچھا کہ کہیں بڑا مسئلہ ہی نہ نکل آئے۔

''اسے فرج میں رکھنے کی ضرورت ہے۔''

اس نے جس بات کا حوالہ دیا تھا۔ مزنی اور رینا کی ہنسی چھوٹ گئی۔ غصے سے سحاب کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

”تم دو ٹکے کے کارمکینک اپنی اوقات میں رہو۔ حیثیت کیا ہے تمہاری میرے سامنے۔ میں چاہوں تو دو منٹ میں تمہارا یہ سو کالڈ گیراج صفحہ ہستی سے مٹا دوں۔“

انگلی اٹھا کر اسے کہتی وہ غم و غصے سے پاگل ہونے کو تھی۔ حیثیت ہی کیا تھی اس کی۔ کس بات کا غرور تھا اس دو کوڑی کے کارمکینک کو۔ نہ جانے کس بات پر اکڑ رہا تھا وہ۔ نہ شکل اچھی تھی نہ ہی جیب میں پیسا تھا یوں ہی اچھل رہا تھا۔

”آپ کے پاس پورے دس منٹ ہیں۔ مٹا دیں اس گیراج کو صفحہ ہستی سے۔“

سکون سے کہتا وہ پلٹ کر ایک کار کے نیچے لیٹ کر کام میں لگ گیا۔ سحاب کی رگیں تن گئیں۔

”اُف اُف سحاب! کیوں خوامخواہ بات بڑھا رہی ہو۔ فی الحال ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔ جس کے لیے گاڑی کا ٹھیک ہونا ضروری ہے۔“

مزنی نے دبی دبی آواز میں اسے گھر کا تو وہ خاموش ہو گئی۔

”بھائی اپنی سر پھری دوست کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں۔ ہماری گاڑی ٹھیک کر دیں۔“

مزنی نے التجائیہ لہجے میں کہا تو وہ باہر نکلا۔

”اپنی سر پھری دوست کو زرا عقل دیجیے۔ مردوں کو انگلی دکھانا اور دھمکی دینا بھاری پڑ سکتا ہے۔ ہر کوئی میری طرح نہیں ہوتا۔ کچھ مرد اپنی طرف اٹھنے والی انگلی توڑ دیتے ہیں۔“

گاڑی ٹھیک کر کے وہ ہاتھ جھاڑ کر دور ہٹا۔

”آئی ایم بیک۔“

شوخی سے بھرپور مردانہ آواز پر روشنی اور اردشیر بیک وقت متوجہ ہوئے تھے۔

”ویلکم ہوم نوریز۔“

روشنج کو اس کے آنے پر دلی مسرت محسوس ہوئی تھی۔

”یار! بندہ ویلکم ہی کر دیتا ہے۔“

نوریز نے جیکٹ صوفے پر اچھالتے ہوئے بدمزہ ہو کر شکوہ کیا۔

"ویلکم کروں تمہیں؟"

تیکھے لہجے میں طنز کیا گیا جس پر وہ خجل سا ہو کر سر میں ہاتھ پھیرنے لگا۔

"مجھے بتا کر گئے تھے؟ گھر سے بھاگنے والے جب واپس آئیں تو ویلکم کرنے والا الو کا پٹھا ہی ہو گا۔"

اردشیر نے میگزین ٹیبل پر پٹخا۔

"بھابھی ان ڈائریکٹلی یہ آپ کو کہہ رہا ہے دیکھ لیں۔"

نوریز نے مسکراہٹ دباتے کن نظروں سے اردشیر کو دیکھتے روشنی سے اس کی شکایت لگائی۔

"آتے ہی لگائی بجھائی شروع کر دی تم نے۔ یہ پھپھا کٹنی والے کام بند کرو اور کل سے شرافت سے آفس آؤ۔"

اردشیر بزنس نیوز سن رہا تھا جبکہ روشنجے نے اس کی بے پر کی باتوں پر کان نہیں دھرے بلکہ وہ ہنس دی تھیں

"تھینک گاڈ چاچو آپ آگئے، میں تو بور ہی ہو گیا تھا۔"

نوریزاب حماس کو گود میں بٹھائے پیار کر رہا تھا۔

"آپ کب آئے بھائی۔"

چھٹی کے دن موصوفہ دیر سے اٹھتی تھیں اور آج بھی یہی ہوا تھا جبھی وہ نوریز کی آمد سے بے خبر رہی تھی۔

"جب تم غفلت کی نیند سو رہی تھیں۔"

اردشیر کی سمت سے برجستہ جواب آیا تھا۔ جس پر وہ منہ بسور کر پیار سے بھائی کے کندھے سے لگ گئی۔

"کل دیر رات تک میں اپنے منتھلی ٹیسٹ کی تیاری کرتی رہی تھی۔ اسی لیے دیر تک سوتی رہی ہوں۔"

اس نے بتانا ضروری سمجھا تھا کہ اس کے بھائی کو بھی تو معلوم ہو کہ وہ کس قدر محنتی ہے۔

"یونیورسٹی سے آنے کے بعد کیا کر رہی تھیں جو رات جاگنا پڑی۔"

اردشیر نے اس کا سر کندھے سے ہٹا کر سخت لہجے میں پوچھا جس پر وہ تھوک نگلتی بھابھی کو دیکھنے لگی کہ کہیں وہ بھانڈہ پھوڑ ہی نہ دیں کہ اردشیر کو سحاب کا آوارہ لڑکیوں کی طرح باہر جانا قطعی پسند نہیں تھا۔

''حماس کو ہوم ورک کروا رہی تھی۔''

بھابھی کے چہرے پر ایک نرم مسکراہٹ تھی۔ سحاب کی جان خلاصی ہوئی تھی، ورنہ تو وہ ڈر ہی گئی تھی اور شکر یہ تھا کہ حماس نوریز کے ساتھ مستیوں میں لگا ہوا تھا، ورنہ سحاب کا بھانڈہ پھوٹتا یا نہ پھوٹتا مگر روشنی کا تو پھوٹ ہی جاتا کہ اسے ہوم ورک خود روشنی نے ہی تو کروایا تھا۔

وہ ناشتہ کرنے کی غرض سے کچن میں چلی گئی تھی جبکہ روشنی اپنے کمرے میں۔

''یہ لو، ان میں سے کوئی بھی ایک پسند کر لو۔''

روشنی نے اسے کچھ لڑکیوں کی تصویریں پکڑائیں اور کچھ تصویریں خود دیکھنے لگیں۔ وہ کمرے میں یہ تصویریں ہی لینے گئی تھیں۔ کل شام میں ہی روشنی میرج بیورو گئی تھی اور یہ تصویریں وہیں سے لائی تھی۔

"یہ لڑکی کتنی پیاری ہے، کیوٹ سی۔ دیکھو ذرا۔"

مسکرا کر کہتے ایک تصویر روشنی نے ہاتھ میں لے کر اردشیر کو متوجہ کیا۔

وہ جو بیزاریت سے یہ مرحلہ طے کر رہا تھا، نظر اٹھا کر بھابھی کے ہاتھ میں موجود تصویر کو دیکھا۔ بے اختیار اس کی نظروں میں پرنسپل کے آفس میں بیٹھی اس لڑکی کا معصوم اور سنجیدی چہرہ گھوم گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس لڑکی میں ایسا کیا تھا کہ دل اس کا تمنائی ہوا جا رہا تھا۔ آج کل وہ اور اس کی نیلے گہرے سمندروں جیسی آنکھیں بہت بری طرح اس سے ڈسٹرب کر رہی تھی۔

"بھابھی یہ میں آپ کو سٹامپ پیپر پر لکھ کر دیتا ہوں کہ ساری تصویریں ریجیکٹ ہو کر جائیں گی۔ موصوف کے ذوق ہی نرالے ہیں تو پسند بھی انوکھی ہو گی۔"

نوریز نے تصویر اچک کر دیکھی اور پھر واپس ٹیبل پر رکھ دی۔

"بھائی کی شادی ہو گی، سوچ کر ہی مجھے تو عجیب سے احساسات ہو رہے ہیں، سمجھ نہیں آ رہا ان احساسات کو کیا نام دوں۔"

سحاب نے خوشی سے صوفے پر دونوں پاؤں سمیٹ کر بیٹھتے اپنے نافہم احساسات کا اظہار کیا۔

''شادی تو تب ہو گی جب محترم کو کوئی لڑکی پسند آئے گی اور یہ معرکہ سر ہونے میں کافی عرصہ لگے گا تو بیٹا تب تک اپنے اندر پنپتے احساسات کو تھپکی دے کر سلادو۔''

نوریز اطمینان سے کہہ کر سر کے نیچے کشن لگا کر صوفے پر دراز ہو گیا۔ حماس اس کے پیٹ پر لیٹا ہوا تھا۔

''بکواس نہ کیا کرو تم۔''

بھابھی خفگی سے بولیں۔

''یہ ذرا بھی اچھی نہیں ہے بھابھی! دیکھیں تو کتنی چلاک لگ رہی ہے، یہ تو بھائی کو بیچ کر کھا جائے گی۔''

سحاب کی گوہر افشانی پر نوریز کا فلک شگاف قہقہہ گونجا تھا جبکہ اردشیر اور بھابھی بے اختیار ہنس دیے تھے۔

”ڈیٹس لائک مائی گڈ گرل! بہت اچھے سے پہچان ہے میری چھوٹی سی گڑیا کو، اسے اپنے پاس بٹھالیں، یہ آپ کی رہنمائی ی کرتی رہے گی اس معاملے میں خاصی جینئیس ہے یہ۔“

وہ سحاب کو اپنی جگہ بٹھا کر دامن چھڑا کر چلا گیا۔ روشنی اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

”میں نے کہا تھا ناں سب ریجیکٹ ہو جائیں گی۔“

روشنی جو پہلے ہی اردشیر کی حرکت سے مایوس ہوئی بیٹھی تھیں نوریز کی شوخ آواز پر کشن اس پر پھینک کر بھڑاس نکالنے لگیں۔

****

چھٹی کے دن آفاق صاحب صحن میں لگے گملوں کی صفائی اور پودوں کی کانٹ چھانٹ کرتے تھے۔ انہیں باغبانی کا بچپن سے شوق تھا مگر کرائے کا گھر ہونے کی وجہ سے وہ کبھی زیادہ پودے گھر میں لگا نہیں سکے تھے۔ ان کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہ تھا۔ اپنا گھر ہوتا تو وہ ضرور اس شوق کو پورا کرتے مگر کرائے کے گھر میں وہ اتنا کھڑاگ نہیں پال سکتے تھے۔ مالک مکانوں کا تو کوئی بھروسہ نہیں ہوتا کب گھر خالی کرنے کا کہہ دیں۔ یوں اپنی تو

خواری ہی خواری ہوتی ہے ساتھ میں سامان کی الگ مٹی پلید ہوتی ہے۔اس لیے انہوں نے گنتی کے چند پودے ہی گھر میں رکھے ہوئے تھے کہ پودوں کو دیکھ کران کی طبیعت میں سکون اتر آتا تھا۔

انہیں گلاب کا پودا بہت پسند تھا۔ گیندے کے پھول بھی نظروں کے بھلے لگتے تھے۔ سرخ دیسی گلاب، گل لالہ، نرگس آبی اور گل بہار جسے انگریزی میں ڈیزی کہتے ہیں یہ سب ہی ان کے گھر کی زینت تھے۔

آج چونکہ اتوار تھا تو وہ فارغ ہو کر اپنے کام میں لگ گ ئے تھے۔

زائشہ نے آج مشین لگا رکھی تھی۔عام دنوں میں تو اسے فرصت نہیں ملتی تھی اوپر سے نگوڑی بجلی نہیں ٹکنے دیتی تھی۔

اتوار کے دن فجر کی نماز کے بعد ہی وہ کمر کس لیتی تھی۔پورے ہفتے کے کپڑے دھلنے میں دس بج جاتے تھے۔ سفیر چونکہ گاڑیوں کا کام کرتا تھا تو اس کے کپڑے بھی رج کے میلے ہوتے تھے۔کام والے کپڑوں پر بھی ڈیزل کے دھبے،انجن کی کالک لگی ہوتی تھی جسے رگڑ

رگڑ کر دھوتے اس کے کندھے رہ جاتے تھے پر وہ چہرہ پر تھکان کے تاثرات لائے بغیر کام کرتی رہتی تھی۔

ساجدہ بیگم کا دل زائشہ کے لیے بے حد نرم تھا۔وہ اس کے چہرے پر تکلیف دیکھ لیتیں تو دوبارہ کبھی کپڑے دھونے نہ دیتیں۔وہ انہیں بہت پیاری تھی کہ وہ ان کا خیال کرتی تھی۔اپنے کام کے علاوہ بھی وہ گھر کے کام اور دیگر ذمہ داریاں باخوبی نبھاتی تھی۔

کپڑے دھو کر مشین صاف کر کے اپنی جگہ پر رکھتے وہ الماری سے کپڑے لے کر نہانے چلی گئ تھی۔

نہا کر نکلی تو بال خشک کر کے اس نے دوپٹہ شانوں پر ڈال کر صحن میں لگی تار پر تولیہ ٹانگا تو نظر بے اختیار آفاق صاحب پر جا ٹھہری جو ماتھے پر ہاتھ رکھے سامنے کسی غیر مرعی نقطے پر نظریں جمائے بیٹھے تھے

"کیا بات ہے بابا! آپ پریشان لگ رہے ہیں؟"

زائشہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں چونکا دیا تھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

وہ زائشہ کا دھیان بٹانے کے لیے پودوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگ گ ۓ۔

”جھوٹ بولنا بری بات ہوتی ہے بابا! اللہ تعالی کو جھوٹ بولنے والے بالکل نہیں پسند۔“

زائشہ کے چہرے پر خفگی چھا گئ۔

اسی طرح کرتی وہ آفاق صاحب کو بے حد پیاری لگی۔

”میں کیوں جھوٹ بولوں گا اپنی پیاری سی بیٹی سے؟“

وہ اٹھ کر اسے اپنے حصار میں لیتے ہوۓ کمرے میں آگ ۓ۔

”یہ تو آپ مجھے بتائیں گے کہ ایسی کون سی وجہ ہے جس کی لیے آپ اپنی زائشہ سے جھوٹ بول رہے ہیں۔“

پلنگ پر ان کے برابر میں بیٹھی وہ ابھی بھی اسی بات پر اٹکی ہوئی تھی۔

”ارے نہیں بھئ! تمہارا وہم ہے۔“

وہ ٹال گ ۓ تھے کہ خواخواہ وہ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔

”آپ کا چہرہ تو چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ کوئی بات ہے جو آپ کو پریشان کر رہی ہے۔“

زائشہ نے ان کے چہرے پر چھائی فکر بھانپ لی تھی۔ وہ بچی نہیں تھی جو باپ کا چہرہ نہ پڑھ پاتی۔

"ارے بھئی دفتر میں ایک فائل گم ہو گئی ہے، بڑے کام کی تھی وہ فائل، مل نہیں رہی۔ بڑے صاحب نے سختی سے کہا ہے کہ انہیں وہ فائل پیر تک چاہیے۔"

"پریشان مت ہوں، مل جائے گی فائل، کل دفتر جائیں تو درود شریف پڑھ لیجیے گا جو بھی چیز گم ہوئی ہو گی مل جائے گی۔"

ایک نرم مسکان چہرے پر سجائے وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی

جبکہ وہ پریشانی سے ماتھا مسلتے رہ گئے تھے۔

کیا بتاتے وہ اپنی بیٹی کو کہ وہ کتنی بڑی مصیبت میں پھنس چکے تھے کہ جہاں آگے کنواں اور پیچھے کھائی تھی۔ کوئی راستہ نہیں تھا ان کے پاس۔ کرتے بھی تو کیا کرتے۔

دو دن پہلے کی بات تھی جب وہ آفس گئے تو کسی کام کے سلسلے میں زریان ملک کے کیبن کا رخ کیا۔ ویسے تو وہ باس سے بات کرتے تھے مگر وہ کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اور زروان چونکہ کمپنی کا مینیجر تھا تو وہ پریشانی اسی سے شیئر کرنے کے

ارادے سے اس کے پاس آئے تھے۔ مگر زریان کی گفتگو سن کر ان کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔ وہ فون پر کسی سے پیسوں کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ اس نے اکاؤنٹس میں بلنڈر کر کے سارے پیسے اپنے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا لیے تھے۔ اتفاق سے یہ ساری گفتگو آفاق صاحب سن چکے تھے۔

ان کے کیبن کا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ جسے آفاق صاحب غصے میں دھاڑ سے پورا کھول کر اندر آئے تھے ان کے چہرے پر غیض و غضب کی سرخی چھلک رہی تھی۔ لمحے بھر کو زریان بھی گڑ بڑا گیا تھا۔

"شرم آنی چاہیے تمہیں چوری کرتے ہوئے۔ بڑے صاحب تم پر کتنا بھروسہ کرتے ہیں اور تم ان کی ناک کے نیچے ان کے بھروسے کی دھجیاں بکھیر رہے ہو۔"

آفاق صاحب کے لفظ تیر کی مانند تھے مگر زریان نے ہنس کر ٹال دیا۔

"ارے بھئی شرم کیسی۔ یہ سب میں آپ ہی کی بیٹی کے لیے کر رہا ہوں تاکہ اسے کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہو اور پھر میں اسے شادی کے بعد ایک اچھا لائف سٹائل دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تنخواہ میں تو گزارہ نہیں ہوتا اچھا لائف سٹائل تو بہت دور کی بات ہے۔ مجبوراً

مجھے یہ سب کرنا پڑ رہا ہے اور یقین کریں ہونے والے سسر جی مجھے یہ سب کر کے قطعی خوشی محسوس نہیں ہو رہی مگر میری مجبوری ہے۔"

وہ اطمینان سے فون جیب میں رکھ کر ان کے قریب آ کر گویا ہوا۔

"بکواس بند کرو اپنی اور خبر دار جو میری بیٹی کے متعلق کچھ سوچا بھی تو۔ میری بیٹی کے تو تم پیروں کی دھول بھی نہیں ہو۔ شرم آ رہی ہے مجھے یہ سوچتے ہوئے کہ میں نے تم جیسے انسان کا انتخاب کیا اپنی معصوم بچی کے لیے۔ میں ایک بار بھی سوچنا پسند نہ کروں تم جیسے شخص سے اپنی بیٹی کی شادی کرنے کے بارے میں۔ میں ابھی اسی وقت یہ رشتہ توڑتا ہوں۔"

وہ غصے سے آتش فشاں بنے ہوئے تھے۔ زائشہ کے معاملے میں وہ بہت حساس تھے۔ زریان سے زائشہ کا رشتہ انہوں نے سال بھر پہلے جوڑا تھا جب زاریان کمپنی میں نیا نیا آیا تھا۔ اپنی قابلیت پر وہ باس کا بھروسہ جیت چکا تھا اور سال بھر کے اندر اندر اس کی پروموشن بھی ہو گئی تھی۔ وہ خوش مزاج اور بااخلاق لڑکا تھا۔ ان کی بوڑھی آنکھوں نے زریان کو پرکھنے کے بعد انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اور پھر وقت گزرتے کے

ساتھ انہوں نے زریان سے اپنی خواہش کا اظہار بھی کر دیا۔ زریان نے زائشہ کے لیے ہاں کہہ دی تھی مگر آفاق حسین نے اس بات کا تذکرہ کبھی بھی گھر میں نہیں کیا۔ نہ معلوم کیا سوچ کر نہیں کیا تھا مگر ان کا گھر میں تذکرہ کرنا سود مند ثابت ہوا اس وقت جب انہیں زریان کے اندر واضح تبدیلیاں ہوتی محسوس ہوئیں۔ وہ بظاہر اسے نظر انداز کر رہے تھے مگر در حقیقت وہ اپنے فیصلے پر سوچنے کے لیے مجبور ہو گئے تھے کہ کئی دنوں سے وہ مشکوک سرگرمیوں میں ملوث نظر آ رہا تھا اور آج بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی تھی۔ جو فیصلہ وہ پچھلے چند دنوں سے نہیں کر پا رہے تھے وہ ایک سیکنڈ میں ہو گیا تھا۔

ان کی بات پر وہ یوں ہنسا جیسے کسی بچے کی بات پر ہنسا جاتا ہے۔

”زائشہ میری تھی۔ میری ہے اور میری ہی رہے گی۔ یہ رشتہ آپ کے کہنے سے ٹوٹ نہیں سکتا۔ پاگل نہیں ہوں جو آپ کی بیٹی کی خاطر خجل خوار ہو کر یہ سب کرتا پھر رہا ہوں۔“

وہ جنونی انداز میں کہنے لگا۔

”حرام کا لقمہ کھلاتے ہوئے تمہیں خوف نہیں آئے گا اللہ سے۔“

وہ تاسف زدہ ہوئے۔

"تب کی تب دیکھی جائے گی مگر میری ایک بات کان کھول کر سنیں۔ یہ رشتہ پایا تکمیل تک پہنچے گا اور اگر باس کے سامنے منہ کھولنے کی کوشش کی تو زائشہ سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ عزت سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ مجھے اپنے ارادوں پر قائم رہنے دیں ورنہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔آگے آپ خود سمجھدار ہیں۔"

ان کے کندھے سے نادیدہ گرد جھاڑتا وہ سرد لہجے میں سفاکیت سے کہتا باہر نکل گیا۔

ایک طرف ضمیر ملامت کر رہا تھا دوسری طرف بیٹی کا خوف دل میں کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ مگر انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ باس کے آتے ہی ساری سچائی ان کے گوش گزار دیں گے کہ سچ چھپانے پر بھی تو زریان زائشہ کا پیچھا نہ چھوڑتا۔ اس نے کہا تو تھا کہ وہ یہ سب زائشہ کی خاطر کر رہا ہے تو کیوں نہ وہ سچ کو سامنے لے آتے۔ باس ضرور زریان کو پولیس کے حوالے کر دیں گے اور زائشہ کی جان بھی چھوٹ جائے گی اور اسی دوران زائشہ کی شادی اچھی جگہ کر کے وہ مطمئن ہو جائیں گے۔

پارس کام سے فارغ ہو کر مزینہ کے گھر ڈیرہ ڈالے بیٹھی تھی۔زائشہ بھی بال خوشک ہونے کے بعد ان کی چٹیا بنا کر دوپٹہ سلیقے سے اوڑھتی مزینہ کے پاس آ گئی تھی۔

روشنی بن کے محفل میں آپ آگ ئے

اب چراغوں کی کوئی ضرورت نہیں

زندگی بھر گئی پیار کے رنگ میں

اب مقدر سے مجھ کو شکایت نہیں

روشنی بن کے محفل میں آپ آگ ئے

اب چراغوں کی کوئی ضرورت نہیں

اسے دیکھتے ہی مزینہ کی گنگناہٹ بلند ہو گئی تھی۔الفاظوں میں روانی اور لہجے میں سوز یوں اترا تھا کہ مانو جیسے وہ پیشہ ور گلوکارہ ہو۔

"تمہارے اندر کون سی شبنم کی روح پرویش کر گئی ہے۔"

پارس نے اسے لہک لہک کر شبنم کی طرح تھرکتے دیکھ گھور کر ٹوکا۔

زائشہ نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔اس مخلوق سے سدھرنے کی بعید فضول تھی۔

"تم کب انسان بنو گی؟"

زائشہ نے تاسف سے کہا۔

"اس وقت میں کون سا جانور د نظر آ رہی ہوں تمہیں ذرا نام بتا دو۔"

وہ بائیں ہاتھ دائیں ہاتھ کی پشت پر مارتی بولی۔

"خالہ کدھر ہیں نظر نہیں آ رہیں؟"

اس نے اس کے بے تکے سوال کو صاف نظر انداز کر دیا تھا۔

"تم کیا میری اماں سے ملنے آئی ہو۔ مجھ سے زیادہ تو تم ان سے باتیں کرتی رہتی ہو۔ ان کے سکھ دکھ ہلکے کرنا تمہارا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ تم ایسا کرو میری اماں سے دوستی گانٹھ لو۔"

تیکھے چتونوں سے اسے باتیں سناتی وہ منہ بسور کر پلنگ پر چڑھ کر بیٹھ گئ۔ ہاتھ میں خوبانی سے بھری پلیٹ تھی۔

وہ خوبانی کھاتی جا رہی تھی اور اس کی گٹھلیاں جن میں بادام تھے انہیں شاپر میں ڈالتی جا رہی تھی۔

بھیٔ اب یہ مزینہ کی پرسنل پراپرٹی تھی۔اب خوبانی مزینہ نے کھائی تھی تو بادام بھی اسی کے ہوئے ناں۔

اس کے جذباتی ہونے پر زائشہ کھل کر ہنسی تھی۔

مزینہ ان لوگوں میں سے تھی جنہیں اپنی چیز پر کسی کی زرا سی نظر بھی برداشت نہیں تھی جو چیز اس کی تھی وہ خالصتاً اور مکمل اس کی ہی تھی۔وہ بہت پوزیسو قسم کی بندی تھی۔

''آپا تم ہنستے ہوئے بہت پیاری لگتی ہو،اللہ نظر نہ لگ جائے میری پیاری آپا کو۔''

خلاف توقع پارس کا موڈ آج کل بہت اچھا رہتا تھا۔

''رہنے دو!ایڈی یہ سوہنڑیں ہنہہ۔''

مزینہ نے ناک چڑھائی۔

''ناراض کیوں ہوتی ہو تم!میں تو بس خالہ کا حال چال پوچھ لیتی ہوں اگر وہ مجھ سے اپنا دکھ بانٹ لیتی ہیں تو اس میں حرج ہی کیا ویسے بھی دوست تو میں تمہاری ہی ہوں۔''

زائشہ اس کے پاس آکر پیار سے بولی تھی۔دوسری طرف مزینہ کی چیخ نکلی تھی اور پورا گھر گویا دہل کر رہ گیا تھا۔

پارس نے ایک دم دل تھام لیا۔

اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے زائشہ کو دیکھا۔

”کیا ہوا! چیخی کیوں تھیں، اتنی زیادہ ناراض ہو کہ میرے منانے پر خیخیں مارنی شروع کر دیں۔“

زائشہ نے آنکھیں سکیڑیں۔ مزینہ نے دھیرے دھیرے لبوں پر دھرا اپنا دایاں ہاتھ ہٹایا تو منہ سے خون رسنا شروع ہو گیا۔

زائشہ اور پارس پریشان ہو گئیں۔

مزینہ نے بے یقینی سے منہ سے بہتا خون اور خون سے رنگی ہتھیلی دیکھی۔

تکلیف حد سے سوا ہوئی تو وہ زور زور سے رونا شروع ہو گئی۔

”لو ٹوٹ گیا دانت، فاتحہ پڑھ لو، بھلا اس سوپر وومن سے کس نے کہا تھا دانتوں سے بادام توڑنے کو۔ دانت نہیں ہو گئے گویا ہتھوڑے ہو گئے۔“

سر پیٹتے پارس نے اس کی بیوقوفی کو خوب داد دی۔

”چپ کر جاؤ پارس اور جاؤ جا کر خالہ کو بلا کر لاؤ۔“

زائشہ کے گھر کنے پر وہ کھسک لی تھی۔ اس نے اسے کولر سے ٹھنڈا پانی لے کر کلی کروائی مگر خون رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ درد بڑھتا جا رہا تھا اور ادھر عزیز از جان دوست کی تکلیف پر ہاتھ پیر پھولے جا رہے تھے۔

"ہائے اللہ یہ کر لیا کمبخت نے بیٹھے بٹھائے۔"

خالدہ بیگم منہ پر ہاتھ رکھتیں تاسف سے بولیں۔ بیٹی کو تکلیف میں دیکھ نہیں سکتیں تھیں مگر وہ اس کی حرکتوں سے بھی واقف تھیں۔

"خالہ اس کا خون نہیں رک رہا اور تکلیف تو دیکھیں کتنی ہو رہی ہے۔ مجھے لگتا ہے اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا پڑے گا۔ آپ گھر پر رہیں میں اور پارس اسے ڈینٹیسٹ کے پاس لے کر جا رہی ہیں۔"

وہ گھر گئی تھی اور امی جان کو بتا کر اپنی اور پارس کی چادر اور پرس لے آئی تھی کہ آفاق صاحب کی تو آنکھ لگ گئی تھی ورنہ وہ بھی زائشہ کے ساتھ جاتے۔ وہ خالدہ بیگم کو تفصیل بتاتی اپنی چادر اوڑھنے لگی پرس کندھے پر ٹانگا۔

"میں بھی چلے چلوں ساتھ۔"

خالدہ بیگم بیٹی کو دیکھ کر نرم پڑیں۔ تھی تو اولاد ہی لاڈو بالی ہی سہی۔

”نہیں خالہ آپ کہاں اتنی گرمی میں باہر نکلیں گی۔“

وہ انہیں سہولت سے منع کرتی اسے لے کر کلینک پہنچ گئی۔

”خبر دار جو میرے قریب آئے تو۔“

اپنے اوپر جھکے خرم کو پرے دھکیلتی وہ خونخوار نظروں سے گھورتی سیٹ سے اٹھ کر دور جا کھڑی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں ٹیوزر نما آلہ پکڑے ڈاکٹر سے بچاؤ کے لیے وہ ہتھیار آگے کیے کھڑی تھی۔

”دیکھیے آپ۔۔۔۔۔! آپ دیکھیے ڈاکٹر، کیا لگا تھا آپ کو، میرے اصلی دانت نکال کر نکلی لگا دیں گے اور اصلی والے بیچ دیں گے، نا بابو مزینہ کے ہوتے ایسا نہیں ہو سکتا۔“

اس کے حسین الزام پر خرم چکرا کر رہ گیا۔

”محترمہ آپ شرافت سے ادھر آ کر بیٹھ جائیں۔ آپ کے اصلی دانتوں کو بیچ کر میں نے شیش محل نہیں کھڑا کر لینا۔“

طنزیہ لہجے میں خرم نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"ایک کالے کوٹ والے اور دوسرے سفید کوٹ والوں نے تو عوام کا اچھا اچھا سارا خون پی رکھا ہے۔"

مزینہ کی رگ ضرافت پھڑکی تھی۔

"آج سے پہلے میں نے کبھی خون کا ذائقہ نہیں چکھا کیوں نہ آج پی کر چیک کر ہی لیا جائے یوں بھی سفید کوٹ والے تو بدنام زمانہ لوگ ہیں۔"

مسکراہٹ دبا کر خرم نے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کی طرف قدم بڑھائے جس پر مزینہ نے خوف زدہ ہو کر ڈاکٹر کو دیکھا۔

"بچاؤ بچاؤ! کوئی ہے کیا؟ مجھے خونی ڈاکٹر سے بچاؤ، یہ میرا اچھا اچھا، میٹھا میٹھا، سارا خون پی جائے گا، ارے! کوئی تو بچاؤ مجھ غریب ابلا ناری کو۔"

مزینہ نے اسے قریب آتے دیکھ زور زور سے مدد کے لیے پکارنا شروع کر دیا جبکہ خرم بیزاریت سے اس کی نوٹنکی ختم ہونے کے انتظار میں تھا۔

یہ سُن کے انجیکشن کا کمال تھا جو وہ اتنا بول پا رہی تھی اور شیر ہو رہی تھی۔ خرم نے اسے بولنے دیا کہ انجیکشن کا اثر ختم ہونے ہی والا تھا پھر اس کی ساری آہ وبکا دھری کی دھری رہ جانی تھی۔

”ہو گیا یا ابھی مزید باقی ہے۔“

اسے خاموش ہوتے دیکھ اور اس کے چہرے پر پھیلے تکلیف دہ تاثرات نوٹ کرتا وہ اسے بازو سے تھام کر کرسی پر بٹھا چکا تھا۔

مزینہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اسے روم سے باہر لے آیا تھا جہاں زائشہ اور پارس بیٹھی ہوئی تھیں۔ دوائوں کا پرچہ چادر میں لپٹی زائشہ کو تھما کر کچھ ضروری ہدایتیں کرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”فکر کی تو کوئی بات نہیں ہے ناں۔“

زائشہ نے ایک نظر خاموش کھڑی مزینہ پر ڈال کر تفکر سے استفسار کیا۔

”جی نہیں۔! ان کے لیے تو نہیں پر میرے لیے ضرور ہے۔ اس قسم کے دو چار مریض اور آگ ئے ناں تو میرے دانت ضرور جھڑ جائیں گے۔“

کوٹ درست کرتے خرم خود سے ہی بڑبڑایا تھا۔

مزینہ دانت بھی نہیں کچکچا سکی تھی کہ کہیں باقی ماندہ دانت بھی نہ ٹوٹ جائیں یوں بھی دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر ہی پیتا ہے۔

گھر آکر زائشہ نے خالدہ بیگم کو دوائیں پکڑائیں اور مزینہ کو نرم غذا کھلانے اور وقت پر دوا دے کر آرام کی تاکید کر گئ تھی۔

آفاق صاحب اٹھ چکے تھے۔ زائشہ نظر نہیں آئی تھی تو ان کے استفسار پر ساجدہ بیگم نے انہیں مزینہ کے بارے میں بتادیا تھا۔

"مجھے اٹھادیا ہوتا زائشہ اکیلے کیوں گئیں۔"

ناراضگی سے کہتے وہ اسے اپنے لیے تفکرات میں گھرے بے حد پیارے لگے تھے۔

"پیارے بابا آپ پر سکون نیند سو رہے تھے اور میں نے آپ کے سکون میں خلل ڈالنا مناسب نہیں سمجھا۔"

ان کے کندھے کے گرد بازو پھیلائے وہ نرم مسکراہٹ سجائے بولی تھی۔

"سارا پیار آپ سمیٹتی رہیں گی کیا، چلیں ہٹیں! یہ میرے بھی بابا ہیں۔"

پارس نے دونوں ہاتھ کمر پر ٹکا کر آنکھیں سکیڑتے زائشہ کو اٹھا کر ہی دم لیا تھا۔

اس کی حرکت پر اندر آتے سفیر کا قہقہہ نکلا تھا جس پر وہ خونخوار ہوئی تھی۔

"آپ کو اکاؤنٹس کی گڑبڑ کا کچھ اندازہ ہے۔ کمپنی کے سارے اکاؤنٹس تقریباً خالی ہیں۔ میں نے ابھی میلز اور سٹیٹمنٹس چیک کی ہیں۔"

نوریز نے اکاؤنٹس کی چند فائلز اردشیر کے کیبن میں داخل ہوتے ہی ٹیبل پر پٹخی تھیں۔ اس کے چہرے کے تاثرات خطرناک حد تک سنجیدہ تھے۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے میں نے خود زروان سے اکاؤنٹس کی ڈیٹیل چیک کروائی تھیں اور اوکے کی رپوٹس دیکھ کر ہی میں مطمئن ہوا تھا"

عالمِ پریشانی میں وہ لیپ ٹاپ بند کر کے فائلز چیک کرتا کہنے لگا۔

"بھائی آپ اس زروان کی بات پر کیسے یقین کر سکتے ہیں۔ اکاؤنٹس کا کام آپ کو خود دیکھا چاہیے۔ اس کل کے آئے لڑکے پر آپ نے اتنی جلدی بھروسہ کر لیا۔"

نوریز نے اپنا ماتھا مسلتے غصے کو قابو کرنا چاہا۔

اردشیر نے انٹر کام کر کے زروان کو کیبن میں بلایا جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ بظاہر تو اس نے کوئی ثبوت اپنے خلاف چھوڑا نہیں تھا مگر برے کام کا ہی اثر تھا جو وہ اندر ہی اندر تھوڑا بہت ہی مگر خوفزدہ ضرور تھا۔

”میں سٹریٹ فارورڈ بات کرنے والا بندہ ہوں، گھما پھرا کر بات کرنا میری سرشت میں نہیں ہے۔ سیدھے طریقے سے بتاؤ کہ اکاؤنٹ کا سارا پیسہ کہاں ہے جبکہ تم اوکے کی رپوٹ اردشیر کو دے چکے ہو۔“

نوریز نے بغیر لگی لپٹی رکھے اس سے پوچھا۔ زروان کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگی تھیں۔

”سر اگر میں آپ کو سچ بتاؤں گا تو آپ کو یقین نہیں آئے گا۔“

زروان نے ایک نظر اپنے باس اردشیر کو دیکھا پھر نظریں جھکا لیں۔

”زروان سوال کا جواب دو یوں باتیں نہ گھماؤ۔“

اردشیر نے سختی سے ٹوکا۔

"سر سارا پیسہ آفاق صاحب نے چوری کیا ہے۔ میں نے تین چار دن پہلے خود انہیں اکاؤنٹینٹ سے بات کرتے سنا تھا۔"

اس نے بہت سوچ سمجھ کر آفاق صاحب کا نام لیا تھا۔ اسے اس بات کی قطعی پرواہ نہیں تھی کہ اگر اتنی بڑی بات ہو جانے کے بعد انہیں آفس سے نکال دیا گیا تو اسے زائشہ ملے گی یا نہیں کیونکہ زائشہ کو تو وہ ہر حال میں حاصل کر سکتا تھا مگر اس کے لیے اس چنگل سے نکلنا ضروری تھا۔

زروان کی بات پر اردشیر نے نافہم تاثرات لیے نوریز کی جانب دیکھا جس نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے کے لیے آفاق صاحب کو بھی بلوا لیا تھا۔

"سر آپ نے بلایا؟"

آفاق صاحب نے احتراماً تائید چاہی۔

"آپ نے اکاؤنٹ کا پیسہ چوری کیا ہے؟"

نوریز نے بغیر لحاظ کیے پوچھا جس پر آفاق صاحب پہلے تو دنگ رہ گئے پھر ایک تاسف زدہ نظر زروان پر ڈالی۔

''چوری میں نے نہیں زروان نے کی ہے اور میں تو اس چوری کا چشم دید گواہ بھی ہوں۔''

آفاق صاحب نے طنزیہ نظروں سے زرون کو دیکھتے تلخی سے کہا۔

''آپ چشم دید گواہ ہیں تو پھر آپ نے اردشیر کو خبر کیوں نہیں کی یا مجھے باخبر کیوں نہیں کیا۔''

نوریز نے چبھتے لہجے میں سوال داغا۔

''سر یہ اپنا کیا دھرا مجھ پر تھوپ رہے ہیں۔ جھوٹ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے میں کیوں کروں گا چوری؟ مجھے کیا ضرورت پڑی پیسوں کی؟''

حسبِ توقع زروان بھڑک اٹھا تھا۔ دراصل وہ اونچا اونچا بول کر خود کو سچا ثابت کرنا چاہ رہا تھا اس کے برعکس آفاق صاحب ساکت نظروں سے زروان کو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے دیکھ رہے تھے۔

''سر میں نے چوری نہیں کی، میں آخر کیوں کروں گا چوری؟''

آفاق صاحب نے بے بسی سے کہا۔ نوریز کے اوپر اس وقت غصہ سوار تھ۔ کچھ یہی حال اس وقت ارشیر کا تھا۔

”سر ان کی دو جوان بیٹیاں گھر بیٹھی ہیں۔ جن کی شادی کرنی ہے۔ کرائے کا گھر ہے۔ ہزار اخراجات اور بھی ہونگے۔ اب بھلا جن کی جوان جہان بیٹیاں کنواری ہوں وہ ان کے مستقبل بنانے کے لیے ہی چوری کرے گا۔“

زروان نے فاتحانہ مسکراہٹ لیے آفاق صاحب کو دیکھا۔

”آپ کو شرم آنی چاہیے ایسی گری ہوئی حرکت کرتے ہوئے۔ آپ بابا کے وقت سے اس کمپنی میں کام کر رہے ہیں۔ کتنا بھروسہ کرتے تھے ہم آپ پر۔ پر آپ! آپ نے تو جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید کیا۔ کمپنی آپ کے ہر برے وقت میں کام آئی ہے۔ اس کا یہ صلہ دیا ہے آپ نے۔ آپ نکل جائیں یہاں سے اس سے پہلے کہ میں آپ کو پولیس کے حوالے کر دوں۔“

سخت لہجے میں اردشیر نے کہتے اپنی کنپٹیاں سہلائیں جبکہ نوریز نے لب بھینچ لیے۔

”ویسے کوئی ثبوت ہے تمہارے پاس کہ اکاؤنٹس میں بلنڈر آفاق صاحب نے کیا ہے۔“

کچھ سوچ کر نوریز نے جانچتی نظروں سے زروان کو دیکھا۔

”آپ ان کا کیبن چیک کریں سر۔ ضرور کوئی نہ کوئی ثبوت ملے گا ورنہ دوسرا آپشن یعنی ان کا گھر وہاں تو لازمی کچھ نہ کچھ ملے گا۔“

زروان نے بڑی مہارت سے نوریز اور اردشیر کو راہ دکھلائی تھی۔ وہ دونوں تیزی سے ان کے کیبن کی طرف بڑھے تھے۔

”چچ چچ چچ بغیر منہ کھولے ہی پھنس گ ئے آپ تو۔ ستارے گردش میں چل رہے ہیں آپ کے۔“

ان کے پیچھے چلتے آفاق حسین کی سست قدموں کے ہم قدم ہوتے زروان ملک نے تاسف سے کہا۔

”تم! ایک گھٹیا پنچ اور گرے ہوئے انسان ہو۔ تم جیسوں سے نمٹنا میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہیں بے نقاب نہ کیا تو میرا نام بھی آفاق حسین نہیں۔“

سرخ چہرہ لیے تنے ہوئے تاثرات چہرے پر سجائے وہ بولے۔

زروان ان سنی کرتا ان کے پیچھے لپکا۔

”یہ دیکھیں بینک کے سٹیٹمنٹ، یہ آپ کے دستخط کے بلینک چیکس۔ کچھ اور ثبوت چاہیے بھائی آپ کو۔“

نوریز کی کنپٹیاں سلگ گئی جبکہ اردشیر نے بے یقینی سے پیپرز دیکھے۔ آفاق صاحب کو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتے تھے مگر آنکھوں دیکھا جھٹلایا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

”میں ابھی اسی وقت اس شخص کو پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔ جیل کی ہوا کھائیں گے تو عقل درست ہو جائے گی۔“

طیش میں نوریز نے موبائل جیب سے نکالا۔ آفاق صاحب تو پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب دیکھ رہے تھے۔ زبان تو گنگ ہو گئ تھی۔

”پولیس کو انوالو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ معاملہ کورٹ تک جائے گا۔ کمپنی کی ساکھ خراب ہو گی۔ میں نے بہت مشکل سے کمپنی کو بلندیوں تک پہنچایا ہے۔ یہ معاملہ کس طرح ہینڈل کرنا ہے مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔“

اردشیر سخت لہجے میں اسے ٹوک گیا۔

"مگر اردشیر۔۔۔۔۔۔"!

موبائل اس کے ہاتھ سے چھینتے اردشیر سرد وسپاٹ لہجے میں ہاتھ کھڑا کر کے اسے خاموش کروا گیا۔

''میں چور نہیں ہوں سر، میں نے کوئی چوری نہیں کی۔آپ کو میری بات کا یقین کرنا ہو گا۔‘‘

وہ بے بسی سے نم لہجے میں گویا ہوئے۔

''گارڈز سے کہہ کر انہیں باہر نکلواؤ نوریز۔‘‘

وہ ایک شعلہ بار نگاہ ان پر ڈال کر پر تپش لہجے میں اونچی آواز میں گویا ہوا۔

''میں چور نہیں ہوں سر۔میں ثابت کر کے رہوں گا۔پھر چاہے مجھے اس کے لیے کسی بھی حد تک جانا پڑے۔میں پولیس کو اس معاملے میں انوالو کروں گا۔عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔میڈیا تک اپنی آوز پہنچاؤں گا۔آپ کو میرا یقین کرنا پڑے گا۔‘‘

گارڈز کی گرفت میں جھٹپٹاتے آفاق حسین چیخ چیخ کر کہنے لگے۔

****

سفیر آج یونیورسٹی آیا تھا۔ گریجویٹ کے داخلے جاری تھے۔ وہ پرائیویٹ پڑھ کر اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتا تھا۔ ریگیولر پڑھنے کی سکت اس میں تھی نہیں کہ سیمسٹر کی فیس ہی اتنی تھی، اب یا تو وہ پڑھ لیتا یا گھر چلا لیتا، پھر اس کے سر پر دو بہنوں کی ذمہ داری بھی تھی۔ بے شک وہ زائشہ سے چھوٹا تھا مگر بھائی تو چھوٹے بھی بڑے ہی کہلاتے ہیں۔

اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس تھا۔ وہ کسی بھی صورت اپنی تعلیم کو حالات کی نذر نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس میں لگن تھی، آگے بڑھنے کی چاہ تھی اور جن میں یہ دونوں چیزیں پائی جائیں تو پھر کامیابی ہر طرح سے ان کا مقدر ٹھہرتی ہے۔

گیراج جمیل اور وقار کے سُپرد کر کے وہ مطمئن سا یونیورسٹی نکل آیا تھا۔

ابھی وہ ایڈمن بلاک سے فارم جمع کر کے نکلا ہی تھا کہ سامنے اسے اُسی دن والی مغرور سی لڑکی اپنی دوستوں کے سنگ نظر آئی۔

سحاب بھی اسے دیکھ چکی تھی۔ وہ اسی سمت آرہی تھی۔

سحاب کی آنکھیں سفیر کو دیکھ کر عجیب سے احساس کے تحت چمکی تھیں۔

”یہ تو وہی گیراج والا بندہ ہے سحاب“!

اس کے ساتھ چلتی حرا نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"یہ نئی اطلاع ہے بھئی، ہمیں تو پتا ہی نہیں تھا۔"

مزنی نے ناک سکوڑی۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم اس بندے کے پاس جارہی ہو۔"

رینا نے مشکوک لہجے میں کہتے سحاب کو گھورا۔

"کیونکہ میں واقعی جارہی ہوں اور اب تم سب دیکھتی جاؤ میں کرتی کیا ہوں، بہت سمارٹ سمجھتا ہے ناں یہ خود کو۔ آج اس کی ساری سمارٹنیس دھری کی دھری رہ جائے گی۔"

پراسرار سا مسکراتی وہ کسی شکاری کی طرح سفیر کو دیکھ کر اس کے پاس آکر رکی تھی۔

وہ تینوں اس کے سامنے کھڑی تھیں مجبوراً سفیر کو بھی رکنا پڑا۔

"دیکھو تو کون آیا ہے ہماری یونیورسٹی میں، ایک معمولی سے گیراج میں کام کرنے والا میکینک۔"

اپنی دوستوں کو متوجہ کرتے وہ مغرورانہ لہجے میں اس کی ذات کو نشانہ بنارہی تھی۔

"پرائیوٹ داخلہ لینے آئے ہو؟ پڑھنا چاہتے ہو؟"

آنکھیں پٹپٹاتے صحاب نے اداکاری کے تمام ریکارڈ توڑ دیے تھے۔ مزنی نے گھور کر سحاب کو دیکھا پر اس پر خاک بھی اثر نہ ہوا تھا۔ حرا کو بھی کہاں علم تھا کہ وہ سفیر کے ساتھ یہ سب کرنے کے لیے آگے بڑھی تھی۔

"ہاں بھئی! اب ڈگری ہولڈر تو بننا ہی ہے ورنہ تم جیسوں کے بس کی بات کہاں ہے پڑھائی کرنا۔ دن رات گیراج میں کام کرنے والے گاڑیوں کی کالک لگے ہاتھوں میں قلم نہیں پلاس اور پانا ہی اچھا لگتا ہے۔"

حقارت چھلکتے لہجے میں پیسوں کی چھنک بھی سفیر کو واضح سنائی دے رہی تھی۔

"دن رات گیراج میں کام کرنے والے گاڑیوں کی کالک لگے ہاتھوں میں قلم اچھا لگتا ہو یا پلاس اور پانا آپ کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ ڈگری ہولڈر کی بھی خوب کہی آپ کے انداز و اطوار بتا رہے ہیں کے پڑھائی آپ جیسیوں کے بس کی بات نہیں۔ وہ نسل ہی اور ہوتی ہے جو تعلیم سے عمل تک کا سفر طے کرتی ہے آپ محض ڈگری کی خاطر پڑھ رہی ہیں۔"

کاٹ دار لہجے میں سکون سے کہتا وہ اپنے سامنے کھڑی لڑکی کا سکون غارت کر گیا تھا۔ سحاب نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"تم دو ٹکے کے کار مکینک سمجھتے کیا ہو خود کو میں تمہارا داخلہ منسوخ کروا دوں گی۔"

جب کچھ بن نا پڑ سکا تو وہ دھمکی پر اتر آئی تھی۔

"مجھے انتظار رہے گا۔"

ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہتا وہ اس کی سائیڈ سے نکلتا چلا گیا جبکہ وہ رینا کے ساتھ کیفیٹیریا میں آ گئی تھی۔

"تم دونوں مجھے وہاں چھوڑ کر خود یہاں بیٹھی ٹھونس رہی ہو۔"

وہ غصے سے سرخ ہو رہی تھی۔

"بات سنو سحاب! مجھے کوئی شوق نہیں تھا وہ بکواس سننے کا۔"

مزنی نے سموسہ کھاتے نخوت سے کہا جس پر سحاب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"بکواس سننے کا شوق تو مجھے بھی نہیں ہے پر اب جواب تو دینا تھا ناں اسے۔"

اس نے کندھے اچکاتے وجہ بتائی۔

"بائے داوے بکواس وہ نہیں تم کر رہی تھیں۔"

ٹشو سے ہاتھ صاف کرتی مزنی نے سحاب کے حواس سلب کر دیے تھے۔

"کیا بکواس کر رہی ہو مزنی۔"

وہ ناگواری سے گویا ہوئی۔

"جو خود بکواس کرتا ہو اسے سب کی باتیں بکواس ہی لگتی ہیں، تمہیں ضرورت کیا تھی اس بندے سے الجھنے کی۔اب کچھ تو اس نے بھی کہنا تھا ناں، منہ پر ٹیپ چپکا کر بے غیرتوں کی طرح سن کر آگے نکلنے سے تو رہا وہ۔"

وہ تپ ہی گئی تھی۔ سحاب کی یہ عادت اسے سخت بری لگتی تھی کہ اس کے آگے سب خاموش رہیں اور بس وہ بولے۔ سامنے والا خاموشی سے ذلیل ہوتا رہے۔اسی میں سحاب سکون محسوس کرتی تھی مگر ہر بار تو ایسا ممکن نہیں تھا،اس بار سحاب کو اس جیسا ہی ٹکرا تھا۔

مزنی بیگ اٹھا کر جا چکی تھی۔ حرا بھی اس کے پیچھے ہی نکل گئی تھی۔

"یہ مزنی کس لہجے میں بات کر کے گئی ہے مجھ سے۔" وہ صدمے اور غصے کی ملی جلی کیفیت میں تھی۔

رینا نے تاسف سے اپنی سر پھری دوست کو دیکھا تھا۔

****

حماس کو ہوم ورک کروا کر روشنی نیچے آئی تو سحاب بگڑے موڈ میں بیگ صوفوں پر اچھالتی اس کے پاس سے گزرتی ہوئی اوپر چلی گئ۔

روشنی نے ایک متاسفانہ نظر اس کے بیگ پر ڈالی تھی جس میں کتابیں تھیں اور سحاب کتنی بے دردی سے بیگ پٹخ کر گئ تھی۔

وہ بیگ اٹھا کر پلٹی ہی تھی کہ نوریز کی گاڑی کے ہارن پر حیران ہوئیں۔اس وقت وہ آفس میں ہوتا تھا۔

''خیریت ہے! اتنی جلدی آگۓ ہو آفس سے۔''

وہ پوچھنے لگیں۔

''سر درد سے پھٹ رہا ہے،ایک کپ چاۓ پلا دیں پلیز۔''

صوفے پر دراز ہوتا وہ التجائیہ نظروں سے کہتا ماتھا مسلنے لگا۔

اسے اصل غصہ تو اردشیر پر تھا جس نے نہ ہی پولیس کو انفارم کرنے دیا تھا نہ ہی کسی قسم کی دوسری کاروائی کرنے کی اجازت دی تھی۔یہی بات اس کے غصے کو ہوا دے گئی تھی جبھی وہ سلگتا ہوا آفس سے ہی نکل آیا تھا۔

”یہ لو چائے پیو اور بتاؤ میرا پیارا سا بھائی غصے میں کیوں ہے۔“

روشنی نے اپنائیت سے کپ اسے پکڑاتے پوچھا وہ خود بھی وہیں صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

”آفس میں کچھ بلنڈرز ہو گئے ہیں اور اردشیر بجائے کوئی ایکشن لینے کے اس قدر خاموش ہے کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔“

وہ چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔چہرے پر پریشانی چھائی ہوئی تھی۔

****

وہ فٹ پاتھ پر چلتے چلتے بیچ سڑک پر چلنے لگے تھے۔انہیں خبر ہی نہیں ہو سکی تھی۔عزت جانے کا خوف،نوکری بحال نہ ہونے کا غم،بیٹیوں کی فکر،گھر کی ذمہ داریاں،اکلوتے بیٹے کے ناتواں کندھوں پر بوجھ،ایسی بہت سی سوچیں دماغ میں ایک ساتھ وارد ہوئی تھی۔ ان کا دماغ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔صلاحیتیں جیسے مفلوج ہو گئی تھیں۔

گاڑیوں کے ہارن کی آوازیں بھی ان کی سماعتوں سے محروم تھیں۔ شام کا وقت، چلتا روڈ، گاڑیوں کی بھرمار تھی۔ سڑک پر چلتی سیاہ ہائیلکس میں بیٹھے شخص کے چہرے پر پراسرار سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ تمہارا وقت پورا ہوا آفاق حسین۔ میں تمہیں اس ذلت بھری زندگی سے نجات دیتا ہوں۔ نہ تم ہوں گے نہ ہی تمہیں پولیس کے چکروں میں پڑنے اور عدالتوں کے چکر کاٹنے کی زحمت پڑے گی اور کمپنی کی ساکھ بھی برقرار رہے گی۔ محض ایک تمہارے مرنے ساری مشکلیں ختم ہو جاتی ہیں تو تمہارا مرنا ہی بہتر ہے۔" نفرت آمیز نگاہ سڑک پر چلتے آفاق حسین پر ڈال کر وہ گاڑی فل سپیڈ پر ڈال گیا۔ چلتے روڈ پر آفاق صاحب اچانک ہی تیز رفتار گاڑی کی زد میں آگ ئے تھے۔ ان کے حلق سے ایک دل خراش چیخ نکلی تھی۔ لمحوں میں سڑک پر لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہوا تھا تو اور سیاہ ہائیلکس اگلے ہی لمحے فراٹے بھرتی منظر سے غائب ہو چکی تھی۔

سُن ہوتے دماغ اور بند ہوتی آنکھوں سے آفاق صاحب نے اپنی شریک حیات کو یاد کیا تھا اپنے بچوں کو سامنے دیکھنے کی شدت سے خواہش ابھری تھی۔ انہیں زائشہ کا ہنستا مسکرتا چہرہ نظر آیا تھا۔

پھر دھیرے دھیرے ان کا دماغ تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔ کھلی آنکھوں سے بھی وہ اب سب کچھ دیکھنے سے قاصر تھے۔

وقت گزر جانے کے بعد نہ جانے کس اللہ کے بندے کے دل میں رحم آیا تھا کہ ایمبولینس کا کال کی گئی تھی اور تھوڑی دیر بعد ایمبولینس آئی تھی اور لاش کو اٹھا کر لے گئی تھی۔

****

"امی بابا ابھی تک نہیں آئے، سات بجے تک تو گھر آجاتے ہیں۔"

آج حقیقتاً پارس بھی پریشانی سے انگلیاں چٹخا رہی تھی۔

"آجائیں گے ٹریفک میں پھنس گئے ہونگے، کراچی کی ٹریفک کا تو تمہیں پتا ہی ہے۔ جگہ جگہ پل کی تعمیر کے بعد بھی حال برا ہے۔"

مزینہ نے اسے دلاسہ دیا۔ طبیعت زرا بہتر ہوئی تھی تو اس کی مٹر گشتیاں بھی شروع ہو گئی تھیں۔

”امی نو بج رہے ہیں، ابو ابھی تک نہیں آئے۔ٹریفک کا تو روز کا یہی معمول ہے۔ پھر آج کیوں اتنی دیر لگ گئی۔ میرا فون بھی نہیں اٹھا رہے۔ سفیر کو کال کریں کہ پتا کرے بابا کے آفس جا کر۔“

زائشہ کی نظریں دروازے کی دہلیز سے پلٹتی ہی نہ تھیں۔پریشانی میں بھوک تک مر گئی تھی۔دل میں عجیب وسوسے آرہے تھے۔اس نے چارپائی پر بیٹھی ساجدہ بیگم سے گھبرا کر کہا تو لمحے بھر کو ساجدہ بیگم بھی تفکرات میں گھر گئیں۔

”پاگل اپنے ساتھ ساتھ خالہ کو بھی پریشان کر دیا۔“

مزینہ نے ان کی پریشان صورت دیکھ کر زائشہ کو ٹوکا۔

”مزینہ دل بہت گھبرا رہا ہے۔بہت زیادہ گھبرا رہا ہے۔ صبح سے مجھے عجیب واہمات ستا رہے ہیں۔ بابا آتو جائیں گے ناں۔“

یک دم زائشہ نے نم ہوتی آنکھوں سے مزینہ کے دونوں ہاتھ تھام کر اس سے تائید چاہی تو اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

”ہائے اللہ ! خیر کرے کیسے سناٹے بول رہے ہیں گھر میں۔“

خالدہ بیگم جو مزینہ کو بلانے آئی تھیں اندر خطرناک حد تک چھائی خاموشی پر تحیر زدہ ہو گئیں کہ اس وقت تو مزینہ اور پارس کی ہنستی آوازوں سے پورا گھر چہک رہا ہوتا تھا۔

''اے ہے زائی شہ ! تجھے کیا ہوا ہے۔''

انہوں نے مزینہ کو پیچھے کیا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھتے محبت سے پوچھا۔

''خالہ بابا نہیں آئے ابھی تک۔''

وہ گلیو کیر لہجے میں بامشکل بولی۔

''پاگل لڑکی کسی کام میں پھنس گ ئے ہونگے آفاق بھائی۔''

انہوں اس کے پاس بیٹھے اسے خود سے لگایا۔

''امی مجھے خوف آرہا ہے اس آواز سے۔''

پارس ماں کے پہلو میں ٹک گئ۔ قریب کہیں سے ایمبولینس کی آتی آواز پر پارس کا دل بند ہونے لگا تھا۔

''ساری فضول سوچیں دماغ سے نہ جھٹکیں نہ تو دو تھپڑ لگاؤں گی۔''

مزینہ نے دل پر ہاتھ رکھتے پارس کے خوف تک رسائی حاصل کر لی تھی۔

"امی سفیر بھائی"!

پارس نے دروازے میں کھڑے سفیر کو دیکھتے کہا جس کی حالت عجیب اجڑی اور لٹی پٹی سی تھی۔ایمبولینس کی آواز بند ہو گئ تھی۔گلی میں عجیب شور سا مچ اٹھا تھا۔

"سفیر بابا کہاں ہیں۔تم بابا کو لے کر نہیں آئے۔"

زائشہ بھاگ کر سفیر کے پاس گئ تھی۔اس کا بازو پکڑتے اس کی نظر اچانک باہر گئ تھی جہاں ایمبولینس سے ایک سٹریچر گھر میں لایا جا رہا تھا۔

سفیر نے ضبط کے عالم میں زائشہ کو بازو کے گھیرے میں لے کر دروازہ چھوڑا تھا۔

"بابا نہیں رہے آپا،وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گ ئے۔"

وہ ضبط کی طنابیں تھامیں سرخ پڑ رہا تھا۔

"بکواس بند کرو سفیر،خبردار جو دوبارہ ایسا مذاق کیا تو۔"

زائشہ کا ہاتھ اٹھا تھا اور پوری قوت سے سفیر کے رخسار کو سرخ کر گیا تھا۔وہ چیختی ہوئی اس کا حصار توڑ کر نکلی تھی۔

پارس اور مزینہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے صحن میں رکھے لاشے کو دیکھ رہی تھیں۔

مزینہ نے آگے بڑھ کر جیسے ہی چہرے سے کپڑا سرکایا تو زائشہ کی چیخوں سے پورا گھر دہل گیا۔ لمحوں میں ہنستے بستے گھر میں کہرام مچ گیا تھا۔

پارس کی آہوں نے سب کا سینہ چیر دیا تھا۔ مزینہ منہ پر ہاتھ رکھے سسک رہی تھی۔ ساتھ ہی پارس کو بھی سنبھال رہی تھی۔

خالدہ بیگم بیوگی کا غم جھیل چکی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ یہ زخم کس قدر تکلیف دہ تھا انہوں نے ساجدہ بیگم کو سنبھال رکھا تھا جو رو رو کر خود کو ہلکان کر رہی تھیں۔

زائشہ کی تو اس چیخ کے بعد آواز ہی صدمے سے حلق میں کہیں دب گئی تھی۔

سفیر کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ ہوئی جا رہی تھیں۔ اس کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا تھا مگر اب وہی اپنے گھر کا سربراہ تھا۔ زائشہ اور پارس کا باپ اور بھائی اب سے وہی تھا۔ ضبط کرنا لازم تھا کہ وہ ٹوٹتا تو پورا گھر بکھر جاتا۔

آفاق صاحب کے انتقال کو آج چوتھا روز تھا۔ ان کی تدفین کا مرحلہ اس قدر مشکل تھا کہ سفیر کے لیے ضبط کرنا محال ہو گیا تھا لیکن تھا تو وہ بھی گوشت پوست کا انسان۔ آنکھ سے ضبط کے باوجود آنسو بہہ نکلا تھا۔

پارس نے تو رو رو کر حالت خراب کر لی تھی۔ ساجدہ بیگم نے اسے اپنے آنچل میں چھپا لیا تھا کہ دونوں کا غم سانجھا تھا۔ میت والا گھر تھا، رشتہ دار آتے اور افسوس کر کے چلے جاتے تھے۔

زائشہ تو بابا کے جانے کا صدمہ برداشت نہیں کر سکی تھی۔ گھر سے میت اٹھتے ہی وہ حوش و حواس سے ایسی بیگانہ ہوئی تھی کہ پھر تین دن تک اسے ہوش نہ آیا تھا۔ باپ کے جانے کا دکھ کم تھا جو زائشہ نے کلیجہ ہی چیر دیا تھا۔ وہ گھر کی بڑی ضرور تھی مگر اتنی ہی حساس طبیعت کی مالک تھی اور آفاق صاحب سے بہت زیادہ اٹیچڈ بھی تھی۔

وہ آج صبح ہی ہاسپٹل سے گھر آئی تھی۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہونے کی وجہ سے وہ ہاسپٹل میں داخل رہی تھی۔ ان تین دنوں میں سفیر سائے کی طرح اس کے ساتھ رہا تھا۔ زائشہ کو تو ایسی چپ لگی تھی کہ مزینہ کے لاکھ بلانے پر بھی اس کا قفل نہ ٹوٹا تھا۔

”زائشہ کچھ کھالو۔ اس دوزخ کو بھرنا تو ہے ناں، مرنے والے کے ساتھ مرا نہیں جاتا میری جان۔“

مزینہ کھانے کی پلیٹ لیے پلنگ پر نیم دراز زائشہ کے پاس بیٹھی ملتجی ہوئی تھی جو صرف پانی پر گزارا کر رہی تھی۔

”اب دل نہیں کرتا کچھ بھی کھانے کو، مجھے تو یہ گھر بابا کے بغیر کاٹتا ہے۔ سات بجتے ہی نظر بے اختیار دروازے پر اٹھتی ہے کہ بابا آئیں گے مگر وہ تو اب کبھی نہیں آئیں گے اپنی زائشہ کے پاس۔“

نم لہجے میں اداسی کی رمق چھلک رہی تھی۔ مزینہ کا دل کٹ گیا۔

”زندہ رہنے کے لیے تو کھانا پڑے گا۔ جان بوجھ کر بھوکے رہ کر اپنی جان کو نقصان پہنچانا اللہ تعالی کے نزدیک ایک ناپسندیدہ عمل ہے، یہ لے کھانا کھا۔“

مزینہ نے اپنے آنسو پونچھے تھے اور نوالہ بنا کر اس کے منہ تک لے گئ تھی۔ اس نے بے بسی سے آنسو پلکوں سے باہر نکالتے آنکھیں میچی تھیں۔

سفیر جو زائشہ کی دوائیاں دینے آیا تھا۔ مزینہ کو اشارے سے اس کے پاس سے اٹھنے کا کہا تو وہ اٹھ کر ایک طرف ہو گئ۔

سفیر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"آپا آپ کمزور نہیں پڑ سکتیں، آپ تو ہماری طاقت ہیں۔ آپ ہی بکھر جائیں گی تو پارس اور امی کو کون سنبھالے گا، ویسے بھی آپ ہی تو کہتی ہیں ناں کہ اللہ تعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے تو بس صبر کیجیے، وہ بہتر لے کر بہترین سے نوازنے والا ہے۔"

سفیر نے نرمی سے زائشہ کے آنسو صاف کیے تھے اور سمجھداری کا مظاہرہ کرتے اسے حوصلے کی تلقین کی تھی۔

زائشہ کو آج سفیر میں بابا کی جھلک نظر آئی تھی۔

****

اردشیر کانفرنس سے فری ہو کر کیبن کی طرف جا رہا تھا۔ نوریز بھی اس کے ہمقدم تھا۔ دو دن پہلے وہ زروان کو بلنڈر کے جرم میں پولیس کے حوالے کر چکا تھا۔ شک تو اسے پہلے دن سے ہی تھا مگر وہ بغیر ثبوت کے کوئی بھی قدم اٹھا کر اسے فرار ہونے کی راہ نہیں دکھلا سکتا تھا جبھی اسی دن سے چھان بین کروانا شروع کر دی تھی اور تیسرے روز ہی اسے شواہد مل گئے تھے جن کی بنا پر وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھا مگر اردشیر اس بات سے قطعی انجان تھا کہ محض ذرا سی غلط فہمی کے باعث کسی پر قیامت آ کر گزر بھی چکی ہے۔

”زروان والا چیپٹر تو کلوز ہوا۔“

نوریز نے سکون سے کہا۔

”ہاں مگر آفاق صاحب والا معاملہ ابھی تک جوں کا توں ہے، وہ چار دن سے آفس نہیں آئے ہیں اور میں تو اس کیس میں ایسا الجھا کہ فرصت ہی نہیں ملی۔ ان کی کوئی خیر خبر ہی نہیں“

آفاق صاحب کے ذکر پر نوریز کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگیں۔ اس کے ہاتھ کی انگلیوں میں کپکپاہٹ طاری ہو گئی۔ چہرے پر چھائی گھبراہٹ کو چھپانے کی خاطر وہ بولا۔

"میرے خیال سے وہ نوکری چھوڑ چکے ہیں۔“

وہ بدقت تمام تاثرات چھپائے ہوئے تھا۔

”اتنا سب کچھ ہونے کے بعد کون بے غیرت واپس آئے گا نوریز! غریب کی عزت بھی امیر کی عزت جیسی ہی معزز ہوتی ہے۔“

ناگواری سے کہتے اس نے نظریں فائل پر مرکوز کرلیں۔وہ آفاق صاحب کے ساتھ نوریز کا اس دن والا سلوک بھولا نہیں تھا۔

"مے آئی کم ان سر"!

رحیم نے کیبن میں آنے کی اجازت طلب کی جس پر اردشیر نے سر کے اشارے سے اسے اندر آنے کی اجازت دی۔

"آپ کل کہاں تھے مسٹر رحیم! میں نے آپ کو مسٹر شروانی کے ساتھ میٹنگ ارینج کرنے کو کہا تھا۔مجھے اس قسم کا غیر ذمہ دارانہ رویہ قطعی نہیں پسند۔"

وہ فائل بند کر کے ٹیبل پر پٹختا سخت لہجے میں بولا تھا۔

"سوری سر مجھے انفارم کرنا یاد نہیں رہا، دراصل میں کل آفاق صاحب سے ملنے گیا تھا۔ان کے ساتھ اچھی سلام دعا تھی میری۔مجھے تو یہ نوکری بھی ان کے توسط سے ملی تھی۔"

رحیم نے اپنی اور آفاق صاحب کے تعلق پر مختصر سی روشنی ڈالی مگر اردشیر کو اس بات میں زرا بھی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی۔

"مگر اچھے لوگ کہاں اس دنیا میں زیادہ وقت رہتے ہیں۔"

اب کے بار اردشیر بری طرح چونکا تھا۔ نوریز نے بے یقینی سے رحیم کو دیکھا جو اردشیر کو آفاق صاحب کی موت کا بتا رہا تھا۔ نوریز کا پورا بدن کپکپانے لگا۔

''کیا مطلب رحیم؟ میں کچھ سمجھا نہیں؟''

اردشیر نے نہ سمجھی سے اسے دیکھا۔

''سر آفاق صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ آخری دیدار بھی نصیب نہیں ہوا ان کا۔''

وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا مگر اردشیر ششدر رہ گیا تھا کتنے ہی لمحے ساکت رہا پھر اس نے افسوس سے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ جیسے خود کو یقین دلانا چاہ رہا ہو۔

''رحیم آپ مجھے ان کے گھر لے چلیں ابھی اسی وقت۔''

اردشیر ہوش میں آتا سیٹ سے اٹھا تھا۔

''نوریز تم بھی میرے ساتھ چلو۔''

اردشیر کے حکم پر اس کا سانس رک گیا۔

''میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔ میں پھر کبھی ہو آؤں گا۔ آپ چلے جائیں۔''

وہ نظریں چراتا ہوا بولا تو اردشیر لب بھینچ گیا۔

''مشورہ نہیں مانگا تم سے۔ چلو میرے ساتھ۔''

سرد لہجے میں سختی سے ٹوکتے وہ رحیم کو اپنے آگے چلنے کا اشارہ کرتا باہر نکلا تو مجبوراً انوریز کو بھی جانا پڑا۔

چھوٹی چھوٹی سی تنگ گلیاں، کچی پکی سڑکیں، گلی کوچوں میں گندے حلیے میں کھیلتے بچے اس علاقے کی پسماندگی کا منہ بولتا ثبوت تھے۔

ان کی گاڑی قدرے کھلی سی گلی میں ایک براؤن رنگ کے دروازے کے سامنے رکی تھی۔

چمچماتی بڑی سی گاڑی کو دیکھ کر بچوں اور گلی میں بیٹھے بزرگ مرد حضرات کی حیرت بجا تھی۔ اردشیر سب کی نظروں کو نظرانداز کرتا گلاسز اتارتا گاڑی سے نکل کر دروازے کی سمت آیا تھا۔

''یہی والا گھر ہے سر۔''

دروازہ بجا کر رحیم نے نشاندہی کی تھی۔

کچھ لمحوں بعد دروازہ کھل گیا تھا۔

مزینہ اپنے سامنے سوٹڈ بوٹڈ دو خوبرو جوان لڑکوں کو دیکھ کر متحیر ہوئی تھی۔ دیکھنے سے ہی اعلی طبقے کے چشم و چراغ معلوم ہوتے تھے۔

وہ ساتھ کھڑے رحیم کو پہچان گئی تھی۔ یہ بندہ کل بھی گھر ہو کر گیا تھا۔ سفیر سے اسے معلوم ہوا تھا کہ اس کے بابا کے آفس کا کولیگ تھا۔

"کیا ہم اندر آ سکتے ہیں؟"

اردشیر نے کوٹ کے بٹن درست کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ مزینہ کے تاثرات خاصے نافہم تھے۔ وہ یک ٹک انہیں دیکھے جا رہی تھی پھر خجل سی ہو کر سر اثبات میں ہلاتی ایک طرف ہو کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔

بڑے سے صحن میں بائیں طرف دیواروں کے ساتھ پودے رکھے تھے صحن میں رسیاں بندھی ہوئی تھی جو غالبا کپڑے سکھانے کے لیے لگائی گئی تھیں جبکہ دائیں طرف کچن کے ساتھ ہی بیسن نصب تھا جس کے اوپری حصے کی دیوار پر شیشہ لگا ہوا تھا۔

عین سامنے تین کمرے تھے جن میں سے ایک کا دروازہ نیم وا تھا جبکہ دوسرے کمرے کے دروازے پر سفید جالی دار پردہ لگا ہوا تھا۔ تیسرے کمرے کے دروازے سے ایک خوش شکل لڑکا نمودار ہوا تھا جو ان کی طرف ہی آ رہا تھا۔

جتنی دیر وہ کھڑے ہو کر گھر کا جائزہ لیتے رہے تھے مزینہ سفیر کو مہمانوں کے آنے کی اطلاع دے چکی تھی۔

"السلام علیکم"!

رحیم کو وہ دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔ مشترکہ سلامتی بھیجتے سفیر انہیں کمرے میں لے آیا تھا۔

"واعلیکم السلام"!

اردشیر نے جواب دینے میں پہل کی تھی۔

"میں اردشیر ہوں اور یہ میرا چھوٹا بھائی نوریز ہے۔ آفاق صاحب میرے آفس میں کام کرتے تھے۔"

اردشیر نے پہچان کا مرحلہ طے کیا تو سفیر کو انجانی سی خوشی محسوس ہوئی۔

"اوہ! اچھا۔ بابا نے کبھی ذکر نہیں کیا۔ ان کی عادت تھی وہ پروفیشنل اور پرسنلز کو الگ الگ رکھتے تھے۔"

سفیر نے آسودگی سے کہا۔

"دراصل مجھے رحیم کی زبانی آج آفاق صاحب کے انتقال کا پتا چلا۔ مجھے بے حد افسوس ہے۔ وہ ایک قابل انسان اور بااخلاق شخص تھے۔ ان کی وفاداری اور مخلصی پر مجھے ہمیشہ فخر رہے گا۔ انہوں نے اپنی زندگی کے کئی سال ہماری کمپنی کو دیے ہیں۔ ان کی خدمات کو کسی صورت فراموش نہیں کیا جا سکتا۔"

بھاری لہجے میں کہتے اردشیر نے آفاق صاحب کے متعلق جو الفاظ کہے تھے۔ وہ سفیر کو دکھ کے ساتھ خوشی بھی دے گئے تھے۔

"میرے والد ایک آئیڈیل شخص تھے۔"

سفیر نے مضبوط لہجے میں فخر سے کہا تو نوریز نے نظریں چرا لیں۔

"اتنی اچانک یہ سب کیسے ہو گیا۔ کل تک تو وہ بالکل ٹھیک تھے۔"

اردشیر نے پوچھا۔

”یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔ میں گیراج میں تھا جب مجھے ہاسپیٹل سے فون آیا تھا اور جب میں ہاسپیٹل پہنچا تو بابا کو آخری سانسیں لیتے بستر مرگ پر پایا۔ میرے جانے کے تین منٹ بعد ہی وہ دم توڑ گ ئے تھے اور ان تین منٹوں میں نیم بے ہوشی کی حالت میں وہ صرف ایک ہی بات کہتے رہے تھے کہ میں چور نہیں ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آیا اب تک کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہے تھے۔“

سفیر سر جھکائے ضبط سے بتا رہا تھا تو دوسری طرف اردشیر کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ وہ چاہ کر بھی سفیر کو کچھ بتا نہ سکا۔

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وہ لوگ گھر چلے گ ئے تھے۔

زندگی یوں ہی چل رہی تھی۔ دن گزرتے جا رہے تھے گو کہ سب کچھ معمول پر نہیں آیا تھا مگر اُن لوگوں نے حالات سے سمجھوتہ کرنا سیکھ لیا تھا جس سے دل کو کچھ سکون ملا تھا۔

خالدہ بیگم ستارہ جہاں کے ہاں افسوس کرنے گئی تھیں۔ان کی بھابھی کافی عرصے سے کینسر کے عارضے میں مبتلا رہنے کے بعد انتقال کر گئی تھیں۔وہ نہیں جاتیں تو ستارہ جہاں نے وہ باتیں بنانی تھیں کہ الامان الحفیظ۔

وہ کچن میں بریانی کو دم لگا رہی تھی۔جب ہی بلال بن بلائی آفت کی طرح نازل ہوا۔اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''میرے لیے بریانی بنائی جا رہی ہے گر پتا ہوتا پہلے ہی آ جاتا۔''

وہ شوخی سے بولا۔

''خوش فہمی پالنے سے اچھا ہے بندہ ایک کتا پال لے۔''

نخوت سے کہتے اس نے سر جھٹکا۔بلال کی رگ رگ میں چنگاریاں دوڑ گئیں۔وہ غصے کی شدت سے کھول اٹھا۔ایک جھٹکے سے اٹھ کر مزینہ تک پہنچا تھا۔

''مجھے کتا بولنے والی تو خود کہاں کی کیلو پطرہ ہے۔اوپر کی ہواؤں میں اڑنا بند کر دے۔تیرے جیسی کے لیے مجھ جیسا گلی کا کتا ہی ٹھیک ہے اور ایک اور بات! میری دُم

پر پاؤں نہ ہی رکھا کر۔ میں ایک کتا بلکہ پاگل کتا ہوں۔ تجھے کاٹ لیا تو خوامخواہ چودہ انجیکشن لگوانے پڑ جائیں گے۔''

اس کی گردن دبوچتا وہ قہر زدہ نظروں سے اسے نواز کر آگ برساتے لہجے میں بولتا لمحہ بہ لمحہ گردن پر دباؤ بڑھاتا جا رہا تھا۔ مزینہ اس کی گرفت میں بن پانی کی مچھلی کی طرح جھٹپٹانے لگی۔ یونہی کچن کی سلیب پر ہاتھ مارتے اس کا ہاتھ کفگیر سے ٹکرایا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور رکھ کر بلال کے سر میں دے مارا۔

وہ بلبلا کر پیچھے ہٹا۔

''تو اگر پاگل کتا ہے تو میں بھی زہریلی ہوں۔ کیا سمجھتا ہے خود کو ہاں۔ طاقت کے زور پر مجھ سے شادی کر لے گا۔ دیوانے کا خواب ہے۔ تیری نظروں کے سامنے میری ڈولی اٹھے گی۔ تو دیکھنا۔ تیری ضد ہی اب میرا چیلنج ہے۔''

وہ نفرت انگیز لہجے میں پھنکاری تھی۔

وہ اسے گالیوں سے نوازتا ہر چیز ٹھوکر کی نذر کرتا آندھی طوفان کی طرح باہر نکلا تھا۔ مزینہ نے سر جھٹکا۔ خس کم جہاں پاک۔ اس کی جوتی کو بھی پرواہ نہیں تھی۔

یہ آفاق صاحب کے چالیسویں کے دوسرے دن کا ذکر تھا۔زائشہ ابھی سکول سے آکر بیٹھی تھی۔

''ایک تو کراچی کی غیر اعلانیہ لوڈشیڈنگ نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔''

زائشہ بیسن سے منہ دھو کر آئی ہی تھی کہ مزینہ گرما گرم بریانی کی پلیٹ سمیت گھر میں داخل ہوئی۔

''اور ٹیچر صاحبہ! کیسی چل رہی ہے تمہارے بچوں کی پڑھائی؟سوچ رہی ہوں میں بھی ٹیچر لگ جاؤں سکول میں، موئی صبح کی لوڈشیڈنگ سے تو جان چھوٹے گی۔تمہارے سکول میں تو جنریٹر ہے ناں۔آہ! ہوا کے نیچے سکون سے بیٹھ کر بچوں کی دھلائی کرتے کتنا سکون ملے گا زرا سوچو۔''

بریانی کی پلیٹ دستر خوان پر رکھتے وہ فریج سے پانی کی بوتل نکالتے الٹی سیدھی ہانکتی تصور کی دنیا کی سیر کو تھی۔

پارس نے سلائی چھوڑ کر ہاتھ دھوئے اور چھینٹے مزینہ کے اوپر پھینکے۔وہ جیسے ہوش کی دنیا میں واپس لوٹی تھی۔

"بی بی تم سے گھر نہیں سنبھالا جاتا سکول کے طلبہ کو کیا خاک سنبھالو گی، ہنہہ! آئیں بڑی ٹیچر کہیں کی۔"

پارس نے اس کی طبیعت صاف کی۔

"جمعہ جمعہ چار دن ہوئے ہیں گھر کے کام کرتے تمہیں چوہیا کہیں کی اور مجھے طعنے دینے لگی ہو، خبردار جو بریانی کو ہاتھ لگایا تو یہ میری زائشہ کی ہے۔"

مزینہ نے پارس کو آنکھیں دکھائیں اور بریانی کی پلیٹ اٹھا کر زائشہ کے سامنے رکھ دی۔

"تمہیں پتا ہے میں اتنی گرمی میں کچھ لائٹ سا کھاتی ہو۔"

اس نے دھیمے لہجے میں کہتے پلیٹ سرکائی تو پارس نے جلدی سے اچک کر مزینہ کو چڑایا۔ وہ دانت پیس کر رہ گئ۔

ابھی انہوں نے کھانا ختم بھی نہیں کیا تھا جب سعیدہ بیگم چشمہ درست کرتیں دروازہ کھٹکا کر اندر آئیں۔

زائشہ متفکر سی ہو کر اٹھی تھی۔

"ارے واہ! باپ کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور ادھر بریانی کی دعوتیں اڑائی جا رہی ہیں۔"

وہ ان کی مکان مالکن تھیں۔ دو گلی چھوڑ کر ہی ان کی پانچ منزلہ عمارت تھی جس میں سب سے نیچے والے پورشن میں وہ رہتی تھیں اور باقی کرائے پر دے رکھے تھے۔

وہ اس وقت کرائے کی طلب کی غرض سے آئی تھیں، فطرتاً سعیدہ بیگم خرانٹ اور بد اخلاق قسم کی عورت تھیں۔

مزینہ نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ زائشہ نے اسے آنکھیں دکھائیں اور سعیدہ بیگم کو بیٹھنے کا کہا۔

''ایسی بات نہیں ہے آنٹی! بابا کے جانے کے بعد تو کھانا بھی اچھا نہیں لگتا مگر حقیقتاً جانے والے کے ساتھ جایا نہیں جاتا۔ بس جو دل بیتے وہ دل جانے۔ یہ بریانی ہم نے نہیں بنائی تھی۔ یہ تو دراصل مزینہ لے کر آئی ہے۔''

زائشہ کے جواب پر وہ ناک بھوں چڑھانے لگیں۔

''بھئی جو بھی لایا ہو جس نے بھی بنائی ہو مجھے اس سے کوئی لینا دینا نہیں، مجھے تو اپنے مکان کے کرائے سے غرض ہے۔ اسی کے لیے یہاں آئی تھی۔ پچھلے مہینے کا کرایا بھی نہیں دیا تھا اور اب یہ مہینہ بھی سر پر آ گیا ہے بی بی! کرایہ کب دو گی۔ میں تو انسانیت کی خاطر چپ رہ گی کہ چلو میت والا گھر ہے۔ باپ سر پر نہیں رہا۔ اب منہ اٹھا کر مانگتا بندہ تھوڑا ہی اچھا

لگتا۔ سوچا تھا کچھ دن ٹھہر کر لے لوں گی۔ خود سے تو تم لوگوں کو خیال نہیں رہتا مجبوراً خود چل کر آنا پڑا۔"

وہ بھنّا کر کہتی زائشہ کو گھورنے لگیں۔

"تھوڑے دن اور رک جائیں میں خود دونوں مہینوں کا کرایہ آپ کو دے جاؤں گی۔"

زائشہ نے کمزور سے لہجے میں کہا۔

"وہی تو پوچھ رہی ہوں بھئی کب دو گی۔ آج تاریخ بتا دو مجھے تم۔ مفت میں تو رہنے نہیں دے سکتی میں، تیسرے مہینے کا کرایہ چڑھا تو بوریا بستر سمیٹ لینا اپنا۔ یہ گھر جو کرائے پر دے رکھے ہیں اپنی ضرورت کی خاطر دے رکھے ہیں کوئی فلاحی ادارہ تھوڑا ہی ہے۔ میرے آگے بھی بچے ہیں۔ سب دیکھنا پڑتا ہے۔"

سعیدہ بیگم باتیں سنا کر کھڑی ہوئیں۔

"سعیدہ آنٹی آپ کے شوہر کیا کام کرتے ہیں؟"

مزینہ نے پوچھا۔

”بھ ئی وہ کیوں کام کرنے لگے۔ان کی اپنی دکان ہے کپڑے کی، ملازم رکھے ہوئے ہیں۔وہ بیچتے ہیں کپڑا۔وہ توبس دکان پر بیٹھ کر نگرانی کرتے ہیں۔“

وہ فخریہ لہجے میں گردن اکڑا کر جواب دے رہی تھیں۔

”اچھاکمالیتے ہونگے پھر تو؟“

اس نے تائی ید چاہی۔

”ہاں بھ ئی اچھاخاصا کماتے ہیں جبھی تو میرے بچے شہر کے اعلٰی اسکول میں پڑھتے ہیں۔“

وہ ہاتھ جھلا کر رشک آمیز لہجے میں بولیں۔

پارس نے کھانا چھوڑ کر دستر خوان سمیٹ دیا تھا۔اب بھوک کس کافر کو لگنی تھی۔

”کتنے مکان کرائے پر ہیں آپ کے؟“

مزینہ نے سینے پر بازو لپیٹ کر سکون سے پھر پوچھا۔

”دس مکان اور چار دکانیں کرائے پر دے رکھی ہیں۔“

وہ پھر فخر سے بتانے لگیں۔

''اچھا کماتے ہیں آپ کے شوہر، دس مکان اور چار دکانیں کرائے پر ہیں۔ایک مکان کا کرایہ کم سے کم بھی بیس ہزار ہو گا۔ایسی بھی کون سی بھوک پڑ رہی تھی جو اتنا بھی لحاظ نہیں کیا کہ سر سے باپ کا سایہ اٹھے ابھی مہینہ ہی ہوا ہے۔

گھر میں کمانے والا گھر کا جو کفیل تھا جو گھر چلاتا تھا وہ نہیں رہا تو کیسے اخراجات پورے ہو رہے ہوں گے۔خالہ یہاں بھوک کے لالے پڑ رہے ہیں تمہیں کرائے کی پڑی ہے۔بندے میں کوئی ی شرم لحاظ ہوتا ہے۔محلہ داری ہی سمجھ لیتیں خالہ۔تمہیں تو اللہ کرے کوئی ی تنگی نہیں ہے۔عیش میں ہو اللہ کے فضل سے۔آزمائش تو ادھر چل رہی ہے۔اگر چند مہینوں کا کرایہ معاف کر دو گی تو بچے بھوکے نہیں مریں گے تمہارے۔تم معاف نہ کرو چلو کچھ وقت کی مہلت ہی دے دو کہ معاف کرنے کا ظرف کہاں سے لاؤ گی۔یہ اسے دیکھ رہی ہو؟''

مزینہ نے آنسو بہاتی زائشہ کا بازو پکڑ کر آگے کیا۔جب سے باپ مرا ہے، پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا۔راتوں کو سو کر نہیں دیکھا کہ جس کا کفیل مر جائے اس کی راتوں کی نیند یونہی اڑ جاتی ہے۔

اور اسے دیکھ رہی ہو؟“

اب اس نے زائشہ کو چھوڑ کر کونے میں کھڑی پارس کو بازو سے پکڑ کر ان کے سامنے کیا۔

”اسے بھوک برداشت نہیں ہے۔ گوشت کے بغیر حلق سے نوالہ نہیں اتارتی تھی یہ۔ اب باپ مر گیا ناں۔ کون اٹھائے ناز نخرے۔ باپ کے مرنے کے بعد نخرے اور بھوک دونوں ہی مر گئی یں۔ خدا سے ڈرو سیدہ خالہ۔ برا وقت پوچھ کر نہیں آتا۔“

مزینہ نے تلخ لہجے میں سعیدہ بیگم کی ٹکا کر ستھری کی تھی۔ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی تھیں مگر شرمندہ پھر بھی نہیں ہوئی تھیں۔ جاتے جاتے بھی وہ کرایہ کے لیے وارننگ دے گئی تھیں۔

وہ عشاء پڑھ کر صحن میں بیٹھی سوچوں کے گرداب میں الجھی ہوئی تھی۔

”یہ کچھ پیسے ہیں، تقریباً پندرہ ہزار روپے، اپنے پاس جمع کر لیں، کچھ پیسے دو تین دن بعد آپ کو دوں گا تو کرائے کے پیسے پورے ہو جائیں گے۔“

پیسے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

”یہ کہاں سے آئے؟“

زائشہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھے گئ۔

''یقین رکھیں مجھ پر۔ میری حلال کی کمائی ہے یہ۔'' وہ ناراضگی سے گویا ہوا۔

''تمہارا ایڈمیشن ہو گیا۔؟''

کچھ یاد آنے پر اس نے پوچھا کہ اس کے علم میں جہاں تک تھا سفیر نے پیسے اپنی پڑھائی کے لیے جمع کر رکھے تھے تاکہ آگے داخلہ لے سکے۔

''پڑھائی میں کیا رکھا ہے آپا! لوگ اچھی نوکری کے حصول کے لیے پڑھتے ہیں ناں تو نوکری کر تو رہا ہوں۔''

سر کو خم کرتا وہ آسودہ سی مسکان لیے بولا تو زائشہ کے دل کو کچھ ہوا۔

''سفیر آگے پڑھنا تو تمہارا خواب تھا ناں؟''

''تھا آپا! مگر اب نہیں ہے۔''

وہ آزردگی سے بولا۔

''تمہیں افسر بنے دیکھنا بابا کا خواب تھا سفیر۔''

زائشہ اداسی سے گویا ہوئی۔

”غریب کے خواب تکمیل نہیں پاتے۔اس کی صرف ضرورتیں تکمیل کو پہنچتی ہیں۔“

اس کی باتوں کا مفہوم سمجھتے زائشہ کا دل رونے کو چاہا تھا۔

”تم پیسے رکھو اور صبح ہی جاکر داخلہ لو آگے۔میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔رہی بات ضرورتوں کے پورا ہونے کی تو وہ بھی پوری ہو جائیں گی۔“

سختی سے کہہ کر آخر میں پیار سے اس کا اسکا شانہ تھپکتے تسلی آمیز لفظوں سے وہ سفیر کا حوصلہ بڑھا گئی تھی۔

****

گیراج میں دو گاڑیاں آگے پیچھے ہی ٹھیک ہونے آئی تھیں۔ایک کا اے سی خراب تھا جس میں نیا اے سی فٹ کرنا تھا جبکہ دوسری کار کے ٹائر چینج کرنے تھے۔

آج اسے یونیورسٹی جانا تھا۔پہلے جب وہ یونیورسٹی گیا تھا تو پرائیویٹ والوں کی ایڈمیشن ڈیٹ اناؤنس نہیں ہوئی تھی۔کام اس نے جمیل اور دوسرے کاریگر کے ذمے لگا دیا تھا اور خود گیارہ بجے تک یونیورسٹی کے لیے نکل گیا تھا۔

اپنی موٹر بائیک پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ ایڈ من بلاک گیا تھا۔ صد شکر تھا کہ مردوں کی قطار زیادہ لمبی نہیں تھی۔ بیس منٹ بعد اس کی باری آئی تھی۔ فارم جمع کروا کر شیلٹر سے باہر نکلا تو تیز دھوپ کے باعث لمحوں میں پسینے میں نہا گیا۔

سفید شرٹ جس کے بازو اس نے کہنیوں تک موڑ رکھے تھے۔ پسینے سے بھیگ چکی تھی۔ پیشانی پر بکھرے بھورے بال پسینے سے ماتھے پر چپکے ہوئے تھے۔ جینس پر شوز پہنے وہ اس حلیے میں بھی کتنی ہی لڑکیوں کا ایمان ڈانواں ڈول کر گیا تھا۔

کلائی میں پہنی گھڑی پر نگاہ کرتے وہ کینٹین کی جانب بڑھا تھا۔ گرمی کی شدت سے پیاس نے زور پکڑا تھا۔ گلے میں کانٹے سے چبھنے لگے تھے۔

کینٹین سے منرل واٹر کی بوتل لے کر ابھی وہ مڑا ہی تھا کہ سحاب سے بری طرح ٹکرا گیا۔ نتیجتاً سحاب کے ہاتھ میں پکڑی فائل زمین بوس ہوئی تھی اور سارے صفحات فائل سے نکل کر وہیں فرش پر بکھر گئے تھے۔

”واٹ دا ہیل از دس۔“

وہ حلق کے بل چیخی تھی۔ایک تو ٹکراؤ اتنا شدید ہوا تھا اوپر سے ہوا بھی ناپسندیدہ شخص

سے تھا۔

"آئی ایم سوری خاتون! غلطی آپ کی تھی میں تو اچانک مڑا تھا مگر آپ تو سامنے دیکھ کر

چل سکتی تھیں۔"

معذرت کرنے کے ساتھ ہی وہ طنز بھی کر گیا تھا۔

اس کے لفظ خاتون کہنے پر کینٹین میں سب کی دبی دبی سی ہنسی سنائی دی تھی۔

سحاب نے ایک غصیلی نظر پوری کینٹین پر دوڑائی تو ہنسی کی آوازیں آنا ایک دم بند

ہو گئیں۔

"غلطی میری نہیں تمہاری تھی یو بلڈی چیپ انسان۔"

وہ چیخ کر بولی تھی۔پوری کینٹین کے لوگ اس پر ہنسے تھے وہ اندر تک سلگ گئی تھی۔

"لڑکیوں کو اپنی زبان پر کنٹرول کرنا سیکھنا چاہیے ورنہ یہ زبان کسی مشکل میں بھی ڈال سکتی

ہے۔"

ٹھہرے ہوئے لہجے میں قدرے سنجیدگی سے کہتا وہ مزنی کو بالکل درست لگا تھا۔

وہ پہلے کب غلط کہتا تھا بس سحاب کی ہی کھوپڑی گھومی ہوئی تھی جو بنا کسی بات کے سلجھے ہوئے شخص سے الجھ بیٹھتی تھی۔

''تم مجھے بتاؤ گے اب کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔''

وہ تمسخر اڑاتی بولی تھی۔

''میری زبان میری مرضی میں جیسا چاہے جس کو چاہے بولوں، تم ہوتے کون ہو مجھ پر روک ٹوک کرنے والے؟ پتا نہیں کہاں سے میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟ ہر تھوڑے دن بعد اپنی منحوس شکل دکھانے پہنچ جاتے ہو۔ میں جب جب تمہاری یہ منحوس شکل دیکھتی ہوں ناں میرے اگلے کئی دن خراب گزرتے ہیں۔ یہ یونیورسٹی تم جیسے غریب اور دو کوڑی کے معمولی سے کار میکینک والوں کے لیے ہر گز نہیں ہے۔ آئندہ مجھے یہاں نظر مت آنا۔''

وہ شعلے کی طرح بھڑکی تھی۔ غصے سے ناک پھول گئی تھی۔ سفید رنگ میں شدت کے باعث سرخیاں گھل گئی تھی۔ انگلی اٹھا اسے وارن کرتی وہ کتنے ہی لوگوں کے سامنے اس کی عزت کی دھجیاں بکھیر گئی تھی۔

سفیر کے چہرے کے تاثرات خطرناک حد تک سنجیدہ ہوئے تھے

مزنی اور رینا تو خوف زدہ ہو گئی تھیں۔

اس کی دماغ کی نسیں ابھر آئی تھیں جو اس کے غصے کی شدت کا پتا دے رہی تھیں۔

اس نے مٹھیاں بھینچتے بامشکل خود کو اس لڑکی کی عقل ٹھکانے لگانے سے باز رکھا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے ادھر؟ یہ مجمع کیوں لگایا ہوا ہے آپ سب نے؟ سب سٹوڈنٹس اپنی اپنی کلاس میں جائیے۔"

درمیانی عمر کے ڈریس شرٹ اور پینٹ میں ملبوس ایک شخص کے وہاں آ کر سختی سے کہنے پر تمام سٹوڈنٹس دو منٹ میں کینٹین خالی کر گئے تھے۔

وہ شاید یونیورسٹی کے کوئی پروفیسر تھے۔

"سحاب آپ سے مجھے یہ ہر گز امید نہیں تھی۔ اتنی گھٹیا سوچ ہے آپ کی۔ اس قدر تکبرانہ لہجہ۔ میں دنگ ہوں آج کی آپ کی اس حرکت پر۔"

چشمہ اتارتے وہ تاسف زدہ لہجے میں بولے تھے۔

وہ یونیورسٹی کے ڈین تھے۔اول تو انہیں دیکھتے ہی سحاب کی ہوا خشک ہو گئی تھی۔دوسر ان ان کی آنکھوں میں اپنے لیے ملامت دیکھتے وہ سر جھکا گئی تھی اور ساتھ کھڑے بندے کو جی بھر کر کوسا تھا۔

"دیکھ لی منحوس شکل اب پورا دن برا گزرے گا۔"

اس کی بڑبڑاہٹ سفیر واضح سن چکا تھا۔تنے ہوئے چہرے پر سرد مہری چھا گئی تھی۔

"صفحات سمیٹیں اور فائل اٹھا کر میرے آفس میں پہنچیں۔میں آتا ہوں۔"

تنبیہی نظروں سے سحاب کو دیکھتے وہ بولے تو وہ پھرتی سے اپنی چیزیں سمیٹ کر وہاں سے تقریباً بھاگی تھی۔

"کول ڈاؤن ینگ مین۔غصے کی تیز ہے وہ لڑکی۔خاصی مغرور قسم کی اور موڈی ہے۔میں اس کی اچھے سے خبر لوں گا۔تم بتاؤ کیا نیو ایڈمیشن ہو پہلے کبھی نہیں دیکھا تمہیں یونیورسٹی میں۔"

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے وہ نرم مسکراہٹ لیے بولے اور ساتھ ہی اس کا تعارف مانگا۔

"جی! میں نیو ایڈمیشن ہوں۔پرائیویٹ ایڈمیشن لیا ہے میں نے۔"

اپنے سامنے کھڑے خوبرو جوان کو دیکھ کر اور اس کی باتوں میں تضاد محسوس کرتے وہ قدرے حیران ہوئے تھے۔

"ریگیولر میں افورڈ نہیں کر سکتا۔"

ان کی حیرت بھانپتے وہ مدھم لہجے میں بول کر سر جھکا گیا۔

"نان افورڈایبل اسٹوڈنٹس کے لیے ہمارے ہاں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو ایسے طلبہ کی مدد کرتی ہے۔ تم ریگیولر فارم جمع کرواؤ۔ باقی اللہ بہتر کرے گا۔"

انہوں اسے آفر سے آگاہ کیا تھا۔

"بات اگر صرف میری پڑھائی کی ہوتی تو میں یہ آفر قبول کرنے میں لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرتا مگر میرے کندھوں پر گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ ہے۔ میں ایک کار میکینک ہوں۔ گیراج پر صبح سے شام تک گاڑیاں ٹھیک کرنا میرا کام ہے۔ پڑھ لکھ کر قابل بننا میرے بابا کا خواب ہے جسے میں پورا کرنا چاہتا ہوں۔"

سفیر نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ اس سے خاصے متاثر نظر آتے تھے۔

"مجھے فخر ہے تم پر ینگ مین۔ تم ایک دن بہت آگے جاؤ گے۔ یہ میرا کارڈ رکھ لو۔اس میں میرا نمبر اور گھر کا پتہ درج ہے۔میں خود تم جیسے حوصلہ مند نوجوان کو پڑھانا چاہتا ہوں۔"

اس کا کندھا تھپتھپاتے پینٹ کی جیب سے والٹ نکال کر اس میں سے اپنا کارڈ نکال کر اسے تھماتے ہوئے وہ مسکرا کر بولے تھے۔

"پروفیسر اعجاز کرمانی۔"

ان کے جانے کے بعد سفیر نے کارڈ پر درج ان کا نام پڑھا تھا۔

****

وہ فراغت میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ٹی وی پر چلتا ایک پاکستانی ڈرامہ جس کی ہیروئن امیر کبیر باپ کی بیٹی تھی جس کی شادی بھی ایک رئیس خاندان کے اکلوتے چشم وچراغ سے ہو جاتی ہے۔اس کے پاس دولت کی فراوانی ہوتی ہے۔بنگلہ گاڑی بینک بیلنس غرض کہ عیش و عشرت میں جی رہی ہوتی ہے۔مزینہ نے بے حد حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔دفعتاً بیرونی دروازہ زور زور سے بجنے لگا۔وہ لپک کر باہر کی طرف بھاگی۔اسے تو یہی لگا تھا کہ خالدہ بیگم ہوں گی مگر سامنے بلال کو دیکھ کر اس کی پیشانی پر شکنوں کا جال

بجھ گیا۔ مزینہ نے دروازہ اس کے منہ پہ پردے مارا مگر بلال نے پھرتی سے دروزے کے بیچ اپنا پاؤں پھنسا کے اس کی چال کو ناکام بنا دیا۔

”تو جتنی بھی کوشش کر لے مجھے خود کے قریب آنے سے روک نہیں سکتی۔“

وہ طنزیہ لہجے سے پھنکارا۔

”اپنی غلط فہمی کے گراف کو ذرا کم کر۔ ورنہ منہ کی کھائے گا۔“

مزینہ نے تمسخر اڑاتے لہجے میں کہا۔

”اس کی ضرورت تجھے ہے۔ خیر! میں اپنے موڈ کا ستیاناس نہیں مارنا چاہتا۔ یہ دیکھ تیرے لیے تحفہ لے کر آیا ہوں۔“

بلال نے پینٹ کی جیب سے ڈیری ملک نکال کر اس کے آگے کی۔

مزینہ نے غصے سے لب بھینچ کر اس کے ہاتھ سے چاکلیٹ لے کر دور پڑے کچرے کے ڈبے میں اچھال دی۔ بلال کی رگیں تن گئیں۔

”تیری تو! خود کو سمجھتی کیا ہے۔ چاہوں تو ابھی اسی وقت تجھے دو کوڑی کا بھی نہ چھوڑوں مگر میں اتنی آسانی سے یہ آسامی چھوڑنے والا نہیں ہوں۔“

اس کا جبڑہ دبوچے وہ غصے کی شدت سے پھنکارا تھا۔اس کی آنکھیں اپنے لائے گ ئے تحفے کی تذلیل پر سرخ انگارہ ہو گئ تھیں۔مزینہ نے اس کا ہاتھ جھٹکا۔اس کا جبڑہ دکھنے لگا تھا۔

"میری عزت دو کوڑی کی کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ میری ایک چیخ پر پورا محلہ اکٹھا ہو جائے گا اور پھر آگے جو ہو گا وہ مجھے بتانے کی ہر گز بھی ضرورت نہیں۔"

مزینہ نے سینے پر بازو لپیٹے طنزیہ لہجے میں کہا۔بلال اس کو زک پہنچانے کے لیے ایک قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ گلی میں خالدہ بیگم کے چیخنے پر وہ ایک زہر بھری نظر اس پر ڈالتا پلٹ گیا۔مزینہ تیر کی تیزی سے باہر کی طرف لپکی۔

"میں آج ساتھ نہیں چل سکوں گی دراصل مجھے بک شاپ پر جانا ہے۔سفیر کا کورس لینا ہے اور اپنے لیے بھی کچھ ضروری چیزیں لینی ہیں۔"

بیگ میں چیزیں ڈالتی زائشہ نے مصروف سے انداز میں صفیہ کے مطلع کیا۔

"ہاں تو میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔"

صفیہ نے کہا

"تمہیں دیر ہو جائے گی اور پھر بک شاپ تمہارے گھر کی طرف ہے بھی نہیں۔"

زائشہ اس کی اپنے لیے فکر پر مسکرا دی۔

"ٹھیک ہے پھر سنبھل کر جانا۔"

صفیہ نے اس سے گلے ملتے رخصت لیتے ہوئے تفکر سے کہا۔

بک شاپ قریب ہی بیس منٹ کے فاصلے پر تھا۔اس گرمی میں وہاں پہنچتے پہنچتے ہی وہ بری طرح ہانپ گئی تھی۔ پسینے سے تر بتر چہرہ دھوپ کی تمازت سے سرخ ہو رہا تھا۔

بک شاپ پر پہنچ کر اس نے مطلوبہ کتابیں نکلوائیں۔

"کتنے کی ہوئی یہ ساری کتابیں۔"

بیگ سے پیسے ٹٹولتے ہوئے وہ خاصی عجلت میں تھی۔

"سات ہزار نو سو چالیس روپے ہوئے ہیں۔ آپ سات ہزار نو سو دے دینا میڈم جی۔"

زائشہ کا پیسے نکالتا ہاتھ ساکت ہو گیا۔ پریشانی اس کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔

"اتنے پیسے تو میرے پاس نہیں ہیں۔ یوں بھی کتابیں اتنی مہنگی تو نہیں ہیں۔ آپ لوگ اپنی قیمتیں لگا کر بیچ رہے ہیں۔ شرم آنی چاہیے آپ لوگوں کو۔"

زائشہ کو اب غصہ آنے لگا تھا۔

"میڈم جی لینا ہے تو لو ورنہ آگے بڑھ جاؤ۔"

وہ نوعمر لڑکا کتابیں اٹھا کر ریک میں رکھتے ہوئے رکھائی سے بولا۔

"ارے ارے کیوں میڈم کو ناراض کر رہا ہے

جا جا کر ارشد سے کتابوں کی ڈیلیوری کا پوچھ کر آ۔"

ایک اچھی خاصی عمر کے آدمی نے اس نوعمر لڑکے کو دکان سے رفو چکر کرتے ہوئے سر تا پا زائشہ کا جائزہ لیا اور کمینگی سے داڑھی کھجانے لگا۔

"ناراض مت ہوئیے گا میڈم۔غصے کا زرا تیز ہے آپ بتایئے کیا قیمت لگاؤں۔"

زائشہ کو للچائی نظروں سے دیکھتے وہ کاؤنٹر پر اس کی طرف جھکا تو زائشہ ایک قدم پیچھے ہوئی۔اس کی آر پار ہوتی نظریں برداشت کرتے اس نے جلدی سے پیسے اس کے کاؤنٹر پر رکھ کر جونہی ہاتھ پیچھے کھینچنا چاہا۔اس آدمی نے زائشہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔اس کی اس حرکت پر حواس باختہ سی زائشہ ابھی سنبھل بھی نہ سکی تھی کہ اسے کسی نے بازو سے پکڑ کر ایک

جھٹکے سے ایک طرف کیا اور اس آدمی کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔ گریبان پکڑ کر اسے باہر گھسیٹ کر اسے بری طرح پیٹ ڈالا۔

اردشیر کے بھاری ہاتھ کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ بیہوش ہو گیا تھا۔

زائشہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ دل میں خوف کی ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

وہ اس شخص کو اچھی طرح پہچان گئی تھی۔

ایک ہاتھ کی آستین موڑتے اب وہ باقی سب کو اس کے کرتوت بتاتا ہوا ایک قہر آلود نظر اس شخص پر ڈالتا زائشہ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ زائشہ نے فوراً دوپٹے سے چہرہ ڈھانپ لیا یوں کہ اب صرف اس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

"ڈرنے کی ضرور نہیں ہے۔ ریلیکس رہیں۔ یہ کام جو میں نے کیا ہے۔ یہ آپ بھی کر سکتی تھیں۔ بس! تھوڑی سی ہمت چاہیے ہوتی ہے۔"

اردشیر نے اس کے لرزتے وجود کو دیکھا۔ اس کا انداز سمجھانے والا تھا۔

زائشہ بنا کوئی جواب دیے ایک طرف سے نکل کر تیزی سے مین روڈ کی طرف بڑھ گئی۔

اردشیر نے سنجیدگی سے اسے جاتا دیکھا اور پھر خود بھی سڑک کنارے کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا جہاں زائشہ کھڑی رکشہ کا انتظار کر رہی تھی۔

”آپ سات پردوں میں بھی چھپ جائیں گی ناں۔ میں تب بھی آپ کو پہچان لوں گا۔“

اپنے قریب سے ابھرتی اردشیر کی گھمبیر بھاری آواز پر وہ سہم سی گئی تھی۔ پردہ چاک ہوا تو ہاتھ پہلو میں گر گیا۔

”پانی پی لیں۔ گرمی بہت ہے۔“

اردشیر نے گہری سانس خارج کی اور گاڑی سے پانی کی بوتل نکال کر اسے دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس کی نظریں پسینے سے نم ہوتی زائشہ کی پلکوں پر سے ہوتی دھوپ کی تپش سے سرخ پڑتے اس کے رخساروں پر پھسلتے شبنم کے قطروں پر ٹھہر گئیں۔ یوں لگا جیسے گلاب پر اوس پڑی ہو۔

وہ خود پر اس کی گہری نظروں کو محسوس کرتے ضبط کر گئی۔

”میں آپ کو گھر تک چھوڑ دیتا ہوں۔“

”آپ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔“

ماتھے پر ڈھیروں سلوٹیں لیے وہ دبا دبا سا چیخی۔

''یہ تو اب بالکل بھی ممکن نہیں کہ جس چیز پر اردشیر کا دل آ جائے۔اس چیز سے دستبردار ہونا میری مردانہ انا کو گوارہ نہیں۔"

اس نے آگے بڑھ کر اس کے سر سے پھسلتا دوپٹہ درست کیا اور بازو پر گرفت کرتے سرد لہجے میں گویا ہوا تو زائشہ نے نفرت سے بازو چھڑوا کر چہرہ موڑ لیا۔اردشیر لب بھینچ کر الٹے قدموں واپس گاڑی تک آیا اور اس کے سامنے سے گاڑی زن سے اڑا لے گیا جبکہ وہ تو ابھی تک اردشیر کے جملوں کو ٹٹول رہی تھی۔

خالدہ بیگم کے پاؤں میں موچ آ گئی تھی۔انہیں کھانا دے کر دوائی دینے کے بعد ان کے سوتے ہی وہ اٹھ کر باہر صحن میں بچھی چارپائی پر آ کر لیٹ گئی۔کھلے آسمان تلے لیٹنا اچھا لگ رہا تھا۔نیلے آسمان پر ٹمٹماتے تاروں کو دیکھتے یونہی اس کی نظر چاند پر ٹھہر گئی۔

''کس قدر خوش قسمت ہے یہ چاند ہر کوئی اسے پانے کی چاہ کرتا ہے اور ایک میری بد قسمت ہے جس میں بلال نامی دھبا یوں لگا ہے کہ مٹنے کا نام ہی نہیں لیتا۔''

اس سوچ کے سارے دھاگے بلال سے جا ملے تھے۔

"بلال ہی کیوں ابا! آپ کو اپنا وہ نکما لوفر اور آوارہ بھتیجا اتنا عزیز تھا کہ آپ نے اپنی اکلوتی بیٹی کو اس کے ساتھ منسوب کر دیا۔ وہ بھی تب جب مجھے ہوش ہی نہ تھا۔ کیوں کرتے ہیں ماں باپ اپنی اولاد کے ساتھ ایسا۔ زندگی مجھے گزارنی ہے۔ جب میں ہی خوش نہیں رہوں گی تو۔ کیا فائدہ اس رشتے کا۔"

وہ اپنی ہی سوچوں میں بری طرح غرق تھی کہ کھٹکے کی آواز پر چونک کر اٹھ بیٹھی۔ دروازے کی جھری سے چھلکتا زائشہ کا عکس دیکھ کر مطمئن ہوتے اس نے دروازہ وا کر دیا۔

"سو رہی تھیں کیا؟ کب سے دروازہ پیٹ رہی ہوں۔"

وہ خفا ہوتی اندر چلی آئی۔

"خالہ کی طبیعت کیسی ہے اب؟"

وہ چارپائی پر اوپر ہو کر سکون سے بیٹھ گئی۔ آج دوپہر میں ہونے والا واقعہ وہ ہرگز بھی بھلا نہیں پا رہی تھی۔ اردشیر سے ہونے والی پہلی دو ملاقاتیں محض اتفاقی حادثہ لگی تھیں مگر

آج کے اس اتفاقی حادثے نے نہ صرف اردشیر کے رنگ دکھائے تھے بلکہ خود زائشہ کو بھی ششدر کر دیا تھا وہ تب سے ہی پریشان تھی اور اپنی اس پریشانی کو وہ اپنی عزیز از جان دوست مزینہ سے باٹنا چاہتی تھی۔

''ٹھیک ہیں وہ تو بس ایک میری ہی قسمت خراب ہے۔''

تلخی سے کہتے وہ سر جھٹک گئی مگر زائشہ کو ٹھٹھکنے پر مجبور کر گئی۔

''زینی کوئی بات ہوئی ہے کیا؟ کہیں پھر بلال نے کچھ۔۔۔۔۔۔؟''

کچھ کہتے کہتے وہ خاموش ہو گئی۔

''کتے کی طرح پیچھے پڑ گیا ہے میرے اور اسے پیچھے لگانے والے بھی میرے ابا تھے۔ نہ معلوم ایسے کون سے ہیرے جڑے دکھ گ ئے تھے جو میرا مقدر پھوڑ دیا۔''

وہ کڑواہٹ بھرے لہجے میں بولتی زائشہ کو اپنی پریشانی بھی بھلا گئی۔

''ماں باپ تو اپنے بچوں کے لیے اچھا ہی سوچتے ہیں۔ زینی۔ انہوں نے بھی اچھا ہی سوچا ہو گا کہ۔۔۔۔

اچھا! آخر اچھا ہے کیا اس میں۔ نہ ڈھنگ کی صورت ہے نہ پلے اخلاق۔ کماتے وقت اسے موت پڑتی ہے۔ باپ کے ٹکڑوں پر پل رہا ہے مجھے کیا خاک پالے گا۔ میرے بھی کچھ ارمان ہیں۔

اس زندگی سے تنگ آ گئی ہوں میں۔ چاہتی ہوں کہ بڑا سا خوبصورت سا گھر ہو میرا۔ جسے میں سنواروں۔ گاڑی ہو تاکہ بسوں میں دھکے نہ کھانے پڑیں۔ میں چاہتی ہوں کہ کسی اچھے گھر میں شادی ہو میری۔ یہاں تو کمرے سے کچن تک ہی گھر پورا آ جاتا ہے۔ لائٹ چلی جائے تو دوپٹے سے ہوا کرتے ہوئے پہروں انتظار کرنا پڑتا ہے۔

تم بتاؤ زائشہ کیا ایک اچھی اور آسائشوں بھری زندگی کی خواہش کرنا غلط ہے۔"

اس کی بات بیچ سے کاٹ کر وہ لہجے میں حد درجہ تلخی سموئے طنزیہ انداز میں بولی پھر قدرے دھیمی پڑی اور حسرت بھری نگاہوں سے زائشہ کی طرف چہرہ کیا تو پل بھر کو زائشہ کی نگاہوں میں اردشیر کا عکس لہرا گیا۔ بلاشبہ اس کے آخری الفاظ بہت واضح تھے۔ وہ بچی نہیں تھی جو سمجھ نہیں پاتی مگر اس کے آگے ذمہ داریوں کا ایک انبار تھا۔ وہ چاہ کر بھی ایک اچھی اور پر آسائش زندگی کی خواہش نہیں کر سکتی تھی۔ وہ خود غرض

نہیں تھی۔ خود غرض تومزینہ بھی نہیں تھی مگر اس کے کاندھوں پر کوئی بار نہیں تھی۔ وہ قدرت کی طرف سے اس معاملے میں آزاد تھی سو وہ یہ خواہش کر سکتی تھی۔

”بالکل غلط نہیں ہے۔ ایک اچھی اور سکون سے بھر پور زندگی کی خواہش کرنا ہرگز بھی غلط نہیں۔ اللہ فرماتا ہے ناں کہ جو گمان کرو گے وہی پاؤ گے تو بس اچھا اچھا سوچو اور ہاں اپنی خواہشیں منوانے کے لیے اس رب کو راضی بھی کرو۔ جیسے چھوٹے بچے کھلونوں کے لیے اپنی ماں باپ سے ضد کرتے ہیں اور جب وہ نہیں دلاتے تو انہیں منانے کے لیے بچے ہر وہ کام کرتے ہیں جو ماں باپ چاہتے ہیں۔ تم سمجھ رہی ہو ناں۔“

زائشہ نے محبت سے اس کے ہاتھ تھامے تو مزینہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

”بس! اب کچھ اس کی مانو اور کچھ اپنی منواؤ۔ جس دن اس کی ساری باتیں مان لو گی تو وہ بھی تمہاری ساری خواہشیں پوری کر دے گا۔ وہ تو تب بھی ہماری خواہشیں پوری کرتا ہے جب ہم اس کی ایک نہیں مانتے اور جب ہم اس کی ساری باتیں مانیں گے تو مجھے لگتا ہے کہ وہ اپنے خزانوں کے منہ کھول دے گا۔ بے شک وہ بہترین سے نوازنے والا ہے۔“

زائشہ کی باتوں نے اسے اندر تک شانت کر دیا تھا۔ وہ ہر پریشانی سے مبرا ہو کر آنکھیں بند کیے لیٹ گئی تھی مگر زائشہ کی نیند تو اس ظالم شخص نے چرالی تھی۔ آج کی رات اس پر بہت بھاری گزری تھی۔

پریشانیوں کے گرداب میں پھنسی وہ غیر مرعی نقطے کو گھور رہی تھی کہ صفیہ نے اسے چونکا دیا۔

''سب ٹھیک ہے ناں زائشہ۔؟''

اس نے تائید چاہی۔

''کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔''

وہ مدھم لہجے میں بس اتنا ہی بول کر خاموش ہو گی کہ اسے اپنی پریشانیوں کا پرچار کرنا گوارہ نہ تھا مگر صفیہ سے تو اچھی سلام دعا تھی اور وہ اس کی بہترین دوست بھی تھی۔ وہ آفاق صاحب کے انتقال پر بھی مسلسل کئی دن تک مستقل آتی رہی تھی۔ ان کے جانے کے بعد زائشہ کے اوپر جو گزری تھی۔ اس کا اندازہ صفیہ کو باخوبی تھا۔ ایک دم جو اس کے کندھوں پر بوجھ آن پڑا تھا اور جس وجہ سے وہ پریشان تھی وہ وجہ بھی صفیہ اس کی خاموشی

کے باوجود سمجھ گئی تھی یوں بھی وہ زائشہ کی عادت سے واقف تھی کہ وہ اپنے مسائل اور غم اپنے تک ہی رکھتی تھی۔

"چلو میرے ساتھ۔"

اس کا ہاتھ تھام کر وہ اسٹاف روم سے باہر نکل کر پلے گراؤنڈ کے قدرے پر سکون گوشے میں لے آئی تھی اور وہاں لگے سنگی بینچ پر دونوں بیٹھ گئی تھیں۔

"اب بتاؤ منہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟"

وہ لاکھ اچھی دوست تھی مگر وہ چاہ کر اردشیر کا ذکر اس سے نہیں کر سکتی تھی کہ اس میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی اپنی ذات شامل تھی۔ اب تو بات اس کے کردار کی تھی سو وہ خاموشی سے موضوع ہی بدل گئی۔

بالوں کے پیچھے کر کے دوپٹہ درست کرتے صفیہ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

"فائنینشل پرابلمز۔"

نرمی سے بول کر وہ شرمندگی سے گراؤنڈ میں کھیلتے بچوں کو دیکھنے لگی جو ہر فکر سے آزاد کس قدر خوش و خرم نظر آرہے تھے۔

"تو پرابلم کا حل نکالو منہ لٹکا کر بیٹھنے سے کیا ہوگا۔"

صفیہ نے کہا۔

"کیسے نکالوں۔؟"

وہ مایوس نظر نہیں آرہی تھی مگر کوزادراہ بھی نہیں تھی۔

"تمہیں ایک مشورہ دوں؟ شاید تمہیں مشکل لگے مگر ہر مشکل کے بعد آسانی ہوتی ہے۔"

زائشہ نے استہفامیہ نظروں سے صفیہ کی طرف دیکھا تو وہ ہلکا سا مسکرا دی۔

"تم نوکری چھوڑ کر اپنا کاروبار کرو میرا مطلب ہے کوئی چھوٹا سا بزنس شروع کر دو جس میں زیادہ پیسہ خرچ نہ ہو مگر وہ کاروبار منافع بخش ہو ایسا کہ جلد ہی تمہیں اس سے استفادہ ہو اور جو تم نے بزنس پر لگایا ہو اس کا ڈبل تمہیں ملے۔ میں جانتی ہوں یہ ناممکن لگ رہا

ہوگا اور تمہارا میری عقل پر اس وقت ماتم کرنے کو دل کر رہا ہوگا کہ ضرورت کے وقت میں بزنس کرنے کا کہہ رہی ہوں۔"

سنجیدگی سے مشورہ دے کر سمجھاتی وہ آخر میں خود پر ہی ہنس دی تھی۔

"میں بھلا اکیلی کوئی بزنس کیسے کر سکتی ہوں۔"

وہ کندھے اچکا کر مایوسی کا مظہر لگ رہی تھی۔

"کیوں نہیں کر سکتیں۔ ماشااللہ سے ایم کام (MBA). کی ہوئی ہو یہیں سے تمہاری ذہانت کا ثبوت مل جاتا ہے۔ بس تھوڑا سا مثبت سوچنے کی ضرورت ہے اور پیسہ بھی اتنا خرچ نہیں ہوگا۔ گھر میں برے وقت میں کام آنے کے لیے انکل نے کچھ تو جمع کر رکھا ہوگا۔ تم بس اللہ کا نام لے کر بسم اللہ کر دو۔"

ملازمہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ تھام کر اس نے ایک کپ زائشہ کو پکڑایا تھا۔ وہ خفگی سے اسے دیکھتی ڈپٹ کر بولی پھر مخلصی سے سمجھانے لگی۔

"اگر لگایا گیا سرمایہ ڈوب گیا اور کوئی منافع حاصل نہ ہوا تو۔"

وہ خدشے کے تحت گویا ہوئی۔

”تھنک پوزیٹیو یار۔اللہ تعالی فرماتا ہے جس چیز کا گمان کرو گے وہی ملے گا جیسے ہندو مذہب کے لوگ مٹی کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں ان کا گمان ہے کہ وہی ان کا خدا ہے اور وہ اس بت سے ہی مانگتے ہیں تو اللہ انہیں ان کے گمان کے مطابق نوازتا ہے۔اچھا گمان کرو تا کہ سب اچھا ہو اور رسک تو لینا ہی پڑتا ہے۔اس سے پہلے کے جمع پونجی کہیں اور لگ جائے تم رسک لے لو۔“

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتی وہ خالی مگ لے کر اٹھ گئی تو زائشہ کو بے اختیار کل رات کی زینی کو سمجھائی گئی باتیں یاد آنے لگیں۔

****

سحاب اپنی اسائنمنٹس جمع کروا کر آرہی تھی کہ سامنے سے آتے ابشام کرمانی کی پکار پر اس کے قدم بے اختیار تھمے۔

ابشام اس کا کلاس میٹ تھا۔دونوں کی اچھی سلام دعا تھی۔ابشام پروفیسر اعجاز کا اکلوتا بیٹا تھا۔

تیکھے نین نقوش اور سرخ و سفید رنگت کا حامل ابشام کرمانی اچھا خاصا ہینڈسم بندہ تھا۔ کچھ دولت نے اسے نکھار رکھا تھا۔ سحاب اسے پسند کرتی تھی اور یہ بات ابشام کرمانی سے کوئی ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی۔ یعنی سحاب کی کمزوری اس کے ہاتھ لگ چکی تھی۔ وہ سحاب کی آنکھوں میں اپنے لیے پسندیدگی کی چمک دیکھ چکا تھا مگر اب تک اس کی چوری نہیں پکڑی تھی۔

لیکن وہ ارادہ ضرور رکھتا تھا۔

''کیسی ہو سحاب؟ آج کافی دن بعد اکیلی نظر آرہی ہوں ورنہ ہر وقت وہ تین تتلیاں تمہارے ارد گرد ہی منڈلاتی رہتی ہیں۔''

اس نے آنکھوں کو خیرہ کرتے سحاب کے حسن کو نظروں میں سموئے کہا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ وہ تین تتلیاں اپنا اسائمنٹ تیار کر رہی ہیں۔ میں نے کل رات ہی مکمل کر لیا تھا وہی جمع کروا کر آرہی ہوں۔''

اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''پڑھائی ٹھیک چل رہی ہے تمہاری۔ کوئی پرابلم تو نہیں ہے۔''

لہجے میں نرم تاثر تھا۔ سحاب کے دل میں کلیاں سی کھل اٹھی تھیں۔ کب سوچا تھا کہ جسے چاہا وہ اس کی اتنی پرواہ کرے گا۔

"انہوں! کوئی پرابلم نہیں۔ ٹھیک چل رہی ہے پڑھائی۔"

نفی میں سر ہلاتے لبوں پر مسکراہٹ بکھیرے اس نے ابشام کرمانی کو تسلی دلائی۔

"اس دن کینٹین میں تم کس سے جھگڑا کر رہی تھیں۔ کون تھا وہ۔ کیا تمہیں پریشان کرتا ہے۔"

لہجہ بظاہر سرسری تھا مگر وہ حقیقتاً متجسس تھا کہ وہ کینٹین والی ساری گفتگو نہ صرف سن چکا تھا بلکہ سارا نظارا دیکھ بھی چکا تھا۔

"ایک معمولی کار مکینک ہے۔ پہلے اس کے گیراج میں اس سے بحث ہو گئی تھی اور اب وہ یہاں بھی آ گیا۔ اس دن کینٹین میں وہ جان بوجھ کر مجھ سے ٹکرایا اور الٹا مجھ پر الزام لگا دیا کہ میں دیکھ کر نہیں چل رہی تھی بس اسی بات پر مجھے غصہ آ گیا تھا۔"

سفیر کے ذکر پر برا سا منہ بناتے وہ تفصیل بتانے لگی۔

"دور رہا کرو ایسے لوگوں سے۔ اٹینشن سیکر ہوتے ہیں۔"

ابشام نے اسے تاکید کی تو وہ سر اثبات میں ہلا گئی۔

"تم یہاں ہو اور میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں کے ابھی آؤ اور ابھی آؤ۔"

اسی وقت مزنی وہاں چلی آئی تھی اور سحاب کو ابشام کے ساتھ محو گفتگو پا کر اس کے ماتھے میں بل پڑے تھے۔

"کم آن مزنی میں بات کر رہی تھی۔"

سحاب نے غصہ دباتے اسے ریلیکس کیا کہ اس کی مداخلت ہر گز پسند نہیں آئی تھی۔

"تم چلو میرے ساتھ۔"

مزنی کو اس کے غصے کی کوئی پرواہ تھی بھی نہیں۔ وہ بس سحاب کو ابشام کرمانی کی نظروں سے دور رکھنا چاہتی تھی۔

"تمہیں شاید دکھ نہیں رہا کہ وہ مجھ سے بات کر رہی ہے۔"

ابشام نے غصہ دباتے کہا ورنہ دل تو کر رہا تھا ایک تھپڑ جڑ دے مداخلت کرنے پر۔

"اور تم نے شاید سنا نہیں کہ میں نے اسے یہاں سے چلنے کے لیے کہا ہے۔"

مزنی نے دو بہ دو جواب دیتے قدم بڑھا دیے۔

سحاب نے گردن پیچھے موڑ کر بائیں ہاتھ سے کان پکڑتے اسے اشارے میں سوری کہا جس پر وہ زبردستی مسکراہٹ لبوں پر سجا گیا۔

"کیا بدتمیزی تھی یہ مزنی۔ تمہیں پتا ہے کتنا برا لگا تمہارا مجھے اس طرح وہاں سے لے آنا۔"

گراؤنڈ میں لگے درخت کے سائے کے نیچے گھاس پر بیٹھتے وہ تیز لہجے میں بولی تھی۔

"سخت زہر لگتا ہے وہ بندہ مجھے۔ پوری یونیورسٹی میں سب سے بے کار شخص ہے۔ ہر سیمسٹر چیٹنگ سے پاس کرنے والا چیٹر۔ صرف شکل سے ہی سوہنڑاں ہے۔ کرتوت سیاہ کالے ہیں۔"

جل بھن کر کہتی وہ سر جھٹک کر پیپر پر جھک گئ۔

"کس کی بات کر رہی ہو؟"

رینا نے الجھ کر پوچھا۔

"جی نہیں۔ اتنا اچھا تو ہے۔ سب کی مدد کرتا ہے وہ پیپر میں۔ اپنا پیپر چھوڑ کر دوسروں کو حل کروا رہا ہوتا ہے اور کتنوں کے تو اسائمنٹس بھی بنا دیتا ہے۔ تم یونہی اس کے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ جاتی ہو۔"

سحاب اس کے برابر میں بیٹھتی اس کی اچھائیاں گنوانے لگی۔

"بڑا ہی کوئی نیک کام کرتا ہے سب کا پیپر حل کروا کر۔ ناں مجھے ایک بات بتاؤ وہ جو دوسروں کا پیپر حل کرواتا ہے اس کا اپنا پیپر تو رہ ہی جاتا ہے پھر وہ پاس ہو کر اگلے سیمسٹر میں کیسے آجاتا ہے۔"

مزنی نے چبھتے لہجے میں طنز کیا۔

"ارے تم لوگ کس کی بات کر رہے ہو؟"

رینا نے ایک بار پھر جھنجھلا کر پوچھا۔

مزنی کی بات میں دم تھا۔ سحاب لاجواب ہوئی تھی۔

"اور رہی اسائمنٹس کی بات تو وہ اسائمنٹس مفت میں نہیں بنا کر دیتا۔ وقت پڑنے پر اس بندے کو بلیک میل کر کے اسے کام نکلوانا خوب آتا ہے۔"

رینا کی بات کو نظرانداز کرتے مزنی نے اسے حقیقت سے روشناس کرایا تھا۔

"تو کیا ہو گیا بھئی یہ تو سب ہی کرتے ہیں۔وہ کون سا انوکھا ہے۔"

سحاب ہمیشہ اپنا پیر اوپر رکھتی تھی۔

"چپ ہو جاؤ دونوں۔خبر دار جو کچھ بولیں تو۔کب سے پوچھ رہی ہوں کہ کس کے بارے میں بات کر رہی ہو مگر مجال ہے جو بتادے کوئی۔"

رینا ایک دم چیخ کر ان دونوں کو خاموش کروا گئی تھی۔

"تینوں کی تینوں جنگلی ہو۔نان سینس کہیں کی۔"

اسائمنٹس بناتی حرا اس کی چیخ پر سیخ پا ہوئی تھی۔ماتھے میں بل ڈالے وہ انہیں ایک نظر دیکھ کر اپنی کتابیں سمیٹ کر بیگ اٹھاتی دوسری طرف چلی گئی اور وہ تینوں اس کے نوازے گئے لقب پر ہقا بقا رہ گئی تھیں۔

"ابشام کچرارانی کے بارے میں بات کر رہے تھے۔اب خوش۔"

مزنی دانت پیس کر کرمانی کو کچرارانی کہتی نوٹ بک پر جھک گئی تھی جبکہ رینا اوہ کر کے رہ گئی تھی۔

****

مزینہ اور پارس ٹی وی پر کوئی ڈرامہ دیکھ رہی تھیں۔ خلاف توقع لائٹ آج نہیں گئی تھی۔ ساجدہ بیگم کمرے میں آرام کر رہی تھیں کہ لائٹ جاتے ہی جو پنکھا بند ہوتا تھا ان کا دم گھٹنے لگتا تھا۔ آج لائٹ قسمت سے تھی تو وہ محو استراحت تھیں۔

زائشہ بھی بے توجہی سے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

"لائٹ والے تجھے اللہ اٹھالے۔"

یکدم لائٹ جانے سے مزینہ بھنا کر بولی۔

"آخری دس منٹ رہ گئے تھے۔ لائٹ کو بھی ابھی جانا تھا۔ حد ہے بھئی حد۔"

پارس کو بھی بے وقت لائٹ جانے کا افسوس ہوا۔

"ٹی وی بند ہو گیا تو کیا ہوا زینی اپنا ایف ایم ریڈیو آن کرو۔ ایف ایم ون او سکس پوائنٹ ٹو جسٹ میوزک۔"

پارس نے لہک کر کہا تو مزینہ کا ایف ایم شروع ہو گیا۔

چن میرے مکھنا

او چن میرے مکھنا

کہ ہنس کے اک پل ایدر تکنا

کہ نظراں رس نیناں دا چکھنا

او چن میرے مکھنا

او چن میرے مکھنا

نہ ڈر کر لے میل دلاں دے

ہو جیوندے رے تے روز ملاں گے

دل وچ پیار نئیں تے کج نئ

کوئی دلدار نئیں تے کج نئیں

کوئی دلدار نئیں تے کج نئیں

او دل نو سانبھ سانبھ کے رکھنا

او چن میرے مکھنا

کمر کے گرد دوپٹہ باندھ کر لہک لہک کر گاتی وہ اپنے عجیب و غریب ڈانس سے زائشہ کو ہنسنے پر مجبور کر گئی تھی۔

زائشہ نفی میں گردن ہلاتی ہنس رہی تھی۔ مزینہ اسے ہنستا دیکھ کر مطمئن ہوئی تھی۔ پارس نے مسکراتے ہوئے ممنون نظروں سے اسے دیکھا تو وہ بھی مسکرا دی۔

''تم کب سدھرو گی زینی۔''

ہنسی کے باعث آنکھوں میں آئی نمی کو انگلی کے پوروں سے پونچھتے اس نے ملامت کیا۔

''میں سدھرنے والوں میں سے نہیں بلکہ سدھارنے والوں میں سے ہوں۔''

دبنگ سٹائل میں اپنی نادیدہ مونچھوں کو تاؤ دیتی وہ پرانی فلموں کے شان کی طرح گرج کر بولی تو زائشہ نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچتے اپنے پاس بٹھا لیا۔

''بس بیٹھ جاؤ سکون سے۔''

وہ اسے گھور کر بولی۔

''تمہیں اتنے دنوں بعد خوش دیکھ کر میں بھی بہت خوش ہوں۔''

اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر وہ محبت سے گویا ہوئی۔

"اللہ ہر لڑکی کو مزینہ جیسی دوست دے۔"

زائشہ نے مسکرا کر دعا دی۔

"لیکن یہ تو خاصی بگڑی ہوئی نہیں ہے۔"

پارس نے آئی بروا چکاتے تائید چاہی۔

"یہ بگڑی ہوئی باگڑ بلی ہی تو آپا کی مسکراہٹ کی چابی ہے۔"

اندر آتے سفیر نے شرارت سے کہا تو مزینہ نے آنکھیں سکیڑیں۔

"او بھوری دنیا باگڑ بلی نہیں ہوں میں۔"

وہ اپنی چوٹی جھٹک کر اس کی سفید رنگت اور بھورے بالوں پر چوٹ کر گئی۔

"آج جلدی آگئے بھائی۔"

ٹھنڈے پانی کا گلاس سفیر کو تھماتی پارس نے پوچھا۔

"رنگ میں بھنگ ڈالنے آگیا بھوری دنیا۔"

مزینہ کان کھجا کر بڑبڑائی جس پر سفیر نے سر نفی میں ہلایا۔

"مجھے اپنی کتابیں اور نوٹ بکس لینی تھیں۔"

خالی گلاس پارس کو پکڑا کر وہ کھڑا ہوا تھا کہ زائشہ کو بک شاپ والا واقعہ یاد آ گیا تو وہ جھر جھری لے کر رہ گئی پھر سفیر کا بازو تھام لیا۔

"بیٹھو یہاں مجھے بات کرنی ہے۔"

"کیا بات ہے آپا؟"

سفیر تفکرات میں گھر گیا۔

"میں نوکری چھوڑ کر اپنا کام کرنا چاہتی ہوں یعنی اپنا بزنس۔ میں اپنا سکول کھولنا چاہتی ہوں اور اس میں مجھے تم سب کا ساتھ چاہیے۔"

زائشہ نے ٹھہر ٹھہر کر اپنی بات مکمل کی۔

"آپا ہم آپ کے ساتھ ہیں۔"

پارس نے دائیں طرف بیٹھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے حصار میں لیا اور سفیر نے بائیں طرف سے اپنے حصار میں لیا۔

"تم قدم بڑھاؤ زائشہ جہاں ڈگمگاؤ گی ہم تھام لیں گے۔"

مزینہ نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

"پر یہ کام اتنا آسان نہیں ہے آپا۔"

سفیر نے گہری سانس خارج کی۔

"مشکل بھی تو نہیں ہے۔"

اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ کسی بھی منفی سوچ کو ذہن میں جگہ نہیں دے گی۔

"کچھ میرے پاس جمع ہے اور کچھ بابا نے رقم جوڑ کر رکھی تھی ہمارے لیے۔مجھے امید ہے اس سے کام چل جائے گا۔"

زائشہ نے سفیر کی بات کا جواب دیا۔وہ ہر طرح سے پر امید تھی۔

"آپا مجھے ٹیچر رکھ لینا۔"

پارس تیزی سے بولی۔

"اور مجھے بھی۔۔۔۔انٹر پاس ہوں۔۔۔۔کچھ نہ کچھ تو پڑھا ہی دوں گی۔"

مزینہ نے تفاخر سے کہہ کر اپنی عرضی ڈالی۔

"شہر بسا نہیں فقیر پہلے ہی آگ ئے۔"

سفیر کا انداز چھیڑنے والا تھا۔

"اچھا چھوڑو۔ سفیر ہمیں سکول کے لیے جگہ دیکھنی ہے۔ تم پتا کرو۔ شروع شروع میں تو کرائے پر ہی لیں گے پھر اللہ نے چاہا تو جلد ہی خرید بھی لیں گے۔"

اس نے اصل مسئلہ بیان کیا۔

"میں پتا کرتا ہوں آپا اگر کوئی ایسی جگہ کرائے کے لیے خالی ہوئی تو۔ ابھی تو میں نکل رہا ہوں۔"

سفیر کہہ کر باہر نکل گیا۔

"میں بہت خوش ہوں تیرے اس فیصلے سے۔ اللہ تمہیں کامیاب کرے۔"

ساجدہ بیگم نے بیٹی کا ماتھا چوما۔

"میرا دل کر رہا ہے کسی پر سکون جگہ پر جا کر بابا کے لیے ڈھیر ساری دعا کروں اور اللہ کا ڈھیروں ڈھیر شکر ادا کروں جس نے مجھ میں حوصلہ پیدا کیا۔"

"تو چلی جاؤ کس نے روکا ہے اسی بہانے باہر کی تازہ ہوا لگے گی تو دل اور دماغ دونوں تر و تازہ ہو جائیں گے۔"

ان کی یہ بیٹی سادگی کا پیکر تھی جس نے نہ تو کبھی دوسری لڑکیوں کی طرح سیر سپاٹوں کی ضد کی تھی نہ ہی وہ کبھی خود سے گھومنے پھرنے یا مارکیٹوں کے چکر کاٹنے نکلتی تھی بس گھر سے سکول اور سکول سے گھر تک۔ یوں بھی ان کے گھر کے حالات اجازت نہ دیتے تھے یہ سب تو اسے امیروں کے چونچلے لگتے تھے مگر وہ ماں تھیں۔ بیٹی کے دل کا حال جانتی تھیں۔ آج جب اس کی زبان پر کوئی خواہش آ ہی گئی تھی تو وہ اسے رد نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

"خالہ ٹھیک کہہ رہی ہیں زائشہ چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔ تمہارے ساتھ ساتھ ہمارا بھی بھلا ہو جائے گا۔"

مزینہ نے مسکین سی صورت بنائی۔

"پاگل مت بنو تم دنوں۔ بھلا کہاں جائیں گے ہم اور اس طرح اکیلے جاتے ہوئے اچھی لگیں گی کیا۔"

اس نے مزینہ کی بچکانہ حرکت پر اسے جھاڑ پلائی ی۔

”لو بھلا یہ کون سا سن انیس کا دور ہے۔ اکیسویں صدی ہے۔ لڑکیاں اکیلی ہی کافی ہیں اپنے لیے کیوں خالہ؟“

ہاتھ جھلاتے مزینہ نے اپنی بات کہہ کر ساجدہ بیگم سے تائید چاہی جو سبزی کاٹ رہی تھیں۔

”ہاں بھئی میں تمہاری اس بات سے اتفاق کرتی ہوں۔ آج کے دور میں لڑکیاں لڑکوں سے چار ہاتھ آگے ہیں۔ بس اللہ ہر بیٹی کا نصیب اچھا کرے۔“

وہ مصروف سی صدق دل سے دعا گو ہوئیں۔

”عبداللہ شاہ غازی چلی جاؤ مزینہ اور پارس کے ساتھ۔ بہت پر سکون جگہ ہے۔ تمہارے بابا کو وہاں جا کر دعا مانگنا بہت پسند تھا۔ نیک لوگ مدفن ہیں ادھر۔ ان کے توسط سے اللہ سنتا ہے۔ ان کے صدقے میں ہمیں بھی عطا کرتا ہے۔ آج جو دنیا میں اچھائی باقی ہے وہ انہیں نیک لوگوں کی دعاؤں کا نتیجا ہے۔“

وہ سمجھانے والے انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

”امی میں آپ کو اکیلے چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ سفیر بھی گھر پر نہیں ہے یوں بھی میرا دل نہیں ہے۔ بابا کو گئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں جو میں سیر سپاٹوں پر نکل پڑوں۔“

اس نے ان کے کندھے پر سر ٹکاتے جہاں انکار کیا وہیں مزینہ اور پارس نے ایک دوسرے کے چہرے کی سمت دیکھ کر مایوسی ظاہر کی۔

”امی کی بات نہیں مانو گی زائشہ؟“

انہوں نے محبت سے اس کے گال پر ہاتھ رکھا۔

”آپ حکم کریں امی۔“

وہ مسکرا دی۔

”اپنے بابا کی خاطر چلی جاؤ۔ وہ تھے تو خود جاتے تھے۔ اب وہ نہیں ہیں تو میری زائشہ جائے گی۔“

انہوں نے پیار سے کہا۔

”چلو اب تو خالہ کا حکم ہے۔“

مزینہ نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ابھی میں خالہ سے بات کروں گی اگر وہ تمہیں بھیجنے پر راضی ہیں تو ہی میں جاؤں گی۔''

وہ دوپٹہ سر پر لیتے مزینہ کے گھر چل دی۔ کچھ دیر بعد ہی وہ رضامندی لے کر آ گئی تھی۔ پارس کی خوشی دیدنی تھی۔

کپڑے بدل کر دوپٹہ سر پر اوڑھے کندھوں پر چادر ڈال کر وہ پارس کے سنگ باہر نکلی اور سامنے مزینہ کے گھر سے اسے لیا۔

تین لوگوں کا یہ قافلہ ہنستا مسکراتا آگے بڑھا تھا یہ جانے بغیر کہ قسمت آج زندگی کے نئے رنگ دکھانے والی ہے۔

''میرے باپ تیرے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے۔ تو آج بتا ہی دے۔ نہ تو بھابھی کو کوئی لڑکی پسند کرنے دیتا ہے۔ نہ خود کرتا ہے۔ آخر چاہتا کیا ہے تو۔''

خرم سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

آج وہ وقت نکال کر اسی مقصد کے لیے اسے آفس سے زبردستی کلفٹن سائیڈ کھینچ لایا تھا۔ اس کے برعکس اردشیر کا ادھر آنے کا قطعی موڈ نہیں تھا۔ وہ مارے بندھے اس کے ساتھ مزار کی پچھلی طرف قدرے پرے سکون گوشے میں بیٹھا تھا۔

"میرے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔جب کوئی لڑکی پسند آئے گی جسے دیکھ کر مجھے لگے گا کہ میں اس کے ساتھ اپنی پوری زندگی گزار سکتا ہوں تو بتادوں گا۔"

خرم کے پوچھنے پر یک لخت ذہن کے پردوں پر وہ معصوم چہرہ ابھر آیا کہ جن کی آنکھوں میں وہ مکمل طور پر اپنا آپ ہار چکا تھا۔دونوں ہاتھ باہم ملائے وہ دور ہوا میں اڑتے پرندوں کو تکنے لگا۔

"اور کب پسند آئی گی تجھے لڑکی۔ بڑھاپے میں۔"

خرم نے جل بھن کر کہا۔

"اب ایسا بھی نہیں ہے۔"

وہ خرم کے شرمندہ کرنے والے انداز پر برا مناتا ہوا بول کر ہاتھ جھاڑتا کھڑا ہوا تھا۔

خرم بھی اس کے ساتھ کھڑا ہوا تو دونوں نے اپنے جوتے پہنے اور ایک طرف سے نکل کر سیڑھیاں اترنے لگے۔

"یار چلتے ہیں ناں سمندر کنارے تھوڑا ہی تو دور ہے۔"

زائشہ کے ساتھ چلتی مزینہ نے اسے قائل کرنا چاہا۔ کنویں تک آکر بھلا وہ کیوں پیاسی رہتی۔ سمندر اسے بے حد پسند تھا۔ وہ بچپن میں کبھی گئی تھی اور بعد میں تو گھر سے نکلنا ہی نہیں ہوا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی وہ تینوں یہاں پہنچی تھیں۔ دعا مانگ کر خیرات بانٹ کر کچھ دیر وہ وہیں بیٹھی رہی تھیں پھر واپسی کے لیے چل پڑیں تھیں۔

پارس مزینہ اور زائشہ آگے پیچھے ہی مزار کی سیڑھیاں اتر رہی تھیں۔

''آپا مان جاؤ ناں۔''

پارس نے منتی لہجے میں کہا۔

''تم لوگ سیدھی شرافت سے گھر چلو۔ دعا مانگنے آئی تھیں یا سمندر میں ڈبکی لگانے۔ حد کرتی ہو دونوں۔ اتنا تو بچے بھی تنگ نہیں کرتے جتنا تم دونوں کرتی ہو۔''

زائشہ نے رک کر پیچھے مڑتے دونوں کو جھاڑ پلائی تھی۔

''ایک نمبر کی سڑیل ہو تم۔ ہٹلر کی جانشین۔''

پارس تو ڈانٹ سن کر چپکی رہ گئی تھی جبکہ مزینہ کا غصہ حد سے سوا ہوا تھا۔ وہ بھنا کر زائشہ کی شان میں قصیدہ پڑھ رہی تھی جس پر آگے چلتے خرم نے بامشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی

تھی۔اس کے ساتھ چلتے اردشیر کو اپنی سمعتوں پر شعبہ سا ہوا۔وہ ٹھٹھک گیا مگر رکا نہیں۔اس آواز کو وہ ہزاروں کیا لاکھوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔

''ٹھیک ہے چلو مگر صرف تھوڑی دیر کے لیے۔''

ان دونوں کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ نرم پڑی تھی۔لیکن انہیں خوش ہوتا دیکھ کر وہ خبر دار کرنا بھی نہیں بھولی۔

سمندر پر بے تحاشہ رش نہیں تھا کیونکہ آج اتوار نہیں تھا مگر پھر بھی کچھ لوگ تفریح کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔

''تم لوگوں کو پانی میں جانا ہے تو جاؤ میں نہیں جاؤں گی۔''

اس نے پہلے ہی ہاتھ کھڑا کر کے انکار کر دیا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟''

مزینہ کو حیرت ہوئی۔

''یہ یہی بات ہوئی اور اب تم لوگ جاؤ تا کہ جلدی آسکو اور زیادہ آگے مت جانا۔سمندر کا کوئی بھروسہ نہیں۔''

سمندر کی لہروں کے تکتے اس نے کہا تھا۔

پارس اور مزینہ آگے لہروں کے پاس چلی گئ تھیں جبکہ وہ گیلی ریت پر کھڑی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی تو کبھی کلائی میں بندھی گھڑی پر نگاہ ڈال لیتی۔اسے گھر جانے کی جلدی تھی۔یوں گھر سے باہر تنہا اسے بے سکونی محسوس ہو رہی تھی۔وہ تو یہاں آئی بھی امی کے کہنے پر تھی اور یہاں آکر پارس کی ضد کے آگے اسے ہار ماننا پڑی تھی۔بابا نہیں تھے تو چھوٹے بہن بھائی کا خیال بھی اسے ہی رکھنا تھا۔

وہ گہری سوچ میں محو تھی۔اس کی محویت سامنے جیپ سے ٹیک لگائے چند لڑکوں کی آواز پر ٹوٹی تھی۔

سمندر میں کنارہ تو

جو بکھروں میں سہارا تو

آیوں قریب تو

چھولوں میں تیری روح

بن تیرے میں ہوں بے نشاں

ان میں سے ایک لڑکا زائشہ کو سر سے پیر تک تکتے ہوئے گنگنانے رہا تھا۔اس نے سرخ پڑتے رخ پھیر لیا۔وہ آگے بھی نہیں جاسکتی تھی کہ پارس اور مزینہ یہاں اکیلی ہو جاتیں۔

”آئے ہائے یہ شہر کی لڑکیوں کے نخرے۔۔۔۔“!

دوسرا ہنس کر بولا تھا۔

”حسینوں کے تو نخرے بھی سر آنکھوں پر۔“

جیپ میں بیٹھا بھیگے کپڑوں والا کمینگی سے زائشہ کو دیکھ کر بے ہنگم انداز میں ہنس کر ساتھ والے کے ہاتھ پر تالی مارتا گویا ہوا تھا۔

لک پتلا پتنگ

نالے گورا گورا رنگ

چلے ناگن جیسی چال

تے کڑیاں شہر دیا

اوئے ہوئے تے کڑیاں شہر دیاں

اوئے ہوئے تے کڑیاں شہر دیاں

زائشہ کے نازک سراپے کو خباثت سے دیکھتے وہ چاروں زور شور سے بے ہنگم آواز سے گنگنانے لگے۔ وہ مزید خود میں سمٹی تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑی مزینہ اور پارس کے پاس چلی جاتی یا نہیں آواز ہی دے لیتی۔ زبان تو جیسے تالو سے چپک گئ تھی۔ آنکھوں میں بے بسی کے باعث نمی در آئی تھی۔ اسی لیے تو وہ یہاں آنا نہیں چاہ رہی تھی۔ ادھر کے ماحول سے وہ باخوبی واقف تھی۔

سوچا ہے یہ کہ تمہیں رستہ بھلائیں

سونی جگہ پہ کہیں چھیڑیں ڈرائیں

زائشہ کو حرکت نہ کرتے دیکھ ان کی مزید حوصلہ افزائی ہوئی تھی اور ان میں سے جیپ والا لڑکا کود کر نیچے اترا تھا اور اس کی طرف بڑھا تھا۔

اپنے قریب سے آتی آواز اور قہقہوں پر اس نے مٹھیاں بھینچ کر خود میں ہمت مجتمع کی۔ وہ جو زائشہ کا ہاتھ تھامنے ہی والا تھا۔ زائشہ نے پلٹ کر اس کے گال پر ڈھیلے ہاتھ کا زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔

وہ لڑکا ششدر رہ گیا۔ دنگ تو اس کے باقی ساتھی بھی رہ گئے تھے۔

”گھٹیا انسان! شیم آن یو۔ بے غیرتی کی چلتی پھرتی مثال ہو تم۔ یوں سر عام کسی لڑکی پر جملے کسنے اور اسے دیکھ کر کمینے پن پہ اترنے سے پہلے سوچ لیا کرو کہ کل کو اس جگہ تمہاری بہن بھی ہو سکتی ہے۔“

زائشہ نے ضبط سے کہا اور سختی سے لب بھینچ کر پلٹی ہی تھی کہ اس لڑکے نے زائشہ اپنے حصار میں جکڑ لیا۔

”تو نے مجھے جو تھپڑ مارا ہے ناں۔ اس کا حساب تجھے دینا ہوگا وہ بھی ابھی اسی وقت اور اسی جگہ۔ تجھے اگر دو کوڑی کا نہ کر دیا تو میرا نام بدل دینا۔“

اردشیر اور خرم پینٹ کی پائنچے اوپر کیے لہروں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ یک لخت فون کی گھنٹی بجنے پر کال سننے کی غرض سے وہ لہروں کی شور سے زرا پرے ہوا تو نظر سیدھی اس منظر پر ٹھہر گئی جسے دیکھتے ہی اس آنکھوں میں لہو اتر آیا اور اس کی کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔ دانت پر دانت جماتے مٹھیاں بھینچتے وہ اس لڑکے طرف بڑھا تھا۔

زائشہ کا دل سوکھے پتے کی مانند لرزا اٹھا۔

”چھوڑو مجھے ذلیل انسان۔“

اس کی گرفت میں جھٹپٹاتے وہ بے بسی سے چیخی تھی۔اس سے قبل کے وہ اوباش لڑکا زائشہ کے چہرے پر جھک کر کوئی غلط حرکت کرتا اردشیر نے اسے بازو سے کھینچ کر پلٹتے ہی گھونسا اس کے منہ پر جڑ دیا تھا۔

اس نے بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھا۔

"ابے او ہیرو تیری کچھ لگتی ہے کیا جو اتنا بھڑک رہا ہے۔"

گھونسا کھانے کے بعد بھی وہ باز نہیں آیا تھا۔ناک سے بہتا خون آستین سے پونچھ کر خباثت سے کہتا وہ کھڑے ہو کر بے ہنگم انداز میں کمینگی سے ہنسا تھا۔

خرم شور شرابے کی آواز سن کر ادھر آیا تھا اور لمحوں میں معاملے کی گھمبیرتا سمجھ گیا تھا۔

"ابے سمجھا کر یار گرل فرینڈ ہو گی اس کی۔گھر سے چھپ کر ڈیٹ مارنے آئی ہو گی۔"

اس کے ساتھ کھڑا دوسرا لڑکا کمینگی سے ہنسا تھا۔

اب اردشیر اور خرم کی برداشت سے باہر تھا۔انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور ایک ایک کی طبیعت سے دھلائی کی۔

ایک دم لوگ جمع ہونا شروع ہو گۓ تھے۔ شور کی آواز پر پارس اور مزینہ بھی بھاگی آئی تھیں جبکہ اپنے لیے اس قدر گھٹیا جملے سن کر زائشہ کا دل کیا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

''سالے کمینے گھٹیا انسان ہمت کیسے ہوئی تیری گھٹیا گفتگو کرنے کی۔ کیا بکواس کر رہا تھا تو اب بول۔''

اس کا منہ اپنے بھاری ہاتھ کے شکنجے میں لیے اردشیر غصے کی شدت سے چیخا تھا۔

''ک۔ک۔کچھ ن۔ن۔ نہیں بھائی اسے چھوڑ دو ہم تو بس شغل کر رہے تھے۔ معاف کر دو ہمیں۔''

بدحواسی میں وہ لڑکا کچھ کا کچھ بول گیا تھا۔

''جسے تو شغل کہہ رہا ہے اسے بے غیرتی کہتے ہیں۔''

اس کا بھاری ہاتھ گھوما تھا اور پوری شدت سے تھپڑ کی گونج سنائی دی تھی۔ خرم کے ہاتھوں دھلائی کروا کر باقی دو کی تو ہمت ہی جواب دے گئ تھی۔

''معاف کر دو ہمیں۔''

وہ لڑکھڑاتے لہجے میں ملتجی ہوا۔

"معاف کر دوں تا کہ تم لوگ پھر کسی دوسری لڑکی کا کھلی ہوا میں سانس لینا دشوار کر دو۔"

اردشیر نے گریبان سے پکڑ کر اس کے پیٹ میں گھونسا مارا۔

"پلیز اسے چھوڑ دیں۔ وہ مر جائے گا۔"

اردشیر اس لڑکے کو بالوں سے پکڑ کر قریبی پڑے پتھر پر سر مارنے لگا تھا کہ زائشہ کی پکار پر اس کے ہاتھ ساکت ہو گئے۔

"یہ لڑکی"!

اردشیر سختی سے لب بھینچ گیا۔

اتنے میں پولیس کی جیپ بھی وہاں پہنچ گئی۔ زائشہ گھبرا گئی تھی۔ معاملہ اتنا بڑھ جائے گا اسے نہیں معلوم تھا۔

"ان کی اچھے سے تواضع کرنا ذوالقرنین مہمان نوازی میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے۔"

کف موڑتے وہ شرر بار نگاہوں سے ان چاروں کو دیکھتا اس تک آیا تھا جسے خرم نے بہت پہلے ہی میسج کر دیا تھا وہ تو شکر تھا کہ وہ ڈیفینس کے علاقے میں ہی ٹیم کے ہمراہ گھوم رہا تھا۔

”کیوں بے چھچھوندر کی اولاد۔ مفت کا مال سمجھا ہوا تھا یا تیرے باپ کی ذاتی جاگیر ہیں ہم لڑکیاں۔“

مزینہ نے آگے بڑھ کر ہتھکڑی میں جکڑے ان چاروں میں سے اس لڑکے کو دھلائی شروع کر دی جس نے زائشہ کو چھیڑا تھا۔ ذوالقرنین ہڑبڑا کر اس لیڈی ڈان کی طرف بڑھا۔

”پیچھے ہٹیں محترمہ! آج کے لیے اتنا کافی ہے۔“

اردشیر نے بیچ بچاؤ کروایا۔

”شرافت سے ان کی گندی بو تھی گم کروا نسپیکٹر۔“

خرم کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ یہ تو وہی لڑکی "ہے جو اس دن کلینک میں ڈرامہ کر کے گئی تھی۔"

وہ حیرت زدہ سا چونکا تھا۔

اردشیر بھی بری طرح چونک گیا۔اس لڑکی کو تو اس نے آفاق صاحب کے گھر میں قریباً مہینہ پہلے دیکھا تھا۔

”ارے آپ۔۔۔۔۔“!

اردشیر کو دیکھ کر وہ بھی چونکی تھی پھر نظر ساتھ کھڑے ڈاکٹر پر پڑی تو اس کا نام یاد آیا جو دوائی کی پرچی کے عین اوپری جانب لکھا تھا۔

بازو کہنیوں تک موڑے وہ سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔بلیو جینس گھٹنوں سے زرا سے نیچے تک فولڈ کر رکھی تھی۔ہینڈ سم اور ڈیشنگ سے ڈاکٹر خرم کو دیکھ کر بے ساختہ اس کا دل دھڑکا تھا۔

”جی میں۔۔۔۔۔آپ ٹھیک ہیں۔“

مزینہ کی بات کا جواب دے کر وہ پیچھے کھڑی زائشہ سے مخاطب ہوا۔

”عمل کا رد عمل بہت برا ہوتا ہے۔“

زائشہ نے در پردہ اردشیر کی بک شاپ پر کہی بات کے حوالے میں شکوہ کیا تھا۔اس کے شکایتی انداز پر اردشیر کی گھنی موچھوں تلے عنابی ہونٹوں پر تبسم بکھرا تھا۔

پارس الجھ سی گئی جبکہ مزینہ نے جانچتی نظروں سے ان دونوں کو دیکھا۔

''گھر چلو دیر ہو رہی ہے۔''

زائشہ نے چادر درست کی۔

''بہت بری بات ہے زائشہ۔ انہوں نے تمہاری عزت بچائی ہے۔ کم سے کم شکریہ تو ادا کر دو۔''

مزینہ کو زائشہ کی بے حسی بری طرح کھلی تھی۔

''شکریہ احسان کرنے پر کہا جاتا ہے۔ فرض ادا کرنے پر نہیں۔''

اردشیر کی بات پر زائشہ کا دل دھڑکا تھا جبکہ خرم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا تھا جس کے عاشقانہ مزاج اور لبوں پر بکھرا تبسم کوئی کہانی سنانا چاہ رہا تھا۔

''چلیے میں آپ لوگوں کو گھر چھوڑ دیتا ہوں۔''

اردشیر نے پینٹ کے پائنچے نیچے کیے۔

''ہم خود جا سکتے ہیں۔''

زائشہ نے تلخی سے کہا۔ نہ معلوم اسے کیوں لگ رہا تھا جیسے اردشیر اس کا پیچھا کر رہا ہے۔

"اس وقت آپ تینوں کا اکیلے جانا ٹھیک نہیں ہے۔ آفاق صاحب میرے آفس میں کام کرتے تھے۔ میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں اور اس حوالے سے آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہیں۔"

زائشہ نے چونک کر اردشیر کو دیکھا۔

"تو یہ شخص اس توسط سے جانتا ہے مجھے اور جان بوجھ کر پیچھے پڑا ہے۔"

زائشہ نے تنفر سے سوچا۔

"ہم آپ لوگوں کو بحفاظت آپکے گھر پہنچادیں گے۔"

خرم کے کہنے پر اور مزینہ کی مسلسل گھوریوں پر اس کو مانتے ہی بنی۔

اردشیر ڈرائیو کر رہا تھا جبکہ خرم فرنٹ سیٹ پر اس کے ساتھ بیٹھا تھا اور تینوں پیچھے پیسینجر سیٹ پر براجمان تھی۔

"آپ تینوں کو گھر سے اکیلے نہیں نکلنا چاہیے تھا اگر یہاں آنا ہی تھا تو سفیر کو ساتھ لے آتیں۔"

ڈرائیو کرتا اردشیر گہری نظروں سے سائیڈ مرر میں نظر آتے زائشہ کے وجود کو دیکھ کر نظریں پھیر گیا۔اسے دیکھ کر نہ معلوم کیوں نظریں گستاخ ہو جاتی تھیں۔

”آپا تو یہاں آنا بھی نہیں چاہتی تھیں وہ تو امی نے زور دیا تو آ گئیں۔“

پارس نے جلدی سے بتایا کہ کہیں وہ انہیں واقعی ہی آوارہ نہ سمجھ بیٹھے۔

”مجھے علم ہے۔“

خرم ہنس دیا تھا۔

”آپ کو کیسے پتا۔“

پارس تو منٹوں میں گھل مل گئی تھی۔

”مزار پر آپ لوگوں کی گفتگو سن چکے تھے۔اتنا تو بچے بھی تنگ نہیں کرتے جتنا آپ دونوں کرتی ہیں۔“

خرم بول کر خاصا محظوظ ہوا تھا۔پارس خجل سی ہو کر مسکرا دی تھی۔

مزینہ نے دانت کچکچائے تھے۔زائشہ شیشے سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر دیکھ رہی تھی۔وہ اتنی جلدی گھلنے ملنے والے لوگوں میں سے نہیں تھی۔نہ ہی اسے اجنبیوں سے

مخاطب ہونا پسند تھا۔ان کی مدد بھی وہ بحالت مجبوری لے رہی تھی ورنہ وہ عادتاً کافی خود دار لڑکی تھی۔

اردشیر نے بیک ویو مرر سے ایک نظر ہر چیز سے بے نیاز اس لڑکی کو دیکھا جو نجانے باہر کیا تلاش کر رہی تھی۔اسے دیکھ کر اردشیر کا دل چاہا تھا کہ وہ بھی اپنی باقی دونوں بہنوں کی طرح بولے بات کرے مگر اس طرف تو ہنوز خاموشی کا دور دورہ تھا۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ ان کے گھر پہنچ چکے تھے۔اردشیر نے گاڑی ان کے گھر کے بالکل سامنے روک دی تھی۔

"چلو بھئی میں تو اپنے گھر جا رہی ہوں امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

گاڑی سے اترتے ہی مزینہ تیزی سے سامنے والے گھر میں گھس گئی تھی۔

اردشیر الجھ گیا۔اس دن جب وہ آیا تھا تو اس لڑکی کو آفاق صاحب کے گھر میں دیکھا تھا ابھی وہ سامنے والے گھر میں گئی تھی۔

"کیا وہ آپ کی بہن ہیں۔"

بے اختیار ہی وہ پوچھ گیا تھا۔

”نہیں وہ ہماری ہمسائی ہے مگر بہن سے کم بھی نہیں ہے۔رشتے صرف خون کے ہی تو نہیں ہوتے کچھ رشتے احساس اور دل کے بھی ہوتے ہیں اور مزینہ سے ہمارا وہی رشتہ ہے۔“

پارس نے نرمی سے جواب دیا تھا جبکہ زائشہ اندر جاچکی تھی۔

”آپا کی طرف سے ایم سوری۔دراصل وہ جلدی لوگوں میں گھلتی ملتی نہیں ہیں۔“

پارس کو واقعی زائشہ کی حرکت بری لگی تھی۔

”آپ سوری مت کہیں۔آپ کی آپا بہت اچھی عادت کی مالک ہیں۔لڑکیوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے سخت مزاج۔“

خرم نے اس کی شرمندگی دور کی تھی۔

”آپ لوگ یہاں کیوں کھڑے ہیں اندر چلیں ناں۔امی اور بھائی کو پتا چلے گا تو وہ میری کلاس لگادیں گی کہ میں نے آپ لوگوں کو اندر نہیں بلایا۔“

پارس نے بیچارگی سے مسئلہ بیان کیا۔

”ارے نہیں گڑیا پھر کسی دن صحیح ابھی تو ہمیں بھی دیر ہو رہی ہے۔“

وہ سہولت سے انکار کر گیا تھا۔ بھلا اس حلیے میں جاتا وہ اچھا لگتا۔ اپنی ڈریسنگ کے معاملے میں وہ بہت کانشس تھا۔

****

"تو جانتا ہے انہیں؟"

واپسی پر دورانِ ڈرائیونگ خرم نے حیرت کا اظہار کیا تھا۔

"ہاں جانتا ہوں میرے آفس ورکر کی بیٹیاں تھیں جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔"

اردشیر نے جواب دیا۔

"تیسری تو ان کی پڑوسن ہے اور کیا پٹاخہ لڑکی ہے یار۔ سیریسلی کس طرح اس نے تماشائی بنے لوگوں کی طبیعت صاف کی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہم ان لڑکوں کو سبق نہ سکھاتے تو وہ لڑکی اکیلی ہی ان کی دھلائی کے لیے کافی تھی۔"

خرم ہنس کر بولا۔

"تو تو ایسے بات کر رہا ہے جیسے مل چکا ہو پہلے۔"

اردشیر نے طنز کیا۔

”ہاں کوئی شک ہے کیا۔ مل چکا ہوں۔ کچھ وقت پہلے ہی یہ دونوں لڑکیاں اس پٹاخہ کو میرے کلینک لے کر آئی تھیں۔ دانت میں تکلیف تھی۔“

خرم نے بتایا۔

”اوہ جبھی میں کہوں موصوف کی آنکھیں کیوں چمک رہی ہیں۔“

اردشیر کا انداز صاف چھیڑنے والا تھا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمیشہ الٹا مت سمجھا کر اور تو مجھے کیا بول رہا اپنا بتا۔ کیا چکر ہے یہ عمل اور رد عمل کا۔“

خرم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھ کر لتاڑا۔

”کوئی چکر نہیں اپنے دماغ کے گھوڑے مت دوڑا۔“

اردشیر نے اسے سخت لہجے میں ٹوک دیا۔

”تو انہیں جانتا ہے پہلے سے۔“

خرم نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

”اونہوں! مگر جاننا چاہتا ہوں۔“

گہرے لہجے میں کہتے اس نے زائشہ کی بے نیازی پر دل میں درد سا اٹھتا محسوس کیا جبکہ خرم خوشگوار سی حیرت میں گھر گیا۔

"یہ معجزہ کب ہوا۔ چھپے رستم بتایا بھی نہیں اپنے یار کو۔"

خرم نے چلتی گاڑی میں اسے بھینچ لیا۔

"ہر بات بتانا ضروری ہے کیا۔"

اردشیر نے اسے گھوری سے نوازتے دور دھکیلا۔

"اوہو! مزاج جناب کے چیک کیجیے بھئی۔ وہ کیا کہتے ہیں۔"

ہاں مجھے پیار ہوا پیار ہوا اللہ میاں۔

خرم پورے رستے اسے تنگ کرتے گیا تھا۔

"اتنی دیر لگا دی تم لوگوں نے۔"

بیٹیوں کے گھر میں قدم رکھتے ہی انہیں سکون کا سانس آیا تھا۔

"سب آپ کی لاڈلی کی ضد کا نتیجہ ہے۔"

زائشہ بھری بیٹھی تھی۔اسے رہ رہ کراس اجنبی کی گاڑی میں بیٹھنا یاد آرہا تھا۔اس کی انا گوارہ ہی نہیں کرتی تھی کہ وہ یوں کسی کا احسان اپنے سر لیتی۔

"آپا غصہ تھوک بھی دیں۔پورے راستے آپ گاڑی کے شیشے سے باہر جھانکتی رہیں۔کیا سوچتے ہوں گے وہ لوگ۔بندے کو اتنا بھی انا پرست نہیں ہونا چاہیے۔"

پارس برا منا کر بولی اور اپنی چادر تہہ کرتی الماری میں رکھنے لگی۔

"کون لوگ؟"

ساجدہ بیگم نے تعجب سے استفسار کیا۔

"وہ جو بابا کے باس تھے ناں جو افسوس کے لیے بھی آئے تھے۔اردشیر بھائی!وہ مل گئے تھے ہمیں اور پھر انہوں نے ہمیں اکیلے آنے ہی نہیں دیا بلکہ خود گھر تک چھوڑ کر گئے ہیں۔"

پارس نے تفصیل بتاتے وقت اصل بات گول کر دی کہ وہ خوامخواہ پریشان ہوتیں۔۔

"آئے ہائے پارس تجھے کب عقل آئے گی۔اندر بلانا تھا اس بچے کو۔کیا سوچتا ہو گا وہ بھی۔"

وہ ماتھے میں بل ڈال کر تاسف زدہ سی نظر پارس پر ڈال کر گویا ہوئیں۔

"اوہو امی اتنی عقل ہے مجھ میں۔میں نے کہا تھا انہیں اندر آنے کو مگر وہ نہیں آئے۔اب اس میں میرا کیا قصور ہے۔"

وہ جھنجھلا سی گئی تھی۔

****

نائٹ ڈریس چینج کر کے بیڈ پر بیٹھی وہ اپنی کتابوں پر جھکی ہوئی تھی۔اس کا موبائل بجا تو سحاب نے پہلے تو سکرین پر چمکتا ان نون نمبر دیکھ کر نظر انداز کر دیا مگر جب کالز مسلسل آتی رہیں تو اس نے کالز رسیو کر ہی لی۔

"کیسی ہو سحاب؟میں ابشام بات کر رہا ہوں۔"

وہ کال رسیو کرتے ہی مقابل کی عقل ٹھکانے لگانے کا ارادہ رکھتی تھی مگر ابشام کے تعارف پر وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو کر سیدھی ہو بیٹھی۔

"آپ نے کیسے کال کی خیریت تھی؟"

حیرت سے نکل کر اس نے گھڑی میں ٹائم دیکھا جو دس بجا رہی تھی۔

”تم سے بات کرنے کے لیے کال کی۔ یونیورسٹی میں تو تمہاری وہ سڑیل دوست ہمیں ایک ساتھ دیکھ کر جل بھن جاتی ہے۔“

اس کے انداز گفتگو پر سحاب کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

”مزنی کی بات کر رہے ہیں آپ؟“

اس نے مسکراہٹ دبا کر تائید چاہی۔

”اور کون ہو سکتا ہے بھلا۔“

ابشام مصنوعی طنز کرتا ہوا بولا۔

”وہ بہت اچھی ہے اور میری بہترین دوست ہے۔ اس کے بارے میں میں برائی نہیں سنوں گی۔“

سحاب کو واقعی اس کا مزنی کے بارے میں گفتگو کرنا برا لگا تھا پر وہ ٹال گئی تھی۔

”کیا کر رہی تھیں؟“

دوسری طرف ابشام سکون سے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے لیٹا ہوا محبت کا جال بن رہا تھا جس میں سحاب نامی چڑیا کو پھنسانا تھا اور شروعات میٹھے لہجے میں کی گئی تھی جو مقابل کو جکڑ گیا تھا۔

مزنی اور سحاب کے آگے والی سیٹ پر رینا اور حرا جبکہ پیچھے والی سیٹ پر ابشام کرمانی اور یاسر اور حارث بیٹھے ہوئے تھے۔

پروفیسر کے کلاس سے جانے کے بعد تمام طلبہ سیٹ سے اٹھ کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ سحاب اور مزنی بھی بیگ اٹھا کر کلاس سے نکلنے لگی تھیں۔

"سحاب! مجھے تمہارے نوٹس چاہیے تھے۔"

ابشام کی آواز پر مزنی اور سحاب دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔

"کمال ہے دوسروں کو نوٹس بنا کر دینے والے کو آج کسی اور کے نوٹس کی ضرورت پڑ گئی۔"

مزنی کے طنز پر وہ سیخ پا ہوا تھا مگر جلد ہی جبر کر گیا۔

"چراغ تلے اندھیرا۔"

ابشام نے مزنی کو جلانے کے لیے مسکراہٹ چہرے پر سجائی۔اسے سحاب کو پیار کی مار مارنا تھی۔وہ غصے میں کوئی بھی غلط بات کہہ کر سحاب کو خود سے بدگمان نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

"فارغ ہو جاؤ تو کینٹین آجانا سحاب۔"

مزنی سپاٹ لہجے میں کہتی کلاس سے باہر نکل گئ۔حارث کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔وہ لمبی سانس کھینچ کر رہ گیا۔

سحاب نے خاموشی سے نوٹس نکال کر ابشام کو دیے۔حارث کے سامنے وہ ہرگز کوئی سکینڈل افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

ابشام نے اس کے جاتے ہی بے دردی سے نوٹس کو ڈیسک پر پٹخا اور کرسی پر بیٹھ کر دونوں ٹانگیں سامنے میز پر ٹکا دیں۔

"جب تمہارے پاس نوٹس تھے تم نے سحاب سے کیوں لیے۔"

حارث نے استفسار کیا۔

"یونہی دل کر رہا تھا۔"

وہ کندھے اچکاتا حارث کو پاگل لگا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔"

اس کے کان کھڑے ہو گئے۔

"ابے کچھ نہیں یار! تو نہیں سمجھے گا۔"

وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہو کر اس کا شانہ تھپک کر بولا اور بیگ اٹھا کر کلاس سے باہر چلا گیا۔

حارث بھی اس کے پیچھے ہی کلاس سے نکلا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی مزنی! ابشام کے ساتھ تم اس طرح کیوں بات کرتی ہو۔"

سحاب نے خفگی سے سموسوں سے انصاف کرتی مزنی سے شکوہ کیا۔

"کیونکہ وہ اسی لائق ہے۔ اس گدھے کے پاس اپنے نوٹس موجود ہیں پھر بھی تم سے مانگ لیے۔ کیا ضرورت پڑ گئی تھی اسے۔"

اس کا غصہ عود آیا تھا۔

"اب یہ مت کہنا کہ ہو سکتا ہے اس کے نوٹس میں کچھ مسنگ ہو کیونکہ ایسا ممکن ہی نہیں ہے اس کے نوٹس خود سر اعجاز اپنے سامنے بٹھا کر بنواتے ہیں۔"

مزنی نے ہاتھ جھاڑتے اس کی نقل اتار کر اسے لاجواب کر دیا۔

”مجھے لگتا ہے وہ سحاب میں انٹرسٹڈ ہے۔“

رینا نے کچھ سوچ کر کہا۔

”مرد ہے ظاہر سی بات ہے عورتوں میں ہی انٹرسٹڈ ہو گا ناں۔“

سحاب نے اسے گھورا۔

”تم اس بندے سے دور رہا کرو سحاب مجھے یہ بندہ ٹھیک نہیں لگتا۔ رینا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ وہ تم میں انٹرسٹڈ لگتا ہے جبھی آتے جاتے تم سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے ورنہ میں رینا اور حرا بھی تو ہیں۔ ہمیں تو اس نے کبھی لفٹ نہیں کروائی۔ مجھے تم چھوڑو رینا اور حرا کو بھی اس نے کبھی گھاس نہیں ڈالی۔“

مزنی نے دوراندیشی ظاہر کی۔

”وہ کیا مجھے گھاس نہیں ڈالے گا۔ میں خود اسے ریجیکٹ مارتی ہوں۔“

رینا نے سلگ کر کہا۔ بھلا وہ ہوتا کون تھا کسی کو یا ان کو ریجیکٹ کرنے والا۔

"بس ہو گیا تمہارا برائی نامہ شروع۔ پتا نہیں کیوں تم لوگ اس کے پیچھے پڑ گئی ہوا گر وہ مجھ میں انٹرسٹڈ ہے تو اس میں برائی کیا ہے اور اس میں کس چیز کی کمی ہے جو اسے نظرانداز کیا جائے۔ اس کے پاس گھر ہے گاڑی ہے روپیہ پیسہ اور بینک بیلنس ہے اور خود بھی خوبصورت ہے جوان ہے اور سب سے بڑی بات ہے اپنے باپ کی اکلوتی اولاد ہے۔ وہ کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتا ہے مزنی! پھر میرا کیوں نہیں جس میں وہ انٹرسٹڈ ہے۔"

آج سحاب نے بلی تھیلے سے باہر نکال ہی دی تھی۔ یہ قصہ کھل ہی گیا تھا تو اس نے بھی انہیں حقیقت سے قریب تر کر دیا۔ مزنی کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ رینا تو خود تحیر زدہ تھی۔ حرا نے اچھنبے سے سحاب کو وہاں سے جاتا دیکھا۔

****

"یہ اپنی پچھلی گلی میں جو شمو رہتی ہے یہ بتا رہی تھی کرائے کے لیے گھر خالی ہے اور یہ بھی بتا رہی تھی کہ کافی بڑا ہے کمرے بھی اس میں زیادہ ہیں اور خوبصورت بنا ہوا ہے۔"

خالدہ بیگم زائشہ کے گھر آئی ہوئی تھیں۔ کل جب مزینہ نے انہیں زائشہ کے سکول کھولنے والی بات بتائی تو انہیں یاد آیا کے پچھلے دنوں شمو کسی گھر کا ذکر کر رہی تھی جو کرائے کے لیے خالی پڑا ہوا تھا۔ انہوں نے صبح زائشہ کے سکول سے آتے ہی اسے بتایا۔

"لیکن خالہ گھر ہے کس طرف۔"

اس نے پوچھا۔

"تھوڑا دور ہے دوسرے علاقے میں۔"

انہوں نے دوپٹے کے پلو سے ہوا جھلتے جواب دیا۔ اتنی گرمی میں پنکھے بھی لگتا تھا ناکارہ ہوتے جا رہے تھے۔

"تو دیر کس بات کی ہے چلتے ہیں گھر دیکھنے۔ پسند آ گیا تو مالک سے بات کر لیں گے کرایہ مناسب ہوا تو فائنل کر کے آ جائیں گے۔"

مزینہ نے جلدی سے کہا۔

"یہ تیری بغیر ہڈی کی جو زبان ہے ناں اسے اندر ہی رکھا کر۔ ہتھیلی پر سرسوں جمانے چلی ہے۔"

خالدہ کے تیور بگڑے تھے۔

''اماں ایک تو تم میری زرا عزت نہیں کرتیں۔ بندہ چار لوگوں کا خیال ہی کر لے مگر نہ جی۔''

وہ برا منا کر بولی۔

''بی بی اپنی عزت اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔''

وہ طنزیہ انداز ہاتھ نچا کر بولیں تو اس کی عزت افزائی پر پارس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''ابھی صرف گھر دیکھو لو پسند آ جائے تو میں شمو سے بات کرتی ہوں وہ مکان مالک سے ملوا دے گی تمہیں پھر اس سے کرائے کی بات کر لینا۔''

انہوں نے مشورہ دیا۔

''ٹھیک ہے خالہ میں زرا اپنی چادر لے آؤں پھر چلتے ہیں گھر تو پتا ہے نہ آپ کو؟''

کمرے میں جاتی ہوئی زائشہ نے تائید چاہی۔

''شمو کو پتا ہے چابی بھی اسی کے پاس ہوتی ہے۔اس کے گھر سے ہوتے ہوئے چلیں گے۔''

وہ کھڑی ہوتی ہوئی بولیں تو وہ سمجھتے سر ہلا گئ۔

وہ لوگ پہلے شمو نامی عورت کے گھر گئ تھیں۔ شمو نامی عورت انہیں اپنے ساتھ گھر دکھانے لے گئ۔

"سات کمرے اوپر ہیں اور سات کمرے نیچے ہیں۔ کچن واشروم اور سٹور روم الگ ہیں وہ بھی اوپر ہی ہیں۔"

شمو نامی عورت جو انہیں لے کر آئی تھی ایک ایک کمرہ کھول کر دکھانے لگی۔

زائشہ کو اگرچہ گھر سکول کے لیے پسند آیا تھا کہ اس میں کمرے زیادہ تھے لیکن گھر کی چمک دمک اس کے اعلی کرائے کا پتہ دے رہی تھی۔اس کے چہرے پر فالحال مایوسی چھائی ہوئی تھی۔

"پسند نہیں آیا کیا۔"

زائشہ کے چہرے پر مایوس کن تاثرات دیکھ کر شمو نامی عورت اچھنبے سے بولیں کہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا گھر نہ پسند آئے۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں گھر بہت اچھا ہے مگر اس کا کرایہ بھی تو اتنا ہی اچھا ہو گا ناں۔"

وہ آسودگی سے مسکرا کر بولی۔

"اس کی تو تم فکر ہی نہ کرو جس کا یہ مکان ہے ناں وہ بڑی نرم دل اور خوش اخلاق بندی ہے۔ پیسے کی ریل پیل ہے خود بھی یہ بڑی کوٹھی میں رہتی ہیں۔ کار میں آتی جاتی ہیں مگر غرور اکڑ نام کو نہیں ہے۔ احساس کرنے والی بندی ہے۔"

شمو نے مالکن کے مختصر سا حوالہ دیا۔

"پھر تو مجھے پوری امید ہے کہ یہی ہمارا اسکول بنے گا۔"

پارس نے خوش ہو کر ایک نظر پورے گھر پر دوڑائی۔

"اللہ کرے گا بھئی۔ نیت صاف ہو تو منزل آسان ہو جاتی ہے۔"

خالدہ بیگم نگ صدق دل سے کہا۔

****

روشنی حماس کو کھانا کھلا رہی تھیں۔ اندر آتے اردشیر اور سحاب کو دیکھ کر مسکرائیں۔

"جلدی آگئے آفس سے۔"

"ہاں آفس میں زیادہ کام نہیں تھا تو سحاب کو یونی لینے چلا گیا تھا۔"

وہ صوفے پر بیٹھتا ہوا حماس کے بال بگاڑ کر مسکرایا۔

سحاب سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے میں گم ہو گئ تھی۔مزنی کی باتوں سے اس کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

" شمیم آراء آنٹی ہے ناں جنہیں گھر کی چابی دی ہوئی ہے ان کا فون آیا تھا کہہ رہی تھی کہ گھر دیکھنے کے لیے کرائے دار آئے تھے اور گھر انہیں پسند بھی آگیا ہے۔میں سوچ رہی ہوں ان لوگوں سے ایک بار مل لوں۔"

وہ حماس کو کھانا کھلاتے ہوئے اردشیر کو آگاہ بھی کر رہی تھیں۔

"دیکھ لیں جو مناسب لگتا ہے کر لیں۔"

وہ سرسری سے لہجے میں بولا

"ٹھیک ہے میں انہیں ملاقات کا کہہ دیتی ہوں۔"

وہ برتن ملازمہ کو تھماتیں حماس کا منہ اور ہاتھ ٹشو سے صاف کرنے لگیں جو وہ کھانا کھاتے ہوئے گندے کر چکا تھا۔

"تم نے کیا سوچا ہے اردشیر ؟"

وہ اوپر کمرے میں جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ روشنی کی آواز پر پلٹا۔

''کس بارے میں بھابھی؟''

وہ جان کر انجان بنتا حماس کو پیار کرنے لگا۔

''شادی کے بارے میں۔''

روشنی نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''کچھ وقت دے دیں بس۔''

اردشیر کی آنکھوں میں زائشہ کا عکس جگنو بن کر اترا تھا جبکہ لبوں پر بکھرا تبسم خود روشنی سے بھی چھپ نہ سکا۔

''میں خود آپ کو بتادوں گا اور ہاں ایک اور بات۔''

وہ جاتے جاتے پھر پلٹا۔

''اب میرے لیے پریشان ہونا چھوڑ دیں۔''

اس کی مسکراہٹ روشنی کو اندر تک پر سکون کر گئی۔

اگلی صبح سب کو ناشتہ کروا کر بھیجنے کے بعد وہ شمیم آراء سے رابطہ کر کے ٹائم بتا چکی تھیں کہ وہ گیارہ بجے تک آئیں گی جس پر شمیم آراء نے انہیں بتایا کہ جس نے مکان کرائے پر لینا ہے وہ سکول میں نوکری کرتی ہے اور دو بجے تک فارغ ہوتی ہے تو روشنی نے تین بجے کا وقت شمیم آراء کو دیا تھا۔

****

سکول سے آکر وہ کھانا کھا کر نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی جب تک ڈھائی بج گئے تھے۔ جاتے جاتے ٹائم پورا ہو ہی جانا تھا سو وہ تیار ہو کر اکیلی ہی کل والے پتے پر پہنچی تھی۔ اکیلے آنے کا صرف ایک ہی مقصد تھا۔ وہ مضبوط ہونا چاہتی تھی کہ اس نے جس راہ پر قدم اٹھا لیا تھا اس پر اسے اکیلے ہی چلنا تھا کوئی مرد اس کا ساتھ دینے والا نہیں تھا کہ وہ کہیں ڈگمگاتی تو اسے سہارا مل جاتا۔

وہ اپنی منزل کی طرف جانے والی اس راہ کی اکیلی مسافر تھی اور اسے ثابت قدم رہنے کے لیے اتنا مضبوط ہونا تھا کہ راہ میں اگر کوئی مشکل آ جائے یا کسی مقام پر پریشانیوں کی ہوا چل جائے تو وہ ڈگمگا نا جائے۔

آج گھر سے وہ اکیلی صرف خود میں اعتماد پیدا کرنے کے لیے نکلی تھی۔ مکان کے دروازے پر تالا نہیں تھا۔ مطلب مکان مالکن آچکی تھیں۔اس نے گیٹ بجایا تو کچھ دیر کے بعد دروازہ کھول دیا گیا تھا۔

وہ اندر آئی تو ایک طرف اسے جدید تراش خراش والے لباس میں ملبوس ایک لڑکی کھڑی دکھائی دی۔

"السلام علیکم"!

قریب آکر زائشہ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔

"وعلیکم السلام"!

"آپ ہی روشنی ہیں۔"

گو کہ وہ جان گئ تھی مگر پھر بھی تائید چاہی۔

"جی! میں ہی روشنی ہوں۔"

وہ مسکرائیں۔

زائشہ بری طرح ٹھٹھک گئ۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

ان کی آواز پر وہ چونک گئی۔

"میرا نام زائشہ ہے۔"

اس نے جھجھک کر بتایا۔

"بہت ہی پیارا نام ہے۔"

روشنی اس کے ساتھ چلتی ہوئی اوپر آ گئیں۔

"یہ اتنا بڑا گھر کرائے پر کیوں لینا چاہ رہی ہو۔"

زائشہ نے لمبی سانس کھینچی۔

یہ بات تو اس نے شمو آنٹی کو بتائی ہی نہیں تھی کہ وہ کس مقصد کے لیے گھر کرائے پر لے رہی ہے تبھی روشنی بھی لاعلم تھیں۔

"میں سکول کھولنا چاہتی ہوں۔ جو میں نے سیکھا ہے وہ دوسروں کو سکھانا چاہتی ہوں۔ بس اتنی سی خواہش ہے کہ کوئی تعلیم و تدریس سے محروم نہ رہ جائے۔"

زائشہ کا ٹھہرا ہوا لہجہ سنجیدہ انداز مگر مزاج میں نرمی انہیں بے حد بھلی لگی تھی۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے۔“

وہ لوگ ایک ساتھ واک کرتے ہوئے عمارت کے آخری حصے میں آگئے تھے۔

”یہ گھر میرے شوہر نے شادی سے پہلے مجھے تحفے میں دینے کے لیے بنوایا تھا یہ تحفہ مجھے بے حد عزیز ہے۔ میں اکثر یہاں آتی رہتی ہوں جب بھی مجھے ان کی یاد آتی ہے۔“

وہ قدرے افسردہ ہوئیں۔

نظریں کھڑکی سے باہر مرکوز تھیں۔

زائشہ سمجھ گئی ان کے شوہر حیات نہیں اور کیوں نہ سمجھتی کہ یہ کیفیت تو اس کی بھی اکثر رہتی تھی جانے والوں کو بھلا بھلایا جا سکتا تھا۔

”مجھے شمیم آراء نے ساری باتوں سے آگاہ کر دیا ہے۔“

روشنی سنبھل کر زائشہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

انہوں نے ڈھکے چھپے لفظوں میں اسے جو مان بخشا تھا یہ وہی جانتی تھی۔

”خالی گھر محض یادوں کا مسکن تھا۔ اب یہاں درس و تدریس کا جو عمل شروع ہو گا تو اس سے ان کی روح کو ثواب ملے گا۔“

روشنی مسکرائیں۔

''مجھے گھر کا کرایہ بتادیں اگر میں دینے کے قابل ہوئی تو ضرور مستقبل قریب میں یہ گھر سکول کی شکل اختیار کر جائے گا۔''

نرم لہجے میں زائشہ نے اصل موضوع کی جانب توجہ دلائی۔

''تمہارا جو مقصد ہے اس کے لیے میں تم سے اس گھر کا کرایہ وصول نہیں کروں گی۔ مجھ پر کرائے کا ایک روپیہ بھی حرام ہو گا۔ میں یہاں آئی تو کرائے کی بات کرنے کے لیے تھی مگر اب یہ گھر بچوں کے تدریس کے لیے وقف کرتی ہوں۔''

روشنی نے خوش دلی سے کہہ کر اپنی بات مکمل کی۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ میں ایسے کیسے بغیر کرائے کے یہ گھر اپنے زیر استعمال لے سکتی ہوں۔''

اس نے الجھ کر پریشانی سے سوال کیا۔

''جانتی ہوں تم بہت خودار ہو مجھے شمیم آراء نے بتایا ہے تمہارے بارے میں۔ یہ گھر میں نے اللہ کی راہ میں دے دیا ہے۔ یہ اب سے میری ملکیت میں ہی نہیں ہے تو کس بات کا

کرایہ لوں۔ تم اسے نیک مقصد کے لیے استعمال کرو گی تو مجھے بے حد خوشی ہو گی اور پھر میرے شوہر کی روح کو بھی ثواب ملے گا۔

روشنی نے زائشہ کا ہاتھ تھام کر اسے اپنا موقف سمجھایا۔ نہ معلوم کیوں اسے زائشہ اپنی اپنی سی لگی۔

اس کا دل سجدہ شکر بجالایا تھا۔ وہ گھر آنے تک پل پل حیران ہوتی رہی تھی کہ کوئی اتنا اچھا بھی کیسے ہو سکتا ہے۔ اس نے گھر آکر سب کو روشنی کے بارے میں بتایا تھا۔

پارس خوشی سے جھوم اٹھی تھی۔ مزینہ نے تو باقائدہ نوافل ادا کیے تھے۔

ساجدہ بیگم کی آنکھیں تشکر سے بھیگی تھیں۔ بے اختیار انہوں نے روشنی کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کی تھی کہ اسے بھی زندگی کے رنگ میسر ہوں کہ زائشہ روشنی کے شوہر کے بارے میں بھی بتا چکی تھی۔ انہوں نے صدقِ دل سے روشنی کے لیے اللہ سے ایک خوبصورت خوشیوں سے بھری زندگی مانگی تھی۔

روشنی کے حق میں کی گئی دُعا بھی وقت قبولیت ہی لبوں سے نکلی تھی۔ کون جانے روشنی کی زندگی میں روشنی آنے والی تھی۔

****

صبح سونے کے تھال سے نمودار ہوئی تھی۔ گرمی شدت کی تھی۔ حبس نے زور پکڑا تھا مگر گرمی سے تنگ آئے لوگ اپنا کام ہر گز نہیں چھوڑ کر بیٹھ سکتے تھے۔

سفیر آج یونیورسٹی گیا تھا اسے پروفیسر اعجاز سے ملنا تھا۔ دو دن پہلے ہی وہ اپنے کورس کی کتابیں لے کر آیا تھا مگر کتب بینی کے بعد سمجھ آیا کہ بغیر استاد کے پڑھنا اتنا بھی آسان نہیں جتنا وہ سمجھ رہا تھا۔ اسے پروفیسر اعجاز کی بات ٹھیک ہی لگی تھی۔ اس نے رات کو انہیں کال کی تھی۔ انہوں نے اسے صبح یونیورسٹی بلایا لیا تھا۔

وہ گیراج جمیل اور دوسرے کاریگروں کے حوالے کر کے یونیورسٹی پہنچا تھا اور یہاں آکر اس کے دل نے شدت سے دعا کی تھی اس بدتمیز اور مغرور لڑکی سے اس کا سامنا نہ ہو مگر ہر بار جو ہم سوچتے ہیں ویسا نہیں ہوتا۔ ہر بار دعا قبول نہیں ہوتی۔

وہ پروفیسر اعجاز کے کیبن میں بیٹھا ان کے فارغ ہونے کا منتظر تھا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ آئے تھے اور سفیر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔

"ہاں بھئی بتاؤ کیا مدد کر سکتا ہوں تمہاری۔"

وہ کرسی پر بیٹھ کر بولے۔

''سر مجھے یہ کتابیں سمجھ نہیں آ رہیں۔''

وہ شرمندگی سے بولا

''ارے بھئی اس میں اتنا شرمندہ ہونے کی کیا بات ہے۔مجھے پتا تھا تم خود سے نہیں پڑھ سکو گے۔یہ بزنس کا کورس ہے خود سے نہیں سمجھ سکتے اسے تم۔اسی لیے میں نے پہلے ہی تمہارا بندوبست کر دیا تھا۔''

وہ مسکرائے۔

''میں سمجھا نہیں سر۔''

سفیر الجھا۔

''میں خود تمہیں پڑھاؤں گا۔''

''اوہ تھینکیو سر۔''

سفیر ایک دم خوشی سے کھڑا ہو گیا۔

''کوئی بات نہیں بھئی۔ہم استاد ہیں اور پڑھانا ہمارا فرض ہے۔''

انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو سفیر مطمئن سا وہاں سے واپسی کے لیے نکلا۔

مزنی نے آج پھر سحاب سے ابشام کے بارے میں الٹا سیدھا کہا تھا جس پر اس کی مزنی سے جھڑپ ہو گئی تھی اور غصے میں وہ ساری کلاسیں بنک کرتی یونیورسٹی سے نکل آئی تھی۔

اپنے غصے میں وہ اردشیر کو کال کرنا بھی بھول گی کہ یونی سے وہی اسے لینے آتا تھا اگر خود نہیں آتا تو ڈرائیور بھیج دیتا تھا مگر وہ صدا کی بیوقوف پیدل ہی نکل آئی تھی مگر اسے جلد ہی احساس ہو گیا کہ اس کی ٹانگیں چل چل کر دکھنے لگیں ہیں۔ غصے کی جگہ جھنجھلاہٹ نے لے لی۔

اس نے ایک طرف کھڑے ہو کر بیگ سے موبائل نکالا اور اردشیر کو کال ملائی ی۔

تھوڑے فاصلے پر چار پانچ آدمیوں کا ٹولہ کھڑا تھا۔ سحاب کو اکیلے دیکھ کر ان کی آنکھیں چمکی تھیں۔ نیلی شرٹ پر سفید کیپری پہنے گلے میں اسٹالر ڈالے وہ اس بات سے قطعی انجان تھی کہ چند ہوس زدہ نظریں اس کا ایکسرا کر رہی ہیں۔

اردشیر فون نہیں اٹھا رہا تھا اس نے غصے میں فون دوبارہ ملایا۔

"کس کو کال ملا رہی ہو۔ ہم مدد کر دیں کیا۔"

خباثت سے کہتے ہی وہ آدمی سحاب کو گھیر گ ئے تھے۔

سحاب نے سہمی نظروں سے ان کو دیکھا۔دل رک سا گیا۔اردشیر فون نہیں اٹھا رہا تھا۔اوپر یہ آدمی اسے بالکل بھی ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔

”مجھے کوئی مدد نہیں چاہیے۔میرا راستہ چھوڑو۔“

سحاب نے دل کڑا کر کے کہا۔

”اب تو سارے راستے ہم تک ہی آتے ہیں۔“

للچائی نظروں سے اسے دیکھتا وہ آگے بڑھا۔

سحاب خوف زدہ ہو گئ۔اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو ایک آدمی نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

”بھاگتی کہاں ہے سالی۔پہلے ہماری خواہش تو پوری کر لینے دے ہمیں۔اتنے دنوں بعد تو کوئی چڑیا ہاتھ لگی ہے۔“

سحاب کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

”کوئی ہے بچاؤ مجھے۔“

وہ جتنی زور سے چیخ سکتی تھی چیخی تھی۔اس کی حرکت پر وہ آدمی خباثت سے ہنسے تھے کہ بھلا اس چلتے روڈ پر گاڑیوں کے شور میں کون اس کی فریاد سنتا مگر اس کی فریاد سن لی گئ تھی اتفاق سے سفیر کا گزر اسی راستے سے ہوا تھا۔نسوانی چیخ پر وہ ٹھٹھکا اور پھر بائیک کچھ آگے جا کر روک گیا تھا۔اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔بائیک کے ہینڈل پکڑے اس کے مٹھیاں بھینچ گئیں۔

وہ ایک جھٹکے سے بائیک سے اترا تھا۔

"دور ہٹو گندے انسان۔پلیز سم بڈی ہیلپ می۔۔"

سحاب نے خود پر جھکتے اس بندے سے ڈر کر رونا شروع کر دیا تھا۔وہ مدد کے لیے زور سے چلائ تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ شخص کوئی پیچ حرکت کرتا سفیر نے گدی سے پکڑ کر اسے کھینچ کر سحاب سے دور کیا تھپڑوں اور گھونسوں سے اس شخص کی تواضع کی۔باقی سب تو اس بندے کی دھلائی دیکھ کر ہی بھاگ نکلے تھے۔

"آئیندہ اگر یونیورسٹی روڈ پر نظر بھی آیا نہ تو قبر کھود دوں گا تیری۔"

اسے گریبان سے پکڑ کر نیچے سے اٹھا کر کھڑا کرتا وہ سرد لہجے میں بولا تھا پھر زور سے دھکا دے کر سفیر نے آستین سے چہرہ پر آیا پسینہ پونچھا اور سحاب کی جانب مڑا جو اس جھگڑے پر خوف زدہ سی کھڑی تھی۔

اسے دیکھ کر سفیر کے ماتھے پر بل پڑے۔

"دعوت نظارہ بن کر چلیں گی تو ایسی ہی وارداتیں ہوں گی۔ یہ دوپٹہ گلے میں ڈالنے کے لیے نہیں سر پر اوڑھنے کے لیے ہوتا ہے اور یہ پائنچوں پر غور کریں۔ ساری پنڈلیاں دکھ رہی ہیں۔"

سحاب سرخ ہوتی خجالت سے پنڈلیاں دیکھنے لگی۔

"اتنے اونچے پائنچے گٹر صاف کرنے والے بھنگیوں کے ہوتے ہیں۔"

سفیر نے اس کی ڈریسنگ پر گہری چوٹ کی۔

"جاہل انسان تمہیں تو زرا بھی ڈریسنگ سینس نہیں۔ اسے فیشن کہتے ہیں۔"

وہ تو چکرا کر رہ گئی تھی۔

"کچھ دیر قبل یہ سو کالڈ فیشن ہی وبال جان بنا ہوا تھا۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

”تم پینڈو پراڈکشن دفعہ ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے میں اپنے لیے خود ہی کافی ہوں۔ وہ چیخ کر گویا ہوئی۔

”جبھی مدد کے لیے چیخ چلا رہی تھیں۔“

سفیر نے تلخی سے کہا اور ساتھ ہی اسے دیکھنے سے گریز برتا۔

وہ تو اس بندے کی اکڑ پر کڑھ کر رہ گئی۔ اسے دیکھ کر آدھی یونیورسٹی کے لڑکے آہیں بھرتے تھے اور ایک وہ تھا۔

”چلیں آپ کو گھر تک چھوڑ دیتا ہوں۔“

وہ اس پری پیکر سے نظتیں چراتا گہری سانس خارج کرتے آفر دینے لگا۔

”میں خود چلی جاؤں گی۔ دو ٹکے کے میکینک۔“

وہ ضدی لہجے میں انا پرست بنی کھڑی تھی۔

”دشمنی بعد کی ملاقات کے لیے اٹھا رکھیں ابھی میرے ساتھ چلیں میں آپ کو صحیح سلامت آپ کے گھر تک چھوڑ دوں گا کہ مجھ سے لڑنے کے لیے بھی آپ کا سلامت رہنا

ضروری ہے جو یہاں کھڑے ہو کر تو ممکن نہیں۔کوئی بھی آپ کو تر نوالہ بنا سکتا ہے لہذہ سمجھداری کا مظاہرہ کریں۔"

وہ سنجیدگی سے اسے سمجھاتا ہوا بولا کہ لاکھ وہ بری صحیح مگر وہ اسے یہاں بے یار و مددگار تن تنہا سڑک پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

سحاب نے قدم آگے بڑھا دیے۔سفیر نے ناسمجھی سے اس کی پشت کو گھورا۔

"اب چھوڑ آؤ مجھے کیا وہیں جم گ ئے ہو۔"

وہ پیچھے مڑ کر چلائی۔

"احسان فراموش!پتا نہیں کس کی قسمت پھوٹے گی اس کے ساتھ۔"

سفیر نے بڑابڑا کر سر جھٹکا اور اس کے بیٹھتے ہی بائیک سٹارٹ کی۔

ساری پریشانی جگہ کی تھی۔انہیں سکول کھولنے کے لیے جگہ مل گئ تھی تو پریشانی بھی ختم ہو گئ تھی۔

انہوں نے سکول کھولنے کا باقائدہ آغاز کر دیا تھا جس کے لیے انہیں کلاسز اور سٹاف اور پرنسپل روم کے لیے فرنیچر اور الیکٹرک پنکھوں کی ضرورت تھی۔ اسے وائٹ بورڈ، سٹیشنری وغیرہ کے علاوہ فائل، فولڈرز کے ساتھ ساتھ بچوں کے لیے کورس کی بھی اشد ضرورت تھی۔ پبلشر بھی بہترین چننے تھے۔ وہ فوری طور پر یہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے لیے اسے کچھ وقت چاہیے تھا۔ اس نے فرنیچر اور الکیٹرانک سامان کی ذمہ داری سفیر کے کاندھوں پر ڈال دی تھی جو اس نے باخوشی قبول کی تھی۔

سکول کے لیے تھوڑا بہت سامان رہ گیا تھا۔ مزینہ اور زائشہ وہی لینے کے لیے نکلی تھیں۔ وہ تو اردو بازار جانا چاہتی تھی مگر مزینہ اسے زبردستی شاپنگ سینٹر گھسیٹ لائی تھی۔

اس وقت وہ لوگ ناظم آباد امتیاز پر تھے۔ مزینہ تو ٹرالی پکڑ کر پر شوق نظروں سے چلتے ہوئے چاروں اور دیکھ رہی تھی۔ اے سی کی ٹھنڈک میں گرمی کہیں پیچھے ہی چھوٹ گئی تھی۔

وہ کبھی فیئر نس کریم اٹھا کر دیکھتی تو کبھی فیس واش تو کبھی شامپو جو کہ پاکستان کے ہر گز نہیں تھے۔

''کیا بچکانہ حرکتیں کر رہی ہو مزینہ، سب دیکھ رہے ہیں۔''

زائشہ نے اس کے ہاتھ سے کنڈیشنر کی بوتل لے کر اٹھا کر ریک میں واپس رکھتے اسے ٹوکا۔

''انتہائی کوئی خشک مزاج بندی ہو، اگر بندی غلطی سے آ ہی گئی ہے تو انجوائے ہی کر لینے دو مگر نہیں تمہیں تو بس دوسروں کی پڑی رہتی ہے لوگ کیا کہیں گے، سب دیکھ رہے ہیں یہ تو وہ۔۔۔۔۔''

وہ ٹرالی گھسیٹی آگے بڑھتی ہوئی دل کی بھڑاس نکالنے لگی۔

''غلطی سے نہیں جان بوجھ کر آئی ہے بندی۔''

زائشہ نے مسکراہٹ دباتے اس کی تصحیح کی۔

''میں سامان لے لیتی ہوں تم ونڈو شاپنگ کر لو۔''

زائشہ نے اس کا منہ پھولا دیکھ کر کہا۔

''سچ میں۔''

اس کی فراخ دلی پر وہ حیران ہوئی۔

"او یو سچ آ گریٹ لیڈی یار۔"

وہ وہیں اس کے گلے لگ گی تو زائشہ نے ہڑ بڑا کر اسے دور کر کے ایک گھوری سے نوازہ اور ٹرالی لے کر سٹیشنری کی طرف آ گئ۔

شاپنگ مکمل کرنے کے بعد اب وہ زائشہ کو ڈھونڈ رہی تھی جو اس رش میں اسے کہیں مل کر ہی نہیں دے رہی تھی۔ اسے اب پریشانی ہونے لگی تھی۔

ادھر ادھر دیکھتے یونہی اس کی کہنی کسی آہنی بازو سے ٹکرائی تو بے اختیار جہاں زائشہ کے منہ سے سوری نکلا تھا، وہیں مقابل کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا تھا۔

اردشیر خود بھی زائشہ کو ادھر دیکھ کر خاصا حیران ہوا تھا۔ وہ اور خرم گھر کا کچھ سامان خریدنے آئے تھے۔ خرم کلا تھنگ ایریا کی طرف نکل گیا تھا جبکہ وہ حماس کے لیے سکول کی کچھ چیزیں لینے کی غرض سے اس طرف آ گیا تھا۔

"آپ میرا پیچھا کر رہے ہیں؟"

زائشہ نے سخت نظروں سے اسے نوازہ۔

”جی بالکل! مجھ بندہ ناچیز کو موکلوں نے خبر دی تھی کہ زائشہ صاحبہ فلاں جگہ قدم رنجا فرما رہی ہیں۔“

اردشیر کے گہرے طنز میں ڈوبے لفظوں پر وہ خجالت سے سرخ پڑ گئی۔

”راستہ چھوڑیں میرا۔“

اسے اپنے سامنے اِستادہ دیکھ کر وہ نظریں جھکائے تنبیہی لہجے میں بولی۔

”آپ کے سارے راستے مجھ تک آتے ہیں اور میں ہی آپ کی منزل ہوں۔ یہ بات آپ جتنی جلدی اپنے ذہن میں بٹھا لیں آپ کے لیے اتنا اچھا ہے۔“

اردشیر نے سرد لہجے میں سنجیدگی سے کہتے ٹرالی اس کے ہاتھ سے لے کر کاؤنٹر پر دی۔ زائشہ جی جان سے لرز گئی۔

”آیئے میں آپ کو گھر چھوڑ دیتا ہوں۔“

اردشیر کا انداز ایسا تھا جیسے دونوں کے بیچ خاصے اچھے مراسم رہ چکے ہوں۔

”آپ مجھے اس طرح سے بلیک میل نہیں کر سکتے۔“

وہ احتجاج کرتے ہوئے دبا دبا سا چیخی۔ اس کے انداز میں بے بسی کی جھلک بھی تھی۔

”میں کیا کر سکتا ہوں۔اس بات کا شاید آپ کو اندازہ نہیں ہے۔جوان بیٹی دہلیز پر بیٹھی ہو اور اس پر قسمت مہربان ہو تو کون سی ماں کفران نعمت ہو گی۔“

اردشیر کا اشارہ سمجھتے وہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔وہ بسہر نکل کر پارکنگ میں اگیا تھا۔مجبورا زائشہ کو بھی پیروی کرنی پڑی۔

”میں صرف آپ کو وقت دے رہا ہوں۔جلد از جلد اپنا مائنڈ سیٹ کریں۔“

شاپنگ بیگز پچھلی سیٹوں پر رکھ کر وہ دونوں بازوں کو فولڈ کرتا سنجیدگی سے کہتا اسے بیٹھنے کا اشارہ کرنے لگا مگر وہ بھی ڈھیٹ بنی وہیں کھڑی رہی۔اس کا ایک غصہ آرہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔اردشیر نے اسے یونہی بت بنے کڑھتے دیکھا مجبوراً اس کے قریب آنا پڑا۔

”آپ چاہ رہی ہیں کہ میں آپ کو اپنے بازوؤں میں اٹھا گاڑی میں بٹھاؤں۔۔۔“!

اسے اپنی گہری نظروں کے حصار میں رکھتے اردشیر نے اس کے چہرے پر آیا پسینہ اپنے رومال میں جذب کیا تو اس کے اس درجہ قربت اور اس دیدہ دلیری پر وہ بھونچکارہ گئی جبکہ دل اتنی شدت سے دھڑکا تھا کہ وہ خود اپنی کیفیت پر گھبرا اٹھی۔اردشیر اس کے تاثرات سے خاصا محظوظ ہوا تھا۔

"تو میں ایسا ہرگز نہیں کرنے والا۔ فالحال آپ کا کوئی حق میرے پاس محفوظ نہیں۔"

وہ قدم اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اسے گاڑی کے بالکل ساتھ لگا گیا اور اس کی طرف کا دروازہ وا کرتے لبوں پر مسکراہٹ بکھیرے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ ناچار مٹھیاں بھینچتے وارننگ دیتے لہجے میں بولتی بامشکل اپنے اشتعال پر قابو پا سکی تھی۔

"آپ کو بہت بھاری قیمت چکانی پڑے گی اس کی۔"

اندر بیٹھتے ہی وہ چراغ پا ہوئی تھی۔ اس کا بس چلتا تو گاڑی سمیت اسے آگ میں جھونک دیتی۔

اس کی گیدڑ بھبھکیوں پر اردشیر نے مسکراہٹ دباتے ہاتھ بڑھا کر سٹیریو آن کر دیا۔

کنا سوہنڑاں تینوں رب نے بنایا

کنا سوہنڑاں تینوں رب نے بنایا

جی کرے ویکھ دا رواں

کنا سوہنڑاں تینوں رب نے بنایا

استاد نصرت فتح علی خان کی آواز گاڑی میں گونج رہی تھی۔

"چھچھورا کہیں کا۔"

بڑابرا کر وہ غصے سے منہ پھیر گئ۔

اس کی بڑبڑاہٹ سے وہ مستفدید ہو چکا تھا۔اس کی گھنی مونچھوں تلے عنابی ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔۔یہ سانگ وہ ہٹانے ہی لگا تھا مگر زائشہ کے چہرے پر در آنے والے تاثرات اسے مزہ دے رہے۔اس نے ہاتھ واپس کھینچ لیا تھا۔

دل مندا نہیں لکھ سمجھا

جی کرے ویکھ دا رواں

کنا سوہنڑاں تینوں رب نے بنایا

کنا سوہنڑاں تینوں رب نے بنایا

کنا سوہنڑاں تینوں رب نے بنایا

جی کرے ویکھ دا رواں

کنا سوہنڑاں تینوں رب نے بنایا

دل وچ تیرا پیار وسا کے

ویکھی جاواں کول بیٹھا کے

دل وچ تیرا پیار وسا کے

ویکھی جاواں کول بیٹھا کے

تینوں دل آلے شیشے اچ سجایا

جی کرے ویکھ داروواں

کنا سوہنڑاں تینوں رب نے بنایا

وہ ایک لڑکی تھی اور ظاہری بات ہے صنف مخالف کے لیے جذبات ہر لڑکی کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ زائشہ بھی نہ چاہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو باہم مسلتے دل کو دھڑکنے سے روکنے کی سعی کر رہی تھی۔ رخ چہرہ پہ ضبط کا پہرہ حسین مورت کو نکھار گیا تھا۔ حیا سے لرزتی پلکیں دھڑکتا، شور مچاتا دل! زائشہ کو لگا تھا دل اس کا نہیں رہا۔ فرنٹ سیٹ پر سمٹ کر بیٹھی زائشہ کے دل نے بھی اردشیر کی دھڑکنوں کی لے پر دھڑکنا شروع کر دیا تھا۔

اور وہ دل کی اس بے اختیار پر لب کچل کر رہ گئ تھی۔ دو دل ایک ساتھ ایک دوجے کے لیے دھڑکنے لگے تھے۔

پیار تیرا اے زندگی میری

کرنی اے میں پوجا تیری

پیار تیرا اے زندگی میری

کرنی اے میں پوجا تیری

تینوں انکھیاں دے وچ میں لکایا

جی کرے ویکھ داروان

کنا سوہنڑاں تینوں رب نے بنایا

گانا ختم ہوتے ہی زائشہ نے شکر کیا تھا۔

"امید ہے کہ آتش محبت کی کچھ تو تپش آپ تک پہنچی ہو گی۔"

اردشیر کا متبسم لہجہ اسے شعلوں میں دھکیل گیا۔ لمحوں میں اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئ تھیں۔

"کیا بکواس کر رہے ہیں آپ۔"

دل کی آواز کو دباتی وہ غصے سے چیخی تھی۔

"بکواس نہیں محبت کر رہا ہوں۔"

اب کے وہ اسے بے باکی سے کہتا کھل کے ہنس دیا تھا۔

"گاڑی روکیں ابھی اسی وقت۔ مجھے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا۔"

وہ ان دیکھی آگ میں خود کو جلتا محسوس کر رہی تھی۔ کیا اس کی ذات اتنی ارزاں تھی کہ وہ شخص اس کے متعلق اسی سے اتنی بے باک گفتگو کرتا۔

"سنو لڑکی! قسمت تم پر مہربان ہے کہ اردشیر کا دل تم پر آیا ہے۔ بلاجواز انکاری ہو کر تم مجھے ضد دلا رہی ہو اور جانتی ہو جب محبت ضد میں بدل جائے تو اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔"

اردشیر نے سختی سے اس کلائی جکڑتے سرخ آنکھیں سے اسے ایک نظر دیکھا۔ زائشہ ان نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے نظریں پھیر گئی۔

”سہہ نہیں پائی یں گی زائشہ! میری اس ضد اور جنون میں خسارہ صرف آپ کی ذات کو ہو گا۔ آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ دھارا جس سمت بہہ رہی ہے بہنے دیں۔ اسے روکنے اور موڑنے کوشش میں کو خود ہلکان کرنے کے بجائے اسی دھارا میں بہتی جائیں۔“

اردشیر نے کا ہاتھ نرمی سے دبا کر چھوڑا تھا۔ ایک آنسو زائشہ کی انکھ سے بہا تھا جسے اسنے بے دردی سے رگڑ ڈالا جبکہ اردشیر نے اس کی حرکت پر لب بھینچ لیے۔

لاکھ وہ گریزاں ہوں

لاکھ دشمن جاں ہو

دل کا کیا کریں صاحب

ہم انہیں پہ مرتے ہیں

****

”شاپنگ ہو رہی ہے ہاں۔“

گلا کھنکارتے خرم نے کہا تو مزینہ اس آواز پر اچھل پڑی۔

”تم! دو نمبری ڈینٹیسٹ میرا پیچھا کر رہے ہو۔“

خرم کو سامنے دیکھ کر دلِ بے چین خوش فہم ہوا تھا مگر وہ کیوں حالِ دل ظاہر کرتی الٹا تیکھے چتون لیے اس پر چڑھ دوڑی تھی۔

''فالحال تو آپ کا پیچھا ہی کر رہا ہوں۔''

وہ سر خم کر کے قبول کر گیا تھا۔اس کی ڈھٹائی پر اسے خوب تاؤ آیا تھا۔اوپر سے اس کی پُر تپش نظریں اسے مزید بوکھلائے دے رہی تھیں مگر وہ بھی اتنی جلدی خرم پر عیاں ہونے والی نہیں تھی۔

''کیوں کر رہے ہو؟''

آ ئبرو اچکا کر اس نے سوال داغا۔

''اغوہ جو کرنا ہے۔''

اسے دلچسپی سے دیکھتا وہ بے نیازی سے وہ کندھے اچکا گیا۔

''پھر تو شوق سے کرو۔پھوٹ پھوٹ کر رو گے اپنی قسمت کو کہ تاوان تو ملنے سے رہا۔میری اماں کے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔''

وہ مزے سے تالی بجا کر بولی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر میں تمہیں آزاد ہی نہیں کروں گا۔اپنی قید میں ہی رکھوں گا۔"

وہ گھمبیر لہجے میں کہتا اس کا نازک سا ہاتھ تھام گیا تھا۔

"دو کوڑی کے ڈینٹیسٹ ہاتھ چھوڑو میرا ورنہ لوگ تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔"

مزینہ نے کلائی چھڑواتے ہوئے دانت پیسے۔

"اب تو تھام لیا۔ چھوڑنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

دوسرا ہاتھ بالوں میں پھیرتا وہ شوخ ہوا تھا۔

"ایک چیخ ماری ناں میں نے، تمہاری ساری شوخی ہوا ہو جانی ہے۔آیا بڑا حمزہ علی عباسی کہیں کا۔

"ہنہہ! منہ نہ متھاتے جن پہاڑوں لتھا۔"

مزینہ نے اسے کسی خاطر میں ہی نہیں لیا تھا۔

صدمے سے خرم کی گرفت ڈھیلی ہوئی تو وہ جلدی سے کلائی چھڑوا گئی۔

"ہاتھ اپنے قابو میں رکھنا آئندہ! ورنہ مزینہ توڑنا بھی جانتی ہے۔شکر کرو پبلک پلیس پر بچ گ ئے۔"

اسے خبردار کرتی وہ طنزیہ لہجے میں بولی تھی۔

"ہاتھ کا تو پتا نہیں پر دل توڑنا ضرور جانتی ہو۔"

خرم نے اسے شرم دلانی چاہی۔اس دفعہ وہ واقعی شرمندہ ہوگئی تھی۔

"چلیں آپ کو گھر چھوڑ دوں۔آپ کی سہیلی کو تو اردشیر لے گیا ہے۔وہ آفر دے کر مزے سے اس کی معلومات بڑھا گیا تو مزینہ کا منہ کھل گیا۔

"اور وہ اس کے ساتھ کیوں ہے اور میں کیوں آپ کے ساتھ جاؤں۔"

کمر پر ہاتھ رکھ کر وہ کڑے تیور لیے خرم کو گھورنے لگی۔

"تو پھر ٹھیک ہے اکیلی یہاں سڑتی رہیں میں تو چلا۔"

اس کو چڑاتا ہوا وہ گاڑی کی چابی سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی میں گھماتا ہوا پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔

"ارے ایسے کیسے آپ مجھے چھوڑ کر جا سکتے ہیں؟آپ کو ذرا بھی شرم نہیں آئے گی؟"

مزینہ تقریباً اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

"آپ کو آتی ہے سوال کرتے وقت شرم۔"

وہ بھی اسکے انداز میں گویا ہوا۔

”لو بھلا سوال کرنے پر کون شرماتا ہے۔“

وہ پھرتی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی مبادہ وہ واقعی اسے چھوڑ کر نہ چلا جائے۔

خرم نے اپنی بے ساختہ امڈتی مسکراہٹ ضبط کی ورنہ مزینہ کی حرکت پر دل تو اس کا قہقہہ لگانے کو کیا تھا۔

مزینہ کو وہ گھر تک چھوڑنے آیا تو وہ مروتاً اُس سے اندر آنے کا پوچھ بیٹھی۔

وہ بھی شاید آج موڈ میں تھا تبھی سر خم کرتا اس کے پیچھے ہی اندر بڑھ گیا مگر گھر میں زائشہ کو نہ پا کر وہ پریشان ہو گئی جس پر خرم نے اسے تسلی دی کہ وہ خریداری کر رہی تھی تو ظاہری بات ہے دیر ہو گئی ہو گی۔

وہ مطمئن ہو گئی تھی۔

وہ پارس کے ساتھ کچن میں کام کر رہی تھی۔ زائشہ تیزی سے اندر آ کر کمرے میں گھس گئی تھی۔

”اسے کیا ہوا؟“

اس نے حیرانی سے استفسار کیا۔

”مجھے کیا پتا؟“

پارس نے مصروف انداز میں کندھے اچکائے۔

”یہ سامان کہاں رکھنا ہے؟“

دونوں ہاتھوں میں شاپرز اٹھائے وہ کچن کی طرف آگیا تھا۔

”یہ ادھر اس کمرے میں رکھ دیں۔“

مزینہ اسے سفیر کے کمرے میں لے آئی تھی۔

”آپ کے دوست اس کمرے میں ہیں۔“

اس کی الجھن سمجھتے مزینہ نے دوسرے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

”السلام علیکم“!

ساجدہ بیگم کو دیکھتے اردشیر نے سلامتی بھیجی اور ان کے آگے جھک کر پیار لیا اور خرم کے ساتھ ہی ٹک گیا۔

خالدہ بیگم بھی وہیں موجود تھیں۔ دونوں خوبرو جوان لڑکوں کو دیکھ کر وہ خاصی متاثر ہوئی تھیں۔

”کیا نام ہے تمہارا۔ ل؟“

انہوں نے دونوں سے پوچھا تھا۔

”میرا نام اردشیر ہے۔“

شرٹ کے اوپری دو بٹن کھول کر وہ آرام دہ حالت میں بیٹھ گیا۔

”بڑا ہی پیارا نام ہے اور بھئی کیا کرتے ہو تم۔“

اب ان کا رخ خرم کی جانب تھا۔

”میں ڈاکٹر ہوں۔۔۔۔۔دانتوں کا۔“

اردشیر نے بولنا ضروری سمجھا تھا۔ خرم نے دانت کچکچائے۔

”اچھا تو تم ڈینٹیسٹ ہو۔ یہ تو اچھا ہو گیا بھئی۔ میری بیٹی کا بھی حال ہی میں دانت خراب ہو گیا تھا۔ بھلا ہو اس بچی کا جو بروقت اسے کلینک لے گئی۔ اس کا تو خون ہی نہیں رک رہا

تھا۔ خیر سے اب تو گھر کا ہی ڈاکٹر ہو گیا ہے۔ کوئی مسئلہ ہو گا تو تم سے ہی رابطہ کریں گے ہم۔"

خالدہ بیگم لگتا تھا پوری تفصیل بتانے کا اور اس کے پیشے سے استفادہ اٹھانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

"جی بالکل! میرے کلینک کے دروازے آپ لوگوں کے لیے ہمیشہ کھلے ہیں۔ موسٹ ویلکم آنٹی۔"

وہ کھلے دل سے آفر دے بھی رہا تھا۔

وہ تو نہال ہو گئی تھیں۔

"ہونے والی ساس کو پٹا رہا ہے۔ گڈ جاب۔"

اردشیر نے سرگوشیانہ انداز میں اسے داد دی تھی جس پر وہ خونخوار نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

"آپا تمہیں کیا ہوا ہے اتنی لال کیوں ہو رہی ہو؟"

اس کے ضبط سے سرخ ہوئے چہرے کو دیکھ کر پارس نے روٹی توے پر ڈالتے پوچھا۔

”اردشیر بھائی کی ہمراہی میں سفر کیسا رہا؟ کیا کچھ کہا انہوں نے؟“

چہرے پر شرارتی مسکراہٹ سجائے مزینہ نے اسے کندھا مارتے ترنگ میں کہا۔

”شٹ اپ مزینہ۔“

غصہ پیتی وہ فرج سے پانی کی بوتل نکال کر گلاس میں پانی انڈیل رہی تھی۔اردشیر کی ہمت پر وہ دنگ ہی تو رہ گئی تھی۔اسکا غصہ ٹھنڈا ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

”کیا سمجھتا ہے وہ مجھے۔کیا میں دوسری لڑکیوں کی طرح ہوں جو اس کے محبت کے جال میں پھنس جاؤں گی۔وقت گزاری کا ساماں بنوں گی۔انہوں! مسٹر اردشیر میں بے مول نہیں ہوں۔میں بہت انمول ہوں۔آپ جیسے کلی کلی منڈلانے والے مردوں کو باخوبی جانتی ہوں جن کے لیے محبت محض دل بہلانے کا ذریعہ ہے۔آپ جیسے امیر لوگ دل لگاتے نہیں بلکہ دُکھاتے ہیں۔“

تنفر سے سوچتے اس نے یخ ٹھنڈے پانی کا آخری گھونٹ حلق سے اتار کر گلاس سلیب پر یوں پٹخا جیسے وہ گلاس نہیں بلکہ اردشیر ہو۔

”یہ تم غصے میں پھن پھیلائے کیوں بیٹھی ہو؟“

مزینہ کھوجتی نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

"کیا ضرورت تھی اسے روکنے کی۔"

وہ چیخ کر مستفسر ہوئی۔

"اسے کسے؟ دو لوگ ہیں۔"

مزینہ جان بوجھ کر انجان بن رہی تھی۔اس کے اندازے کے مطابق وہ اردشیر کی ہی بات کر رہی تھی۔

"یہ مجھے کہہ رہی ہیں۔"

اردشیر وہاں نہ جانے کب آیا تھا اور اتفاق سے زائشہ کی آخری بات بھی سن چکا تھا۔

"دراصل میری ایک اہم میٹنگ ہے جس کا میں نے ان سے ذکر کیا تھا اسی لیے کہہ رہی ہیں کہ کہیں میں لیٹ نہ ہو جاؤں۔"

چہرے پر سنجیدگی سجائے قدرے نرم لہجے میں کہتے وہ زائشہ کی پوزیشن کلئیر کر چکا تھا۔ورنہ تو وہ انجانے میں ہی اپنے تاثرات اور غصے سے سب کو پس پردہ ہوئی بات سے مطلع کرنے کا ارادہ کیے بیٹھی تھی۔

پارس اور مزینہ کے منہ سے بیک وقت اوہ نکلا تھا۔

''اب ہمیں اجازت دیجیے۔ چلو خرم۔''

اردشیر کے تاثرات بے حد سپاٹ تھے۔

''ایسے کیسے بیٹا کھانے کھائے بغیر میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔ تیسری دفعہ آئے ہو میرے گھر پر اور اب بھی سوکھے منہ جا رہے ہو۔ پارس مہمانوں کے لیے کھانے کا انتظام کرو۔''

ساجدہ بیگم نے پردے کی اوٹ سے اردشیر اور خرم کو روکتے ساتھ ہی بیٹی کو ہدایت بھی جاری کر دی تھی۔

''نہیں آنٹی آپ اتنا تکلف مت کیجیے۔ آپ کا پیار اور خلوص ہی میرے لیے کافی ہے۔''

اردشیر نے سنجیدگی سے کہا۔

سحاب مزنی اور باقی سب کے ساتھ لائبریری میں بیٹھی نوٹس تیار کر رہی۔ لاکھ ناراضگی سہی مگر جیسی بھی تھیں وہ آپس میں اچھی دوستیں تھیں اور سحاب اپنی دوستوں سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی تھی۔ پہل مزنی نے کی تھی تو سحاب نے بھی دل صاف کر لیا تھا۔

وہ چاروں اپنی اپنی نوٹ بک پر جھکی کچھ نہ کچھ لکھ رہی تھیں۔

''چل لائبریری چلتے ہیں مجھے کچھ کتابیں چاہیے تھیں۔''

حارث نے کولڈ رنگ کی بوتل سے آخری گھونٹ بھر کر بوتل کوڑے دان میں اچھالی اور ابشام کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''کتابیں چاٹ چاٹ کر کسی دن خود ہی ایک کتاب بن جائے گا۔ تجھے کتنی بار کہا ہے کہ مزنی نام کی بلا سے نوٹس لے لیا کر۔''

وہ معنی خیز نظروں سے دیکھتا گویا ہوا۔

''کہہ تو ایسے رہا ہے جیسے میرا اس سے پرانا یارانہ ہے۔''

حارث نے برا مناتے ہوئے طنز کا تیر پھینکا تھا جس پر ابشام نے قہقہہ لگایا تھا۔

''نہیں ہے تو بنا لے۔''

کاندھا تھپک کر نایاب مشورہ بھی دے دیا گیا تھا۔

''سحاب سے دوستی تو نے اس لیے کی ہے۔''

وہ پھر طنزیہ بولا تھا کہ وہ ابشام کی رنگین مزاجی سے اچھی طرح واقف تھا۔

"اس سے تو دل لگ گیا ہے میرا۔"

وہ بالوں میں ہاتھ پھیر کر مسکراہٹ دبا گیا تھا۔

"دل لگ گیا ہے تو ٹھیک لیکن اگر یہ محض دل لگی ہے تو یاد رکھنا ابشام عورت کا دل شیشے کی طرح نازک ہوتا ہے جو ہلکی سی ٹھیس لگنے سے بھی ٹوٹ جاتا ہے اور اس کی کرچیاں سمیٹتے سمیٹتے ہاتھ لہولہان ہو جاتے ہیں مگر پھر بھی یہ نہیں جڑتا۔"

اس کی آوارہ مزاجی کو ذہن میں رکھتے ہوئے حارث نے اسے خبردار کیا جس پر ابشام نے سنجیدگی سے حارث کی طرف دیکھا۔

"لگتا ہے تجھ میں ڈیڈ کی روح حلول کر گئی ہے۔"

سر جھٹک کر کہتا وہ لائبریری کی طرف چل دیا تو وہ بھی اس کے پیچھے ہی اندر آ گیا۔

مطلوبہ مضمون ڈھونڈنے کے لیے تین چار کتابیں ریک سے اٹھا کر وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

ابشام کی نظر سامنے بیٹھی سحاب پر گئی تو اس نے حارث کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔

"کیا ہے خود تو تو پڑھتا نہیں ہے مجھے تو سکون سے پڑھنے دے۔"

حارث کو یہی لگا کہ شاید وہ اسے لائبریری سے گھسیٹ کر باہر لے جارہا ہے تبھی سرگوشیانہ انداز میں غصے سے چلایا۔

”وہاں چل کر بیٹھ اور جتنا دل کرتا ہے پڑھ تجھے کوئی تنگ نہیں کرے گا میرے بھائی۔“

وہ سکون سے اس کے کندھے پر بازو پھیلاتے ہوئے بولا تھا۔

”پٹوانے کا ارادہ ہے کیا۔“

وہ بدک کر اس کے حصار سے نکلا۔۔اسے مزنی کا سپاٹ چہرہ اور سرد الفاظ یاد تھے جو کلاس میں اس نے ابشام سے کہے تھے۔

”چل میری خاطر تھوڑا سا پٹ لینا۔ تیری مرمت کا سارا خرچہ میرا۔“

وہ اس کی گردن میں ہاتھ ڈالتا زبردستی سحاب لوگوں کی ٹیبل پر لے آیا تھا خود وہ سحاب کے سامنے والی کرسی گھسیٹ کر شان سے بیٹھ گیا تھا جبکہ حارث مزنی اور سحاب لوگوں کی اٹھتی نظروں پر اچھا خاصا شرمندہ ہوا تھا۔

”کھڑے کیوں ہیں بیٹھ جائیے۔“

رینا نے ہلکی آواز میں کہہ کر اس کی شرمندگی زرا کم کی۔ سحاب نے ابشام کو دیکھا اور پھر مزنی کو جس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا مگر شکر تھا وہ واک آؤٹ نہیں کر گئی تھی۔

مزنی نے یکسر نظر انداز کیا اور پھر سے نوٹ بک پر جھک گئی۔

سامنے ابشام بیٹھا تھا جس کی نظریں سحاب کے صبیح چہرے کا طواف کر رہی تھیں ان نظروں کی تپش تھی جو سحاب کو گھبرائے دے رہی تھی۔اب کام میں کیا خاک دل لگنا تھا۔اس کا من ہی اچاٹ ہو گیا۔

ابشام نے جیب سے موبائل نکال کر کچھ ٹائپ کیا اور نظروں سے سحاب کو اشارہ کیا تو اس نے نامحسوس طریقے سے جیب سے موبائل نکال کر ٹیبل کے نیچے سے ہی میسج اوپن کیا۔

”خوبصورت سی تتلی فارغ کب ہو گی۔“

سحاب کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

مزنی نے اچھنبے سے اسے نیچے نیچے مسکراتے دیکھا۔

”خوبصورت تتلی اس وقت پڑھائی میں مصروف ہے اور فراغت کے بالکل بھی چانس نہیں۔“

میسج ٹائپ کر کے سینڈ کا بٹن دبایا اور موبائل گود میں رکھ کر کام میں لگ گئی۔

حارث کو مطلوبہ ٹاپک ایک کتاب میں مل گیا تھا تو باقی کتابیں ریک میں رکھ کر وہ لائبریری سے نکل گیا۔ سحاب کو وہاں دیکھ کر پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ تب تک نہیں ہلے گا جب تک سحاب خود نہیں وہاں سے اٹھے گی۔

ابشام نے میسج اوپن کیا تو برا سا منہ بنا کر سحاب کو دیکھا اور اداس ایموجی سینڈ کر دیا۔

موبائل کی روشنی جلنے پر سحاب نے پین پکڑے پکڑے ہی میسج اوپن کیا اور اداس ایموجی دیکھ کر اسے ہنسی تو بہت آئی مگر وہ مسکراہٹ دبا گئی اور ہنسنے والے کئی ایموجی سینڈ کر دیے۔ اسے اس وقت ابشام کی حالت مزہ دے رہی تھی۔

مزنی کی آنکھوں سے یہ لکا چھپی پوشیدہ نہیں تھی۔ اس کھیل تماشے پر ضبط سے وہ اپنی کتابیں سمیٹ کر اٹھ گئی۔ اس کا صبر جواب دینے لگا تھا اور وہ کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔ جب ابشام کرمانی قند چھری بنا ہوا تھا تو وہ کیوں شعلہ جوالہ بنتی اسے بھی اب مزنی کو ابشام کرمانی کی اپنی چال سے ہی مات دینی تھی۔

غصے سے وہ حارث کی اور بڑھی تھی جو سنگی بینچ پر بیٹھا موبائل استعمال کر رہا تھا۔

”ابشام کرمانی کو کہو سحاب سے دور رہے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔“

وہ انگلی اٹھا کر خبردار کر گئی تھی۔

”وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔آپ کیوں ان کے درمیان ظالم سماج بنی ہوئی ہیں۔“

موبائل جیب میں رکھ کر وہ بینچ سے اٹھ کر اس کے مدِمقابل آیا تھا۔

”یونیورسٹی میں مسکراہٹ پاس کرنا معنی خیز نظروں سے دیکھنا بہانے بہانے سے اس کے قریب رہنے کی کوشش کرنا اور میسجز پر باتیں کرنا کہاں کی محبت ہے۔محبت کا مفہوم بھی جانتے ہیں آپ۔“

وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی تھی۔

”محبت تو پاکیزہ جذبہ ہے ایک نور ہے جو دلوں میں بستا ہے اور اس نور کی روشنی ہی یقین کا مظہر ہوتی ہے۔اسے ظاہر کرنے کے لیے غیر معیاری سہاروں کی ضرورت نہیں پڑتی۔سحاب اس سے محبت کرتی ہے مگر ابشام کرمانی محبت نہیں دل لگی کر رہا ہے۔اس

سے کہو اپنے قدم یہیں سے پیچھے لے لے کیونکہ اس سے آگے سحاب کی محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر رہے جو اس جیسے منافق کے پیر کے نیچے سے زمین کھینچ لے گا۔"

وہ بول کر رکی نہیں تھی بلکہ حارث کی نظروں سے اوجھل ہوتی چلی گئی تھی۔

اس نے ایک لمبی سانس لی۔اب وہ کیا بتاتا اسے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے مگر چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتا کہ ابشام بے شک اسے اپنا بہترین دوست مانتا تھا مگر کرتا وہ اپنی تھا۔

****

روشنی تیار ہو کر ڈرائیور کے ہمراہ سکول جا رہی تھی۔آج زائشہ نے بطور خاص اسے بلایا تھا۔ہفتہ کا دن تھا اور پیر کو سکول کی اوپننگ تھی اور وہ اپنے نئے کام کی شروعات اللہ کے بابرکت نام سے شروع کرنا چاہتی تھی کہ بے شک وہی تھا جس نے زائشہ کا ہاتھ تھام رکھا تھا ورنہ وہ تو کب کی بیچ راہ میں ڈگمگا کر گر جاتی۔

وہ مالک کل جہاں محبت میں کامل ہے کچھ لیتا ہے تو دگنا دیتا ہے۔اس کی محبت کا کوئی گراف نہیں۔

وہ جب نوازتا ہے تو ایسی ایسی جگہ سے نوازتا ہے کہ اس کے بندے تحیر میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ ان کی عقل سے پرے کی باتیں ہیں۔ وہ وہاں سے رزق کے در وا کرتا ہے جہاں بندے کی سوچ بھی نہیں ہوتی۔ کتنا پیار کرتا ہے وہ اپنے بندوں سے کہ اپنے بندے کے آنسو کے پہلے قطرے پر ہی اسے احساس دلا دیتا ہے کہ آنسو کا وہ قطرہ بے مول نہیں ہوا۔ وہ دعائیں رد نہیں کرتا بلکہ اسے بہترین وقتوں کے لیے سنبھال رکھتا ہے کہ وہ بہتر جاننے والا ہے کہ کون سی چیز کس وقت میں ہمارے لیے مفید ہے۔

گاڑی سکول کے سامنے رکی تھی۔ روشنی ڈرائیور کو وقت پر آنے کی تاکید کرتی اندر بڑھ گئی۔

زائشہ اسے وہیں مل گئی تھی۔

وہ آج پہلے سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ ہلکے گلابی رنگ کے لان کے سادہ سوٹ میں دوپٹہ سر پر اوڑھے وہ کسی لڑکے سے تکرار میں مگن تھی جو اسے پھولوں کے کنگن پہنا رہا تھا۔ روشنی کو نہ معلوم کیوں حسد سا ہونے لگا اور ساتھ ہی ڈھیروں افسوس نے آن گھیرا یہ جان کر کہ وہ آلریڈی کمیٹڈ ہے۔ روشنی تو اسے اردشیر کے لیے سوچ چکی تھیں۔ پہلی

ملاقات میں ہی وہ زائشہ کی گرویدہ ہو گئ تھیں۔اس کے نیک اخلاق اور اعلٰی سیرت کے ساتھ خوب صورت نے انہیں اردشیر کے حوالے سے اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔وہ لڑکی بلاشبہ ہیرا تھی۔لاکھوں میں ایک تھی۔اس کی تربیت یقیناً بہترین خطوط پر کی گ ئی تھی۔اسے دیکھ کر تو یوں بھی روشنی کو اپنے پن کا احساس ہوتا تھا۔

""سفیر کیا کر رہے ہو۔اچھا نہیں لگتا یہ سب۔""

وہ سب کے لیے ہی کنگن لے کر آیا تھا۔پارس نے تو جھٹ سے پہن لیے تھے۔مزینہ نے بھی کلائیاں سجالی تھیں مگر زائشہ کو کہاں شوق تھا ان آرائشوں کا۔

""یہ میں آپ کے لیے لایا ہوں دیکھیں خالص گلاب کے ہیں۔ان میں ایک بھی چنبیلی کا پھول نہیں ہے۔آپ کو گلاب پسند ہیں ناں۔""

وہ اب تک کنگن پکڑے کھڑا تھا۔

""السلام علیکم""!

روشنی کو یوں کھڑا ہونا کشمکش میں ڈال گیا تھا۔اس لیے اپنی موجودگی کا احساس دلانا مناسب سمجھا۔

"وعلیکم السلام روشنی۔"

وہ خوشی سے روشنی کی طرف بڑھی تھی اور نہایت خوش اخلاقی سے اس سے ملی تھی۔

"سفیر پارس کو کہو کہ قرآن خوانی شروع کروا دے روشنی آگئی ہیں۔"

"جی ٹھیک ہے آپا مگر آپ یہ لازمی پہن لیجیے گا۔"

وہ گلاب کے کنگن اس کے ہاتھ میں پکڑا گیا۔

"آپا۔۔۔۔"!

لفظ آپا پر روشنی ٹھٹھکی تھیں۔

"میرا چھوٹا بھائی ہے سفیر۔"

زائشہ نے تعارف کروایا۔ روشنی یکدم ہلکی پھلکی ہو گئیں۔ چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ دل جو مایوس ہو چلا تھا پھر سے پر امید ہو گیا تھا۔

"یہ بھائی بھی کتنی پرواہ کرتے ہیں ناں۔"

انہیں بے اختیار اردشیر اور نوریز یاد آئے تھے۔ وہ بھی تو ان کی ایسے ہی پرواہ کرتے تھے۔

"یہ آپ پہن لیجیے۔ مجھے یہ سب سوٹ نہیں کرتا۔"

زائشہ نے کنگن روشنی کے ہاتھ میں تھما دیے۔

"یہ تو آپ کے تھے زائشہ۔"

روشنی نے انکار کرنا چاہا۔

"پھولوں پر نام نہیں ہوتا روشنی مگر نام پر پھول ضرور کھلتے ہیں۔ پہن لیجیے کیا پتا کسی کے نام کا پھول دل میں کب کھل جائیں۔"

زائشہ کی اس قدر گہری بات پر روشنی کو ساکت کر گئ تھی۔

"برا لگا ہے تو میں معذرت چاہتی ہوں۔"

روشنی کی خاموشی پر وہ یونہی شرمندہ سی ہو گ ئی تھی۔

"نہیں! برا نہیں لگا۔ بس تھوڑا عجیب لگا۔ رمیز کے جانے کے بعد میں نے گلاب کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا تو اب عجیب لگتا ہے۔"

کنگن پہن کر وہ اداسی سے مسکرائی تھی۔

"کچھ نویدیں رب اشاروں کی صورت میں دیتا ہے۔"

زائی شہ لگتا تھا آج بہت خوش تھی۔

"بے شک۔"

روشنی نے برجستہ جواب دیااور اندر کمرے میں آ گئیں جہاں دریوں پر سفید چاندنیاں بچھا کر قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا تھا۔

پارس اور مزینہ اور کچھ خواتین سپارے پڑھ رہی تھیں درمیان میں اونچے سے تکیے پر غلاف میں لپٹے سپارے رکھے تھے۔ کمرے میں پھولوں اور اگربتیوں کی ملی جلی بھینی بھینی سی خوشبو دماغ کو تازگی بخش رہی تھی۔

زائشہ خود بھی ایک طرف سپارہ لے کر بیٹھ گئی تھی۔

قرآن خوانی کے بعد دعا خیر کے لیے سب نے ہاتھ اٹھائے اور پھر کھانے کا اہتمام کیا گیا۔اس کے بعد زائشہ نے روشنی کو مزینہ اور پارس سے ملوایا۔

"ماشااللہ آپ تو خاصی چھوٹی سی خاتون ہیں۔ مجھے تو لگا تھا کہ کچھ تو بڑی ہونگی مگر آپ تو ہماری طرح چھوٹی سی ہیں۔"

مزینہ نے سلام دعا کے بعد دوستانہ لہجے میں روشنی کے نازک سے حسین سراپے کو دیکھ کر شرارت سے کہا جس پر روشنی جھینپ گئیں۔

زائشہ نے گھور کر اسے دیکھا مگر مجال تھی جو چکنے گھڑے پر پانی ٹھہرتا۔

''اور شمو خالہ کے بتانے پر تو ہمیں یہی لگا تھا کہ یہ روشنی صاحبہ کوئی عمر دراز خاتون ہوں گی جو لاٹھی کے سہارے چلتی ہونگی۔''

پارس کی زبان بھی بے لگام ہو چکی تھی۔

روشنی کو ہنسی آ گئی۔

''یعنی کہ آپ سب کے اندازے غلط ثابت ہو گئے ہیں۔''

''ایسے ویسے۔''

مزینہ نے برجستہ جواب دیا۔

چند ہی لمحوں میں روشنی خود بھی ان میں گھل مل گئی تھیں۔

زائشہ نے گلاسوں میں کولڈ رنک ڈال کر تینوں کو تھمائی۔ گلاس زرا سا ہاتھ سے پھسلا تھا۔ روشنی کے دوپٹہ پر گلاس سے کولڈر چھلک کر اس پر داغ چھوڑ گئی تھی۔

''آئی ایم سوری۔''

زائشہ شرمندہ ہو گئی۔

”آپئے میں آپ کو واشروم کی طرف لے چلتی ہوں۔“

زائشہ نے کہا۔

”نہیں بھئ! اتنافارمل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔میں خود چلی جاتی ہوں۔“

روشنی مسکراکراسے مطمئن کرتیں واشروم کی طرف چلی آئی یں۔انہوں نے دروازہ وا کیاتواندر سفیر بیٹھاورک گردانی کررہاتھا۔سفیر کی موجودگی میں اندر جاناتوخاصامعیوب لگتاسووہ وہیں سے پلٹنے لگی تھیں کہ سفیر کی نظرپڑ گئ۔

”کوئی کام تھاآپ کو۔“

نظروں میں تقدس سموئے نرم لہجے میں روشنی کورکنے پر مجبور کرگیاتھا۔

”جی! واشروم یوز کرناتھا۔“

سفیر نے دوپٹے پر لگے داغ سے اندازہ لگالیاکہ انہیں کیاکام ہے۔

”آجائیں آپ میں باہر چلاجاتاہوں۔“

وہ مسکراکربولا۔

"نہیں پلیز آپ تکلف مت کیجیے۔ میں بس اس لیے واپس پلٹ رہی تھی کہ کہیں آپ ڈسٹرب نہ ہو جائیں۔"

روشنی نے عذر بیان کیا کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھ لے کہ وہ اس کی اندر موجودگی سے غیر تحفظات کا شکار ہو رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔"

سفیر نے بات ہی ختم کر دی تھی۔

وہ کنگن اتار کر میز پر رکھتیں اندر بڑھ گئیں۔

داغ صاف کر کے باہر آئیں تو ذوالقرنین کو وہاں موجود دیکھ کر اچھنبے میں گھر گئیں مگر جلد ہی یہ کیفیت غصے اور طیش میں بدل گئ۔

"تم! تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہاں قدم رکھنے کی۔"

وہ یکدم آپے سے باہر ہوئی ی تھیں۔

"کتنی بار کہا ہے کہ مجھے اپنی شکل مت دکھایا کرو۔ میں اگر ایک عرصے سے خاموش ہوں تو مجھے خاموش رہنے دو۔"

وہ حد درجہ مشتعل ہو گئیں۔

''سفیر میرا دوست ہے اسی کے دعوت نامے پر یہاں آیا ہوں۔''

وہ جواز پیش کرنے لگا۔

''ہنہہ! مجھ سے جڑے لوگوں سے تعلقات بڑھانا تمہارا پرانا مشغلہ ہے۔''

وہ تلخی سے کہتیں سر جھٹک گئیں۔

''بدگمانیوں کے گڑھے سے باہر نکل آئیں روشانے۔''

ذوالقرنین نے سنجیدگی سے کہا۔

''خبردار! جو مجھے روشانے کہا تو۔ میں تمہارا حشر کر دوں گی۔''

سرخ آنکھوں سے تنبیہی لہجے میں کہتے روشنی کو خود پتا نہیں چلا کب ان کی آواز لرز گئی۔ روشانے اسے رمیز پیار سے بلاتا تھا۔ وہ یہ حق کسی اور کو کیسے دے سکتی تھی بھلا اور وہ بھی اس شخص کو جو اس کی خوشیوں کا قاتل تھا۔ وہ حلق کے بل چیخنا چاہتی تھیں مگر بے بسی کے احساس سے آنکھوں میں پانی بھر گیا۔ ذوالقرنین لب بھینچ کر تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے نکلتا چلا گیا

مجھے معلوم تھا محسن وہ میرا ہو نہیں سکتا مگر دیکھو مجھے پھر بھی محبت ہو گئی اُس سے !

روشنی نے اپنے آنسو صاف کیے اور اپنی حالت درست کر کے باہر نکل آئیں۔

****

سحاب کمرے میں بیڈ پر نیم دراز تھی۔اس کی گود میں حماس گھٹنوں پر کاپی رکھے بیٹھا ہوم ورک کر رہا تھا۔خود وہ موبائل میں مگن تھی ساتھ ہی ایک نظر حماس کی بک پر بھی ڈال لیتی تھی۔

"اپو آئی ہیو ڈن میں مائی ورک۔اب میں نور چاچو کے ساتھ وڈیو گیم کھیل لوں۔"

حماس نے خوشی سے بتا کر اجازت چاہی۔

"ٹھیک ہے جاؤ میری جان۔"

اس کے گال کھینچ کر سحاب نے لاڈ سے کہا۔

حماس نے بیڈ سے چھلانگ لگائی اور نوریز کے کمرے میں دھاوا بول دیا وہ جو ہالی ووڈ کی رومانٹک مووی دیکھ رہا تھا ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

"ہاااا۔۔۔۔۔! شیم شیم چاچو۔"

حماس نے منہ پر دونوں ہاتھ جمائے۔

"میں ابھی ماما کو بتاتا ہوں نور چاچو بیڈ موویز دیکھ رہے ہیں۔"

حماس نے روشنی کے کمرے میں دوڑ لگا دی۔

"ابے رک جا ایٹم بم کہیں سچ میں نہ پھٹ جانا۔"

نوریز بھی گرتا پڑتا اس کے پیچھے بھاگا تھا مگر تب تک وہ اپنا کارنامہ روشنی کے گوش گزار چکا تھا۔

"بری بات ہے حماس کسی کے روم میں بغیر نوک کیے نہیں جاتے۔"

سنہوں نے بیٹے کو ڈپٹا۔

"پر آپ نور چاچو کو بھی مینرز سکھائیں کہ بیڈ موویز نہیں دیکھتے۔"

معصومیت سے کہتے حماس نے نوریز کو گھوری دی جبکہ وہ بیچارہ خجل سا ہو کر رہ ہو گیا۔

"زیادہ نہیں بولتے حماس۔"

روشنی نے اسے ٹوک دیا۔

"حماس آپ شیر چاچو کے پاس جاؤ وہ آپ کو یاد کر رہے تھے۔"

انہوں نے حماس کا گال تھپتھپا کر پیار سے اسے منظر سے غائب کیا۔ روشنی کی روئی روئی آنکھیں وہ دیکھ چکا تھا اور اب وجہ جاننے کے لیے بے چین تھا۔

''بھابھی آپ روئی ہیں۔''

روشنی کے پاس بیٹھ کر اس نے تفکر سے استفسار کیا۔

''پاگل ہو گئے ہو تم! میں کیوں رونے لگی بھئی۔''

وہ ہنس کر وہاں سے اٹھ کر الماری کھول کر ترتیب شدہ کپڑوں بے وجہ پھرولنے لگیں کہ نوریز کے سوالوں سے بچنا چاہ رہی تھیں۔

''آپ روئی ہیں۔ آپ کی آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔ لہجہ بھی اداسی کا مظہر بنا ہوا ہے۔''

وہ تفتیشی آفیسر بنا ہوا تھا۔ روشنی کے ہاتھ جہاں تھے وہیں تھم گئے۔

''رمیز بھائی کی یاد آ رہی ہے۔''

نوریز نے یہی اخذ کیا۔ دل کو تو بس بہانہ چاہیے تھا۔ روشنی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ آنسو پلکوں کی چلمن پھلانگ گئے۔ گلابی عارض بھیگتے چلے گئے۔ یوں بھی وہ جب سے

واپس آئی تھیں تب سے کمرہ بند کیے رو ہی رہی تھیں۔ ذوالقرنین کا خود کو روشانے کہنا ان کے لیے کس قدر اذیت ناک تھا یہ صرف وہی جانی تھیں۔

"اللہ سے صبر مانگیں۔ان کی یاد تو ہمیں بھی بہت آتی ہے مگر زندگی تو گزارنی ہے۔اپنے لیے نہیں تو اپنے سے جڑے رشتوں کے لیے۔اللہ آپ کی زندگی خوشیوں سے بھر دے۔"

بڑے بھائی کا طرح سمجھا کر روشنی کو دعا دے کر وہ چلا گیا تو روشنی بیڈ پر گر کر سسک اٹھیں۔

سر جھکا ہی رہا دعاؤں میں
کبھی تجھے مانگنے کے لیے
کبھی تجھے بھولنے کے لیے

زائشہ کا سکول بہت اچھا چل رہا تھا جہاں اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا وہیں آسانی کے در بھی اپنے آپ واہوتے جا رہے تو یوں جیسے اللہ تعالی اس کا ہاتھ تھام کر اسے منزل کی جانب رواں کر رہا ہو اور واقعی اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا۔

مارننگ میں بچوں کی تعداد میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہو رہا تھا۔ شروع میں مزینہ اور پارس نے ہی سب کچھ ہینڈل کر رکھا تھا مگر جیسے جیسے اضافہ ہوتا گیا تھا زائشہ نے اسٹاف ہائر کرنا شروع کر دیا تھا اور اس سب میں صفیہ نے اس کی بہت مدد کی تھی وہ ہر قدم پر اس کے ساتھ کھڑی تھی۔

صفیہ نے اپنے سکول سے استعفیٰ دے دیا تھا کہ وہ زائشہ کے ساتھ اس کے سکول کا نظام سنبھالنا چاہتی تھی اور اس پر اس کی پرنسپل نے خوش دلی سے اس کا استعفیٰ قبول کیا اور ساتھ ہی زائشہ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر اسے کسی بھی قسم کی مدد درکار ہو تو وہ حاضر ہوں گی۔

دو مہینے تک مارننگ میں سکول جاری رکھنے کے دوران بہت سے سٹوڈنٹس کوچنگ کے لیے بھی پوچھ کر جا چکے تھے کچھ کے والدین نے بھی بات کی تھی اور کچھ دن پہلے ہی سیکنڈ ییئر میڈیکل کا ایک سٹوڈنٹ بھی کوچنگ کی انفارمیشن لے کر جا چکا تھا جس پر صفیہ نے بہت سوچ بچار کے بعد زائشہ سے بات کر کے اسے ایوننگ میں کوچنگ کھولنے کا مشورہ دیا کہ جب جگہ اپنی تھی تو کیوں نہ فائدہ اٹھایا جائے ساتھ ہی دوسروں کو بھی مستفید

کیا جائے۔زائشہ نے اسے سمجھایا کہ بڑی کلاسز کو کوچ کرنے کے لیے کوالیفائیڈ ٹیچرز کی ضرورت ہو گی بچوں کے مستقبل کی بات ہے وہ کوئی رسک نہیں لے سکتی تو صفیہ نے وہ مسئلہ بھی حل کر دیا کہ کامرس کے سٹوڈنٹس کو وہ خود کوچنگ دے جبکہ میڈیکل اور انجینئرنگ کی میتھس کے لیے ٹیچر ہائر کر لے۔ون ٹو میٹرک کو پارس اور مزینہ دیکھ لیں گی۔

زائشہ کافی غور خوض اور سفیر سے مشورہ کرنے کے بعد راضی ہو گئ تھی یوں کچھ ہی دن بعد ایوننگ میں کوچنگ کلاسز کا آغاز بھی ہو گیا۔

زائشہ کے دن اب مصروف گزرتے تھے۔مزینہ اور پارس بھی سکول اور گھر کے کاموں میں یوں مگن ہوئیں کے فرصت کا لمحہ بھی مشکل سے میسر آنے لگا۔ساجدہ بیگم کی عدت پوری ہو گئ تھی۔گھر کے کام وہ دیکھ لیتی تھیں کچھ پارس سکول سے آ کر ہاتھ بٹا دیتی تھی۔ مزینہ کے لیے بھی خالدہ بیگم نے شکر کیا تھا چلو لڑکی نے کسی کام میں تو ہاتھ ڈالا ورنہ اسے لوگوں کی عقل ٹھکانے لگانے کے علاوہ اور کوئی ی کام ہی نہیں تھا۔دوسرا وہ خود بھی بلال

نامی بلا سے دور رہنا چاہتی تھی۔ روز روز کی توتو میں میں اور چیخ و پکار سے یوں بھی وہ عاجز آ چکی تھی۔

”میڈیکل سٹوڈنٹس کے لیے ٹیچر چاہیے۔ تمہارے تو کافی سورسز ہیں صفیہ تم پتا کر کے بتاؤ۔“

چائے کے گھونٹ بھرتی زائشہ نے سامنے صوفے پر بیٹھی صفیہ سے کہا۔

”ٹیچرز تو ہیں پر کوئی بھی فارغ نہیں ہے۔“

صفیہ نے گہرہ سانس بھرا۔

”افففف ناک میں دم کر کے رکھ دیا۔ بچے ہیں کہ افلاطون۔ سر درد سے پھٹا جا رہا ہے بس اب ایک عدد پیناڈول دے دو۔“

مزینہ نے دستک دینے کی بھی ضرورت پیش نہیں کی تھی بلکہ وہ دھڑام سے اندر آ کر صوفے پہ گرنے کے سے انداز میں بیٹھ کر سر صوفے کی پشت سے لگائے اب کنپٹیاں دبا رہی تھی اور آنکھیں ہنوز بند تھیں۔

”تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے یہ سکول ہے ڈسپینسری نہیں۔“

پارس نے تڑخ کر جواب دیا۔ مزینہ کی صبح والی حرکت وہ بھولی نہیں تھی کیسے اس نے بچوں کو باآواز بلند پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ برابر میں ہی وہ کلاس لے رہی تھی۔ اس قدر شور تھا کہ وہ اچھا خاصا ڈسٹرب ہو گئی تھی۔ پارس کے ٹوکنے پر وہ یہ کہ گی کہ وہ اپنے کان بند کر لے وہ تو ایسے ہی پڑھائے گی جبکہ اس کی آنکھوں میں ناچتی شرارت پارس کو جلا کر راکھ کر گئی تھی۔

"تم لوگ سیریس کیوں نہیں ہو جاتیں۔ یہ تعلیمی ادارا ہے۔ یہاں بچوں کو اچھائی کا درس دیا جاتا ہے۔ ان کی تربیت کی جاتی ہے منفی جذبوں کو مثبت رویوں میں تبدیل کرنا مدارس کا اولین کام ہے۔ جب ٹیچر زنان سینس ہوں گے تو بچوں کو کیا سینس سکھائیں گے۔"

زائشہ سنجیدگی سے سخت نظر دونوں پر ڈال کر لب بھینچ گئی۔

"غلطی اس کی تھی۔"

پارس نے سارا ملبہ مزینہ پار گرا دیا۔

"انف پارس! کل سے تم لوگوں نے غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کیا تو میں تم دونوں کو فارغ کر دوں گی۔"

وہ سخت لہجے میں انہیں وارن کر گئی۔ پارس کا منہ اتر گیا۔مزینہ بھی سیدھی ہو بیٹھی۔

”ٹیچر کا انتظام ہو گیا کیا؟“

اب زائی شہ کا موڈ بھی تو بحال کرنا تھا۔

”ابھی تک تو نہیں بحرحال کوشش میں سرگرداں ہیں۔“

زائشہ نے گہری سانس خارج کی۔

”آپ خرم بھائی سے رابطہ کیوں نہیں کرتیں۔“

پارس نے ایک شرارت بھری نظر مزینہ پر ڈالی اور پھر زائشہ کی سوچوں کا رخ خرم کی جانب ہو گیا۔

”یہ سکول ہے ڈینٹیل کلینک نہیں۔“

مزینہ نے دانت پیس لیے۔

صفیہ ان دونوں کی جملے بازی سے خاصا محظوظ ہو رہی تھی۔

”او مائی ڈیئر مزینہ تم شاید بھول رہی ہو وہ میڈیکل پڑھ کر ہی ڈاکٹر بنے ہیں۔“

پارس نے ٹھنڈا اٹھار طنز کیا۔

"کبھی کبھی واقعی تمہارا دماغ کام کر جاتا ہے۔"

زائشہ نے داد دی تھی یا طنز کیا تھا پارس سمجھ نہ سکی۔

"میرا دماغ ہر وقت کام کرتا ہے آپا یونہی آپ کے بچوں کو پڑھاتی میں۔"

وہ حقیقتاً برا منا گئی۔

"پتا نہیں وہ فری ہونگے بھی یا نہیں۔"

زائشہ کشمکش میں تھی۔

"میرے پاس تو کانٹیکٹ نمبر بھی نہیں ہے۔"

وہ الجھن امیز لہجے میں گویا ہوئی۔

"اس میں کون سی بڑی بات ہے۔ پرسکرپشن والی پرچی پر ان کا نمبر بھی درج ہے وہ مزینہ کے پاس ہے۔"

پارس نے مشکل ہی حل کر دی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر گھر چل کر ہی بات ہو پائے گی۔"

وہ سیٹ سے کھڑی ہوئی اور چوکیدار کو آواز دے کر سکول بند کروانے کے بعد گھر روانہ ہو گئیں۔

"السلام علیکم"!

گھر میں آتے ہی زائشہ نے حسب عادت سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام جیتی رہو خوش رہو اللہ کامیاب کرے۔"

ہمیشہ کی طرح سلام کے جواب میں آج بھی ان کے منہ سے دعائیں نکلی تھیں۔

"امی کھانا لگائیں بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

واشروم میں گھسنے سے پہلے وہ ہانک لگانا نہیں بھولی تھی۔

سفیر آگیا کیا۔

زائشہ نے بیسن سے ہی ہاتھ منہ دھو لیا تھا۔

"سات بجے آیا تھا گیراج سے نہا دھو کر اپنی کتابیں لے کر گیا ہے اپنے پروفیسر صاحب کے پاس۔ اللہ بخشے ایسے نیک لوگوں کو جب سے سفیر پڑھ رہا ہے تب سے فیس کا ایک

روپیہ نہیں مانگا۔ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں دنیا میں۔ایک وہ روشنی تھی پیاری سی لڑکی اللہ اس کی زندگی خوشیوں سے بھر دے۔ بڑی پیاری بچی ہے۔دوبارہ ملاقات ہی نہیں ہوئی اس سے تو۔"

کھانا لگاتے ہوئے وہ اپنی دھن میں بول رہی تھیں لیکن زائشہ پورے دھیان سے انہیں سن رہی تھی۔

"میری تو خود ملاقات نہیں ہوئی۔"

زائشہ نے بھی ان کی تائید کی۔

"تو فون کر لیتیں بیٹا۔اچھا نہیں لگتا کیا سوچتی ہوگی وہ بچی کہ یہ لوگ تو بھول ہی گئے۔"

ساجدہ بیگم نے محبت سے کہا۔

"بس امی! کام کے چکروں میں یاد ہی نہیں رہا کل ان شااللہ کروں گی۔"

کھانا کھانے کے بعد برتن دھو کر کچن صاف کر کے پارس تو بیڈ پر پڑ گئی تھی۔زائشہ مزینہ سے خرم کا نمبر لے آئی تھی اور اب نمبر ڈائل کر کے وہ کال ریسیو ہونے کی منتظر تھی۔

"ہیلو! ڈاکٹر خرم از سپیکنگ۔"

خرم کی آواز سپیکر سے ابھری۔

''السلام علیکم خرم بھائی میں زائشہ بات کر رہی ہوں۔''

زائشہ نے بتایا۔

''وعلیکم السلام کیسی ہیں؟آپ خیریت سے فون کیا۔کہیں آپ کی سہیلی نے پھر سے تو دانت نہیں تڑوالیا۔''

وہ ہنس کراس کی خیریت دریافت کرتا آخر میں شریر ہوا تھاتو زائشہ بھی ہنس دی تھی۔

''نہیں وہ بالکل ٹھیک ہے۔دراصل مجھے آپ سے کچھ کام تھا۔سب سے پہلے تو معذرت کے آپ کواس وقت پریشان کیا۔''

وہ شرمندہ سی بولی تھی۔

''بہنوں کواجازت ہے وہ جب مرضی بھائیوں کوپریشان کرسکتی ہیں۔اب بتائیں مجھ ناکام سے کیاکام پڑگیاآپ کو۔''

اسے مان بخشتاہوا وہ عاجزی سے بولا تھا۔

”مجھے اپنے کوچنگ میں ایوننگ کلاسز کے لیے میڈیکل سبجیکٹس کے ٹیچر کی فوری طور پر ضرورت ہے۔“

زائشہ نے مدعا بیان کیا۔

”آپ نے اپنا کوچنگ کب کھولا؟“

خرم کے لہجے میں حیرت نمایاں تھیں۔

”چار پانچ مہینے ہو گ ئے۔مارننگ میں سکول ہے اور ایوننگ میں کوچنگ۔“

اس نے مختصراًاُسے آگاہ کیا۔

”ماشاللہ مبارک ہو۔میرے حصے کی مٹھائی کدھر ہے پھر۔“

”مٹھائی بھائیوں سے اچھی تھوڑی ہے۔میں کل ہی آپ کے کلینک بھجوادوں گی۔“

زائشہ نے مسکرا کر کہا۔

”نہیں یہ تکلف مت کیجیے گا۔میں خود ہی آجاتا ہوں۔آپ وقت بتادیں کب ملیں گی اور ہاں میں شام میں فری ہوں تو سمجھیں آپ کا مسئلہ حل ہو گیا۔“

خرم نے اس کی مشکل ہی حل کر دی تھی۔

"آپ کل شام میں مجھ سے مل لیں۔"

زائشہ نے اسے وقت اور ایڈریس بتا کر رابطہ منقطع کیا۔

دوسری طرف خرم نے غور سے ایڈریس کو دیکھا جو زائشہ نے اسے میسج کیا تھا۔

"یہ تو روشنی بھابھی کے بینگلو کا ایڈریس ہے۔

کیا روشنی بھابھی نے بینگلو سیل کر دیا۔"

وہ پر سوچ انداز میں خود سے ہمکلام ہوا۔

"نہیں وہ لوگ اتنا بڑا بنگلا کیسے افوورڈ کر سکتے ہیں۔ ضرور رینٹ پر لیا ہو گا۔"

موبائل پینٹ کی پاکٹ میں رکھتے وہ کلینک سے گھر کے لیے نکلا تھا۔

****

بیڈ پر کتابیں بکھری پڑی تھیں اور وہ نوٹ بک پر جھکی کچھ لکھ رہی تھی۔ کبھی پین منہ میں لیتی تو کبھی لکھنا شروع کر دیتی۔ اس کی بیتابانہ نگاہیں پاس پڑے موبائل پر بھی وقفے وقفے سے اٹھ رہی تھیں جس کی سکرین سیاہ پڑی تھی۔

اس کے ہر ہر انداز سے بے قراری چھلک رہی تھی۔اس کا دھیان پڑھائی پر کم اور موبائل پر زیادہ تھا۔وہ شدت سے ابشام کی کال کی منتظر تھی وہ اسے روزانہ دس بجے کال کرتا تھااور آج دس بج کر بارہ منٹ ہوگۓ تھے تو بیقراری عروج پر تھی۔ صبح اسائنمنٹ جمع کروانا تھاورنہ وہ کب کی کتابوں کو بیگ میں جھونک چکی ہوتی۔

"سوا دس ہوگۓ۔ پچھلے چار مہینوں سے تو لگاتار دس بجے فون کرتا تھا ابشام۔آج دیر کیوں ہوگئ۔ کہیں کچھ ہو نہ گیا ہو اللہ خیر کرے۔"

اس کا دل اندیشوں میں گھر گیا تھا۔

پڑھنے کو دل نہیں کر رہا تھا بس مجبوری تھی۔

ابھی اس نے سکرین سے نگاہ ہٹائی ہی تھی کہ موبائل سکرین روشن ہوئی وہاں پوری آب و تاب سے سول میٹ لکھا چمک رہا تھا۔

سحاب نے بیقراری سے کال رسیو کرکے ہیلو کہا۔

"سوری یار میں کچھ بیزی تھا۔ بابا کے دوست آگۓ تھے تو مجھے وہاں سے اٹھ کر آنا مناسب نہیں لگا۔"

اس نے توجیہ پیش کی۔

''مجھے بس ایک میسج کر دیا کریں تاکہ میرا دل پریشان نہ ہو پانچ منٹ بھی اوپر ہو جاتے ہیں تو میرا دل اندیشوں میں گھر جاتا ہے۔''

عجیب بے بسی طاری تھی اس پر جو کسی کے سامنے نہیں جھکتی تھی وہ ابشام کرمانی کے لیے جھکنے کیا ٹوٹنے کے لیے بھی تیار تھی۔

''پریشان کیوں ہو رہی ہو یار میں اگلی دفعہ سے میسج کر دیا کروں گا۔اچھا بتاؤ کیا کر رہی تھیں۔''

اس نے ایک ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر ٹانگ پر ٹانگ دھری اور بات کا رخ ہی بدل دیا۔

''اسائنمنٹ بنا رہی تھی۔''

وہ بے دلی سے بولی۔

''آہاں ! میرے ہوتے ہوئے دل کیسے لگ جاتا ہے تمہارا پڑھائی میں۔''

وہ شوخی سے گویا ہوا۔

''کہاں لگتا ہے لگانا پڑتا ہے۔''

سحاب نے نوٹ بک بند کر کے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی۔

"کھانا کھایا تم نے یا بس کتابیں ہی چاٹنے کا ارادہ ہے۔"

وہ ہنسا تھا اور سحاب اس کی ہنسی میں ہی کھو گئی تھی۔

"کہاں گم ہو گئی ہو۔"

وہ طویل خاموشی پر اسے ٹوک گیا۔

"نہیں ابھی کھاؤں گی آپ نے کھا لیا؟"

وہ چونک کر بولی۔

"آج تمہارے ساتھ کھانے کا ارادہ ہے۔"

وہ بولا تو سحاب ہنس دی۔

"کیوں! آپ کی دعوت ہے ادھر۔"

سحاب نے چھیڑا۔

"ہا ایسے میرے نصیب کہاں۔ تم آ جاؤ کہیں اچھا سا ڈنر کریں گے۔ کچھ تم اپنی سنانا۔ کچھ میں اپنی کہوں گا۔"

وہ خمار آلود لہجے میں گویا ہوا۔

''کہیں دماغ تو خراب نہیں ہو گیا آپ کا۔ شیر اور نور بھائی گھر پر ہیں۔ میں اس وقت گھر سے نہیں نکل سکتی۔ سحاب اب کی بار سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''میری خاطر بھی نہیں؟''

جزباتی وار کیا گیا۔

''آپ سمجھنے کی کوشش کریں ناں ابشام میں کیسے آؤں۔ بھائی کو پتا لگ گیا تو وہ بہت ناراض ہوں گے۔''

وہ روہانسی ہو گئی۔

''اور میں! میں ناراض ہو گیا تو کیا کرو گی؟''

وہ چبھتے لہجے میں کاری وار کر گیا تو سحاب تڑپ اٹھی۔

''مجھ سے ناراض مت ہوئیے گا ابشام ورنہ سحاب مر جائے گی۔''

وہ نم لہجے میں بے بسی سے بولی۔

”میری خاطر زرا سا رسک تو لے نہیں سکتیں کیا خاک مروگی۔ تم مجھ سے محبت ہی نہیں کرتیں گر کرتی ہوتیں تو یوں ہیلے بہانے نہیں بناتیں کہ محبت کا دم بھرنے والے تو سولی پر بھی لٹک جاتے ہیں۔ مجھے آئیندہ کے بعد فون مت کرنا سحاب۔ میں سمجھ گیا ہوں ان تلوں میں تیل نہیں۔“

سخت لہجے میں کہتا وہ آخر میں ایک دم ہی اجنبی بن گیا تھا۔ کس قدر سنگ دل بنا ہوا تھا وہ۔ سحاب کے دل پر چھریاں چل گئی تھیں۔

”پلیز ابشام ایسا مت کہیں۔ میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں اور واقعی اپنی جان دے سکتی ہوں آپ کے لیے۔ میرا یقین کریں۔“

وہ شدت سے رو دی تھی۔ اس نے ابشام کا غصہ کب دیکھا تھا۔ وہ اتنا بے مہر تو کبھی بھی نہیں تھا۔ نہ جانے آج وہ یہ سب کیوں کہہ رہا تھا۔

”کیسے کروں یقین۔ جب بھی کچھ مانگتا ہوں تو انکار کر دیتی ہو جبکہ محبت تو نام ہی دینے کا ہے۔ میں تو اب بھی تہی دامن ہو۔ میرے دامن میں تو ہمارے خوبصورت لمحے بھی نہیں ہیں کہ تم نے کبھی میرے سنگت میں وقت ہی نہیں گزارا۔“

اس طرف لہجہ اب بھی سپاٹ تھا۔ فون میں ہنوز اس کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

”بات سنو سحاب تم مجھ سے آئیندہ بعد کوئی رابطہ مت کرنا۔ میرا تم سے ہر تعلق اب ختم سمجھو کیونکہ تمہیں مجھ پر اعتبار ہی نہیں ہے جو کہ محبت کی بنیاد ہے۔ جب بنیادیں ہی کمزور ہوں تو عمارت اپنے آپ ڈھے جاتی ہے۔ تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہیں کہیں باہر بلا کر تمہاری عصمت پامال کر دوں گا اور تمہیں خوف ہے کہ کہیں میں تمہیں مار کر ہی نہ پھینک دوں۔ ایسا ہی ہے نہ بولو۔“

وہ درشت لہجے میں جواب طلبی پر اتر آیا تو سحاب نے تیزی سے آنسو صاف کیے اور بولی۔

”ایسا کچھ نہیں ہے ابشام۔ مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے۔ میری محبت کی عمارت بہت مضبوط ہے۔ مجھے اگر آپ سے خوف لاحق ہوتا تو میں اپنے قدم بہت پہلے ہی پیچھے لے لیتی۔“

وہ مضبوط لہجے میں پر اعتمادی سے اسے تسلی دے رہی تھی۔

”اگر ایسا ہے تو آج رات گیارہ بجے مجھے ملو۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ اسے اپنی محبت کا امتحان سمجھو سحاب۔ تم آگئیں تو ٹھیک ورنہ ہمارے راستے جدا سمجھو۔“

سرد وسپاٹ لہجے میں کہتا وہ سحاب کو سوچوں کی گہری کھائی میں دھکیل گیا تھا۔

اردشیر اور نوریز ٹی وی لاؤنج میں سیاسی ٹاک شو دیکھ رہے تھے۔ حماس سو چکا تھا۔اس کی طبیعت ناساز تھی ورنہ وہ دونوں کے سر ہوا ہوتا تھا۔

روشنی نے چائے بنا کر ان دونوں کو دی اور اپنا کپ لے کر وہاں سے جانے لگی تھیں کہ اردشیر نے انہیں پکارہ۔وہ بے اختیار رک گئیں۔

"سب ٹھیک ہے ناں۔ اتنی خاموش کیوں رہنے لگی ہیں۔آپ کے دم سے ہی تو گھر گھر لگتا تھا۔اب آپ بھی چپ چپ رہنے لگ گئی ہیں۔ کیا سحاب نے کچھ کہا ہے۔"

اردشیر نے استفسار کر کے آخر میں اپنی بات کی تائید چاہی جس پر وہ گہرہ سانس لے کر گئیں۔

"نہیں بس طبیعت آج کل کچھ ٹھیک نہیں رہتی۔ تم فکر مت کیا کرو۔ سحاب مجھ سے کچھ نہیں کہتی۔"

انہوں نے اردشیر کو مطمئن کرنا چاہا تھا۔

”سحاب سے یاد آیا کہ اسے کیا ہوا ہے۔جب بھی گھر آؤ گوشہ نشین ہی ملتی ہے۔پڑھائی تو ٹھیک سے کر رہی ہے ناں۔“

نوریز نے ٹی وی بند کر کے ریموٹ ایک طرف رکھا اور سحاب کے بارے میں پوچھنے لگا جس کی حرکتیں وہ کافی ٹائم سے نوٹ کر رہا تھا۔اس کی نہ صرف روٹین میں تبدیلی آئی تھی بلکہ اس کے مزاج میں بھی وہ واضح تبدیلی محسوس کر رہا تھا مگر آفس کے کاموں میں اسے فرصت ہی کہاں ملتی تھی کہ سحاب پر چیک اینڈ بیلنس رکھتا۔

”پتا نہیں پر پہلے سے بہت عجیب حرکتیں کرنے لگی ہے۔یونی سے آکر سو جاتی ہے۔کھانے پینے کا ہوش نہیں رہتا۔رات دیر تک جاگتی ہے۔اب تو چھٹی والے دن بھی کمرہ بند کر کے پڑی رہتی ہے۔اس کی دوستیں بھی شکوہ کر رہی تھیں۔پتا نہیں کیا ہو گیا ہے اسے۔اچھا خاصی ایکٹو تھی۔“

روشنی نے تفصیلاً بتایا تو نوریز کے ساتھ ساتھ ارشیر بھی سوچ میں پڑ گیا۔

"مجھے لگتا ہے ہم اسے پراپر ٹائم نہیں دے پا رہے۔اسے ہمارے ساتھ کی ضرورت ہے۔محبت سے لبریز چند بولوں کے لیے ترس گئی ہے ہماری بہن۔جبھی خفا رہنے لگی ہے۔"

نوریز نے پر سوچ انداز میں کہہ کر خالی کپ روشنی کو تھمایا۔

"سحاب کے لیے وقت نکالنا پڑے گا۔اس اتوار کو فارم ہاؤس کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔اپنی بہن کے ساتھ پورا دن گزاریں گے۔سارے شکوے دور ہو جائیں گے نکچڑی کے۔"

اردشیر نے مسکرا کر کہا

"یہ ٹھیک ہے اردشیر۔اسے توجہ دو۔اس سے قبل کہ وہ باہر متوجہ ہو جائے۔"

روشنی نے ان کی بات کی تائید کرتے انہیں آگاہ کیا۔

****

گیارہ بجنے میں ابھی بھی دس منٹ باقی تھے۔سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہو گیا تھا۔وہ کیسے رات کے اندھیرے میں اس گھر کی دہلیز پھلانگتی جس گھر کے لوگ اس سے بے تحاشہ محبت کرتے تھے۔وہ ان کی عزتوں کی امین تھی۔اتنا بڑا قدم بھلا کیسے اٹھا لیتی۔ایک

طرف دل تھا جو ابشام کے نام پر دھڑکتا تھا جو کہہ رہا تھا کہ روک لو ابشام کو محض ایک ملاقات ہی تو ہے۔ صرف ملنے ہی تو بلا رہا ہے۔ دوسری طرف دماغ تھا جو اسے ہر لمحے خبردار کر رہا تھا کہ نہیں! اندھیرے میں گھر کی چوکھٹ بھول کر بھی پار مت کرنا کہ امانتداروں کو خبر بھی لگ گئی تو ان کا یقین کرچی کرچی ہو جائے گا۔

دل اور دماغ کی اس جنگ میں وہ خاصی مضطرب نظر آرہی تھی۔

”نہیں میں نہیں جا سکتی۔ شیر بھائی مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے اور نور بھائی! وہ تو مجھے زندہ زمین میں گاڑھ دیں گے۔ پر ابشام! اسے آج نہیں روکا تو شاید میری سانسیں رک جائیں۔

ایک طرف کنواں ہے تو دوسری طرف کھائی۔

کیا کروں۔۔۔ نہیں میں ابشام کے بنا نہیں رہ سکتی۔ مجھے جانا ہی ہو گا۔ صرف تھوڑی دیر کی بات ہے ابشام کے ساتھ ڈنر کے بہانے تھوڑا وقت گزار کر واپس آجاؤں گی۔“

دل اور دماغ کی جنگ میں بالآخر فتح دل کی ہوئی تھی اور وہ تیزی سے کپڑے لے کر واشروم میں گھسی۔ باہر نکل کر بیڈ پر تکیے رکھ کر اوپر بلیکنٹ ڈالا۔ اے سی فل سپیڈ پر کر

کے کمرے کی لائٹ آف کی اور دروازہ بند کرتی دھیرے سے نیچے آئی۔ایک نظر اوپر کمروں کے بند دروازوں پر ڈالی۔داخلی دروازہ مقفل تھا۔ہینڈل گھما کر لاک کھولا اور دہلیز پار کر گئی۔

"اب بس بھی کرو سحاب میں نے یونہی غصے میں کہہ دیا تھا۔وہ اپنے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی سحاب کو چپ کروانے کی سعی کر رہا تھا۔

"آپ نے کتنی آسانی سے غصے میں تعلق توڑنے کی بات کر دی یہ جانے بغیر کے سامنے والے کو کتنی تکلیف ہوئی ہو گی۔ابشام! میں اس ایک لمحے میں ہزار بار مری ہوں۔آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ کس قدر چاہتی ہوں میں آپ کو۔آپ نہیں تو کچھ نہیں۔"

وہ بے طرح سسک اٹھی تھی۔

"اچھا اب معاف بھی کر دو کب سے سوری کر رہا ہوں۔مجھے اندازہ ہے کہ تم ہرٹ ہوئی ہو۔"

وہ عاجز آ گیا تھا۔

"اس عورت کو رونے کے سوا کچھ آتا ہی نہیں۔"

وہ دل میں بڑبڑاتا ہوا اچھا خاصا بدمزہ ہوا تھا۔

"میں اتنی آسانی سے آپ کو معاف نہیں کروں گی۔"

روئی روئی سی آنکھوں سے ایک نظر ابشام کو دیکھ کر وہ منہ پھیر گئی۔

"اس لڑکی کے نخرے ہی ختم نہیں ہوتے۔ کتنی ہی لڑکیاں میرے ایک اشارے کی منتظر رہتی ہیں۔ ایک اس کے پیچھے پاپڑ بیلنے پڑ رہے ہیں۔"

وہ سخت جھنجھلا گیا تھا۔

"جتنا نخرہ کرنا ہے کرلو سحاب بی بی۔ میں بھی ابشام کرمانی ہوں تمہارے سارے کسے بل نکال کر گن گن کر بدلہ نہ لیا تو نام بدل دینا۔"

اس کی پشت کو دیکھتے وہ کلس کر خود سے ہمکلام ہوا تھا۔ پھر سیدھا ہوا اور چہرے کے تاثرات نرم کیے۔

"سحاب تم جانتی ہو تم میرے لیے کیا ہو۔ جب تک تمہیں دیکھ نہیں لیتا میرے دل کو سکون نہیں ملتا۔ میری آنکھوں سے نیند روٹھ جاتی ہے۔ آج تم یونی نہیں آئی تھیں تو دل پریشان ہو گیا تھا کہ کہیں تمہاری طبیعت نہ خراب ہو گئی ہو۔"

وہ اپنی صفائی پیش کرتا ہوا سحاب کا نرم ہاتھ تھام کر لبوں سے لگا یا۔

سحاب نے فوراً ہاتھ واپس کھینچا۔ چہرے پر گلال بکھرا تھا۔ ابشام کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔

"مطلب معافی مل گئ۔"

وہ شوخ ہوا۔

"آپ جلدی کریں مجھے گھر واپس بھی جانا ہے۔"

وہ خفت مٹانے کو بولی۔

وہ اسے ایک خوبصورت سے ہوٹل میں لے آیا تھا۔ ٹیبل کافی خوبصورت سجی ہوئی تھی۔ سحاب کی پسند کا کھانا آرڈر کر کے وہ موبائل پر مصروف ہو گیا اور سحاب اس پر فسوں لمحوں کو محسوس کرنے لگی بلاشبہ یہ اس کی زندگی کا حسین ترین دن تھا۔

کھانا کھانے کے دوران وہ اس سے شوخ گفتگو کرتا رہا تھا جس پر کبھی سحاب سر جھکا دیتی تو کبھی حاضر جوابی کا مظاہرہ کرتی۔

اسی دوران کچھ لوگ ان کی ٹیبل کی جانب آئے جنہیں دیکھ کر ابشام ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہو کر ان سے ملا۔ وہ چار سفید فام لوگ تھے۔ نہ جانے کس مقصد سے آئے تھے اور ابشام نہ جانے ان کی زبان میں ان سے کیا باتیں کر رہا تھا۔ ان کے کان ابشام کی طرف تھے جبکہ نگاہیں سحاب کے سراپے پر تھیں۔ سحاب ان کی نظریں اپنے وجود پر دھنستی ہوئی محسوس کر رہی تھی جبھی سمٹ گئی تھی۔ کتنی عجیب بات تھی لاشعوری طور پر وہ خود کے چادر یا دوپٹے سے ڈھانپنے کی کوشش کرنا چاہ رہی تھی مگر وہ دوپٹہ پہنتی ہی کب تھی۔ اس وقت بھی سرخ ٹاپ پر ٹخنوں سے اوپر تک آتی نیلی جنس پہنے بیٹھی تھی۔

"کون تھے یہ لوگ؟"

ان کے جانے پر سحاب نے پرسکون سانس لی تھی ساتھ ہی الجھن آمیز نظریں ابشام پر ٹکا دی تھیں۔

"فارن ڈیلر تھے۔"

اس نے سرسری جواب دیا۔

"تو آپ سے کیا کام تھا انہیں؟"

سحاب نے نہ سمجھی سے پوچھا۔

"ایک بزنس مین سے فارن ڈیلر کا کیا کام ہو سکتا ہے بھلا؟"

وہ مسکرا کر الٹا سوال داغ گیا۔

"اوہ آئی سی۔"

وہ جیسے سمجھنے والے انداز میں بولی تھی۔

سحاب کے ساتھ وقت گزار کر وہ اسے وہیں گیٹ کے آگے چھوڑ گیا تھا جہاں سے اسے رسیو کیا تھا۔

وہ ہاتھ ہلاتا ہوا گاڑی ریورس کرنے لگا۔

اس کی پر سوچ نگاہیں ونڈ سکرین پر مرکوز تھیں۔

****

وہ کیبن میں لیپ ٹاپ سامنے رکھے کچھ ضروری پیپرز ٹائپ کر رہی تھی۔ڈور نوک ہونے پر وہ مصروف سی کم ان کہہ گئی۔

"السلام علیکم"!

خرم نے دھیرے سے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا۔ زائشہ نے خوشگوار تاثرات لیے لیپ ٹاپ ایک طرف کیا۔

"وعلیکم السلام! مجھے امید نہیں تھی کہ آپ اپنی اتنی ٹف روٹین سے ہمارے لیے وقت نکال پائیں گے۔"

زائشہ مسرت سے اپنے احساسات بیان کرتی انٹرکام پر ہدایت دے کر مڑی۔

"روٹین کتنی ہی ٹف کیوں نہ ہو اپنوں کے لیے وقت کالنا ہی پڑتا ہے۔"

"شکریہ خرم بھائی۔"

"اب شکریہ کہہ کر پرایا کر رہی ہیں۔ چانسز ہیں کہ میں ناراض ہو جاؤں۔"

زائشہ کا تکلف بھرا انداز خرم کو اچھا نہیں لگا تھا۔

"نہیں بھئ! آپ کو ہم کیسے ناراض کر سکتے ہیں۔"

زائشہ مسکرائی۔

"ہمیں ایوننگ میں نائنتھ میٹرک اور فرسٹ ایئر سیکنڈ ایئر کے سٹوڈنٹ کے لیے بائیو اور کیمیسٹری کے ٹیچر درکار ہیں۔ فور ٹو ایٹ کی ٹائمنگ میں۔ بائیو تو آپ کوور کر لیں

گے۔۔۔۔میں کیمسٹری بھی کوور کرلوں گا زائشہ جب تک آپ کو کوئی دوسرا ٹیچر نہیں مل جاتا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

خرم نے اسے پریشان دیکھ کر اس کی بات بیچ سے اچک کر مکمل کی جس پر پہلے تو زائشہ حیران ہوئی پھر ہنس دی۔

" تھینکس فار دس فیور۔"

وہ مطمئن ہو گئ تھی۔

" پھر سے۔۔۔۔۔! چلیں آپ کا یہ تھینکس ادھار رکھیں کسی ایسے وقت کے لیے جس میں مجھے آپ سے فیور چاہیے ہو گا۔ میں اس وقت اس تھینکس کے بدلے آپ سے کوئی فیور مانگ لوں گا۔"

گہرے ذو معنی لہجے میں کہتا وہ کھڑا ہوا۔

"موسٹ ویلکم"!

زائشہ نے مسکراہٹ دبائی۔

فراغت ملتے ہی وہ اسٹاف روم میں چلی آئی تھی۔ ساتھ ہی سکون کا سانس لیا تھا۔

"ایسی کی تیسی ان بچوں کی۔ دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دیں۔ پتا نہیں انسانوں کے بچے ہیں کہ جنوں کے۔ دو گھنٹے میں میری یہ حالت کر دی گھر میں ماں کا تو جینا محال ہو گا۔"

مسلسل بڑاتی ہوئی وہ چیزوں کی اٹھا پٹخ کر رہی تھی۔ اسی لمحے خرم بھی فری ہو کر وہاں آیا تھا اور اس کی بڑبڑاہٹ سن کر زور سے ہنسا تھا کہ مزینہ گڑبڑا سی گئی تھی۔

"جب خود اماں بنیں گی تو پتا چلے گا کہ جینا محال ہوتا ہے کہ بحال۔"

وہ مسکراہٹ دبا کر گویا ہوا۔ کلینک سے واپسی پر وہ کوچنگ آجایا کرتا تھا۔ ایک تو زائشہ کی درخواست تھی دوسرا وہ اپنے دل کی سنتا تھا جو آج کل مزینہ کو دیکھنے کے لیے بیتاب رہتا تھا۔

"فضول گوئی سے پرہیز کیا کرو بد تمیز ڈینٹیسٹ ورنہ گویائی کے قابل نہیں چھوڑوں گی۔"

خفت مٹاتے وہ اس پر چڑھ دوڑی تھی۔

"میں ڈینٹیسٹ ضرور ہوں پر بدتمیز نہیں۔بہت پیار سے لوگوں کے ٹوٹے دانت ٹھیک کرتا ہوں اور ساتھ ہی دل بھی۔"

کرسی پر بیٹھا وہ پر شوق نظروں سے اسے دیکھتا مزینہ کو ڈسٹرب کر رہا تھا۔

"گندہ آدمی ادھر ہی دیکھے جارہا ہے۔ایک تو باورا دل پہلے ہی ہمک ہمک جارہا ہے اوپر سے اس شودے کی اداکاریاں نہیں ختم ہوتیں۔"

وہ اپنے دل کو ڈپٹتی ہوئی بڑبڑائی۔

"کچھ کہا آپ نے؟"

وہ بس اس کی ہلتے ہونٹ ہی دیکھ پایا تھا۔

"جی میں یہ کہہ رہی تھی کہ کیا آپ گھر سے فالتو ہیں جو کام کے بعد بھی یہیں جمے ہوئے ہیں۔گھر جایئے گھر والے انتظار کر رہے ہونگے۔"

وہ بنا کسی لحاظ کے بولی تھی مقصد اس بدتمیز کو نظروں سے دور کرنا تھا دل بے ایمان ہوا جا رہا تھا۔

"گھر والے تو ہمیشہ ہی انتظار کر کے تھک ہار کر سو جاتے ہیں پر میں چاہتا ہوں میری گھر والی میرے انتظار میں اپنی پلکیں بچھادے پر افسوس۔۔۔۔"!

وہ مصنوعی تاسف سے گویا ہوا۔

"آپ شادی شدہ ہیں۔"

اسے اپنی ہی آواز کسی گہری کھائی سے آتی سنائی دی تھی۔ صدمے سے وہ گر ہی جاتی گر کرسی کی ہتھی کا سہارا نہ لیا ہوتا تو۔

خرم نے بامشکل اپنی مسکراہٹ دبائی۔ وہ تو بات کسی اور رو میں کہہ گیا تھا مگر مزینہ کو صدماتی کیفیت اسے لطف دینے لگی تھی۔

"کیا آپ کو کوئی شک ہے؟"

وہ اب باقائیدہ اسے آزمانے پر اتر آیا تھا۔

مزینہ نے نفی میں گردن ہلائی۔ دل تو پاتال میں جا گرا تھا۔

"بہت خوبصورت ہے میری بیوی۔ بہت محبت کرتا ہوں میں اس سے۔ پسند کی شادی ہے ہماری۔ اب بس اللہ مجھے اس کے جیسی پیاری سی بیٹی دے دے تو فیملی مکمل ہو جائے۔"

وہ اس کے تاثرات سے حظ اٹھاتا اسے مزید جلانے کے لیے مزے سے بتا رہا تھا یوں جیسے واقعی شادی شدہ ہو۔ اسے جلتا کڑھتا دیکھ کر خرم کو مزہ آ رہا تھا۔

مزینہ کے دل میں چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔ اپنے سارے خواب اسے ملیامیٹ ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ یہ سچ تھا کہ وہ خود اس کی طرف بڑھ رہا تھا مگر وہ خود بھی تو اس کی شخصیت سے بہت متاثر تھی۔ کیا نہیں تھا اس کے پاس گھر گاڑی پیسہ۔ ہر آسائش تھی جو خود بخود اس کے در پر آ رہی تھی مگر خرم کی محبت محض فلرٹ تھی۔ اسے جی بھر کر رونا آیا۔

"مزینہ خالہ کا فون آیا تھا تمہیں بلا رہی تھیں شاید طبیعت ٹھیک نہیں ہے ان کی۔ تم ایسا کرو گھر چلی جاؤ۔ مجھے تو ابھی ایک گھنٹہ مزید لگے گا میں صفیہ کے ساتھ آ جاؤں گی۔"

زائشہ اچانک ہی وارد ہوئی تھی خاصی جلدی میں تھی غالباً کلاس اٹینڈ کر رہی تھی۔ اپنی دھن میں بولتے ہوئے اس نے مزینہ پر زیادہ غور نہیں کیا۔

"پر یہ کیسے جائیں گی اکیلے؟"

خرم نے سنجیدگی سے متفکر لہجے میں پوچھا۔

"میں نے سفیر کو فون کر دیا ہے وہ آتا ہی ہو گا لینے۔"

زائشہ نے جواب دیا۔

"آپ سفیر کو فون کر کے منع کر دیں انہیں میں چھوڑ آؤں گا۔"

ایک گہری نگاہ اس پر ڈالتے اس نے زائشہ سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر سفیر کا نمبر ملانے لگی۔

مزینہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا۔بیک وقت ان آنکھوں میں غصہ ملال رنج سب کچھ آن بسا تھا۔

"نہیں جانا مجھے اس دو کوڑی کے ڈینٹیسٹ کے ساتھ۔"

وہ آنسو رگڑتی ہوئی تیزی سے باہر کی طرف بھاگی تو زائشہ اس کے اس اقدام اور اس کے لبوں سے ادا ہوئے لفظوں پر حیرت کا بت بنی ششدر رہ گئی۔

"آپ بے فکر ہو کر کلاس جاری رکھیں میں دیکھتا ہوں انہیں۔"

اس کی الجھن بھری نظروں سے خائف ہوتا وہ بھی مزینہ کے پیچھے لپکا۔

"کہاں جا رہی ہو؟ پاگل ہو گئی ہو کیا؟"

خرم نے اس کا راستہ روکا۔

"میرا راستہ چھوڑو اور اپنا راستہ ناپو ورنہ جنگ ہو جائے گی ادھر۔"

وہ دل کی بھڑاس نکالتی خونخوار لہجے میں بولی تھی۔پلکیں ہنوز نم تھیں۔

"آجاؤ شاباش! گاڑی میں بیٹھ کر جنگ کریں گے۔"

وہ اطمینان سے اسے بازو سے پکڑتا گاڑی تک لایا اور ڈور اوپن کر کے اسے بٹھایا اور پھر تیزی سے ڈور لاک کر دیا کہ کہیں وہ نکل ہی نہ جائے۔

"تمہاری گاڑی کا میں تیا پانچہ کر دوں گی۔"

اس نے دھمکی لگائی۔

"کوئی فکر نہیں ہے نئی آجائے گی۔"

دوسری طرف ہنوز سکون غالب تھا۔مزینہ کا دل جل کر راکھ ہوا۔

"گاڑی روکو بدتمیز مجھے تمہارے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔"

وہ نم لہجے میں بدقت تمام چیخی۔

"میرے ارادے ٹھیک ہیں بھی نہیں۔"

ایک مخصوص مسکراہٹ خرم کے لبوں کو چھو کر گزری تھی۔

"میسنا گدھا کہیں کا اچھا ہی کیوں لگا مجھے جب میرا نصیب ہی نہیں تھا تو۔"

وہ آنسو بہاتی کلسی۔

"رو کیوں رہی ہو؟"

خرم نے ڈرائیونگ کرتے پوچھا۔

دل تو کیا بول دے اپنی قسمت کو رو رہی ہوں اور کیا۔

"دل کر رہا ہے بلکہ میرا دل کر رہا ہے میں ہچکیوں اور سسکیوں سے دھاڑیں مار مار کر روؤں۔"

وہ غصے سے اسے دیکھتی نم آنکھیں صاف کرنے لگی۔

"اپنی رخصتی پر رو لینا میں ہرگز نہیں روکوں گا۔"

وہ مسکراہٹ دبا گیا۔

"کیوں بھئی کیا باپ لگتے ہو میرے۔"

اس کی ذو معنی بات پر دھیان ہی کہاں تھا وہ تمیز بھلائے تیکھے لہجے میں بولی تھی۔ خرم نے کانوں کو ہاتھ لگا کر لاحول پڑھی تھی پھر اس کے روئے روئے چہرے کو دیکھتے دھیرے سے دو انگلیاں اس کی ٹھوڑی کے نیچے ٹکا کر چہرے کا رخ اپنی جانب کیا اور نم پلکوں کی ریشمی جھالر کو محسوس کرتا گویا ہوا۔

سنو جاناں!

مجھے تم سے محبت ہے

سمندر سے کہیں گہری

ستاروں سے سوا روشن

ہواؤں کی طرح دائم

پہاڑوں کی طرح قائم

زمیں سے آسماں تک

جس قدر اچھے مناظر ہیں

محبت کے کنائے ہیں

وفا کے استعارے ہیں ہمارے ہیں

ہمارے واسطے یہ چاندنی راتیں سنورتی ہیں

سنہرا دن نکلتا ہے

سنو جاناں!

محبت جس طرف جائے زمانہ ساتھ چلتا ہے۔

اس قدر خوبصورت اور مبہم اظہار محبت سن کر مزینہ ساکت رہ گئی تھی۔

وہ سیکنڈ ئیر کامرس کی کلاس لے رہی تھی۔انٹر کام کی آواز نے یک دم کلاس میں ارتعاش برپا کر دیا۔زائشہ نے روسٹرم کے پاس سے نکل کر انٹر کام اٹھایا۔

گراؤنڈ فلور سے چوکیدار بابا کا فون تھا۔غالبا کوئی ملاقات کے لیے آیا تھا۔بابا اسی کی اطلاع دے رہے تھے۔

وہ اپنے کیبن میں آئی جہاں اردشیر صوفے پر سکون سے بیٹھا موبائل پر ٹائپنگ میں مصروف تھا۔

زائشہ کو اسے یہاں دیکھ کر شدید ترین جھٹکا لگا تھا لیکن جلد ہی یہ جھٹکا محویت میں تبدیل ہو گیا۔

ایک شان سے بیٹھا وہ لمحے بھر کو زائشہ کے جذبات جگا گیا تھا۔

سٹیل گرے رنگ کے سوٹ میں نیوی بلیو ٹائی لگائے سلیقے سے سیٹ کیے بالوں اور دائیں ہاتھ میں پہنی بیش قیمتی گھڑی کے ہمراہ اردشیر یک بار کو زائشہ کا دل دھڑکا گیا تھا۔ کس قدر گریس فل لگ رہا تھا۔ وہ کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتا تھا مگر اس کا نہیں۔

وہ ایک لڑکی تھی۔ کچھ خواہشیں تو وہ بھی رکھتی تھی مگر ان خواہشوں پر ذمہ داریوں کی دبیز تہ آن گری تھی یوں بھی وہ عام لڑکیوں کی طرح نہیں تھی بلکہ وہ بہت خاص تھی اور اردشیر کو خاص لوگ ہی تسخیر کر سکتے تھے اور زائشہ! اس نے تو محض اپنی سادگی پاکیزگی اور اخلاق سے ہی اردشیر کا دل تسخیر کر لیا تھا۔

زائشہ کی یہ کیفیت صرف چند منٹوں کی تھی۔ جوں ہی اردشیر نے کیبن میں اپنے علاوہ کسی دوسرے کی موجودگی کو محسوس کر کے موبائل سے توجہ ہٹائی تو زائشہ کو دیکھ کر اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ وہ احتراماً اس کی آمد پر کھڑا ہو گیا تھا۔

اس کے برعکس زائشہ کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ بنا اسے مخاطب کیے اپنی چیئر پر آ کر بیٹھی اور یونہی لیپ ٹاپ آن کر کے خود کو مصروف ظاہر کرنے لگی۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟"

وہ سنجیدگی سے مستفسر ہوا۔

"وعلیکم السلام"!

زائشہ نے بے تاثر لہجے میں جواب دیا۔

"میں نے غالباً آپ کا احوال بھی دریافت کیا ہے۔"

وہ بیٹھ چکا تھا اور فرصت سے زائشہ کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ کے آنے کا مقصد؟"

زائشہ نے الٹا سوال داغ دیا تھا۔

اردشیر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"میرا مقصد محبت ہے۔"

اگر تم جان جاؤ کہ

یہ زندگی کا حاصل ہے

یہ ایمان کامل ہے

یہ خدا کی ایک عنایت ہے

جسے ٹھکرایا نہیں جاتا

جس سے منہ موڑا نہیں جاتا

کہ محبت ان کو ملتی ہے

جو بہت خاص ہوتے

دل کے پاس ہوتے ہیں

میرا مقصد محبت ہے

اگر تم جان جاؤ تو

نہایت گھمبیر لہجے میں کہی گئی نظم سے جہاں زائشہ کی پلکیں لرزی تھیں وہیں دروازے کے باہر کھڑی صفیہ ورطہ حیرت میں ڈوب گئی تھی۔

"پلیز آپ جایئے یہاں سے۔"

بامشکل لہجے میں سختی سموئے اس نے اردشیر کو بری طرح ٹوک دیا۔اس کی موجودگی اور اس کی پر تپش نگاہوں کا احساس اس قدر حاوی تھا کہ وہ چاہ کر بھی بد تہذیبی کا مظاہرہ نہیں کر پارہی تھی۔دل بے طرح دھڑک اٹھا تھا۔

"زائشہ میں۔۔۔۔! میں نے کہا جایئے یہاں سے۔"

اس نے درشتگی سے اردشیر کی بات کاٹی۔اردشیر نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

"میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔آپ کی سادگی اور اخلاق نے مجھے قائل کیا ہے۔لڑکیوں میں واحد ہیں آپ جس نے انجانے میں ہی سہی لیکن اردشیر کے دل کو تسخیر کر لیا ہے۔آپ کب میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں مجھے نہیں پتا شاید سمندر کی شوریدہ لہروں نے آپ کو خوش آمدید کہا تھا تب یا شاید تب جب بھیڑ میں کتنے انجان لوگوں کے بیچ مجھے شناسا سمجھا تھا۔

اگر آپ کو میری محبت پر یقین نہیں ہے تو میری وفاؤں پر تو یقین رکھیں۔"

وہ بامشکل اشتعال پر قابو پائے گویا ہوا۔

"مجھے کسی چیز پر یقین رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔نہ ہی میرے پاس اتنا فضول وقت ہے کہ میں محبتیں کرتی پھروں۔میری زندگی میں آپ کے لیے تو کیا اپنے لیے بھی وقت نہیں ہے۔بہتر ہو گا آپ یہ حربے کسی اور پر جا کر آزمائیں۔"

اس بار وہ اردشیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سنجیدگی سے بول رہی تھی۔

"کسی اور کیوں آپ پر کیوں نہیں مس زائشہ کہ میرے دل کی مکین تو آپ ہیں کسی اور کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

وہ سط۔یان سے اسے نظروں کے حصار میں رکھتے گویا ہوا تو زائخہ غصے واشتعال کے مارے چیخ گئ۔

"مسٹر اردشیر میں زائشہ ہوں۔ایک باوقار اور خوددار اور شاید انا پرست لڑکی اور بدقسمتی سے میرا تعلق ایک غریب گھرانے سے ہے جہاں سر چھپانے کے لیے صرف تین کمرے ہیں وہ بھی کرائے پر جہاں لائٹ چلی جائے تو موم بتیوں پر گزارا کرتے ہیں۔ہمارے پاس جنریٹر نہیں ہے۔نہ ہی یوپی ایس کی سہولت موجود ہے۔

ہم دال روٹی پر گزارا کرنے والے لوگ ہیں اور لائٹ نہ ہونے پر گرمی و حبس میں بھی نیند پوری کر لیتے ہیں۔ ہمارے پاس گاڑیاں نہیں ہیں۔ رکشے اور بسوں میں سفر کرتے ہیں ہم۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ سب کچھ جانتے بوجھتے بھی مجھ سے دل کا رشتہ جوڑنا کیوں چاہتے ہیں آپ۔ کیا غرض ہے آپ کی۔ دل لگی کرنا چاہتے ہیں یا ہم جیسے نچلے درجے کے لوگوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنے میں تسکین محسوس ہوتی ہے۔"

اردشیر جو خاموشی سے دونوں ہونٹ باہم پیوست کیے ضبط سے اس کے تیر کی طرح چبھتی ہوئی باتیں سن رہا تھا گھوم کر اس کے نزدیک آیا اور ایک جھٹکے سے بازو سے تھام کر اپنے مقابل کھڑا کیا۔

"کہیں پڑھا تھا کہ لوگ زہریلی باتیں کرتے ہیں آج سن بھی لیں۔ میری محبت کو گناہ بنا دیا ہے میرے لیے۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے آپ کو زندگی مان لیا ہے۔"

وہ سرد لہجے میں متاسف ہوا۔

"میرے سچے جذبوں کی توہین کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ غریب سے محبت کرنا جرم ہے تو آپ ایسا ہی سمجھیں کہ میں نے یہ جرم کر لیا ہے بلکہ اس

اس جرم میں عمر قید کی سزا کاٹنے کو بھی تیار ہوں اور آپ بھی تیار رہیے گا اردشیر اب اپنی محبت سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔"

زائشہ نے اس کی قربت پر سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ اس کے ملبوس سے اٹھتی مہنگے ترین کلون کی مہک اس کے حواسوں پر بے طرح سوار تھی کہ وہ اپنی سانسیں تک روک گئی۔ اردشیر نے اس کی حرکت پر لب بھینچے اور نرمی سے اس کا بازو اپنی گرفت سے آزاد کرتا وہ پیچھے ہٹا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔

چہرے کے تاثرات نارمل کرتا وہ اپنی جگہ پر جا بیٹھا تھا جبکہ زائشہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی تھی اور آنے والے کو اجازت دی تھی۔

"حامد کا فون آیا ہے۔ مجھے لینے آئے ہیں۔ باہر کھڑے ہیں۔ تم کیسے جاؤ گی۔ اکیلی تو ہرگز نہیں چھوڑ سکتی تمہیں۔"

اندر آتے ہی صفیہ نے ایک طرف بیٹھے اردشیر کو اشارے سے سلام کیا۔

"میری فکر مت کرو میں سفیر سے کہہ دوں گی وہ لینے آجائے گا۔"

زائشہ نے اسے تسلی دی۔

"ہاں مگر تب تک تو اکیلی ہی ہو ناں۔"

صفیہ کو واقعی اس کی بے حد فکر تھی۔

"محترمہ آپ ان کی فکر نہ کریں۔میں ان کے پاس ہوں۔"

اردشیر نے مداخلت کی تھی جو اسے ہر گز پسند نہیں آئی تو فوراٹوک گئی۔

"مسٹر اردشیر آپ مجھے یہاں سے چلتے پھرتے نظر آئیں ورنہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

زائشہ نے غصے سے اسے گھور کر کہا جو مسلسل اسے زبردستی خود سے منسلک کرنے کی تک و دو میں لگا پڑا تھا۔

"ان کی باتوں پر دھیان مت دیں آپ گھر جائیں یہ آج کل کھانے میں مرچیں تیز کھانے لگی ہیں۔"

مسکراتی نظروں سے اس کے صبیح چہرے پر نظریں جمائے اردشیر نے میٹھا سا طنز کیا جس پر صفیہ مسکراہٹ دبا گئی۔

"میں چلتی ہوں زائشہ۔"

اسے اللہ حافظ کہہ کر وہ کیبن سے نکل گی تو زائشہ نے ٹھا کی آواز سے لیپ ٹاپ بند کیا اور سفیر کو کال ملانے لگی تھی کہ اردشیر نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر سوئچ آف کر دیا جبکہ وہ تو اس کی جرأت پر ہقا بقا رہ گئ۔ وہ خود باہر نکل گیا تھا۔

"بابا اوپر کے کھڑکی دروازے بند کر دیں اور بریکر آف کر دیں۔"

زائشہ کو اردشیر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ چوکیدار کو ہدایت دے رہا تھا یوں جیسے یہ اس کا روز کا کام ہو۔

"آجائیں آپ کو گھر تک ڈراپ کر دوں۔"

وہ نرمی اور استحقاق سے اسے آفر دے رہا تھا۔

"کیوں کر رہے ہیں آپ یہ سب؟"

وہ سلگتی نظروں سے اسے دیکھ کر انگارے چباتے لہجے میں گویا ہوئی۔

"یہ سوال بعد کے لیے اٹھا رکھیں ابھی گھر چلیں آنٹی پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

اردشیر نے اس کی سوچوں کو نیا رخ دیا کہ جانتا تھا اتنی آسانی سے تو وہ مانے گی نہیں۔

"راستہ دیں۔"

وہ جو دروازے میں ایستادہ تھا ایک طرف ہو گیا۔اردشیر نے اس کے آرام سے مان جانے پر سکون کا سانس لیا تھا۔

وہ باہر آیا تو اس دشمن جاں کو دیکھ کر سر پکڑ لیا۔وہ رکشہ روک کر کھڑی رکشہ ڈرائیور سے بات کر رہی تھی۔اردشیر نے سختی سے مٹھیاں بھینچ لیں اور تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے نزدیک آیا۔

"رفو چکر ہوتے نظر آؤ۔"

اردشیر نے بازو فولڈ کرتے وارننگ دیتی نظروں سے رکشہ ڈرائیور کو دیکھا اور زائشہ کو سخت نظروں سے نوازتا اس کی کلائی پر گرفت مضبوط کرتا اپنی کار کی طرف لے آیا۔

"اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی کبھی کبھی بہت نقصان اٹھانا پڑ جاتا ہے اپنی انا کے باعث۔"

وہ سرد و سپاٹ لہجے میں بولا۔

"آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔"

زائشہ نے چبھتے لہجے میں طنز کیا۔

"آپ اگر میری ضد یا انا ہوتیں تو اس وقت۔۔۔۔۔۔"

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر جملہ ادھورا چھوڑ کر لب سختی سے بھینچ گیا۔

زائشہ نے نظریں جھکا لیں۔

"اندر آجائیں !امی کو پتا چلے گا تو ناراض ہوں گی۔"

بے تاثر لہجے میں کہتے جیسے اس نے فارمیلیٹی نبھائی تھی۔

"جس دن سچے دل سے پکاریں گی اس دن آؤں گا۔"

نرمی سے کہتے وہ زائشہ کو حیران چھوڑتا گاڑی ریورس کرتا چلا گیا۔

"ماما مجھے بھوک لگی ہے۔"

حماس نے منہ بسورا۔

"بس حماس میں کھانا لگا ہی رہی ہوں۔"

ٹیبل پر لوازمات سے بھری پلیٹ رکھتے روشنی نے بیٹے کو تسلی کے چند حرف کہے۔

"چیمپ کیوں تنگ کر رہے ہو ماما کو۔"

نوریز نے ہاتھ کا مکا بنا کر حماس کے گال پر ہلکے سے مارا۔

"حماس ماما کو تنگ نہیں کرتا کیونکہ حماس گڈ بوائے ہے۔"

روشنی کے چہرے پر مسکان دوڑ گئی۔ اردشیر بھی بازو فولڈ کرتا ڈائننگ ہال میں آگیا۔

اسے دیکھ کر نوریز کی رگ ظرافت پھڑکی تھی۔

حرف تازہ نئی خوشبو میں لکھا چاہتا ہے

باب ایک اور محبت کا کھلا چاہتا ہے

"تم کب سے شاعری کرنے لگے؟"

روشنی نے ہنس کر پوچھا۔

"جب سے لوگوں کے حال دل کھلنے لگے۔"

نوریز کا جواب برجستہ تھا۔

"خیریت تو ہے؟"

ان کے پلے کچھ نہیں پڑی تھی۔

"کچھ نہیں اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

اردشیر نے سرد انداز میں ناگواری سے کہا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"اور موصوف کا دل۔"

وہ بھی کرسی کھینچی تو روشنی سحاب کو بلانے چلی گئیں۔

"سحاب کھانا کھالو آکر۔"

وہ جو موبائل میں بری طرح غرق تھی روشنی کی آواز پر ہڑ بڑا گئ۔

"جج۔ چلیں۔"

موبائل دراز میں رکھتی وہ ماتھے پر آیا پسینہ پونچھتی روشنی سے پہلے ہی کمرے سے نکل گئ۔

روشنی نے گہری نظروں سے اے سی کی کولنگ میں سحاب کے ماتھے پر پھوٹتا پسینہ دیکھا تھا۔نہ جانے کیوں انہیں سحاب کی حرکتیں پچھلے کئ دنوں سے مشکوک لگ رہی تھیں۔

وہ سر جھٹک کر نیچے آگئیں نوریز کا مزاج آج شاعرانہ تھا۔ڈائننگ ٹیبل پر خاصی محفل جمی ہوئی تھی۔

رچا ہوا ہے تیرا عشق میری پوروں میں

میں اس خمار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

"واہ واہ واہ! نوریز بھائی محفل لوٹ لی اب ایک میری طرف سے۔"

چکن پیس کو کانٹے سے علیحدہ کرتے ہوئے وہ جوش سے بولی۔

"مشاعرہ چل رہا ہے۔"

روشنی بھی بیٹھ گئیں۔

"ایسا ویسا۔"

نوریز نے کن نظروں سے کھانے سے انصاف کرتے اردشیر کو دیکھا۔

ہم نہ کرنے کے کام کرتے ہیں

اور عجب طرح کر گزرتے ہیں

مار ڈالیں اسے یہ ہے مقصود

سو میاں جی ہم اس پر مرتے ہیں

سحاب نے ایک ادا سے شعر پڑھا جس پر پھپھو کا چہیتا تالیاں پیٹنے لگا جبکہ نوریز نے چمچ ٹھوک کر اسے داد سے نوازہ۔

"بھابھی کچھ آپ بھی عرض کریں۔"

اس نے روشنی کی بھی بیچ میں گھسیٹا۔اشارے کنائے انہیں بھی سمجھ آرہے تھے۔اتنی بیوقوف تو وہ بھی نہیں تھیں۔ سمجھتی تھیں سب سو حسب حال انہوں نے شعر گنگنا یاد یا تھا۔

عشق تیرے ادا شناس اپنی مثال آپ ہیں

جو بھی ہے سر بلند ہے جو بھی ہے خاکسار ارہے

"ارے واہ بھابھی! آپ تو اچھی خاصی شاعرہ ہیں۔"

نوریز کو توقع نہیں تھی کہ روشنی اتنا عمدہ شعر کہہ دیں گی یوں بھی اپنے شوہر کے علاوہ کسی پر نہیں کھلی تھیں کہ وہ تو ایک بند کتاب تھیں۔

"اب اصل بات بھی بتاؤ گے یا پہلیاں ہی بوجھتے رہو گے۔"

وہ شرارت سے بولیں۔

"وہ تو اردشیر بھائی ہی بتائیں گے۔"

نوریز نے تو پوں کا رخ اس کی طرف کر دیا۔

"مجھ سے کچھ سخت سست سن نہ لینا۔"

وہ سخت لہجے میں کہتا اٹھ کر سٹڈی کی طرف چل دیا۔

"آپ آرام سے اپنی ملکہ کے خیالوں میں ڈوبے رہیں آپ کو کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔"

اس نے شراتی لہجے میں کہا۔

"کوئی بتائے گا ہو کیا رہا ہے۔"

روشنی اور سحاب نے الجھ کر نوریز کو دیکھا۔

"یقین تو نہیں پر شاید اردشیر کی زندگی میں کوئی لڑکی ہے۔ موصوف آج کل بیٹھے بیٹھے کھو جاتے ہیں۔ بنا بات کے تنہائی میں مسکرانے لگتے ہیں۔"

وہ مبہم انداز میں بولا۔

"یہ تو کافی خطرناک شواہد ہیں۔"

سحاب نے ہنس کر جواب دیا۔

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔ ایسا ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔"

روشنی جان کر خوش ہوئی تھیں مگر دل میں کہیں زائشہ کو اردشیر کی زندگی میں لانے کی کسک رہ گئی تھی۔ وہ تو اس کے لیے زائشہ کو سوچے بیٹھی تھیں مگر ضروری تو نہیں جیسا ہم سوچیں ہمیشہ ویسا ہی ہو۔ یہی سوچ کر وہ خوش تھیں۔

****

اوائل جولائی کے دن تھے۔ سورج آج کل بادلوں کے اوٹ میں رہتا تھا۔ کبھی پورا دن آگ برساتا کبھی پورا دن آسمان پر چھائے ابر میں چھپا رہتا۔ کبھی ہوائیں اس قدر چلنے لگتیں کہ پتا پتا ڈالی ڈالی جھوم اٹھتی اور کبھی اس قدر حبس ہوتا کہ پرندے بھی مارے مارے پھرتے۔ بغیر تپش کے ہی گرمی سے برا حال ہو جاتا۔ کالی گھٹائیں دیکھ کر یوں لگتا جیسے سرمئی بادل ابھی برس پڑیں گے مگر بارش کا دور دور تک کوئی اتا پتا نہیں ہوتا۔ کراچی کا موسم ایسی ہی طبیعت کا مالک تھا۔

آج بھی صبح سے دھوپ چھاؤں دھوپ چھاؤں ہو رہی تھی۔ روشنی حماس کو سکول سے لینے کے نکلی تھیں۔ عام طور پر وہ ڈرائیور کے ہمراہ جاتی تھیں مگر آج جانے دل میں کیا سمائی تھی کہ وہ خود ہی ڈرائیونگ کر رہی تھیں۔

سکول سے حماس کو پک کر کے ابھی دس منٹ کا ہی فاصلہ طے ہوا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے کن من شروع ہو گئ۔ پھر یکایک یہ رم جھم موسلادھار بارش میں بدل گئ۔

"ماما بارش ہو رہی ہے۔"

حماس نے چہکتے ہوئے کہا اور شیشے کے پار برستی بارش کو دیکھنے لگا۔ روشنی نے بارش کے باعث ڈرائیونگ آہستہ کر دی تھی۔ ایسے موسم میں سڑکوں پر پھسلن کا خدشہ رہتا ہے۔

جونہی انہوں نے گاڑی دوسری سڑک پر ڈالی وہ اس قدر پانی دیکھ کر بری طرح گھبرا گئیں۔ بارش نے چند منٹوں میں ہی کام کر دکھایا تھا۔ نشیبی علاقے اور سڑکیں وغیرہ پانی سے بھر گ ئے تھے۔ روشنی نے اللہ کا نام لے کر گاڑی بڑھائی مگر گاڑی ایک جھٹکا کھا کر رک گئ تھی۔

"ماما کیا ہوا؟"

حماس نے ناسمجھی سے پریشان ہوتی اپنی ماما سے پوچھا۔

"پتا نہیں گاڑی سٹارٹ نہیں ہو رہی آپ اندر بیٹھو میں باہر نکل کر انجن چیک کرتی ہوں۔"

وہ پریشانی سے بولیں۔

"پر ماما باہر تو بہت تیز بارش ہے آپ بھیگ جائیں گی۔"

حماس کی فکر پر روشنی نے اسے ماتھے پر پیار بھرا بوسہ دیا۔

"جب باہر نکل کر دیکھوں گی نہیں تو پتا کیسے چلے گا میری جان پھر ہمیں گھر بھی تو پہنچنا ہے۔ بارش کا کیا بھروسہ مزید شدت اختیار کر جائے۔"

حماس کا گال تھپتھپا کر جو نہی وہ باہر نکلی۔ تڑاتڑ گرتی بارش کی بوندیں انہیں پانچ منٹ میں ہی بھگو گئیں۔ انجن کھول کر دیکھتی بھی تو کیسے۔ انہیں تو کچھ سمجھ ہی نہیں آتا کہ پہلے کبھی نہ گاڑی خراب ہوئی تھی نہ ایسے حالات سے واسطہ پڑا تھا عجیب کشمکش میں گھری وہ بونٹ پکڑے کھڑی تھیں کہ مانوس سی آواز پر فوراً پیچھے موڑیں۔

"روشانے۔"

ذوالقرنین کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں غصے کی تند و تیز لہر دوڑ گئی۔ اشتعال کو دباتے انہوں نے بونٹ زور سے دے مارا۔ تب تک وہ قریب آ چکا تھا۔

"از ایوری تھنک اوکے؟"

وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"تمہارے آنے سے پہلے تک سب ٹھیک تھا مگر تمہاری آمد نے سب کچھ خراب کر دیا۔کاش کے تم میری راہ کھوٹی نہ کرتے۔"

وہ زہر آلود لہجے میں تلخی سے بولیں۔

بارش کے بے رنگ قطرے ان کے چہرے پر گر رہے تھے۔لباس مکمل بھیگ چکا تھا۔بارش کے میں بھیگتا سرخ چہرہ کچھ اور گلابی ہوا تھا۔

"گاڑی خراب ہو گئ ہے؟"

ثقلین نے اس کی بات کو سرے نظرانداز کرتے استفسار کیا ساتھ ہی اس کے وجود سے نظریں چرائیں۔

"میری گاڑی خراب ہو گئ ہے۔میری زندگی خراب ہو گئ ہے۔تمہاری نظر بد لگ گئ ہے مجھے۔کچھ اور سننے کے خواہشمند ہو۔"

وہ تیز لہجے میں تندہی سے بولی تھی۔

"بارش بہت تیز ہے۔ میرا گھر ادھر پاس میں ہی ہے۔ آپ اور حماس میرے ساتھ چلیں۔ پارش تھم جائے گی تو میں خود آپ دونوں کو گھر چھوڑ آؤں گا۔"

روشنی کے غصے کو نظرانداز کرتے عہ تحمل مزاجی سے بولا تھا۔

"مجھے تمہارے کسی احسان کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ہمدردیاں کسی اور کو دکھانا۔"

وہ ٹھنڈ سے ہولے ہولے کانپ رہی تھیں۔ چیخ کر بولیں تو ذوالقرنین نے لب بھینچ کر انہیں بازو سے جکڑا۔

"غلط فہمیوں کے محل سے باہر نکل کر دیکھیں گی تو سچائی کی عمارت نظر آئے گی۔ کب تک خود کو اندھیرے میں رکھیں گی جو ہوا اس میں میرا ذرہ برابر بھی قصور نہیں تھا مگر سزا ہم دونوں نے ہی کاٹی ہے۔"

وہ جارحانہ تیور لیے سرد لہجے میں بولا۔ کتنے وقت بعد اسے دیکھا تھا۔ کتنا بدل گیٔ تھی وہ اتنا کہ لہجے کی چاشنی زہر میں بدل گیٔ تھی۔

"اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی کبھی کبھی ہم اپنا ہی نقصان کر بیٹھتے ہیں۔"

سر جھٹک کر اس نے ایک نظر سردی سے کانپتے حماس پر ڈالی اور جھٹکے سے اسے چھوڑا۔

روشنی حماس کی حالت پر تڑپ گئیں۔ان کا احتجاج اپنے آپ دم توڑ گیا۔

وہ انہیں اپنے چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں لے آیا تھا۔

پورہ گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔زوالقرنین نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا تو لمحوں میں پورا گھر روشنی میں نہا گیا۔

وہ یہاں آتو گئیں تھیں مگر اب پیشمان ہو رہی تھی۔اکیلے مرد کے ساتھ تنہائی میں تیسرا شیطان ہی تو ہوتا ہے۔

"ٹاول لے لیں۔میں آتش دان جلا دیتا ہوں۔راحت ملے گی۔"

وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھیں کہ اس نے چونکا دیا۔روشنی نے ٹاول سے پہلے حماس کے بال خشک کیے پھر اسے لے کر آتش دان کے پاس رکھے صوفے پر لے ائیں۔

"آپ چاہیں تو کمرے میں جا کر۔۔۔۔۔۔"

زوالقرنین کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

روشنی سرخ چہرہ لیے تیزی سے سامنے بنے کمرے میں گم ہو گئیں تو وہ حماس کے گود میں لیے بیٹھ گیا۔

"بابا جانی۔"

حماس نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے زوالقرنین کے گالوں پر ہاتھ پھیرتے محبت سے پر جوش لہجے میں کہا تھا۔

کمرے کی دہلیز پر کھڑی روشنی ششدر رہ گئیں۔

حماس کا دوسرا قدم اور بھی زیادہ شاکنگ تھا۔

"مجھے پتا تھا بابا جانی آپ ضرور آئیں گے۔"

حماس نے زوالقرنین کے گال چوم لیے۔

روشنی نے بے یقینی سے بیٹے کو دیکھا۔

غصے کی ایک شدید لہر اس کے پورے وجود میں سرایت کر گئ۔وہ مشتعل انداز میں اس کی طرف بڑھی تھیں۔

"آپ نے انہیں بابا کیوں کہا۔ہر کسی کو بابا نہیں کہا کرتے سنا آپ نے حماس اور تم ! کیا پٹیاں پڑھائی ہیں تم نے اسے۔"

وہ سخت لہجے میں اسے گھور رہی تھیں۔

"لگتا ہے ٹھنڈ سے دماغ جم چکا ہے۔ میں چائے بنا کر لاتا ہوں۔"

وہ ٹھنڈا اٹھار طنز مارتا کچن کی جانب چل دیا تو وہ لب بھینچ گئیں۔

"یہ لیں گرما گرم چائے لیں تاکہ دماغ کچھ کام کرے۔"

اس کے آگے چائے کا کپ رکھتے وہ سر جھٹک گیا۔

روشنی نے ایک قہر آلود نظر چائے پر ڈالی اور بے بسی سے تواتر سے برستی بارش کو دیکھا اور شدت سے یہاں سے نکلنے کی دعا کرنے لگیں جبکہ زوالقرنین اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس کی سوچ کے سارے دھاگے اس حادثے سے جڑے تھے۔ چائے کا کپ پکڑے وہ سوچوں کے بھنور میں اتر چکا تھا۔ بالکنی کے دروازے ہوا سے ہل کر خاموشی میں ارتعاش برپا کر رہے تھے۔ بارش کے چند قطرے ہوا کے دوش پر کمرے کی دہلیز کو بھی تر کر گ ئے تھے۔ دروازے کے باہر سامنے لگی پودوں کی باڑ سے مٹی کی سوندھی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔

آتش دان کے سامنے چھوٹی سی لکڑی کی ٹیبل پر دھرا چائے کپ پڑا تھا۔ جس میں پڑی چائے ٹھنڈی ہو گئ تھی۔

وہ نہ جانے کتنی دیر اس سچویشن میں رہتا کہ کی دروازے پر دستک کی آواز نے اس کی محویت توڑی تھی۔اس نے اضطرابی حالت میں دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے اور چائے کا کپ اٹھا کر ٹیبل پر دھرا۔دروازہ پر سفیر تھا اسکے ساتھ ہی زائشہ بھی تھی۔وہ دونوں کو اندر لے آیا مگر وہاں روشنی کو دیکھ کر دونوں کو حیرت ہوئی تھی۔ان کی حیرت بھانپ کر زوالقرنین نے اپنے اور روشنی کے مابین تعلق پر روشنی ڈالی اور ساتھ ہی یہاں موجودگی کی توجیہہ بھی پیش کی۔

زائشہ اور سفیر کسی کام سے آئے تھے۔زائشہ کو دیکھ کر روشنی کو حوصلہ ہوا اور وہ ان دونوں کے ساتھ ہی رخصت ہو گئیں چونکہ بارش ابھی تھمی نہیں تھی اور سفیر کا گھر بھی نزدیک ہی تھا تو اسے زوالقرنین کے گھر سے زائشہ کے گھر پر ٹھہرنا مناسب لگا تھا۔

روشنی کو دیکھ کر ساجدہ بیگم خوش ہوئی تھی ساتھ ہی ایک سات آٹھ سالہ بچے کو سفیر کی گود میں دیکھ کر ایک مسکراہٹ ان کے لبوں کو چھو گئ تھی۔

"جیتی رہو خوش رہو۔پارس اسے کوئی کپڑے دو بیچاری ٹھنڈ سے کیسے کپکپا رہی ہے۔"

پارس نے جلدی سے ٹارچ کی روشنی سے زائشہ کا نیا جوڑا نکال کر دیا جو اس نے کچھ دن پہلے ہی خریدہ تھا اور صرف ایک دفعہ تن کو لگایا تھا۔ پارس کو روشنی کے شایان شان اس کے سوا کوئی اور سوٹ ملا ہی نہیں تھا۔ روشنی کپڑے لے کر باتھروم میں گھس گئیں۔ کچھ دیر بعد نہا کر تازہ دم ہو کر باہر نکلیں تو پارس چائے تیار کر چکی تھی۔ حماس کی یونی فارم مکمل طور پر گیلی ہو چکی تھی۔ ان کے گھر تو کوئی بچہ تھا نہیں جو حماس کو پہنا دیتے سو زائشہ نے ساتھ والی نادرہ بھابھی کے بیٹے کا سوٹ لے لیا تھا اور اب حماس صاحب زندگی میں پہلی بار شلوار قمیض پہنے سفیر کی گود میں چڑھے بیٹھے تھے۔ سفیر اپنے کمرے میں تھا کہ روشنی وہاں ایزی فیل کر سکیں۔

"یہ لیجیے گرما گرم چائے۔ حماس کہاں ہے؟"

چائے کا کپ پکڑتے روشنی نے بے چین نگاہوں سے پارس کو دیکھا۔

"وہ تو سفیر بھائی کے پاس ہے۔ مجھے لگتا ہے آپ کو ہمارے گھر آنا اچھا نہیں لگا۔"

پارس نے اس کے چہرے کے تاثرات سے یہی انداز لگایا۔ اس کے انداز میں اپنایت بھری خفگی کی جھلک تھی۔

"نہیں بھئی مجھے بہت اچھا لگا ہے۔ برسوں بعد تروتازہ ماحول میسر آیا ہے۔ بس میں تھوڑا پریشان تھی کہ میں ادھر ہوں اور گھر میں کسی کو پتا بھی نہیں ہے۔ ویسے تو میرے دونوں دیور آفس میں ہوتے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ موسم کی خرابی کے باعث گھر لوٹ آئے ہوں اور مجھے نہ پا کر شدید پریشان ہو جائیں گے۔"

روشنی نے الجھن ان کے سامنے رکھ دی نہ جانے کیوں انہیں یہاں آکر کوئی جھجھک محسوس نہیں ہو رہی تھی بلکہ اپنا اپنا سا لگ رہا تھا۔ وہ بہت سکون محسوس کر رہی تھیں۔

"تو آپ گھر پر فون کر دیں۔"

پارس نے کہا تو روشنی نے گہری سانس لی۔

"پرس گاڑی میں بھول آئی ہوں یوں بھی ساتھ لاتی تو بھیگ جاتا۔"

وہ شرمندگی سے بولیں۔

"تو میرے موبائل سے کال کر لیں۔"

زائشہ نے پرس سے اپنا موبائل نکال کر انہیں تھمایا۔

روشنی نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا اور نمبر ڈائل کر کے موبائل کان سے لگایا

دوسری طرف اردشیر نے کال رسیو کر لی تھی۔

"ہیلو اردشیر السلام علیکم میں روشنی بات کر رہی ہوں۔"

زائشہ کو لگا اس نے کچھ غلط سنا ہے۔

"بھابھی۔"

وہ چونکا کہ کال انجان نمبر سے آئی تھی۔

"گھر پر ہو یا آفس میں؟"

روشنی نے پوچھا۔

فالحال تو آفس میں۔ کیوں خیریت ہے؟"

اس نے فائل ٹیبل پر رکھی اور اٹھ کر پردے سرکائے۔

"ہاں خیریت ہی ہے بس یہ بتانا تھا کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔ حماس کو لینے نکلی تھی کہ

رستے میں تیز بارش نے دھاوا بول دیا اور گاڑی بھی خراب ہو گئی تھی وہ تو شکر تھا کہ زائشہ

کے بھائی نے مجھے اور حماس کو دیکھ لیا اور اپنے ساتھ گھر لے آئے۔ان کا گھر یہاں پاس میں ہی تھا۔"

روشنی نے اسے بتایا۔

"کون زائشہ۔"

وہ جان کر انجان بنا پوچھ رہا تھا کہ کہیں انہیں کوئی شک ہی نہ پڑ جائے۔

"ارے وہی جس نے اپنے سکول کھولا ہے۔"

روشنی کے اس جواب پر زائشہ قدرے مطمئن ہوئی تھی۔اب بھلا اردشیر نام کا اس شہر میں ایک ہی بندہ تو ہونے سے رہا۔

دوسری طرف اس کو بھی اطمینان تھا کہ وہ ایک اچھی نیک اور ملنسار فیملی کے درمیان تھیں۔

"میں بارش رکتے ہی آپ کو لینے آجاؤں گا۔پریشان نہیں ہویئے گا اور حماس کا بھی خیال رکھیے گا۔"

وہ روشنی کو تاکید کرتا فون بند کر چکا تھا۔ روشنی نے فون زائشہ کو واپس دیا اور شکریہ ادا کیا تو ساجدہ بیگم برا منا گئیں۔

"کیسا شکریہ بھئ۔ کسی کی مدد کرنا تو ہمارا فرض ہے اور فرائض کے شکرانے نہیں ادا کیے جاتے۔"

وہ شفقت آمیز لہجے میں بولیں۔ ان کے انداز میں بھی محبت چھلک رہی تھی۔

"یہ تو آپ کا بڑا اپن اور محبت ہے۔"

وہ واقعی قائل ہوئی تھیں۔ پارس کچن میں کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ سفیر نے کچن میں جھانکا تو پارس نے رومال سے ہاتھ صاف کیے۔

"بھائی یہ قریبی دکان کھلی ہو تو مجھے چکن لا دیں۔"

مصالحہ تو وہ تیار کر چکی تھی۔ بس گوشت آنا باقی تھا۔

"اس بارش میں۔"

سفیر نے آئبرا چکائے۔

"تو اب کیا مہمان کو سبزی دال کھلاتے اچھے لگیں گے ہم۔"

پارس نے گھورا تو وہ ہنس دیا۔

"اچھا بھئی جا رہا ہوں تمہاری مہمان کی خاطر یہ قربانی دے رہا ہوں۔"

وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

ہائے میں مر جاواں گڑ کھا کے یہاں تو بڑے بڑے لوگ آئیں ہیں۔"

مزینہ کو اتنی بارش میں بھی چین نہ پڑا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ گالوں پر رکھ کر حیرت کا خوشگوار سا احساس دے رہی تھی۔

"رہنے دو بی بی یہ مرنا تمہارے بس کی بات نہیں یوں بھی شیطان کی عمر بڑی لمبی ہوتی ہے۔"

پارس کچن سے ہی ہانکی تھی۔ زائشہ نے پارس کو خشمگین نظروں سے گھورا تھا۔

"شیطان کی رمز کو پھر شیطان ہی سمجھ سکتا ہے۔"

مزینہ کا اطمینان دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

پارس جل کر کباب ہوئی تھی جبکہ روشنی کے لبوں پر مسکراہٹ نے احاطہ کیا تھا۔ وہ مزینہ سے بہت خوش ہو کر ملی تھیں۔

"یہ چھوٹا پیس کس کا ہے اور براہ مہربانی یہ مت کہیے گا یہ میرا بیٹا ہے۔"

اس نے پوچھتے ساتھ ہی وارننگ بھی جاری کر دی تھی انہیں ہنسی آ گی۔

"میں ماما کا گڈ بوائے ہوں۔"

حماس نے لب کشائی کیا کی مزینہ نے شاکڈ نظروں سے روشنی کو دیکھا۔ وہ کندھے اچکا گئیں۔

"عجیب عجیب انکشافات ہو رہے ہیں۔ کہیں میرا ہارٹ فیل ہی نہ ہو جائے۔"

وہ دل پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئی۔

"اچھا اچھا بول مزینہ یہ کیا کبھی مرنے کی تو کبھی ہارٹ فیل کی باتیں کر رہی ہے ماں کو تمہاری کو پتا لگ گیا نہ تو خوب لتے لینے ہیں اس نے۔"

ساجدہ بیگم نے اسے سیدھا کیا۔

"خالہ ایک تو آپ سب سے بڑی مخبر ہیں۔"

اس نے منہ بنایا اور ہاتھ بڑھا کر حماس کو اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا۔

"رس گلے کی طرح چٹا سفید اور گول مٹول ہے اور بولتا بھی بڑا میٹھا ہے۔"

اس نے چٹاچٹ حماس کے دونوں گال چوم لیے۔جواب حماس نے بھی مزینہ کے دونوں گالوں پر پیار کیا۔روشنی کی نظریں زائشہ پر تھیں۔نہ معلوم کیوں وہ انہیں اپنی اپنی سی لگتی تھی۔کیا تھااس میں ایسا کہ وہ اس کی طرف کھنچتی چلی آتی تھیں۔

پارس نے سالن بنالیا توزائشہ نے آٹا گوندھ کر روٹیاں ڈال لی تھیں۔اتنے میں پارس سلاد تیار کر چکی تھی۔

کچھ دیر بعد ہی پارس اوراس نے مل کر دستر خوان لگادیا تھا۔روشنی تو منع کرتے رہ گئ تھیں پھران کی خلوص اور محبت کے آگے خود ہی چپ ہو گئیں۔ساجدہ بیگم کا شفقت بھرا اندازان کا لہجہ وہ چاہ کر بھی منع نہ کر سکی۔

"کھاناشروع کرو بیٹی کھانے کوانتظار نہیں کرواتے۔"

انہوں نگ نے محبت سے کہا۔

"کیامیں آپ کونانو کہوں۔آپ کوپتاہے میری نانو بھی آپ کے جیسی ہیں۔"

حماس شاید ان کی شفقت سے متاثر ہوا تھا۔اچانک ہی کیے جانے والے سوال نے روشنی کا نوالا توڑتا ہاتھ ٹھہرا دیا تھا۔وہ بات جو وہ اتنی دیر سے سوچ رہی تھی حماس نے کہہ ڈالی تھی۔ساجدی بیگم کا چہرہ کس قدر مانوس تھا۔

"ہاں کیوں نہیں آج سے میں تمہاری نانو ہوں اور بھئی سب لوگ بوڑھے ہو کر ایک جیسے ہی لگنے لگتے ہیں۔"

انہوں نے اسے اپنی گود میں بٹھالیا اور اب وہ خود حماس کو چھوٹے چھوٹے نوالے بنا کر کھلا رہی تھیں۔ان کے چہرے پر الوہی سی چمک ابھری تھی۔

رات کی سیاہی پھیل چکی تھی۔بارش رکی نہیں تھی مگر ہلکی ضرور ہو گئی تھی۔

اس نے کچن میں آکر ابھی چائے کا پانی چولہے پر رکھا ہی تھا کہ بیرونی دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی۔

وہ تو شکر تھا کہ وہ کچن میں تھی ورنہ کمرے میں ہلکی سی دستک بالکل بھی سنائی نہ دیتی۔سفیر کھانا کھا رہا تھا۔اسے ڈسٹرب کرنا غیر مناسب لگا تو آنچ دھیمی کرتی دوپٹہ سر پر درست

کرتی وہ باہر کی طرف بڑھی تھی۔ صحن اچھا خاصا گیلا ہو رہا تھا مگر نکاس آب کا انتظام صحن میں دائیں طرف موجود تھا تو پانی زیادہ دیر ٹھہرتا نہیں تھا۔

زائشہ نے دروازہ کھولا تو صدمے سے کچھ پل ساکت ہو گئی تو کیا اس کا وہم درست ثابت ہوا تھا۔ دنیا واقعی گول ہے یہ زائشہ کو صحیح معنوں میں آج علم ہوا تھا۔

اردشیر تو اس کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔ اسے سامنے دیکھ کر ہی دل کو یک گونا سکون میسر آیا تھا۔ اس کے برعکس وہ اسے دیکھ کر بے سکون ہو چکی تھی۔

"کیا اسی طرح دہلیز پر کھڑا رکھنے کا ارادہ ہے۔"

وہ ابرو اچکا کر مستفسر ہوا۔

"کوئی سچے دل سے پکارنے پر آنا چاہتا تھا تو پھر اس آمد کو میں کیا سمجھوں۔"

وہ طنزیہ لہجے میں تمسخر سے بولی تھی۔

"بھابھی کی پکار پر آیا ہوں مگر آپ نہیں چاہتیں تو میں یہیں سے پلٹ جاتا ہوں۔"

وہ سپاٹ تاثرات لیے پلٹنے لگا تھا کہ زائشہ کی پکار پر سر جھٹک گیا۔

"اندر آجائیں۔ سب انتظار کر رہے ہیں۔"

زائشہ نے قدرے خفیف سی ہو کر اسے اندر آنے کا راستہ دے کر اس کی پشت پر دروازہ بند کیا۔

"اندر سب کھانا کھا رہے ہیں آپ بھی ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھالیں۔"

وہ لاکھ اس سے ناراض سہی مگر ناراضگی میں بھی اخلاقی اقدار کا پاس رکھنا نہیں بھولتی تھی۔

"کیا بنایا ہے؟"

ایک طرف لگے بیسن کے نیچے ہاتھ منہ دھوتے وہ یوں پوچھ رہا تھا گویا وہ کام سے تھک کر آیا ہو اور اپنی بیوی سے مخاطب ہو۔

یک بار کو زائشہ کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ کتنا عام سا انداز تھا اس خاص سے بندے کا مگر نہ جانے کیوں۔۔۔۔!

اگلے ہی لمحے وہ اپنے خول میں سمٹ چکی تھی۔

"بے فکر رہیں کھانا کھانے کے لائق ہے۔"

لفظ لائق پر زور دیتے وہ تلخی سے کہہ کر منہ موڑ گئی تو اردشیر کتنے ہی لمحے اس کی سوچ پر اس کی پشت کو تاسف سے دیکھتا رہا۔

"آپ کی سوچ پر شدید افسوس ہے مجھے۔ پڑھی لکھی باشعور ہونے کے باوجود اس قسم کی باتیں کرنا زیب نہیں دیتا آپ کو۔"

وہ سنجدگی سے گویا ہوا تھا۔

"پڑھے لکھے باشعور ہونے کے باوجود کسی لڑکی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جانا وہ بھی اس صورت جب مقابل نہ تو آپ کے معیار کا ہو نہ ہی آپ کو گھاس ڈالتا ہو زیب نہیں دیتا۔"

وہ بھی شدت ضبط سے بولی تھی۔ روشنی جو حماس کے گندے ہاتھ دھلوانے صحن کی طرف لا رہی تھیں ششدر رہ گئیں۔

صحن میں اندھیرا تھا۔ چاند کے باعث ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ لائٹ اب تک نہیں آئی تھی۔ کمرے میں ایمرجنسی لائٹوں نے روشنی بکھیر رکھی تھی۔ نیم اندھیرے کے باعث وہ دونوں روشنی کو دیکھ نہ پائے تھے۔

روشنی نے قدم آگے بڑھا دیے۔ اردشیر جو کچھ کہنے کے لیے لب وا کرنے ہی لگا تھا کہ کسی کے قدموں کی آہٹ پر لبعں پر قفل لگا گیا۔

"تم کب سے یہ حرکتیں کرنے لگے؟"

روشنی کی آواز پر دونوں نے چونک کر دیکھا۔ اردشیر چوری پکڑی جانے پر جی بھر کر شرمندہ ہوا تھا جبکہ زائشہ نے سخت نظروں سے اسے دیکھ کر چہرہ موڑ لیا۔ اپنے ساتھ ساتھ وہ زائشہ کو بھی مشکوک کر گیا تھا۔ اس کی شکوہ کرتی نگاہیں اسے بے کل کیے دے رہی تھیں۔

"ارے بھی میں تو چوری چھپے آنے کی بات کہہ رہی ہوں تم تو یوں سر جھکائے کھڑے ہو مانو جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔"

روشنی نے یک دم پینترا بدلا تھا۔ وہ گھر جا کر اردشیر کو آڑے ہاتھوں لینے والی تھیں۔ کس قدر گھنا تھا ان کا یہ دیور۔ وہ پوچھتی رہ گئیں تھیں کہ اگر اسے کوئی لڑکی پسند ہے تو بتا دے تاکہ وہ شادی کی بات چلا سکیں مگر وہ تو چپ کی قسم کھائے بیٹھا تھا۔

نوریز کی چھیڑ خانیوں کی بازگشت انہیں اب سمجھ آ رہی تھیں بلکہ اب تو یقین ہو چلا تھا۔

اردشیر نے ان کی بات پر سکون کی سانس خارج کی۔

"اندر شور میں شاید آپ کو میرے آنے کا پتا نہیں چلا۔"

اس نے کہا۔

"تم نے بھی مجھے نہیں بتایا۔ سچ سچ بتاؤں کوئی خوفیا مٹنگ تو نہیں چل رہی تھی۔"

اب کے وہ زائشہ سے مخاطب ہوئیں تھیں۔ لہجے میں شرارت بھری خفگی کی رمق تھی جو وہ دونوں ہی محسوس نہ کر سکے تھے۔

وہ تو بری طرح گھبرائی تھی۔ بدحواسی میں دو قدم پیچھے ہوتی وہ اردشیر کے کندھے سے ٹکرائی تھی۔ وہ خود اس افتاد پر سٹپٹا گیا تھا۔

روشنی نے مسکراہٹ ضبط کی۔ سرخ چہرہ لیے وہ فوراً سے پیشتر دوپٹہ سنبھالتی اندر بڑھی تھی۔

پارس نے دستر خوان سمیٹ کر چائے چڑھائی تھی۔ مزینہ روشنی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔ سفیر بھی اسی کمرے میں اردشیر کے سامنے بیٹھا کاروباری معاملے پر گفت

شنید میں مگن تھا۔ حماس تو ساجدہ بیگم کی گود میں بیٹھا نیند میں اونگھ رہا تھا۔ وہ اس کا سر سہلاتی ساتھ ساتھ روشنی اور مزینہ کی گفتگو میں بھی اپنا حصہ ڈال لیتیں۔

زائشہ عشاء کی نماز کے لیے دوسرے کمرے میں جاچکی تھی۔ اردشیر سے سامنا اب ایک مشکل ترین امر تھا۔

تھوڑی دیر بعد پارس نے انہیں چائے سرو کی۔ چائے پینے کے بعد اردشیر نے ان سے اجازت لی یوں بھی رات ہو چلی تھی اور حماس بھی نیند میں جھوم رہا تھا۔

روشنی جتنی الجھن اور پریشانی میں یہاں آئی تھیں۔ اب اتنی ہی خوش ہو کر وہ وہاں سے نکلی تھیں۔ ساجدہ بیگم کی نظروں نے دور تک روشنی اور اس کی گود میں کندھے سے سر ٹکائے حماس کا پیچھا کیا تھا۔ روشنی کو دیکھ کو کوئی بھولی بصری یاد ان کی آنکھیں نم کر گئی تھی۔ کچھ تو تھا اس میں جو انہیں جھنجھوڑ کر رکھ گیا تھا۔

گرمی سے اس کی مت ماری گئی تھی۔ سکول سے آتے ہی ایک تو خالدہ بیگم محلے کے ٹور پر نکل گئی تھیں پھر اسے کھانا بھی خود بنانا پڑا اوپر سے بلال نامی بلا بن بلائے ٹپک پڑی تھی۔ خلاف توقع وہ خاموش تھی۔ یا شاید چیخ و پکار سے تھک چکی تھی۔ کام کرتے دوران

وہ اس کی بے باک نظروں کے ساتھ ساتھ اس کی فضول بک بک بھی برداشت کر رہی تھی۔

"مجھے اپنا نظر انداز کیے جانا بالکل نہیں پسند اپنی عادتیں بدل لے مزینہ ورنہ بہت پچھتائے گی۔"

وہ برہمی سے اس کا بازو اپنی گرفت میں لیتا بولا تھا۔

"تجھے پتا ہے کہ میں تجھے نظر انداز کر رہی ہوں۔ پھر بھی ڈھیٹ بنا بیٹھا ہے اور ہر بار منہ اٹھائے چلا آتا ہے جبکہ جانتا ہے کہ تیری ادھر کوئی جگہ نہیں۔"

وہ اپنا بازو آزاد کرواتی نخوت سے بولی۔

"کل ہی اماں کو بھیجتا ہوں ادھر۔ بات کریں گی تیری ماں سے شادی کی۔ بہت پر نکل آئے ہیں تیرے۔"

وہ گھور کر سرد لہجے میں بولا۔

"ایک بات بتا مجھے۔ یہ شادی شادی کی تو نے رٹ لگا رکھی ہے۔ کماتا کیا ہے تو۔ تائی پورے محلے سے ادھار مانگ کر گھر چلاتی ہے۔ تیرے جیسے جوان ہٹے کٹے بیٹے کا کیا اچار ڈالنا

ہے جو ماں کو دو وقت کی روٹی نہیں کھلا سکتا میری ذمہ داریاں کہاں سے پوری کرے گا۔ بیویوں کے ہزار خرچے ہوتے ہیں۔ کہاں سے پورے کرے گا تو۔ بالفرض کر بھی لے تو تجھے لگتا ہے میں تجھ جیسے کنگال سے شادی کر کے قسمت پھوڑوں گی۔ چہ خواب۔ پاگل سمجھ رکھا ہے کیا۔ شادی کروں گی تو ایسے گھر میں جہاں چھوٹی چیزوں کے لیے تڑپنا نہ پڑے۔ جہاں خواہشیں اپنی موت آپ نہ مریں۔ جہاں ہر شے میسر ہو۔ سکون ہی سکون ہو۔

میں سسک سسک کر زندگی نہیں گزار سکتی۔"

وہ نخوت سے کہتے سر جھٹک کر کچن سے نکل گئی۔ بلال کتنی ہی دیر تک اس کی باتوں پر غور کرتا رہا پھر کسی سوچ کے تحت لمبے لمبے ڈگ بھرتا آندھی طوفان کی طرح گھر سے نکل گیا۔ وہ بھی خالدہ بیگم کے گھر آنے کے بعد زائشہ کی طرف آ گئی۔

وہ خاصی غصے میں تھی دھپ سے پلنگ پر بیٹھی تو سارا پاندان نیچے دھڑام سے گرا۔ ساجدہ بیگم صدمے سے چلا اٹھیں۔ زائشہ نے انہیں ٹھنڈا کیا اور کمرے سے باہر بھیج دیا۔

"یہ کیا کیا۔"

وہ سخت بیزاریت محسوس کرتی جھنجھلا کر بولی۔

"خرم بھائی سے جھگڑا ہوا ہے کیا۔اتنی غصے میں کیوں ہو۔"

پارس نے اسے لتاڑا۔

زائشہ نے ٹھٹھک کر دونوں کا طرز تخاطب نوٹ کیا اور مزینہ کا لجایا سا روپ اور پارس کا معنی خیز انداز دیکھا۔

"شرافت سے بتاؤ یہ خرم کا کیا چکر ہے ورنہ میں خالہ کو بتا دوں گی ان کی بیٹی کی حرکتیں مشکوک ہیں اور پھر کیا ہوگا تم بہتر جانتی ہو۔"

زائشہ کے تاثرات سنجیدہ تھے۔ساتھ ساتھ وہ پاندان سے گری چھالیہ کے دانے کتھے کے ثابت ٹکڑے اور چونے کی چھوٹی ڈلیاں بھی سمیٹ رہی تھی جو مزینہ کا ہاتھ لگنے سے بکھرے تھے۔

"آپا وہ بات دراصل یہ ہے کہ خرم بھائی نے اسے پرپوز کیا ہے اور بہت جلد اپنے گھر والوں کو رشتے کے لیے گھر لانا چاہتے ہیں۔یونہی تو نہیں وہ اتنے مہربان رہتے ہیں ان محترمہ پر۔"

پارس نے کن نظروں سے ہتھیلیوں کو کھوجتی مزینہ کو دیکھ کر سچ اگلا تھا۔ زائشہ کے تو وہم و گمان میں یہ بات نہیں تھی۔ وہ تو ورطہ حیرت میں گھری پڑی تھی۔

"مجھے بتانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔"

اس نے پاندان جگہ پر رکھ کے ہاتھ جھاڑتے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"میں نے اسے بتایا تھا۔"

اس نے پارس کی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے تو نہیں نہ بتایا۔"

اس کا انداز ہنوز خفگی لیے ہوئے تھا۔

"تم نے کیوں نہیں بتایا۔"

وہ اب پارس کو آڑے ہاتھوں لے رہی تھی

"اس پر مت برسو۔ اسے کون سا پرپوز کیا تھا۔"

پارس نے لاحول ولا قوۃ پڑھی جبکہ مزینہ فوراً سٹپٹائی تھی۔

"اچھا اب تو بتا دیا ناں۔"

وہ جان چھڑانے والے انداز میں کہہ گئ۔

"بتایا نہیں ہے اگلوایا ہے۔"

زائشہ نے بھی حساب برابر کیا۔

****

گھر آکر وہ اپنی الجھنوں میں اس بری طرح الجھیں کہ اردشیر کی خبر لینا بھول ہی گئیں۔دوسرے دن حماس کو سکول بھیج کر وہ ناشتے پر ہی اردشیر سے دو دو ہاتھ کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں مگر وہ تو کسی ہوا کے جھونکے کی طرح گھر سے نکل گیا تھا۔

سحاب یونی جا چکی تھی۔نوریز بھی آفس روانہ ہو گیا تھا۔

ایسے میں وہ تھیں اور ان کی الجھنیں۔

انہیں رہ رہ کر کل والا منظر یاد آ رہا تھا۔کیا تھا وہ سب سچ یا نظر کا دھوکا یا محض وقتی جذبہ اگر ایسا تھا تو حماس نے زوالقرنین کو بابا جانی کیوں کہا۔کل رات بھی وہ نیند میں بابا بابا بڑبڑاتا رہا تھا۔حماس کی بابا بابا کی گردان نے ان کی نیندیں اڑا دی تھیں۔

"کہیں وہ حماس کو مجھ سے چھیننا تو نہیں چاہتا۔ یا پھر حماس کو سیڑھی بنا کر مجھ تک پہنچنے کا ارادہ تو نہیں رکھتا۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

اپنی ہی سوچ کی نفی کرتے وہ سر پکڑ کر بیٹھی تھیں۔ کوئی سرا ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے حماس نے یونہی کہہ دیا ہو۔"

انہوں نے دل کو تسلی دی گو کہ دل مطمئن نہیں ہوا تھا مگر اب قدرے سکون میں تھا۔

****

"کچھ خبر ہے سحاب یونی کیوں نہیں آ رہی۔"

وہ لوگ فری پریڈ میں لائبریری سے کچھ بکس ایشو کروا کر لائی تھیں اب درخت کی چھاؤں کے نیچے بیٹھی ورک گردانی کر رہی تھیں۔ رینا نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا تھا مگر انداز تجسس آمیز تھا۔

مزنی نے گہری سانس لے کر کتاب چہرے سے ہٹائی۔

"پتا نہیں! میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں۔ نمبر بند جا رہا ہے۔ مجھے تو اس کی حرکتیں مشکوک لگتی ہیں۔"

وہ پر سوچ انداز میں بولی۔

"سحاب جیسی محبت میں اندھی لڑکی سے کچھ بھی توقع کی جاسکتی ہے۔"

رینا نے کیا۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو۔ابشام کرمانی بھی تو نظر نہیں آرہا آج کل۔"

حرا نے اس کی بات سے اتفاق کرتے کہا۔

"نہیں میں نے غور نہیں کیا یوں بھی وہ شخص قابل ذکر نہیں۔"

مزنی نخوت سے سر جھٹک کر بولی۔

"تم واٹس ایپ پر رابطہ کر کے دیکھو۔"

حرا نے مشورہ دیا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں نے نہیں کیا ہو گا۔کتنے ہی میسجز کیے ہیں۔کسی ایک کا جواب بھی مجھے موصول نہیں ہوا حتیٰ کہ میسج ہی سین نہیں کیے گ ئے۔"

حرا کی بات پر وہ اسے قدرے غصے میں بتانے لگی۔

"السلام علیکم"

حارث نے دور سے ہی انہیں دیکھ لیا تھا اور ان کے قریب آ کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔"

حرا نے ہی جواب دیا تھا مزنی تو اسے ایک نظر دیکھ کر ہی کتاب اچک چکی تھی۔

"خیریت ہے؟ آپ کی دوست نظر نہیں آرہیں۔"

وہ بظاہر سرسری لہجے میں پوچھ رہا تھا مگر دھیان کے سارے دھاگے مزنی سے جڑے ہوئے تھے۔

"آپ کے دوست بھی تو نہیں نظر آرہے۔"

مزنی نے سنجیدگی سے برجستہ جواب دیا تھا۔ پہلی بار حارث کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی جس پر پر مزنی سلگ کر رہ گئی۔

"آپ سب سے ہی خار کھاتی ہیں یا صرف مجھ سے ہی بات کرتے وقت لہجے میں تلخی گھل جاتی ہے۔"

حارث نے مسکراہٹ دبائی۔

"صرف آپ سے۔"

نخوت سے وہ جواب دے گئی۔ حارث کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ قدر صاف گوئی کا مظاہرہ کرے گی۔

"وجہ جان سکتا ہوں۔"

اب کی بار وہ سنجیدگی سے جواب طلبی کرنے لگا۔

"کیا یہ وجہ کافی نہیں ہے کہ آپ ابشام کرمانی کے خیر خواہ ہیں۔"

وہ چیخ کر بولتی کتاب ایک طرف پٹخ گئی تھی کہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا ایک تو ویسے ہی سحاب اور ابشام کرمانی کی غیر موجودگی دل میں عجیب وسوسے پل رہے تھے رہی سہی کسر حارث نے پوری کر دی تھی۔

"میں نے ابشام سے بات کی ہے وہ سحاب سے محبت کرتا ہے رسوا نہیں کرے گا۔"

مزنی کے رویے اور لب ولہجے نے اسے بہت کچھ باور کروا دیا تھا سو وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"جیسے تو وہ آپ کے حکم کا تابع ہے۔ ہیں ناں۔ ہنہہ محبت کرنے والے درسگاہوں میں پرچار نہیں کرتے اتنا اگر وہ سچا ہے تو اپنے گھر والوں کو سحاب کے گھر بھیج کر رشتہ کیوں نہیں مانگ لیتا۔"

اک دم سے کھڑے ہو کر وہ حارث کے سامنے آئی تھی۔ انداز شدید برہمی لیے ہوئے تھا۔

"ابشام پر اتنی بے اعتباری کیوں ہیں آپ؟"

حارث نے اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر استفسار کیا۔

"آپ کو اتنا اعتبار کیوں ہے؟"

رینا نے کھوجتی نظروں سے دونوں کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں لڑ ایسے رہے تھے جیسے میاں بیوی لڑ رہے ہوں۔

حرا کے لیے بھی یہ صورت حال خاصی دلچسپ تھی۔ جس کی وہ شکل دیکھنا پسند نہیں کرتی تھی اب اسی سے بحث میں الجھ پڑی تھی۔

"مجھے ابشام پر اعتبار اس لیے ہے کہ وہ میرا دوست ہے بالکل اسی طرح جیسے آپ کو اعتبار ہے سحاب پر کہ وہ آپ کی دوست ہے لیکن دیکھیں ہم دونوں کا ہی اعتبار ٹوٹا ہے۔ سحاب آپ کے لاکھ سمجھانے پر اپنے قدم نہیں روک سکی نہ ہی ابشام میرے لاکھ سمجھانے پر پیچھے ہٹا۔ بحرحال میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا کہ ابشام ایسی کوئی حرکت نہیں

کرے جس سے سحاب کو دکھ پہنچے۔ وہ میری بہنوں جیسی ہے اور بہنوں کے بھائی جب تک زندہ ہوں تب تک ان پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔"

مزنی پر کڑی نگاہ ڈالتا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا واپس پلٹ گیا تھا۔

حرا اور رینا اس سے خاصی متاثر نظر آتی تھیں۔ جبکہ مزنی سر جھٹک کر اس کی لمبی چوڑی تقریر کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بیگ اٹھا کر واک آؤٹ کر گئی تھی۔ رینا اور حرا نے بھی کندھے اچکاتے اپنی اپنی راہ لی۔

****

"آپ کی سنگت میں ہر لمحہ خوشگوار گزرتا ہے۔ میں یہ دو دن کبھی نہیں بھول سکتی۔ میری زندگی کے یادگار دن ہیں یہ۔"

ابشام کے کندھے سے سر ٹکائے ساحل سمندر پر اس کے قدم سے قدم ملا کر چلتی وہ جذب سے کہہ رہی تھی۔ اس کا روم روم اس وقت ابشام کرمانی کا شکر گزار تھا کہ اسے اتنا اچھا ہم سفر ملا تھا۔

ابشام نے اس کے گرد بازو پھیلائے ہوئے تھے دوسرا ہاتھ پینٹ کی پاکٹ میں تھا۔ ہوا ک دوش پر سحاب کی پشت پر بکھرے بال اڑ کر اسکے چہرے کو چھو رہے تھے جنہیں وہ یر دوسرے لمحے بڑی نزاکت سے اپنی مخروطی انگلیوں سے کان کے پیچھے کر رہی تھی۔

سحاب تو گویا آج کل ہواؤں میں اڑنے لگی تھی۔ اسے ابشام کے آگے اور اس کے سوا کچھ دکھتا ہی نہ تھا۔ وہ تو جیسے آنکھیں بند کر کے ابشام پر یقین کرنے لگی تھی وہ گر کہہ دیتا دن تو دن گر کہہ دیتا رات تو رات۔

اس کی محبت کے جال میں وہ اس قدر پھنس چکی تھی کہ چاہ کر بھی نہیں نکل سکتی تھی اور یہی تو وہ چاہتا تھا۔ وہ نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مارتی بھی تو اسے خاموش کروانے کے لیے اس کے بہت سے طریقے تھے جن میں سب سے پہلا اسے بلیک میل کرنا تھا۔ اس کے ساتھ گزارے گ ئے وقت۔ اس کی حد درجہ قربت اور اس سے دن رات کی مدت میں کی گئ چیٹ اور کالز پر یونہی نہیں وقت برباد کرتا تھا۔ منجھا ہوا کھلاڑی تھا۔ شکار کھیلنا باخوبی جانتا تھا۔

"ابشام بھائی سے کب بات کریں گے؟"

سحاب نے چہرہ اٹھا کر سوال کیا۔ صرف لمحے کو ابشام کرمانی اس کے معصوم چہرے میں کھو سا گیا مگر اگلے ہی لمحے اس نے نگاہیں دور سمندر کی شوریدہ لہروں پر مرکوز کردیں۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے سحاب۔ میں کہیں بھاگا تو نہیں جارہا۔"

انداز میں جھنجلاہٹ نمایاں تھی۔

"ابھی فائنل اگزام باقی ہیں اس کے بعد میں بات کروں گا ڈیڈ سے۔ فکر مت کرو۔"

جب احساس ہوا کہ وہ کس لہجے میں کہہ گیا ہے تو نرمی سے اس کا کندھا سہلاتے اس کا ہاتھ دبا کر حوصلہ دینے لگا۔ سحاب مطمئن ہو گئی اور وہ کیا جانتی تھی کہ اس کا یہی اطمینان اسے زندگی بھر کی تمانیت چھین لے گا۔

****

خالدہ بیگم کی طبیعت ناساز تھی وہ وقت سے ہی دوا لے کر بستر پر دراز ہو گئی تھیں۔ مزینہ ان کی ٹانگیں دباتی دباتی نمدیدہ ہوئی تھی۔ جھک کر ماں کے پیر چومے تھے۔ دو آنسو ٹوٹ کر خالدہ بیگم کے پاؤں پر گرے تھے۔

پھر وہ ان کے سرہانے بیٹھتی سر دبانے لگی۔ جھک کر پیشانی چومی۔ وہ صرف ماں نہیں تھیں انہوں اسے باپ بن کر پالا تھا۔ گھر سنبھالنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس کی شخصیت میں مضبوطی بھی گوندھی تھی یوں کہ وہ زمانے کے ہر سرد و گرم کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکے۔ وہ اس کی زمین تھیں تو آسمان بھی وہی تھیں۔ ہر کمی پوری کی تھی ہر خواہش پوری کی تھی۔ بیمار ہو جاتی تھی تو گھبرا کر ہانپتی کانپتی دوا دلوا کر لاتیں۔ عید تہوار پر بھی کوئی کسر نہیں چھوڑتی تھیں مگر پھر بھی کہیں کوئی کسر تھی۔ ان کے اتنا کرنے بعد بھی امیرانہ ٹھاٹ والی زندگی گزارنے کی کسک رہ گئی تھی۔ سوچا تھا کہ اونچی جگہ ہاتھ مارے گی تاکہ دل کی حسرتیں تمام ہو سکیں۔ کوئی ملال نہ رہ جائے مگر بلال نامی زنجیر نے اس کے پاؤں جکڑ رکھے تھے پھر زندگی میں خرم نے قدم رکھا جسے دیکھ کر وہ سب بھول گئی۔ دل بغاوت پر آمادہ ہوا تھا۔ کیا نہیں تھا اس کے پاس۔ پڑھا لکھا باشعور اور نیک سیرت انسان تھا۔ اپنا گھر کاروبار گاڑی سب کچھ تو تھا وہ جس کی اسے خواہش تھی۔ اس نے بلال کو بھاڑ میں جھونک کر قدم اس کی طرف بڑھائے ہی تھے کہ خرم کے بڑھتے قدموں نے اسے بریک لگا دیا۔ سب کچھ اس کی سوچوں کے مطابق ہوتا چلا گیا۔

ابھی تو وہ خرم سے متعلق دل میں پنپتے جذبات کو تاحال کوئی نام نہیں دے سکی تھی مگر اس رات خرم کی فضول گوئی نے ایک خاموش اقرار کروالیا تھا اور پھر جو کچھ خرم نے کہا وہ ناقابل یقین تھا کتنے ہی لمحے وہ گنگ رہ گئی اُسے اپنی قسمت پر رشک آنے لگا تھا۔

اس رات جب وہ خرم کی گاڑی میں اس کے سنگ تھی تو کس قدر غصے میں تھی مگر اس کا غصہ خرم کی گھبیر آواز میں ہی زائل ہو گیا تھا۔

سنو جاناں !

مجھے تم سے محبت ہے

سمندر سے کہیں گہری

ستاروں سے سوا روشن

ہواؤں کی طرح دائم

پہاڑوں کی طرح قائم

زمیں سے آسماں تک جس قدر اچھے مناظر ہیں

محبت کے کنائے ہیں وفا کے استعارے ہیں ہمارے ہیں

ہمارے واسطے یہ چاندنی راتیں سنورتی ہیں

سنہرا دن نکلتا ہے

سنو جاناں !

محبت جس طرف جائے زمانہ ساتھ چلتا ہے۔

اس قدر خوبصورت اور مبہم اظہار محبت سن کر مزینہ کتنے ہی لمحے ساکت رہ گئ تھی۔

"کیا بے ہودگی ہے یہ۔"

وہ خفت زدہ سی چیخی تھی۔

"اقرار کے مرحلے طے ہو چکے ہیں محترمہ اب چھپن چھپائی کا یہ کھیل میرے خیال میں بند ہو جانا چاہیے۔"

مسکراہٹ دبا کر وہ ڈرائیونگ سٹارٹ کر چکا تھا۔

وہ اپنی جگہ چور سی بن گئ۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔"

وہ منمنائی تو خرم نے خو شمگیں نگاہوں اسے گھورا جس پر وہ سٹپٹا کر نظریں جھکا گئیں۔

"میری راتوں کی نیندیں چرالی ہیں اور دن کا سکون چرالیا ہے۔ چشم تصور میں ہر وقت تمہاری صورت رہتی ہے۔دل تمہارے نام پر دھڑکتا ہے۔ نگاہیں ہر وقت تمہیں دیکھنے کی خواہاں ہیں نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس صرف تمہاری آس یار کل ملا کر دیوانہ کر دیا ہے مجھے اور اب بھی کہتی ہو میں نے کچھ نہیں کیا۔"

قدرے جھنجھلائے لہجے میں کہتا وہ کچھ کچھ خفا خفا سا بھی معلوم ہو رہا تھا۔مزینہ کے چہرے پر دلفریب سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اور وہ آپ کی بیوی؟"

شرارت آمیز لہجے میں اس نے پوچھا۔

"وہ تو تمہیں اکسانے کے لیے معمولی سا جھوٹ بولا تھا پر کیا پتا تھا معمولی سے جھوٹ سے ہی میرا معاملہ حل ہو جائے گا۔"

وہ ہنس دیا تھا۔مزینہ نے ناراضگی سے اسے دیکھا۔

"میں بڑا اسٹریٹ فارورڈ بندہ ہوں۔ میری طرح میری محبت میرے جزبات واحساسات بھی خالص ہیں۔ان میں تم کبھی کوئی کھوٹ نہیں پاؤ گی۔ میری سوچ یہ ہے کہ جو چیز آپ

کو پسند ہو اسے اپنی دسترس میں لے لو۔ مجھے بغیر کسی حلال رشتے کے ملنا جلنا ڈیٹ کرنا قطعی پسند نہیں۔ میں بہت جلد اپنے پیرنٹس کو تمہارے گھر بھیجوں گا اور سنو انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے ورنہ مجھے ڈاکٹر سے ڈاکو بننے میں سیکنڈ بھی نہیں لگے گا۔"

سنجیدگی سے کہتے وہ آخر میں شوخ ہوا تھا۔

"لیکن خرم آپ آپ کا اور میرا کوئی جوڑ بھی تو نہیں بے شک محبت ان سب باتوں کو دیکھ کر نہیں ہوتی مگر امی کبھی بھی اپنے سے اونچے اور رئیس خاندان میں مجھے نہیں بیاہیں گی۔"

اس نے جانچتی نظروں سے خرم کو دیکھا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اس نہج پر آکر خرم کی سوچ کیا کہتی ہے۔

"جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اور جو اوپر بیٹھا ہے وہ بناتا ہے پھر ہم کون ہوتے ہیں مفروضے گھڑنے والے۔ دوسری بات میں دعاؤں پر یقین رکھتا ہوں دعائیں تقدیر بدلنے تک کی تاثیر رکھتی ہیں۔ تم نصیب میں نہ ہوئیں تو میں دعاؤں سے تمہیں اپنی قسمت میں لکھوا لوں گا اور تیسری اور آخری بات یار میں ایسا بھی کوئی امیر نہیں ہوں نہ ہی میرا خاندان اتنا

رئیس ہے۔ معمولی ساڈینٹیسٹ ہوں اپنا اور بیوی کا خرچا اٹھا سکتا ہوں اور آنٹی کی تو فکر ہی نہ کرو ان کو پٹانا میرا کام ہے۔"

ٹینشن فری انداز میں کہتا وہ دائیں آنکھ دبا کر بولا تو مزینہ بھی اس کے انداز پر ہنس دی تھی۔

بلاشبہ وہ رات اس کی زندگی کی سب سے خوبصورت رات تھی۔ خرم کے بارے میں سوچتے سوچتے وہ وہیں خالدہ بیگم کے پاس ہی ان سے لپٹ کر سو گئی تھی۔

لاؤنج میں نوریز سحاب اور حماس بیٹھے اردشیر کی راہ تک رہے تھے۔ پاپ کارن والا باؤل حماس کی گود میں دھرا تھا۔ دائیں بائیں نوریز اور سحاب بیٹھے تھے جو اسی کے باؤل سے پاپ کارن اٹھا اٹھا کر کھا رہے تھے۔ روشنی کچن میں ملازمہ سے کھانا تیار کروا رہی تھیں۔

یک دم پورٹیکو میں گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی تو وہ تینوں چوکس ہو گئے۔

چند لمحوں بعد سفید شرٹ پر سیاہ واسٹ کوٹ میں ملبوس دائیں ہاتھ پر کوٹ گرائے بائیں ہاتھ سے چھوٹا سا بریف کیس اٹھائے اردشیر لاؤنج میں داخل ہوا اور ان تینوں کو یوں ایک ساتھ بیٹھے دیکھ کر ٹھٹھک کر رکا۔

"خیریت ہے یہ تین افلاطون آج ایک ساتھ کیسے؟"

کوٹ صوفے کی ہاتھی پر رکھ کر بریف کیس نیچے صوفے کے ساتھ رکھ کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے اس نے مصنوعی طنز کیا۔

"ہم افلاطون ہیں تو آپ کیا ہیں چھپے رستم؟"

اس نے تاک کے نشانہ رکھا۔آج وہ بخشنے کے موڈ میں نہیں تھا۔پہلے تو صرف شک کی بنیاد پر اسے چھیڑ رہا تھا مگر جب بھابھی نے موصوف کی کارکردگی پر روشنی ڈالی تو وہ اب چپ رہنے والا نہیں تھا۔

اردشیر نے ناسمجھی سے دیکھا۔

لبوں پہ پھول کھلتے ہیں کسی کے نام سے پہلے

دلوں کے دیپ جلتے ہیں چراغ شام سے پہلے

نوریز نے معنی خیز نظروں سے الجھن زدہ اردشیر کو دیکھا۔

"بھائی بتائیں ہم سے کیوں چھپایا آپ نے۔"

سحاب نے خفگی سے دونوں ہاتھ کمر پر ٹکائے۔

"کیا چھپایا ہے میں نے؟"

وہ حیرت زدہ سا کھڑا رہ گیا۔روشنی بھی ملازمہ کو ہدایت دیتیں کچن سے باہر آ گئیں۔

زیر لب جو یہ تبسم کا دیا رکھا ہے

ہے کوئی بات جسے تم نے چھپا رکھا ہے

اس نے اچھنبے سے روشنی بھابھی کے بدلے بدلے اور معنی خیز شرارت سے بھرپور انداز کو دیکھا تھا یعنی وہ جس بات سے بھاگ رہا تھا اس سے اب فرار ممکن نہ تھا۔رات کے اس پہر آنگن میں زائشہ سے ہونے والی محض ذرا سی گفتگو بھابھی نے سن لی تھی اسے شعبہ سا ہوا تھا جبھی انہیں کوئی موقع نہیں دے رہا مگر آج تو جیسے بھابھی نے اسے پکڑ ہی لیا تھا۔

وہ اعصاب ڈھیلے چھوڑ کر مبہم سا مسکرایا۔

روشنی نے نہ جانے کتنے ہی صدقے اتارے تھے من ہی من اس مسکراہٹ کے جسے دیکھنے کو آنکھیں ترسی تھیں۔رمیز کے جانے کے بعد تو اس نے اپنی زندگی میں خوشیاں ہی مفقود کر لی تھیں وہ بھی صرف ان کی خاطر۔آج روشنی کے من سے یہ بوجھ بھی اترا تو وہ ہلکی پھلکی ہو گئی تھیں۔

"یہاں بیٹھو اور بتاؤ مجھے کیا تھا وہ سب اور کان کھول کر سن لو زرا بھی ملاوٹ نہیں سب سچ۔"

روشنی نے اسے بازو سے پکڑ کر صوفے پر بٹھایا اور خود سامنے صوفے پر براجمان ہو گئیں۔

"سن تو لیا تھا آپ نے۔اب کیا سننا چاہتی ہیں۔"

وہ اطمینان سے بولا۔

"تمہارے اور زائشہ کے درمیان۔۔۔۔ معاملہ صرف یکطرفہ ہے بھابھی۔وہ میرے جذبوں سے آشنا ضرور ہیں مگر کبھی بھی انہوں نے پزیرائی نہیں کی۔زائشہ میرے دل کی واحد خواہش ہے۔خوشی سے چاہے زبردستی انہیں میری زندگی شامل ہونا ہے۔بس کچھ انتظار کر لیں تب تک میں محترمہ کا دماغ سیٹ کر لوں۔"

وہ ان کی بات کاٹ کر بولا اور کوٹ اٹھا کر صوفے سے کھڑا ہوا۔

"انتہائی بیوقوف لڑکی ہو گی وہ جس نے میرے اتنے پیارے بھائی کو ریجیکٹ کر دیا۔"

سحاب نے تصور میں کتنے ہی کوسنے دیے تھے اس لڑکی کو جس کی وجہ سے اس کا بھائی شدید اضطراب میں تھا۔

اردشیر نے ایک سخت نظر سحاب پر ڈالی تھی نتیجتاوی گھبرا کر چپکی رہ گئ۔

"زائشہ کے رویے کی وجہ؟ مطلب اتنے اچھے رشتے سے وہ کیونکر انکاری ہے۔"

وہ توزائشہ کی عقل پر عش عش کر اٹھی تھیں۔

"انکاری نہیں بے اعتباری ہیں۔کچھ وقت لگے گا۔زائشہ جیسی لڑکیاں اردشیر جیسی حقیقت کو قبول کرنے میں بہت وقت لیتی ہیں۔"

وہ مسکراہٹ دبا کر گویا ہوا پھر سیڑھیاں پھلانگتا کمرے میں گم ہو گیا۔

"ہونے والی بھابھی پر زرا روشنی ڈالیں گی۔کون ہیں کیسی ہیں؟"

نوریز نے شوخی سے پوچھا۔

تم لوگوں کے آفس میں جو آفاق صاحب کام کرتے تھے زائشہ ان کی بڑی بیٹی ہے۔

نوریز کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"وہاٹ۔"

وہ چکراہ کر رہ گیا۔

"یہ کب؟ مطلب کیسے ہوا۔بھائی ان سے کب ملے یا کہیں وہ ہی تو بھائی سے مراسم۔"

نوریز نے کڑوے لہجے میں کچھ کہنا چاہا تھا کہ اردخیر نے اسکی بات کاٹ دی۔

"اس سے آگے ایک لفظ مت بولنا نوریز ورنہ میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔"

نوریز کے تلخی سے بولنے پر وہ سخت لہجے میں مشتعل ہوتا خبردار کر گیا تھا۔

"آئی ایم سوری۔"

وہ سپاٹ انداز میں بولا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

****

"السلام علیکم"

گھر میں داخل ہوتے ہی خرم نے غیر معمولی ہلچل کو محسوس کیا تھا اور حسب عادت سلام میں پہل کی تھی۔ وہ کوچنگ سے سیدھا گھر آتا تھا۔ البتہ سروت بیگم اس کے کلینک کے بعد کوچنگ جانے والی بات سے فالحال لاعلم تھیں جبکہ عصمت صاحب باخوبی جانتے تھے۔

"وعلیکم السلام"!

اپنے سامنے جھکے خرم کی پیشانی چومتے سروت بیگم نے اس کے سر پر بھی ہاتھ پھیرا تھا۔

"السلام علیکم! خرم"

ارتضی کی آواز پر وہ مڑا۔

"وعلیکم السلام! واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز۔"

وہ شمائم ارتضی اور دل افروز بھابھی کو دیکھ کر خوشگوار حیرت لیے ان کی طرف ملنے کی غرض سے بڑھا۔

پہلے شمائم کو پیار کیا پھر بھائی سے بغل گیر ہوا اور اب شرارت سے دل افروز کے آگے سر جھکا کر کھڑا تھا کہ وہ سر پر ہاتھ پھیرے۔

"سر پر ہاتھ پھیر دو بھئی دل افروز آخر کو تم رشتے میں بڑی ہو۔"

سروت بیگم نے کہا تو دل افروز نے جھینپتے ہوئے خرم کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"شکر ہے ورنہ مجھے لگا تھا جھکے جھکے گردن ہی ٹوٹ جائے گی۔"

انداز صاف چھیڑنے والا تھا۔اس کی بات پر سب ہنس دیے۔

"اچانک تشریف آوری کیسے ہو گئی نہ کوئی اطلاع نہ کوئی فون۔"

خرم نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے استفسار کیا۔

"امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔اس دن میں نے فون کیا تھا تو یاد کر رہی تھیں پھر آفس میں کام بھی اتنا زیادہ نہیں تھا میں نے توقیر سے پوچھا تو اس نے اپنا تو منع کر دیا کہ وہ ان دنوں بے حد مصروف تھا مگر شمائم کو اجازت دے دی اور ہم پاکستان چلے آئے۔"

ارتضی نے مختصر آنے کا جواز پیش کیا۔

"چلو اچھا ہے اسی بہانے امی کا دل بھی لگ جائے گا۔ بڑی اداس رہتی ہیں یہ۔"

خرم نے سروت بیگم کو بازو کے حلقے میں لے کر کہا۔

"ہم تو آج ہیں کل چلے جائیں گے۔دل لگانے کی عارضی وجہ نہیں مستقل وجہ ڈھونڈو بھئی۔"

ارتضی نے مسکراہٹ دبائی۔

"کیا مطلب میں کچھ سمجھا نہیں مستقل وجہ؟"

خرم نے آئبرو اچکائے۔

"بھئی شادی کر لو۔کب تک کنوارہ رہنا ہے۔"

شمائم نے گھور کر خرم کی معصومیت ملاحظہ کی۔

"میرے کنوارے پن کے دشمنوں جلتے ہو میری بیچلر لائف سے۔"

خرم نے آنکھیں سکیڑیں۔

"ایسی کیا بات ہے میرڈ لائف بھی کم خوبصورت نہیں ہوتی برخوردار۔اپنی امی سے پوچھو بیچلر لائف اچھی تھی یا میرڈ۔"

عصمت صاحب نے کن نظروں سے اپنی شریک حیات کو دیکھا اور خرم سے مخاطب ہوئے تھے۔

"آپ بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گ ئے ہیں۔ یہاں بات خرم کی ہو رہی ہے۔"

سروت بیگم نے خفگی سے کہہ کر پہلو بدلہ تو عصمت صاحب سمیت سب ہی ہنس دیے۔

شمائم خرم کی جڑواں بہن تھی۔ پڑھائی مکمل ہونے سے پہلے ہی اچھا رشتہ آنے پر آنا فانا سروت بیگم نے تین سال پہلے اس کے خالہ زاد توقیر احمد سے اس کی شادی کر دی تھی۔ توقیر خوبرو جوان اور خوش اخلاق بندہ تھا۔ کینیڈہ کا نیشنیلٹی ہولڈر تھا اور وہیں بزنس بھی سٹیبلش کیا ہوا تھا۔ دل آویز اس کی چھوٹی بہن تھی جو بچپن سے ہی ارتضی سے منسوب تھی۔ دل آویز کی پڑھائی مکمل ہوتے ہی دونوں کی شادی کر دی گ ئ تھی۔ پھر اگلے

سال ارتضی کے ہاں روحی نے جنم لیا تھا جس کی دوسری سالگرہ پر ارتضی لوگ پاکستان آئے تھے ان کے ساتھ توقیر بھی تھا۔ بڑے پیمانے پر سالگرہ کا اہتمام کیا گیا تھا اور اسی موقع پر توقیر احمد نے اپنی پسند گھر والوں کے سامنے رکھ دی تھی۔

پھر کیا تھا سب ہی نے اس کی پسند کو نہ صرف سراہا تھا بلکہ اسی موقع پر جھٹ پٹ دونوں کو نکاح کے خوبصورت بندھن میں باندھ دیا گیا۔ اس وقت شمائم گیارہویں میں تھی یوں اس کی رخصتی بارہویں کے بعد طے ہوئی جس پر شمائم نے خاصا احتجاج بھی کیا جو کسی کام نہ آیا اور بالآخر توقیر اسے اپنے سنگ مزید تعلیم شادی کے بعد دلوانے کا کہہ کر کینیڈا لے گیا تھا۔ اس نے صرف کہا ہی نہیں تھا بلکہ کر کے دکھایا تھا شادی کے بعد اس کا ایڈمیشن کروا کر اس کی خواہش کو تکمیل تک پہنچایا تھا۔

ارتضی ان کے بڑے بھائی تھے یعنی سروت کی پہلی اولاد وہ اپنی بیوی کے ہمراہ کینیڈا میں ہوتے تھے۔ ملک سے باہر بزنس کرنا ارتضی کا خواب رہا تھا جسے پورا کرنے کے لیے وہ کینیڈا میں ہوتا تھا۔ اولاد کی خواہشوں پر عصمت صاحب اور سروت بیگم نے نہ پہلے کبھی

روک ٹوک لگائی تھی نہ ارتضی کے وقت پر لگانے کی خواہش رکھتے تھے کہ یوں بھی ان کے پاس خرم تھا۔

خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا تھا۔ شمائم اور خرم کی نوک جھونک عروج پر تھی۔ ارتضی بھی پیش پیش تھے۔ دل افروز بھی ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ وہ لوگ صبح کے آئے ہوئے تھے۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد شمائم اور دل افروز نے مل کر شام کا مینیو منتخب کر کے کھانا پکا لیا تھا۔ اپنوں سے ملنے کی اس قدر خوشی تھی کی تھکن کا شائبہ تک نہ تھا۔ اب بھی دل افروز چائے بنا کر سب کو سرو کر رہی تھی۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے امی۔ یہ بھی اچھا ہے کہ سب یہیں موجود ہیں۔"

چائے کا کپ تھامے خرم نے سنجیدگی سے سروت بیگم کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے خرم۔"

سروت بیگم ایک دم سیدھی ہوئیں۔

"میں آپ کو کسی سے ملوانا چاہتا ہو۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس سے مل کر خوش ہوں گی۔"

وہ سنجیدگی سے ان کا ہاتھ تھام کر گویا ہوا۔

"جینڈر تو بتائیں۔"

شمائم کی شوخ سی آواز ابھری تھی۔

سروت بیگم کے تاثرات بھی خاصے نافہم سے تھے۔

"افکورس یار لڑکی ہی ہے۔مزینہ نام ہے اس کا۔ بااخلاق اور ملنسار لڑکی ہے۔بہت جلدی سب میں گھل مل جاتی ہے۔"

خرم کے بتانے پر سروت بیگم نے جانچتی نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔

"تو یہ وجہ ہے تمہارے دیر سے گھر آنے کی۔"

وہ قدرے مشکوک ہوئیں۔

"ارے امی بالکل بھی نہیں۔میں تو ملتا ہی نہیں ہوں اس لڑکی سے۔ہاں کبھی اتفاقیہ ملاقات ہو جائے تو وہ الگ بات ہے۔"

خرم نے اب ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"دیکھ لیں امی بیٹا ہاتھ سے نکل گیا۔"

شمائم نے لگے ہاتھوں تیلی لگائی جس پر خرم واقع سلگ گیا۔

"تم چپ رہو مس فائر۔"

وہ گھور کر بولا۔

"خرم مجھے سب کچھ سیدھے سیدھے بتاؤ۔"

وہ واقعی خفا نظر آ رہی تھیں۔

خرم نے انہیں سب کچھ بتا دیا کہ وہ کیسے اردشیر کے توسط سے اس سے ملا تھا اس سے قبل پہلی بار اسے کلینک میں دیکھا تھا وغیرہ وغیرہ۔

"پھر کب جا رہی ہیں آپ؟"

اس نے لجاجت سے پوچھا گیا۔

"دیکھوں گی وقت ملا تو جاؤں گی۔"

انہوں نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔

"امی یہ بہت غلط بات ہے۔"

خرم احتجاج میں چیخا تو سب کی ہنسی چھوٹ گئ۔ سروت بیگم نے بیٹے کے کان کھینچے۔

"مجھ سے نہیں چھپنے والی تمہاری یہ بے قراریاں و بے تابیاں معاملہ تو پسندیدگی سے آگے کا ہے بولو ہے ناں۔"

خرم نے بیچارگی سے انہیں دیکھا تو سروت بیگم نے کان چھوڑ دیے۔

"اب ایسے نہ منہ بسورو میں کل صبح ہی اپنے بیٹے کی پسند کی ہوئی لڑکی سے مل کر آؤں گی۔ میرے خرم کی پسند مجھے یقین ہے اتنی ہلکی نہیں ہو گی۔"

خرم ان کی بات پر ٹھٹھکا۔

"امی وہ کوئی ہائی کلاس میں موو کرنے والہ لڑکی نہیں ہے۔ آپ کسی بھول میں تو نہیں ہیں ناں۔ مزینہ کا تعلق غریب طبقے سے ہے۔"

خرم نے بروقت انہیں سچائی سے آگاہ کیا۔

"تم پریشان کیوں ہو رہے ہو خرم۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے یوں بھی انسان دل کا امیر ہونا چاہیے۔ اخلاق کی فراوانی ہونی چاہیے۔ باقی ساری چیزیں بعد کی ہیں۔ میں لڑکی کی ماں سے ملوں گی ان شاءاللہ مجھے اگر ٹھیک لگا تو تمہیں کل ہی اچھی خبر سننے کو ملے گی۔"

بیٹے کا گال سہلاتے انہوں مسکرا کر کہا۔

"ویری فاسٹ یار۔"

ارتضٰی نے اسے سراہا تو وہ سر کو خم کر گیا۔

****

حماس کو ریڈی کر کے وہ نیچے کچن میں آ گئی تھیں۔ حماس نے ٹیبل سے روشنی کا موبائل اٹھایا اور اپنے ہاتھ میں پکڑا کاغذ کے رقعہ پر درج نمبر ڈائل کر کے کان سے لگایا۔

"السلام علیکم بابا جانی۔"

زوالقرنین صبح ہی صبح انجان نمبر دیکھ کر چونکا تھا اس سے بھی زیادہ حیرت اسے فون سے ابھرتی حماس کی آواز سن کر ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام! کیسے ہو چیمپئن۔"

مسکراہٹ اپنے آپ اس کے لبوں پر ٹھہری تھی۔

"آپ کا چیمپئن اچھا ہے۔ آپ کیسے ہو؟"

حماس کی معصوم سی آواز ابھری۔

"میں ٹھیک ہوں کیونکہ میرا بیٹا بالکل ٹھیک ہے۔"

زوالقرنین نے مسکرا کر کہا۔

بابا آج آپ مجھے سکول لینے آئیں ناں۔ میرے سارے دوستوں کے ڈیڈی انہیں لینے آتے ہیں۔ ایک میرے ہی بابا جانی نہیں آتے۔ آپ آئیں گے ناں۔"

ننھے حماس کی محرومی پر زوالقرنین کا دل کٹ گیا۔ لب دبائے وہ اس کی معصوم سی خواہش سن رہا تھا۔ اس کے لہجے میں آس کے دیے روشن تھے کیا وہ ان دیوں کو بجھانے کی سکت رکھ پائے گا۔

بے اختیار دماغ ماضی کی کتاب کے زرد پنوں سے الجھنے لگا۔

"وہ تمہارا بیٹا ہے۔ تمہیں اس کی ہر خواہش پوری کرنی ہے۔ میں نہیں چاہتا حماس کسی محرومی کا شکار ہو۔"

کھڑکی کے پردے ہوا سے پھڑپھڑائے تھے۔ اس نے گہری سانس لی۔

"حماس کس سے بات کر رہے ہیں؟"

وہ حماس کو ناشتے کے لیے بلانے آئی تھیں مگر اس کی گفتگو سن کر دہلیز پر ہی پاؤں منجمد ہو گئے تھے۔

حماس نے خوفزدہ ہو کر نفی میں گردن ہلاتے موبائل کمر کے پیچھے چھپالیا۔

روشنی خطرناک تیور لیے حماس کی طرف بڑھی تھیں ایک جھٹکے سے موبائل چھین کر بیڈ پر اچھالا تھا۔

"کس سے بات کر رہے تھے آپ؟ کس کو بابا بول رہے تھے؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بابا اللہ تعالی کے پاس چلے گ ئے ہیں اور اب کبھی واپس نہیں آئیں گے۔"

وہ جانتی تھیں کہ ان کالاڈلا کس سے بات کر رہا تھا۔ان کی قوت برداشت جواب دے گئ تھی۔کیوں وہ زوالقرنین کو بابا کہہ کر انجانے میں اپنی ماں کو کسی غیر سے منسوب کر رہا تھا۔وہ دوہری اذیت کے عذاب سے گزرنے لگی تھیں۔جب جب وہ اس کو بابا کہتا تھا وہ کانٹوں پر لوٹنے لگتی تھیں۔یوں لگتا تھا بدن جگہ جگہ سے لہولہان ہو گیا ہو۔

حماس کو جھنجھوڑتے وہ چیخ اٹھی تھیں۔دوسری طرف زوالقرنین جو ساری گفتگو سن رہا تھا لب بھینچ گیا۔

"ماما اللہ نے مجھے بابا دیے ہیں۔میرے بابا نے ہی انہیں بھیجا ہے۔اب وہ میرے بابا ہیں۔"

گھبرایا گھبرایا سا حماس ماں کو دیکھ کر بتانے لگا کہ روشنی نے چیخ کر کہا تھا کہ اس کے بابا نہیں ہیں جبکہ اس کے بابا تھے پھر وہ ایسا کیوں کہہ رہی تھیں۔

روشنی سن کی سن رہ گئیں۔ کیا کہہ رہا تھا وہ۔

"دوسرے بابا نہیں ہوتے حماس۔ بابا صرف ایک ہوتے ہیں جو اللہ تعالی کے پاس جا چکے ہیں۔ کیوں نہیں میری بات سمجھ آتی آپ کو۔"

روشنی کی چیخنے چلانے کی آواز پر نوریز سحاب اور اردشیر تینوں ہی وہاں آگے پیچھے تیزی سے آئے تھے۔

ماں کا یہ انداز ننھے حماس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ روتے ہوئے وہ اردشیر کی ٹانگوں سے جا لپٹا۔

اس نے جھک کر اسے گود میں اٹھالیا۔

روشنی ہنوز روتے ہوئے چیخ رہی تھیں۔

"آپ کے بابا نہیں ہیں سمجھے آپ۔"

غصے سے آنکھوں میں سرخ ڈورے تیر گئے تھے۔

بے رنگ شفاف سیال گلابی عارضوں کو بھگوتا جارہا تھا۔وہ نرم طبیعت کی مالک تھیں اور فطرتاً ٹھنڈا مزاج رکھتی تھیں مگر حماس کی بے پر کی باتوں اور ضدی لب ولہجے نے ان کی کنپٹیاں سلگادی تھیں۔

"میرے بابا ہیں۔اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں۔"

حماس سسک کر ضدی لہجے میں گویا ہوا تھا۔

ننھے حماس نے ہونٹ باہر نکال کر رونا شروع کر دیا تھا۔اسے ماں سے خوف آنے لگا تھا جبکہ کال ہنوز جاری تھی۔

دوسری طرف وہ روشنی کی گفتگو پر ساکت وجامد رہ گیا تھا۔

"نہیں ہیں تمہارے بابا۔شیر اسے اچھی طرح سمجھادو کہ ہر ایرے غیرے کو بابا کہہ کر میرے کردار کو مشکوک نہ بنائے۔مجھے دنیا کے سامنے رسوانہ کرے۔مر چکے اس کے بابا۔قبر دکھالانا اسے۔یقین آجائے گا۔ورنہ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی خود کو رسوائی کے گڑھے میں دھکیلنے کے لیے۔"

وہ ہزیانی انداز میں چیختے ہوئے ڈھے گئی تھیں۔سحاب بے اختیار ان کی طرف بڑھی تھی۔

زوالقرنین نے کال کاٹ دی اس سے زیادہ سکت نہیں تھی سننے کی۔

فالحال کچھ کہنے کا وقت نہیں تھا وہ سحاب کو روشنی کا خیال رکھنے کا کہہ کر حماس کو لیے سکول روانہ ہوا۔ وہ گھر میں رہتا تو زیادہ ڈسٹرب ہو جا۔

****

مزینہ آج سکول نہیں گئ تھی۔ خرم نے اسے میسج کر کے اپنے گھر والوں کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر پھول گ ئے تھے۔ اس نے ساری بات زائشہ کے گوش گزار دی۔ اس نے اسے کہا تھا کہ وہ گھر کی صفائی کر کے رکھے اور خود بھی تیار رہے باقی کا کام وہ خود آ کر دیکھ لے گی مگر مزینہ کو اصل فکر اس بات کی تھی کہ اس کی اماں نے مہمان دیکھتے ہی ڈھیروں سوال داغ دینے تھے۔ زائشہ نے اسے حوصلہ دیا اور فالوقت منہ بند رکھنے کو کہا کہ خرم کو خالہ جانتی تھیں وہ دو دفعہ یہاں آ چکا تھا۔ اب ایسے میں وہ رشتے کے لیے اپنے گھر والوں کو بھیجتا ہے تو اس کی پوزیشن کلیئر تھی۔ زائشہ کی باتوں سے وہ قدرے ہلکی پھلکی ہوئی تھی۔ پھر گویا اس کے آنے تک گھر صاف ستھرا کر کے چادریں اور پردے تبدیل کیے اور کھانے کا انتظام دیکھنے لگی۔

اس کے آتے ہی وہ کھل اٹھی تھی۔ مہمان ابھی تک نہیں آئے تھے۔ پارس گھر میں تھی۔ خالدہ بیگم دوسرے کمرے میں آرام کر رہی تھیں۔

"تم تیار نہیں ہوئیں؟ مہمان کب تک آئیں گے؟ کچھ بتایا خرم بھائی نے؟"

زائشہ نے ستائشی نظروں سے کمرے کو ایک نظر دیکھ کر خفگی سے اسے تکتے سوال داغا جس پر وہ گھورنے لگی۔

"میں تو جیسے مسلسل رابطے میں ہوں ناں۔"

وہ طنزیہ بولی تھی۔

"مجھے کیا پتا یہ تو تم بہتر جانتی ہو۔"

مزینہ نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"لڑکی دیدے اندر کرو اور اپنے یہ دبنگ انداز بدلو ساس نے دیکھ لیے نے تو ایکسیپٹ سے پہلے ہی ریجیکٹ ہو جاؤ گی۔"

وہ ٹوک گئی۔

"ہائے اللہ نہ کرے۔"

اس کے برجستہ جواب پر زائشہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔اس نے دانت کچکچائے۔

"اونہوں۔دانتوں پر ظلم نہیں۔ خرم بھائی نہیں آرہے بھئی ان کی فیملی آرہی ہے۔"

ذو معنیٰ لہجے میں کہتے اس نے الماری سے اسے ہلکی پھلکی سی ایمبرائڈری والا لان کا پرنٹڈ سوٹ نکال کر دیا۔پارس بھی کاموں سے فارغ ہو کر وہیں چلی آئی تھی۔ کھانے کا انتظام اس کے ذمے لگاتی وہ کمرے کی اور بڑھی تھی کہ خالہ سے بات کر سکے۔

خالہ آنکھوں پر بازو رکھے نہ جانے سو رہی تھیں یا جاگ رہی تھیں اندازہ کرنا مشکل تھا۔

"خالہ سو رہی ہیں کیا۔"

"ارے نہیں بیٹا جوان بیٹی دہلیز پر بیٹھی ہو تو کہاں نیندیں آتی ہیں۔ تم کہو خیر سے آئی ہو۔"

وہ چونک کر بازو آنکھوں پر سے ہٹا کر سیدھی ہوئیں اور آزردگی سے کہتی اس کی آمد کے بارے میں استفسار کرنے لگیں کہ وہ سامنے ہوتے ہوئے بھی کم ہی چکر لگاتی تھی۔

"جی خالہ خیر سے آئی ہوں۔"

وہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"آپ فکر کیوں کرتی ہیں اللہ نے چاہا تو آپ بہت جلد مزینہ کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں گی۔"

مسکراتے ہوئے ان کے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر انہیں تسلی دیتے ہوئے انہیں بھی مسکرانے پر مجبور کر گئی۔

"خرم کو تو جانتی ہیں ناں آپ۔"

اس نے بات کا آغاز کیا۔

"وہی جو ڈاکٹر ہے دانتوں کا۔"

وہ پر سوچ انداز میں بولیں۔

"جی وہی۔"

زائشہ نے یقین کی مہر لگائی۔

"بڑا ہی بھلا مانس ہے۔اچھے خاصے کھاتے پیتے گھر کا بچہ ہے غرور و تکبر نام کو بھی نہیں ہے۔نیک اور فرمانبردار بھی بڑا ہے۔اس دن تو کھانا کھا کر ہی گیا تھا۔ورنہ ہم جیسے غریبوں کے گھر کا تو لوگ پانی بھی پینا پسند نہیں کرتے۔"

وہ اپنی ہی رو میں کہے جا رہی تھیں زائشہ کو بولنا پڑا۔

"خرم بھائی کے گھر والے آ رہے ہیں یہاں۔"

خالدہ بیگم نے چونک کر تھوڑی پر ہاتھ رکھتے زائشہ کو دیکھا۔

"وہ لوگ مزینک کے رشتے کے سلسلے میں آ رہے ہیں۔ دراصل خرم بھائی مجھ سے کافی دن سے اس بارے میں بات کرنا چاہ رہے تھے انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ اگر وہ اپنی فیملی کو بھیجیں تو آپ کو برا تو نہیں لگے گا میں نے کل انہیں بہت سوچنے کے بعد مثبت جواب دے دیا تھا اور آج ان کی فیملی آ رہی ہے میں صبح بتاتی آپ کو مگر مجھے دیر ہو رہی تھی سکول کے لیے اس لیے جلدی جلدی میں مزینہ کو بتا دیا کیا اس نے آپ سے ذکر کیا۔"

زائشہ نے انہیں تفصیل بتا کر تائید چاہی تھی۔ ان پر تو شادی مرگ کی سی کیفیت تھی۔ انہیں سمجھ نہیں آیا کہ خوشی میں روئیں یا ہنسیں۔

"اللہ میری بیٹی کے نصیب اتنے اچھے ہیں۔ وہ بار بار دستک دیتا رہا میں ہی نہ سمجھ سکی۔" مارے خوشی کے آنکھیں نم ہو چلی تھیں۔

"مزینہ نے جھجک کر مارے نہیں بتایا مجھے۔ گھر کا حال دیکھوں اٹھ کر مہمان آتے ہوں گے پتا نہیں لڑکی نے کچھ کیا بھی ہے کہ نہیں۔"

وہ پھرتی سے پلنگ سے اتر کر چپلیں پہننے لگی تھیں۔

"خالہ حوصلہ رکھیں سب کام ہو گئے ہیں۔ بس مہمانوں کا انتظار ہے۔"

بے اختیار انہوں نے زائشہ کا سر چوما تھا۔ وہ انہیں مزینہ کی طرح ہی عزیز تھی۔

خرم کی فیملی کچھ دیر پہلے ہی پہنچی تھی۔ خالدہ بیگم نے ان کی آؤ بھگت میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

تنگ و تاریک محلہ چھوٹی چھوٹی گلیاں دیکھ کر سروت بیگم کا دل ذرا بھی نہ گھبرایا تھا کہ ان کی سوچ تھی کہ ہیرے اکثر ایسی ہی جگہ پر پائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کا چھوٹا سا دو کمروں پر مشتمل گھر جدید طرز کا تو نہیں تھا البتہ نہایت صاف ستھرا ضرور تھا۔ شمائم اور دل افروز نے ستائشی نظروں سے کمرے کی نفاست کو سراہا تھا۔

کمرے میں ایک طرف پلنگ بچھا ہوا تھا جس کے سامنے ہی لکڑی کے پرانے طرز کے صوفے رکھے تھے غالباً خالدہ بیگم کی شادی کے وقت کے تھے۔ دیوار کے ساتھ لکڑی کی الماری رکھی تھی۔ کمرہ غیر ضروری اشیاء سے پاک اور قدرے کشادہ تھا۔

ارتضی اور عصمت صاحب ایک جانب بیٹھے ہوئے محو گفتگو تھے۔

مزینہ کو وہ لوگ دیکھ چکے تھے۔ تیکھے نین نقوش والی دبلی پتلی سی مزینہ انہیں بے حد پسند آئی تھی۔ اس سے چھوٹے موٹے سوالات، اس کی ذات اور پسند ناپسند و دلچسپی سے متعلق کرنے کے بعد انہیں اس کی حالت پر رحم آ گیا تھا، وہ بے حد کنفیوز ہو رہی تھی۔ فوراً سے بیشتر اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گئی تھی، وہاں زائشہ اور خالدہ بیگم موجود تھیں۔ نہ جانے وہ لوگ کیا بات چیت کر رہے تھے۔ اس کے ہاتھ پیر بے وجہ پھولنے لگے تھے۔ پارس اس کے پاس ہی تھی۔

”آپ کی بیٹی بہت پیاری ہے۔ بے حد سمجھدار اور گھر سنبھالنے والی، سلجھی ہوئی سی، کہاں ملتی ہیں آج کل گھر بسانے والی لڑکیاں۔“

ثروت بیگم نے صدق دل سے تعریف کی تھی۔

”ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ! آج کل کی نسل نے گھر گھرستی کو کھیل تماشہ ہی سمجھ لیا ہے مگر میری مزینہ کی پرورش میں نے بہت کڑے اصولوں پر کی ہے۔ماشاللہ سے بڑی قابل ہے اور پوراگھر سنبھال لیتی ہے۔کوکنگ شوکنگ کا بھی بڑاشوق ہے اس کو۔“

خالدہ بیگم لگتا تھا آج بیٹی کے سارے گرُ گنوانے کاارادہ رکھتی تھیں۔

”بس پھر جتنی جلدی ہوسکے ہماری سمجھدار بہو ہمارے حوالے کردیں۔“

سروت بیگم نے مسکراہٹ دبائی۔

”سو بسم اللہ جی۔“

وہ تو رب کی شکر گزار ہوئی جارہی تھیں۔

”پھر ٹھیک ہے، خالدہ بہن! مزینہ آپ کے پاس ہماری امانت ہوئی۔بہت جلد میں تاریخ لینے آؤں گی۔“

وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

”جی بہت بہتر۔“

انہوں نے سلیقے سے رضامندی دے دی تھی۔ جانے سے پہلے وہ مزینہ سے ملنے آئی تھیں۔

وہ جو اپنی ہی دُھن میں پلنگ پر بے ڈھنگے انداز میں قدرے ریلیکس ہو کر بیٹھی تھی، انہیں اندر آتے دیکھ فوراً سیدھی ہوئی اور دوپٹہ سر پر جمایا۔

"ارے ارے اتنا فارمل نہ ہوں بھئی۔"

شمائم اس کی ہڑبڑی پر ہنس دی تھی۔

"مجھے آپ کی اکلوتی نند ہونے کا شرف حاصل ہے اور یہ ارتضٰی بھائی کی وائف ہیں، دل افروز بھابھی، آپ تو اتنی پریشان تھیں کہ موقع ہی نہیں ملا تعارف کروانے کا۔"

شمائم نے تعارف کروایا۔ مزینہ شمائم کے اندازِ گفتگو پر ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

خالدہ بیگم نے رشک سے بیٹی کو دیکھا تھا۔ اوپر والے نے بیٹی دی تھی تو اس کا نصیب بھی ساتھ ہی دیا تھا۔ مزینہ کا رشتہ اچھے لوگوں میں طے پا گیا تھا۔ وہ یکدم ایک فکر سے آزاد ہوئی تھیں مگر ساتھ ہی بلال کا خوف دل میں بیٹھ گیا۔ ابھی تو اسے معلوم نہ تھا۔ انہیں اب اسے اور ستارہ جہاں کو بھی ہینڈل کرنا تھا۔

****

حماس کو وہ سکول لینے کے لیے نکلی تھیں مگر وہاں پہلے سے ہی زوالقرنین کو موجود دیکھ کر گویاان کے تن بدن میں آگ لگ گئ تھی۔آنکھوں سے شرارے پھوٹنے لگے تھے۔ایک بے نام سے تپش میں وہ خود کو سلگتا ہوا پا رہی تھیں۔اپنی بے بسی پر وہ غصہ تھیں کہ پہلے اس شخص نے انہیں کم بے بس کیا تھا جو وہ اب مزید ان کی بے بسی کا تماشہ دیکھنے یہاں تک آگیا تھا۔یک لخت دماغ میں نئ سوچ ابھری تھی کہ پہلے اس نے جان بوجھ کر انہیں اپنی سحر انگیز شخصیت میں الجھایا تھا جب بات نہیں بنی تو حماس کو سیڑھی بنا کر استعمال کرنا شروع کر دیا کہ نہ تو آج سے پہلے حماس نے کسی کو بابا کہا تھا نہ ہی وہ اس طرح ضدی ہوا تھا۔

ایک دم ہی انہیں سامنے کھڑے شخص سے نفرت محسوس ہونے لگی۔حماس کو گود میں لیے وہ مکار شخص کس قدر شفقت لٹا رہا تھا یوں جیسے وہی اس کا سگا باپ ہو۔

غصے سے انہوں نے قدم اس شخص کی جانب بڑھائے تھے۔

"ماما نے مجھے صبح ڈانٹا اور کہا کہ میرے بابا نہیں ہیں اور یہ بھی کہ آپ میرے بابا نہیں ہیں۔"

زوالقرنین کی گردن میں ہاتھ ڈالے ننھے حماس نے شکایتی انداز میں اپنی بات کہی۔

"ماما کو ابھی پتا نہیں ہے ناں۔"

اس نے مسکرا کر اس کے ماتھے پر بکھرے بھورے بال سمیٹے۔

"آپ انہیں گولڈن سکریٹ بتادیں ناں، پھر وہ غصہ نہیں ہوں گی۔"

وہ سمجھداری سے کہنے لگا۔

"نہیں! ابھی نہیں، ابھی تو وہ بہت غصے میں ہیں جب ان کا غصہ کم ہو جائے گا ناں، پھر ہم دونوں مل کر بتائیں گے۔"

اس نے حماس کے چھوٹے سے ہاتھ پر لب رکھ دیے۔

"یہ میرا بیٹا ہے، کس حق سے اس کے باپ بنے پھر رہے ہیں آپ۔ نیچے اتاریں اسے۔"

وہ چیخ کر بولی تھیں۔

زوالقرنین اسے دیکھ چکا تھا۔ قریب آتے دیکھ احتیاطاً خاموش ہو گیا تھا۔

"اگر اسے مجھے بابا کہنے میں خوشی ملتی ہے تو آپ کیوں بچے سے اس کی خوشی چھیننا چاہتی ہیں۔"

اس نے گہری نظروں سے اس کا سرخ چہرہ اور تنے ہوئے تاثرات نوٹ کیے تھے۔

"یہ اگر راہ چلتے بندے کو باپ کہنا شروع کر دے گا تو اس راہ چلتے باپ کو پتا ہونا چاہیے کہ معاشرے کے لوگ اس کی ماں اور اس کے اس راہ چلتے باپ کا کیا تعلق اخذ کریں گے۔اس کی خوشی کی خاطر میں اپنے دامن میں رسوائیاں سمیٹنے کی متمنی نہیں ہوں۔امید کرتی ہوں کہ آپ اس قسم کی بچکانہ حرکت سے پرہیز کریں گے۔"

اس نے حماس کو اس کی گود سے تقریباً کھینچ کر اتارا تھا اور ہاتھ پکڑ کر وہ پلٹ گئی تھیں لیکن جاتے جاتے قدم ٹھہرے ضرور تھے۔

"اور ہاں! میرے بیٹے سے اتنے ہی فاصلے پر رہیے گا جتنی کہ آگ پانی سے۔"

وارننگ دیتے لہجے میں کہہ کر وہ حماس کا ہاتھ پکڑتیں گاڑی میں بیٹھ کر دھول اڑاتی چلی گئیں۔

زوالقرنین کی نظروں نے دور تک گاڑی کا پیچھا کیا تھا حتیٰ کہ گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

****

شام میں ساجدہ بیگم کے گھر خاصی رونق لگ ہوئی ی تھی۔ خلافِ معمول سفیر سر اعجاز کے پاس نہیں گیا تھا۔

''مبارک ہو بھئی! بڑا لمبا ہاتھ مارا ہے۔''

سفیر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر گویا اسے چھیڑ دیا تھا۔ وہ تو بھنا ہی گئی۔

''ہاں اب تم شروع ہو جاؤ۔''

وہ تو پہلے ہی پارس سے تنگ آئی بیٹھی تھی۔

''نہیں میرے پاس اتنا فضول وقت نہیں کہ میں تم سے متھا خوری کرتا رہوں۔''

مسکراہٹ دباتا وہ صحن عبور کرتا کمرے میں گھس گیا۔

''خالہ دیکھا آپ نے۔''

وہ احتجاج چیخی۔

"اب یہ ایسے کرے گا۔"

وہ خفا ہوئی۔

"صحیح ہے بھئی صحیح ہے۔"

وہ ناراض سی ہو کر اٹھنے لگی تو زائشہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا لیا۔

"آرام سے ادھر بیٹھو! یہ ناز نخرے خرم بھائی کو دکھانا۔"

زائشہ نے چوٹ کی تو وہ گھور کر رہ گئی۔

****

رات جب خرم گھر آیا تو سب کو سنجیدہ دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ دل میں کہیں انجانہ سا خدشہ ابھرا تھا مگر اس نے وہم سمجھ کر ٹال دیا۔

کھانے کی میز پر بھی سب خاموش تھے۔ خرم سے رہا نا گیا تو چمچہ پلیٹ میں پٹخ کر پوچھ بیٹھا۔

"کیا مسئلہ ہے آخر؟ اتنے سیریس کیوں ہیں آپ سب؟ میں کب سے منتظر ہوں کہ اب کوئی کچھ بولے لیکن یہاں تو سب نے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے۔"

انداز میں جھنجھلاہٹ کے ساتھ غصہ کا عنصر بھی شامل تھا۔

”کیا بتائیں خرم؟ کیا سننا چاہتے ہو تم؟“

ارتضیٰ نے کھانے سے ہاتھ روک کر سنجیدگی سے سوال کیا۔ شمائم نے بولنے کے لیے لب وا کیے ہی تھے کے عصمت صاحب نے آنکھوں کے اشارے سے بیٹی کو خاموش کروادیا۔

”انہوں نے رشتے سے انکار کر دیا ہے۔“

ثروت بیگم کے سپاٹ انداز پر خرم ششدر رہ گیا۔ کتنے ہی لمحے وہ حیرت سے گنگ یونہی بیٹھا رہا۔

دل افروز کو اس کی حالت پر رحم آنے لگا تھا مگر ارتضیٰ نے میز کے نیچے ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا گویا فالحال خاموش رہا جائے۔ وہ خرم کے تاثرات سے حظ اٹھا رہے تھے۔

”ایسے کیسے انکار کر سکتے ہیں امی؟ کوئی وجہ تو ہو۔ اچھا خاصا پڑھا لکھا ہوں۔ ویلڈ سیٹیلڈ ہاؤس ہوں۔ الحمداللہ سے ڈاکٹر بھی ہوں۔ ان کی بیٹی کو ہر حال میں خوش رکھ سکتا ہوں۔ سب سے بڑی بات ہے میں مزینہ سے محبت کرتا ہوں۔ آئی کانٹ لیو ود آؤٹ ہر۔“

صدمے سے چور لہجے میں کہتے وہ آخر میں بے بسی کی انتہاؤں کو پہنچا تھا۔

”میں مزینہ کو اٹھا کر لے آؤں اگر سیدھی طرح نہیں مانتے تو الٹی طرح ہی صحیح۔“

وہ طیش میں آکر میز پر مکا مار کر ایک جھٹکے سے اٹھا تھا کہ اپنی پشت سے اٹھنے والے قہقہوں پر ایڑیوں کے بل گھوما۔

شمائم ہنس ہنس کر دوہری ہو رہی تھی۔ دل افروز نے بامشکل ہنسی کو روکا تھا۔ عصمت صاحب خود لاڈلے کے تاثرات پر دل کھول کر ہنس رہے تھے۔ سروت بیگم نے ڈانٹ ڈپٹ کر سب کو چپ کروایا۔

”بھئی یہ ایک چھوٹا سا مذاق تھا۔ وہ لوگ مان گئے ہیں اور ہمیں بھی لڑکی بہت پسند آئی ہے۔“

سروت بیگم کو بیٹے کی حالت پر ترس آگیا تھا۔

خرم نے بے یقینی سے سروت بیگم کی بات سنی اور اگلے ہی لمحے وہ انہیں بازوؤں میں اٹھائے گول گول گھمانے لگا تھا۔

”صاحبزادے کی خوشی دیکھیں! ابھی تو صرف رشتہ طے ہوا ہے تو یہ حال ہے۔“

ارتضیٰ نے ٹکڑا جوڑا۔

”مجھے تو لگتا ہے اپنی بارات میں ڈھول خود ہی بجاؤ گے مارے خوشی کے۔“

دل افروز نے بھی لگے ہاتھوں اسے چھیڑا۔

”ڈھول بھی بجاؤں گا اور ناچوں گا۔ وہ کیا کہتے ہیں، ہور کسے نا نا چن دوں گا کیلا ناچوں گا۔“

سروت بیگم کو چھوڑتے وہ شوخی سے بولا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے والا مذاق تو وہ خوشی میں سرے سے ہی فراموش کر چکا تھا۔ سروت بیگم چکراتے سر سے کرسی پر بیٹھ گئیں۔

”امی اب شادی میں دیر مت کیجیے گا۔ ہم لوگ بھی ابھی یہیں ہیں، کچھ دنوں میں تو قیر بھی آجائیں گے۔“

شمائم نے کھانے کے برتن سمیٹتے ہوئے کہا۔

”ہاں اگلے مہینے روحی کی بھی سکول کی چھٹیاں ہو جائیں گی اچھا موقع ہے، وہ اور خالہ بھی شادی میں شامل ہو جائیں گی۔“

دل افروز نے چائے سرو کرتے کہا۔

”ارادہ تو میرا یہی ہے۔ابھی تو صبیحہ سے بات کروں گی۔ پھر اگلے اتوار تک دیکھو ہو سکتا ہے شادی کی تاریخ رکھ آؤں۔“

دل افروز کے ہاتھ سے چائے کا کپ تھام کر وہ پر سوچ انداز میں بتانے لگیں۔

****

گھر کے ماحول میں عجیب بے نام سے خاموشی نے پنجے گاڑھے ہوئے تھے۔ کھانے کی میز پر روشنی نہیں تھیں البتہ حماس خاموشی سے سحاب کے ہاتھوں سے کھانا کھا رہا تھا۔اردشیر کے سوال جہاں تھے وہیں رہ گ ئے۔

روشنی بھابھی یوں کنی کترا جائیں گی اس کو ہرگز معلوم نہ تھا۔ کل کا ان کا عجیب جنونی انداز جہاں حماس کو سہا گیا تھا، وہیں اسے بھی حیرت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈال گیا تھا۔ بحر حال وہ ان سے پھر کبھی بات کرنے کا سوچ کر کمرے میں جا چکا تھا۔

سحاب حماس کو روشنی کے پاس چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ کر ابشام کو فون لگا چکی تھی۔ پورا دن یوں بھی وہ روشنی کی وجہ سے اپسیٹ رہی تھی اور ابشام سے بھی بات نہیں کر پائی تھی۔

اس کی آواز سن کر ہی بیقراریاں عود آئی تھیں۔ابشام کے پیار میں وہ اس قدر اندھی ہو چلی تھی کہ بس نہ چلتا تھا کہ حدود و قیود تک کو فراموش کر دیتی نہ جانے کون سی قوت نے اسے روک رکھا تھا یا شاید ابھی خون میں غیرت باقی تھی۔

پوری رات سحاب نے ابشام سے اپنی بے تابیاں بیان کرتے کالی کی تھی۔آنکھوں سے نیند غائب تھی اور جب آنکھوں سے نیند اڑ جائے تو ایسے لوگ دوسروں کی نیند اڑانے کا ہنر سیکھ چکے ہوتے ہیں۔

****

سفیر کام کے ساتھ ساتھ پڑھ بھی رہا تھا۔دن میں گیراج سنبھالتا اور شام میں سر اعجاز کے ساتھ بیٹھ کر ورک گردانی کرتا تھا۔اس کی رواں دواں زندگی میں ہلچل سحاب نے مچائی تھی۔زندگی کے پہلے ہی امتحان کم نہ تھے جو ایک کڑا امتحان مزید اس کی راہ تک رہا تھا۔وہ اکثر کسی کام سے یونیورسٹی جاتا تو اس پری پیکر کو دیکھ کر ضبط کے گھونٹ بھر کر رہ جاتا۔اسے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ کب وہ سر پھری گھمنڈی مغرور سی لڑکی اس کے دل میں آبسی۔وہ زندگی کے اس حسین مذاق پر دنگ ہی تو رہ گیا تھا۔وہ اس پر نگاہ ڈالنا بھی توہین

سمجھتی تھی۔ دوسری طرف مزنی سحاب کے رویے سے نالاں تھی۔ سفیر اسے سوبر اور سمجھدار لگا تھا۔ اس کا کوئی بھائی نہ تھا۔ سفیر کو اس نے بھائی مانا تھا بدلے میں سفیر نے بھی اسے بہنوں جیسا مان دیا۔ یوں دونوں میں دوستی ہو گئی۔

انہیں دنوں میں ایک بڑا خوشگوار سا دن تھا۔ سروت بیگم دل افروز اور ارتضیٰ کے ہمارہ خالدہ بیگم کے گھر مزینہ اور خرم کی شادی کی تاریخ طے کرنے آئی ہوئی تھیں۔

خالدہ بیگم کے ساتھ ان کی جیٹھانی بلال کی اماں ستارہ جہاں بھی موجود تھیں۔ معاملہ خاندان اور عزت کا تھا کہ وہ نہ بلاتیں تو مرحوم شوہر کے نہ ہونے کے ہزار طعنے دے دے کر ہی خاندان کے لوگ مار دیتے۔ خاندان میں صرف ایک بھائی کا گھر ہی تو تھا جبھی انہوں نے ستارہ جہاں کو بلا لیا ورنہ ان جیسی عورت کو وہ رشتے کی بھنک بھی نہ پڑنے دیتیں شادی میں بلانا تو دور کی بات تھی یہ اور بات تھی کہ انہوں نے ستارہ جہاں کو کیسے ہینڈل کیا جو مزینہ کا رشتہ بلال سے توڑنے اور کہیں اور جوڑنے پر قیامت برپا کرنے کو تھیں۔

اگلے ماہ شادی طے پائی تھی۔ اتنی جلدی شادی پر خالدہ بیگم پریشان ہو گئی تھیں مگر ارتضیٰ نے سہولت سے ان کی پریشانی بھانپتے ہوئے ہر چیز لینے سے انکار کر دیا تھا۔

”آنٹی آپ کو پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے اور جہیز کے لیے تو فکر مند بالکل بھی مت ہوں کہ ہمارا گھرانہ اس لعنت کے خلاف ہے۔ میری شادی کے وقت دل افروز سے بھی میں نے جہیز لینے سے انکار کر دیا تھا۔ گھر میں ضرورت کی ہر شے موجود ہے۔ یوں بھی کوئی چیز مزینہ کو چاہیے ہو گی تو وہ ضرورت پوری کرنا خرم کی ذمہ داری ہو گی۔ آپ بس بیٹی رخصت کرنے کی تیاری کریں اور جو چند دن اس کے اس گھر میں بچے ہیں اس کے ساتھ بیٹھ کر گزاریں۔ پھر کہاں بیٹیاں ہاتھ لگتی ہیں۔“

ارتضیٰ نے متانت سے کہتے آخر میں مسکرا کر ان کی دل جوئی کی تھی۔

ستارہ جہاں کو جب سے مزینہ کے رشتے کی خبر ملی تھی وہ تو کانٹوں پہ لوٹ رہی تھیں۔ وہ ان کے بیٹے بلال سے بچپن سے منصوب تھی۔ یہ خواہش ان کے مرحوم دیور کی بھی تھی۔ جاتے جاتے بھی وہ خواہش کا اظہار کرنا نہ بھولے تھے مگر ان کی دیورانی تو آج کل ہواؤں میں اڑنے لگی تھیں۔ بڑے بڑے خواب دیکھنے لگی تھیں۔ بچپن کی رشتے کو توڑ کر وہ نئے رشتے بنانے پر تلی تھیں۔ ستارہ جہاں تو صرف اپنے شوہر کی وجہ سے خاموش تھیں ورنہ یوں اپنے بیٹے کی منگ کو کسی اور کا ہوتے دیکھ کر بھلا وہ اینٹ سے اینٹ نہ بجا

دیتی۔ان کے لیے تو یہ غیرت کا مسئلہ تھا مگر ان کے شوہر اس مسئلے کے آڑے آ رہے تھے مگر پھر بھی ستارہ جہاں فطرتاً حاسدانہ مزاج رکھتی تھیں۔اب بھی جلن کے مارے بولنے سے باز نہ آئی تھیں۔

”جسے تم لعنت کہہ رہے ہو ہمارے ہاں اسے سیفٹی کہا جاتا ہے۔بیٹی کا مستقبل محفوظ رکھنے کے لیے سسرال والوں کا منہ بند کروانا بھی ضروری ہوتا ہے۔آج منع کر رہے ہو جہیز سے،کل کلاں کو ہماری بچی کو اسی حوالے سے طعنے دے رہے ہوں گے۔“

ستارہ جہاں کی زبان فراٹے بھر رہی تھی۔خالدہ بیگم نے گھبرا کر ساجدہ بیگم کو دیکھا جو ہنوز خاموش تھیں۔

”بھلا مرد اپنی فطرت سے باز آیا ہے کبھی۔ہم تو ٹرک بھر کر جہیز لائے تھے۔اس پر آج بھی کبھی کوئی طعنہ سننے کو مل جاتا ہے تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ہم اپنی بچی کو جہیز ضرور دیں گے۔“

ستارہ بیگم نے جھوٹ کا پلندہ باندھ دیا تھا۔ بیچارے جیٹھ جی نے تو ٹھیک سے ان کے جہیز کا سامان بھی گنتی نہیں کیا تھا۔ طعنہ تو دور کی بات تھی۔ ستارہ جہاں نے گویا قسم کھالی تھی مزینہ کا سکھ حرام کر کے رہیں گی۔

اگلے کمرے میں بیٹھی مزینہ نے دانت پر دانت جما کر غصہ کنڑول کیا تھا۔ زائشہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے شانت کرنے کی کوشش کی۔

"آپ کے خدشات اپنی جگہ درست ہیں۔ ہم بھی بیٹی والے ہیں، سمجھ سکتے ہیں مگر پھر بھی میں جہیز لینے سے انکاری ہوں۔ ہاں! حفظِ ماتقدم کے طور پر میں نکاح نامے میں یہ بات تحریر کروادوں گا کہ خرم جہیز کو لے کر زندگی میں کبھی بھی مزینہ سے کسی قسم کی کوئی بازپرس نہیں کرے گا، نہ ہی طعنہ تشنی کرے گا۔ میرے خیال میں اتنا کافی ہو گا۔" سنجیدہ لہجے میں کہتے ارتضیٰ نے ان کا یہ اعتراض گویا ردی کی ٹوکری میں اٹھا پھینکا تھا۔

"نہیں بیٹا اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خرم دیکھا بھالا بچہ ہے۔ پھر میں جانتی ہوں اسے۔ بھروسہ بھی کسی چڑیا کا نام ہے بیٹا۔ اللہ کا نام لے کر بیٹی آپ کے حوالے ہے اب۔"

خالدہ بیگم نے بروقت بات سنبھالی تھی۔ستارہ جہاں کو تو وہ بعد میں دیکھنے کا قصد کر چکی تھیں۔بیٹی کی شادی میں کوئی بدشگونی نہیں چاہتی تھیں۔

"تو پھر ٹھیک ہے اب اجازت دیں۔"

ارتضیٰ نے کھڑے ہو کر کوٹ کے بٹن درست کیے تھے۔

سفیر کی کال آئی تھی تو وہ سفیر کے کھانے کا انتظام کرنے کے لیے مزینہ کو کہہ کر گھر آ گئی تھی۔وہ کچن سے فارغ ہو کر کمرے آ گئی۔دوپٹہ ایک کاندھے پر لٹک رہا تھا۔وہ شیشے میں دیکھ کر اپنے سلکی بالوں کو سنوارنے لگی۔یک لخت اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا۔وہ فوراً سے پیشتر پلٹی۔اردشیر دہلیز پر کھڑا دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔بدحواسی میں دوپٹہ سنبھالتے وہ لڑکھڑا سی گئی۔اردشیر نے پھرتی سے اسے بازو سے تھام کر کھڑا کیا۔زائشہ کی جان لبوں پر آ گئی۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔مہربانی کر کے جائیں۔کوئی بھی کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔"

وہ سخت لہجے میں بول کر رخ موڑ گئی۔دوپٹہ تیزی سے سر پر جمایا۔

"بھابھی پوچھ رہی تھیں آپ کے بارے میں۔"

اردشیر کی بات پر وہ گھبرا کر پلٹی۔

"تو آپ نے کیا کہا؟"

اس کے لہجے میں اندیشے بول رہے تھے۔ آنکھوں میں خوف سا در آیا تھا۔

"یہی کہ میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں اور بہت جلد آپ سے شادی کرنے والا ہوں اور یہ کہ آپ بھی مجھ سے محبت کرتی ہیں۔"

گہری بے بسک نظروں سے اس کے سادگی بھرے حسین چہرے پر نگاہ ڈالتے وہ گھمبیر لہجے میں بولا۔

"آپ کو شرم آنی چاہیے جھوٹ بولتے ہوئے۔"

وہ شرم سے سرخ پڑتی پلکیں لرزا گئی۔

"جھوٹ کہاں ہے۔ سچ ہی ہے۔ آج نہیں تو کل آپ کو مجھ سے محبت ہو جائے گی۔ عورت مرد کی محبت سے جیت نہیں سکتی۔ اس کا ساتھ اس کی نظریں اس کا لمس اسے خود بخود محبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی مجھ سے محبت ہو جائے گی۔"

اس کے کندھوں پر دباوڈالتا اس کی اور جھکتا وہ سر گوشی بھرے انداز میں بولا تو اس کی سانسوں کی تپش پر زائشہ کا چہرے جھلسنے لگا۔اس کی بے انتہا قربت پر وہ چکرا رہ گئی۔اس نے ایک جھٹکے سے اس کے بازو ہٹائے اور دو قدم دور ہو کر نفرت سے اسے دیکھا۔

"ہاتھ مت لگایا کریں مجھے۔ملکیت نہیں ہوں آپ کی. فاصلے پر رہ کر بات کیا کریں خدارا اور یہ محبت کا ڈھونگ ختم کریں اب آگے بڑھ کر کسی اور پر ٹرائی کریں۔"

وہ چیخ کر بیزاریت بھرے انداز میں اس کی طبیعت صاف کرتی بولی اور اس کی سائیڈ سے نکلنے لگی تھی کہ اردشیر کی آواز پر اس کے قدم یک لخت ساکت ہو گئے۔دل بے ہنگم آواز میں دھڑکا تھا۔

اتنے ظالم نہ بنو کچھ تو مروت سیکھو غالب

تم پہ مرتے ہیں تو کیا مار ہی ڈالو گے غالب

اس کے گلابی آنچل کا کونہ تھام کر وہ دلکش لہجے میں بولا تو زائشہ کے رخسار تمتما اٹھے۔خفت سے پلکیں لرز کر رہ گئیں۔وہ ایک جھٹکے سے آنچل چھڑواتی دوسرے کمرے

میں گم ہو گئی۔ توارد خیر گہری سانس خارج کرتا ایک نظر کمرے کے بند دروازے پر ڈال کر باہر نکل گیا۔

"میں کچھ نہیں جانتا تم آج مجھ سے ملنے آ رہی ہو بس"!

ابشام کے صبر کا پیمانہ گویا لبریز ہو چکا تھا۔

"ابشام آپ سمجھنے کی کوشش کریں، میں نہیں مل سکتی آپ سے۔ بھابھی کو شک ہو گیا ہے اور اگر نوریز بھائی کو بھنک بھی پڑ گئی تو شیر بھائی تو شاید مجھے بخش دیں مگر نوریز بھائی مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

وہ آنے والے وقت کا تصور کرتی بے بسی سے ابشام کو سمجھانے کی سعی کر رہی تھی۔

وہ دونوں یونیورسٹی کے قدرے پر سکون گوشے میں بیٹھے تھے۔

سحاب زیادہ تر ابشام کے ساتھ ہوتی تھی۔ مزنی نے اسے سمجھانے کی جی توڑ کوشش کی تھی مگر نتیجہ زیرو دیکھ کر اس نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

ابشام کرمانی پارٹی سے ڈیل کر چکا تھا اور اس رات ڈنر کروانے کے بہانے وہ سحاب کو پارٹی سے ملوانے لے گیا تھا۔ یوں تو وہ اس کی کئی تصویریں بھی انہیں ارسال کر چکا تھا مگر پارٹی

روبرو دیکھنے پر بضد تھی کہ انکے باس کا حکم تھا کہ لڑکی محض تصویر میں ہی نہیں اصل میں بھی خوبصورت ہونی چاہیے اور مارکیٹ میں ایسی ہی لڑکیوں کی مانگ تھی جو بے بہا خوبصورت اور نزاکت والی ہوں۔

سحاب اس رات کے بعد سے اس سے ملنے نہیں آئی تھی۔ ورنہ وہ دوسری ملاقات میں ہی اسے پارٹی کے حوالے کر دیتا۔ دوسرا اسے یہ کام اس طرح کرنا تھا کہ وہ خود سحاب کی نظروں میں برا نہ بنے بلکہ بیک پر رہ کر سارا کام انجام دے۔

سحاب کی نظروں میں اس کے لیے جو محبت اور عزت تھی، وہ برقرار رہے۔ عجیب سوچ تھی اس کی۔ نہ جانے کیوں سحاب کی محبت اسے پسند تھی مگر وہ شاید مجبور تھا۔ یہ اس کا دھندا نہ ہوتا تو شاید وہ سحاب کی محبت کے بدلے اس سے محبت کر لیتا۔

پارٹی کے فون پر فون آرہے تھے اور ادھر سحاب کی وہی تکرار تھی۔ اس لیے آج وہ اس سے دوٹوک بات کرنے کے لیے اسے ایک طرف لے گیا تھا۔

"اپنی زندگی کی تمہیں کس قدر پیاری ہے سحاب اور ادھر میں جو تمہارے ہجر و فراق میں بن جل کی مچھلی کی مانند تڑپ رہا ہوں اس کا کیا؟ کیا تمہیں میری تڑپ نہیں دکھتی؟ محبت

میں تو نہ جانے اور ابھی کتنے امتحان آئیں گے سحاب! تم ابھی سے ڈگمگا گئیں یا پھر میں یہ سمجھوں کے تمہارے جذبوں میں سچائی نہیں محض وقت گزاری شامل ہے۔بے وفا ہو تم۔"

ابشام کرمانی نے اسے لفظوں کی مار ماری اور دوسری طرف سحاب نے تڑپ کر لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔

"ایسا مت کہیں ابشام! میں بے وفا نہیں ہوں۔بس وقت اور حالات کے ہاتھوں مجبور ہوں۔میرے جذبے وفاؤں کی تازگی سے مہکتے ہوئے ہیں۔کیا آپ نے کبھی ان جذبوں کی خوشبوں کو محسوس نہیں کیا۔"

وہ نمناک لہجے میں شکوہ کناں ہوئی ی تھی۔

"تمہارے جذبوں سے کون کافر منکر ہے میری جان! مگر محبت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔"

ابشام نے جذباتی وار کیا تھا مگر نہ جانے کیوں دوسری طرف سحاب پر ہر وار خالی جا رہا تھا۔

"میں نہیں آسکتی۔"

وہ بے بسی سے لب کچل گئ۔

”سوچ لو سحاب! تمہارے اس قدم پر ہمارے درمیاں صدیوں کی دوریاں بھی آسکتی ہیں۔ میں بھول جاؤں گا کہ میں نے کسی سے محبت کی تھی۔ کسی کے جذبوں کو پزیرائی بخشی تھی۔ کسی کو اپنے دل کی سب سے اونچی مسند پر بٹھایا تھا۔“

سرد مہری سے کہتے وہ سحاب کے جسم سے روح کھینچ گیا تھا۔

سحاب جو ساکت سی اس کے الفاظ کے نشتر سہہ رہی تھی۔ یک لخت اس کے وجود میں جنبش ہوئی تھی۔ وہ سسک پڑی تھی۔ ابشام سے جدائی کا تو وہ خواب میں بھی نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ کجا کہ حقیقت میں۔

”اگر محبت کا یہی تقاضہ ہے تو یہی سہی۔ کہاں ملنا ہے؟“

اپنے آنسوؤں پر بند باندھتی وہ آخری داؤ بھی ہار گئ تھی۔

”میرے فلیٹ پر آج رات دس بجے۔“

ابشام نے وقت اور جگہ بتائی۔

”رات میں کیوں؟ ہم دن میں بھی تو مل سکتے ہیں ناں؟ میں یونی بنک کر لوں گی اور فلیٹ پر نہیں کہیں باہر کسی پکنک پوائنٹ پر ملیں گے۔“

ابشام پراسرار سا مسکرایا تھا۔

”ٹھیک ہے میری جان! میں تمہاراانتظار کروں گا۔ تم نے میری بات کا مان رکھ کر مجھے معتبر کر دیا ہے۔ تم نہیں جانتیں کہ میں کتنا خوش ہوں۔“

خلاف توقع وہ بغیر کسی بحث کے راضی ہو گیا تھا جبکہ سحاب کو ہر گز اس کے اتنی جلدی مان جانے کی توقع نہیں تھی مگر وہ مطمئن ہو گئی تھی کہ اس نے اپنی طرف سے ایک مصیبت کا رخ موڑا تھا، بغیر یہ جانے کہ وہ مصیبت پلٹ کر پھر اسی کے دامن سے لپٹنے والی ہے۔

****

آج نہ معلوم کیوں اسے روشنی سے ملنے کا دل چاہا تھا۔ اس نے ساجدہ بیگم سے ذکر کیا تو انہوں نے اسے اجازت دے دی۔ سفیر سر اعجاز کے گھر جاتے وقت اسے روشنی کے گھر چھوڑ گیا تھا۔

ملازمہ سے وہ روشنی کے کمرے کا پوچھ کر اس کے کمرے کی طرف چلی آئی تھی۔ کمرے کا دروازے کھلا تھا۔ حماس بیڈ پر بیٹھا کاپی پر جھکا ہوا پینسل سے کچھ لکھ رہا تھا۔ قریب ہی روشنی سنجیدہ صورت لیے بیٹھی تھیں۔ شاید ہوم ورک کروا رہی تھیں۔

زائشہ نے دروازہ انگلیوں کی پشت سے ہلکا سا بجایا۔ روشنی اور حماس بیک وقت متوجہ ہوئے تھے۔

روشنی نے حیرت سے زائشہ کو دیکھا۔ پہلے کبھی وہ اس طرح ان کے گھر نہ آئی تھی۔ وہ خلاف توقع خوش ہو کر اس سے ملی تھیں اور ہاتھ پکڑ کر اسے صوفے پر بٹھا کر خود نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھیں۔

”تم یہاں بیٹھو، میں بس ابھی آتی ہوں۔“

حماس کی آنکھیں چمکی تھیں۔

وہ بیڈ سے اتر کر اس کے پاس آ کر ہاتھ ملانے لگا۔

”نانو نہیں آئیں۔“

حماس نے پوچھا۔

زائشہ نے مسکراہٹ دبائی۔

''نہیں وہ بعد میں آئیں گی۔''

زائشہ اس کا گال چوم کر جواب دیا۔

''حماس زرینہ (ملازمہ) سے کہیں کہ باقی ہوم ورک کروادیں آپ کو۔''

روشنی نے اسے کہا تو وہ اپنی کتابیں کاپیاں سمیٹ کر کمرے سے نکل گیا۔

''کیسی ہو اور آج یہ چاند میرے آنگن میں کیسے اتر آیا۔''

اس کے برابر میں بیٹھ کر روشنی نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ وہ اسے یہاں دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔ زائشہ سے انہیں یوں بھی انسیت تھی کچھ اردشیر کے حوالے سے بھی وہ انہیں بہت عزیز تھی۔ روشنی کے اتنی اپنائیت اور والہانہ پن پہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ وہ جھینپ سی گ ئی تھی۔

''یہ تو چاند کے ساتھ زیادتی ہو گی۔''

اب کے وہ آسودہ سی مسکرائی تھی۔

''انہوں! بالکل بھی نہیں۔''

روشنی اس کے انداز پر نفی میں گردن ہلانے لگیں۔

''کس کے ساتھ آئی ہو اور گھر میں سب ٹھیک ہیں؟ پارس اور مزینہ کو بھی لے آتیں۔''

وہ سب کا حال احوال دریافت کرتیں شکوہ کناں ہوئیں۔

''سفیر کے ساتھ آئی تھی۔ گھر میں سب ٹھیک ہیں۔ پارس امی کے پاس رک گئی تھی اور مزینہ کا رشتہ طے ہو گیا ہے۔ اگلے مہینے کی چھبیس کو شادی ہے محترمہ کی۔''

زائشہ نے مختصراً اسے بتایا۔

اس کی اگلی بات پر شاکڈ ہی تو لگا تھا انہیں۔

''یہ کیا سین ہے؟ کچھ دن پہلے تک تو ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔''

دروازے میں لوازمات سے بھری ٹرے تھامے کھڑی ملازمہ کو سر کے اشارے سے اندر آنے کا کہتی وہ حیرت ظاہر کر گئیں۔

''شاید اسے ہی نصیب کہتے ہیں۔''

اس کا انداز مبہم تھا۔

''حماس اپنے بابا کو بہت مس کرتا ہو گا ناں۔''

زائشہ کی نظر بے اختیار رمیز کی تصویر پر ٹھہر سی گئی۔

"ہاں کرتا تو ہے، دوسرے بچوں کو جب دیکھتی ہوں تو شدت سے حماس کی محرومی کا خیال ستاتا ہے۔ میں ماں ہوں اس کی۔ ہر خواہش پوری کر سکتی ہوں۔ پر اس کے بابا کو تو زندہ نہیں کر سکتی ناں۔"

وہ یاسیت سے بولیں۔ زائشہ کا دل روشنی کی حالت پر کٹ گیا۔

"زندگی کسی ایک انسان پر تو نہیں رکتی۔ کسی ایک کے جانے سے ہم خود کو قطرہ قطرہ موت کے منہ میں تو نہیں دھکیل سکتے ناں۔ یہ تنہائیاں کال بن کر اتر جاتی ہیں انسان میں۔ حماس ابھی بہت چھوٹا ہے روشنی۔"

زائشہ نے مدھم لہجے میں کہا۔

"زائشہ پلیز! میں اپنی زندگی کے تمام دروازے بند کر چکی ہوں۔ رمیز کے بعد دل کی دنیا میں اور کسی کی گنجائش نہیں۔"

زائشہ کی باتوں نے روشنی کو دوہری اذیت پہنچائی تھی۔ شدید تکلیف میں زائشہ کی بات قطع کرتے وہ دوٹوک انداز میں بولی تھیں۔

زائشہ کو بہت دکھ ہوا۔ عمر ہی کیا تھی روشنی کی۔رنگوں سے کھیلنے کی عمر میں وہ بے رنگ ہو کر رہ گئی تھی۔زندگی بھی کیسے کیسے امتحان لیتی ہے۔ایک انسان کو اس کے صبر سے زیادہ آزماتی ہے۔

”بہت بہت معذرت ! میری باتوں سے تمہارا بہت دل دکھا ہے مگر میں تمہیں ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتی ہوں۔میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ خوش رہو۔تمہارے چہرے پر ویسی ہی بہاریں لوٹ آئیں جیسی کبھی رمیز بھائی کے زندہ ہوتے ہوئے ہوا کرتی ہونگی۔“

وہ مسکرا کر گویا ہوئی۔

”معافی مانگ کر شرمندہ مت کرو یار“!

روشنی مسکرادیں۔

”ہر وقت الجھی الجھی پریشان مت رہا کرو۔ہم اچھی دوستیں ہیں۔کوئی بات ہو تو شیئر کر لیا کرو۔اندر ہی اندر گھٹتی نہ رہا کرو۔یوں تو حماس بھی ڈسٹرب رہنے لگے گا۔ایک ماں ہی تو ہے اس کے پاس۔“

ڈھکے چھپے لفظوں میں زائشہ نے اسے گویا تلقین کی تھی۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر میں کیا کروں۔نہ جانے کیوں زندگی میں کچھ باقی ہی نہیں رہا۔دنیا کی رونقیں بھی بے اثر لگتی ہیں۔"

ان کے انداز میں تھکن سی اتر آئی۔

"اچھی بات ہے یہ دنیا کی رونقیں دل لگانے کے لیے ہیں بھی نہیں۔ایک بات کہوں روشنی! پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھا کرو۔اللہ سے محبت کرو۔سجدے میں اس رب سے دلی سکون مانگو۔"

زائشہ نے کہا۔

"میرا دل نہیں کرتا پڑھنے کو۔پڑھتی ہوں تو نماز میں دل نہیں لگتا۔"

روشنی کی صاف گوئی پر زائشہ مسکرادی تھی۔

"اس مسکراہٹ کی وجہ۔"

روشنی کے خیال میں وہ بے بات مسکرائی تھی کہ اگر کوئی وجہ تھی تو وہ لاعلم تھی جبھی پوچھ لیا۔

”دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو ہوتے کچھ ہیں اور دکھتے کچھ ہیں۔یعنی ان کا ظاہر ان کے باطن سے جدا ہوتا ہے۔

ایسے لوگوں کی دو اقسام ہوتی ہیں۔پہلی قسم کے لوگ شرمندگی کے مارے ایسا کرتے ہیں جبکہ دوسری قسم میں آنے والے لوگ واہ واہ بٹورنے کی خاطر ایسا کرنے میں دلچسپی لیتے ہیں۔

یہ دونوں ہی منافقت کرتے ہیں اور منافق کہلاتے ہیں۔“

زائشہ نے اسے سمجھایا۔

”میں سمجھی نہیں۔“

روشنی نے کم فہمی کا مظاہرہ کیا۔وہ واقع ہی نہیں سمجھ سکی تھیں۔

”تمہیں دیکھ کر کچھ یاد آگیا، کہو تو بتاؤں۔“

”ضرور بتاؤ۔میں سن رہی ہوں۔“

ا۔ منافقین جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کو بھی علم ہے کہ آپ یقینا اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے یہ منافقین یقینا جھوٹے ہیں۔"

)سورۃ منافقون۔آیت نمبر۔ ۱(

"یہاں اس آیت کا کیا ذکر۔ یہ تو سمجھ آ گی کہ منافقوں کے بارے میں ہے۔"

روشنی نے استفسار کیا۔

"بتاتی ہوں۔ مدینے میں دو قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے۔ان میں آپس کی خانہ جنگی سے تنگ آکر ایک شخص کی قیادت میں متحد ہونے پر اتفاق ہوا اور قیادت کے لیے قبیلہ خزرج کے سردار عبداللہ ابن اُبی بن سلول کو بادشاہ بنانے پر متفق ہو گئے یہاں تک کے اس کے لیے تاج بھی بنالیا گیا تھا۔ اسی اثنا میں مدینہ میں اسلام کا اثر نفوذ شروع ہوا اور دونوں قبیلوں کی بااثر شخصیات نے اسلام قبول کر لیا جس کی وجہ سے عبداللہ ابن اُبی بادشاہ نہ بن سکا۔

بعد میں اگرچہ اس نے بھی زبان پر کلمہ اسلام جاری کیا مگر اس کے دل میں اسلام کے خلاف نفرت موجزن تھی۔ اس نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر وہ سب کے سامنے خود کو مسلمان ہی ظاہر کرتا تھا۔

مختلف جنگوں میں اس نے اپنی منافقانہ سازش کے ذریعے لشکر اسلام کو کمزور کرنے کی کوشش بھی کی۔ جنگ احد میں اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ جنگ سے الگ ہو گیا جب مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ جنگ کی صورت بن گئی تو اس نے یہودیوں کی حمایت کی جبکہ وہ اسلام قبول کر چکا تھا۔ مسلمان تھا۔

غزوہ بن مصطلق کے موقع پر اس کی منافقت کھل کر سامنے آگئی کہ اس نے اپنے ساتھیوں سے ایک مجلس میں کہا: تم اصحاب محمدؐ سے ہاتھ روک لو۔

پتا ہے روشنی وہ شخص منافق تھا۔ ظاہر میں کچھ اور باطن میں کچھ۔

تم کھری ہو بالکل صاف شفاف۔ بغیر کچھ سوچے سمجھے یا شرمندگی محسوس کر کے جھوٹ بولنے کے بجائے تم نے سچ کہا کہ میرا دل نہیں کرتا پڑھنے کو۔ پڑھتی ہو تو نماز میں دل نہیں لگتا۔

تم چاہتیں تو میرے سامنے اپنا پردہ رکھنے کو یہ بھی کہہ سکتی تھیں کہ میں نماز پڑھتی ہوں مگر تم نے ایسا نہیں کیا کیونکہ تم سچی ہو اور سچے لوگ بے شک اللہ کو بہت پسند ہیں۔''

روشنی بہت دلچسپی سے زائشہ کی باتیں سن رہی تھیں۔ان کے تو گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی۔

''تم بہت اچھی باتیں کرتی ہو۔''

روشنی نے بے اختیار کہا۔

''تم نماز پڑھا کرو۔

اللہ تعالی سورۃ المومنون میں فرماتا ہے۔

ا۔وہ ایمان والے یقینا فلاح پا گئے

پھر دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ

۲۔جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں،

وہ مؤمن کامیاب وکامران ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ: وہ مؤمن جو نماز پڑھتے ہیں کیونکہ نماز پڑھنا مؤمن کے لیے شرط اول ہے، آگے کی کامیابی کے لیے خشوع کا ذکر ہے۔ سمجھ گئیں تم۔"

زائشہ کا نرم لہجہ چاشنی سی باتیں سن کر روشنی سحر زدہ رہ گئی تھیں۔ ایمان کی شرنی سے بھری گفتگو سے وہ واحد نہیں تھی جو فیضیاب ہو رہی تھی بلکہ دروازے کے باہر کرڑھے اردشیر کا روم روم سماعت بنا ہوا تھا۔

اس کے لبوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ رینگ گئی۔ وہ شاید کسی کام سے آیا تھا مگر پھر انہیں ایک دوسرے میں مصروف دیکھ کر وہیں سے قدم موڑ لیے۔

"اتنی پیاری باتیں کہاں سے سیکھیں۔"

تھوڑی تلے چہرہ جمائے وہ مسکرا کر پوچھنے لگیں۔

کتنے ہی دنوں بعد آج روشنی کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی تھی۔

"پھر کبھی بتاؤں گی، ابھی تو اجازت دو۔ دیر ہو رہی ہے۔ امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

وہ صوفے سے اٹھی تو مجبوراً روشنی کو بھی اٹھنا پڑا۔

''آؤ نیچے لاؤنج میں چلتے ہیں۔''

وہ زائشہ کو نیچے لے آئی تھیں۔عالمِ فکر میں وہ بار بار سفیر کا نمبر ملا رہی تھی۔

''کیا بات ہے؟ کیوں پریشان ہو؟''

وہ کچن میں ملازمہ کو کھانہ لگانے کا کہہ کر واپس آئیں تو اسے موبائل کان سے لگائے مضطرب پایا۔

''سفیر کا موبائل آف جارہا ہے۔میں نے امی کو نو ساڑھے نو بجے تک کا کہا تھا۔وہ تو ویسے ہی بیمار رہتی ہیں، میری وجہ سے اور پریشان ہو جائیں گی۔''

وہ تفکرات میں گھری ہوئی تھی۔ہاتھ پیر اچانک پھول گ ئے تھے یوں بھی اسے سکون صرف اپنے گھر میں ملتا تھا۔یہاں تو وہ روشنی کی خاطر آ گ ُ تھی مگر اب شدت سے اپنے رات میں آنے پر پچھتاوا محسوس کر رہی تھی۔

''اچھا تم پریشان مت ہو، میں اردشیر کے ہاتھ تمہیں گھر بجھوا دیتی ہوں۔''

انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

''نہیں میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔''

اچانک ہی اس کی زبان سے پھسلا تھا۔

نیچے آتے اردشیر نے خو شمگیں نگاہوں سے اس کی پشت کو گھورا تھا۔

روشنی نے بے ساختہ اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

"محترمہ! میں بہت سیدھا سادا شریف سا بندہ ہوں۔یوں سرِ عام انکار کر کے آپ مجھے میری ہی نظروں میں گرا رہی ہیں۔"

وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔اس کا حسین و صبیح چہرہ اس کی نظروں کے حصار میں تھا۔

"میرا کہنے کا وہ مطلب نہیں تھا۔خوامخواہ آپ کو تکلیف اٹھانا پڑے گی۔"

نظریں جھکائے دوپٹہ درست کرتے وہ سنجیدگی سے بولی۔

"آج یہ تکلیف اٹھا کر بھی دیکھ لو اردشیر"!

روشنی ہنس کر بولیں۔

"خادم حاضر ہے۔"

وہ قمیض کے بازو موڑتے ہوئے خود بھی کھل کر ہنسا تھا۔

''میں تو چاہ رہی تھی کہ تم کھانا کھا کر جاتیں مگر سچویشن ہی ایسی کریئٹ ہو گئی کہ۔۔۔۔۔۔ خیر تم بے فکر ہو کر جاؤ اردشیر کی ہمراہی میں کبھی بھی تمہیں کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو گا۔''

افففف! روشنی کی معنی خیز باتیں۔اس کا دل زوروں سے دھڑکا تھا۔

وہ پیچھے کا ڈور کھول بیٹھنے لگی تھی کہ اس کی آواز پر بے ساختہ رک گئی۔

''بھابھی اپنی دوست سے کہیں میں شوفر ہر گز نہیں ہوں۔

وہ سنجیدہ تاثرات لیے بولا۔

''ناٹ گڈ یار! شیر صحیح کہہ رہا ہے۔''

روشنی بھی ترس کھانے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

اردشیر نے اسے جنبش کرتے دیکھ فرنٹ ڈور اوپن کر کے خود گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا۔سیٹ بیلٹ باندھی اور گاڑی پورٹیکو سے گھما کر مین گیٹ عبور کر لیا۔

فرنٹ سیٹ پر اردشیر کے ساتھ جیسے وہ مارے بندھے بیٹھی تھی۔عجیب بے سکونی کی سی کیفیت اس کے رگ وپے میں سرایت کر گئی تھی۔

اس کی بولتی نظروں سے خائف ہوتی وہ دھڑکتے دل سے اپنے احساسات پر قابو پانے کی کوشش کررہی تھی کہ اس کا دل جس طرف ہمک رہا تھا جو خواہشیں دل کے نہاں خانوں میں پنپنے لگی تھیں وہ ان کی اہل تھی نہ ہی ان خواہشوں کو حقیقت کا روپ دینے کی سکت رکھتی تھی۔اردشیر کی امارت اسے مرعوب نہیں کرتی تھی بلکہ وہ اسے عیاش اور کلی کلی منڈ کانے والا بھنورہ سمجھتی تھی۔اس کی نظر میں امیر لوگوں کی اولادیں زیادہ تر رنگین مزاج اور خاصی بگڑی ہوئی طبیعت کی مالک ہوتی تھیں۔

اس کا شمار بھی وہ ایسے ہی لوگوں میں کرتی تھی۔امیروں کا ایک تصور جو اس کے ذہن میں چھپا ہوا تھا وہ منفی سوچ پر مبنی تھا اور یہ منفی سوچ ہی اسے اردشیر کے مطابق کچھ مثبت اور اچھا سوچنے نہیں دیتی تھی۔انہیں سوچوں کو لے کر تو وہ اس کو غلط سمجھتی تھی۔

کبھی غور ہی نہیں کر سکی تھی کہ وہ شخص کس قدر بہترین اوصاف کا مالک تھا اور غور کرتی بھی کیونکر کہ وہ تو اپنی ذات سے ہی لاپرواہ رہنے والی لڑکی تھی کجا کہ کسی دوسرے شخص کی ذات کے منفرد پہلوؤں کو پرکھتی۔

لان کے پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس وہ سر پر دوپٹہ اوڑھے بیٹھی تھی۔ کندھوں پر سیاہ بیل بوٹوں والی چادر ڈال رکھی تھی جسے پیچھے سے گزار کر اس کا ایک سرا کندھے پر ڈال کر اگلا حصہ بھی چھپا رکھا تھا۔ اردشیر نے اسے جب بھی دیکھا تھا چادر میں لپٹا ہی دیکھا تھا۔ چادر سے باہر دونوں ہاتھ گود میں دھرے تھے۔ نگاہیں شیشے سے پار بھاگتے دوڑتے مناظر پر تھیں۔ نہ جانے وہ کیا تلاش کر رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح لاتعلق سی بیٹھی تھی۔

اردشیر کو اس سے تو ایسی کوئی توقع تھی نہیں کہ وہ اس سے کوئی بات کرے گی لحاظہ خود ہی گاڑی میں چھایا قفل توڑا تھا۔

"کیا تلاش کر رہی ہیں؟"

اس نے آبرو اچکا کر پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں اور مجھے تلاش کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

اپنی دانست میں اس نے بہترین جواب دیا تھا مگر اردشیر زور سے ہنس دیا تھا۔ زائشہ نے الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔ اس نے ایسا تو کچھ نہیں کہا تھا جس پر ہنسا جائے۔

"واقعی آپ کو ضرورت نہیں ہے کہ آپ کی تلاش تو مجھ پر ختم ہے اور میں تو کب سے میسر ہوں آپ کو۔ایک آپ ہی ہیں جنہیں قدر نہیں۔آسانی سے مل جانے والی چیز کی تو یوں بھی کوئی قدر نہیں ہوتی۔میں آپ کی بہت قدر کروں گا کہ آپ کو پانے کے لیے مجھے بہت پاپڑ بیلنے پڑ رہے ہیں۔"

اردشیر کی ذو معنی گفتگو پر زائشی کا دل لمحے بھر کو زور سے دھڑکا تھا۔پلکیں تک لرز اٹھی تھیں۔اپنی حالت پر بامشکل قابو پاتے اس نے زبردست طریقے سے اردشیر کو گھورا تھا۔

"کیا آپ خاموشی سے ڈرائیو نہیں کر سکتے؟"

وہ مٹھیاں بھینچے بولی۔

"اگر میں کہوں نہیں تو۔"

اس کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔وہ اس کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا جو اپنے غصے میں اپنی حیا چھپانا چاہ رہی تھی۔

اس کی مسکراہٹ زائشہ کو تپا گئی تھی۔

"تو پھر آپ مجھے یہیں اتار دیں۔"

اس کے سپاٹ انداز پر اردشیر بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"میں اتنا برا نہیں ہوں جتنا آپ مجھے سمجھتی ہیں۔"

کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوا۔ انداز ہنوز سنجیدہ تھا۔

"تو پھر کتنے برے ہیں آپ؟"

اس نے تیکھی نظر اس پر ڈالی تھی جو نہ جانے کیوں اس سے فری ہو رہا تھا جبکہ اسے یہ سب حرکتیں بالکل پسند نہیں تھیں۔

اردشیر نے ایک سرد نظر اس کے تیکھے چتونوں پر ڈالی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ زائشہ کی بات کا جواب دیتا فضا گولیوں کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔ زائشہ کی چیخیں بلند ہوئی تھیں۔ پرسکون ماحول کو چیرتی آوازوں نے یک دم طوفان برپا کر دیا تھا۔ کوئی ان کی گاڑی کو اوورٹیک کر رہا تھا۔ اردشیر بامشکل تمام صورتحال پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا مگر زائشہ کی چیخوں نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ دونوں کانوں پر ہاتھ رکھے وہ سر جھکائے خوف سے چیخ رہی تھی۔ گولیوں کی تڑتڑاتی آواز مسلسل آ رہی تھی۔

"ریلیکس زائشہ۔ بی بریو۔ میں ہوں ناں۔ کچھ نہیں ہو گا۔"

اردشیر دائیں ہاتھ سے ڈرائیو کر رہا تھا جبکہ بایاں ہاتھ اس کے کندھے سے گزار کر اسے اپنے حصار میں لیتا تسلی دے رہا تھا۔اس نے سختی سے اس کی قمیض گریبان سے دبوچ کر چہرہ اس کے کندھے میں چھپالیا۔وہ ہولے ہولے لرز رہی تھی۔

"کک۔کون ہیں یہ لوگ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ہمیں کچھ ہو گیا تو۔"

زرا سا سر اٹھا کر خوف زدہ لہجے میں کہتے ہوئے اس نے خدشہ ظاہر کیا۔اردشیر کا دل مٹھی میں آگیا۔اس نے اسے خود میں بھینچ لیا۔اس نے محسوس کیا وہ باقائدہ کانپ رہی تھی۔اس کے آنسو اردشیر کا چوڑا سینہ بھگو رہے تھے۔

"ریلیکس رہیں۔کچھ نہیں ہو گا۔رونے سے بہتر ہیں اللہ کو یاد کریں۔"

اررشیر نے نامحسوس انداز میں اس کے سر پر لب رکھے تھے مگر اگلے ہی لمحے اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔

"نیچے جھکیں زائشہ۔"

وہ پوری قوت سے چلایا تھا۔

یوٹرن لینے والی گاڑی نے سامنے سے بری طرح اردشیر کی گاڑی کو ہٹ کیا تھا۔گاڑی کا توازن یکلخت بگڑا تھا اور وہ ڈگمگاتی ہوئی چرچراتے ٹائر کے ساتھ ڈھلان میں جا گری تھی۔

اردشیر نے اپنا دکھتا سر اٹھایا اور زائشہ کی جانب دیکھا تو وہ ششدر رہ گیا۔گاڑی کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔وہ آدھی سے زیادہ گاڑی سے نیچے ڈھلکی ہوئی تھی۔

وہ تیزی سے گھوم کر اس کی سائیڈ پر آیا تھا۔جھک کر اس کے وجود کو سیدھا کیا تو خون سے اس کے ہاتھ رنگ گ ئے۔اررشیر بری طرح بدحواس ہوا تھا۔اس کے سفید کرتا خون میں نہا گیا تھا۔یک لخت اس کے دل کی دھڑکنیں سست پڑ گئیں۔آنکھیں بے اختیار ضبط سے سرخ ہو گئیں۔

اس کے سر سے بری طرح خون بہہ رہا تھا۔اردشیر نے رمال جیب سے نکال کر ماتھے پر رکھا اور دوسری طرف آکر گاڑی سٹارٹ کرنے کی کوشش کی جو پندرہ منٹ کی مشقت کے بعد سٹارٹ ہو گئ تھی۔

****

"سحاب اتنی جلدی سو گئ ہو پہلے کھانا کھا لیتیں۔"

روشنی نے اسے کاندھے سے ہلا کر کہا۔

سحاب کچی نیند سے اٹھنے کی اداکاری کرتی ہوئی مندی مندی آنکھیں کھول کر ان کو دیکھے لگی۔

"میں نے کوکیز کھا لیے تھے۔مزید بھوک نہیں ہے۔میں بہت تھک گئی ہوں پڑھائی کر کر کے۔پلیز اب مجھے ڈسٹرب مت کیجیے گا۔"

بول کر وہ کروٹ کے بل لیٹ کر آنکھیں موند گئی۔

روشنی روم کی لائٹ آف کرتیں دروازہ بند کر کے نیچے چلی گئیں۔

ان کے جاتے ہی سحاب پھرتی سے لحاف خود پر سے اتار کر پھینکتی بیڈ سے اٹھی تھی۔

اگلا آدھا گھنٹا اس نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے کس مشکل سے کاٹا تھا یہ وہی جانتی تھی۔

دبے پاؤں چپکے سے کمرے سے باہر نکل کر دائیں بائیں دیکھتی وہ ریلنگ پر جھکی تھی۔پورا لاؤنج خالی پڑا تھا۔موبائل سے ابشام کو اپنے آنے کی اطلاع دیتی وہ بغیر کوئی آواز پیدا کیے لاؤنج عبور کرتی بیرونی دروازے کی سمت بڑھی تھی۔

ابشام گھر کے باہر ہی گاڑی میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ محبت بھی نہ جانے کیا کیا کرواتی ہے۔ یہی سوچتے وہ پھرتی سے فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھی تھی جیسے پیچھے کتے لگے ہوں۔ ابشام نے اسے آتے دیکھ کر سکھ کا سانس لیا تھا۔ کتنا کھپا تھا وہ اس کے پیچھے۔ سب سے زیادہ دانا اس چڑیا کو ڈالنا پڑا تھا اپنے فریبی جال میں پھنسانے کے لیے اور بالآخر چڑیا جال میں مکمل طور پر پھنس چکی تھی۔ اس کی خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ اس کے سر سے گویا بوجھ اترا تھا۔ پارٹی والوں نے اسے مال نہ ملنے پر جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی تبھی سے وہ بے چین تھا مگر اب اسے کوئی خوف نہیں تھا۔ سحاب کو اپنے سامنے دیکھ کر ایک مسکراہٹ اس کے دلنشیں لبوں پر در آئی تھی جواباً سحاب بھی مطمئن سی مسکرادی تھی مگر دوسری طرف ابشام کی مسکراہٹ میں پراسراریت تھی اور آنکھوں میں انوکھی چمک۔

"آج میں بہت خوش ہوں۔"

سحاب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے وہ مسرور سا بولا تھا۔

"اور آپ کیوں خوش ہیں؟"

وہ جانتی تھی پھر بھی شرارتی لہجے میں یونہی پوچھ گئی تھی۔

"کیونکہ ایک معصوم بھولی بھالی اور خوبصورت سی لڑکی میرے جال میں بری طرح پھنس چکی ہے۔"

سنجیدگی سے کہتے وہ سحاب کو چونکا گیا تھا۔

یک دم اس نے اپنا ہاتھ ابشام کی گرفت سے نکال کر عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔اس کی باتوں پر دل بیٹھ سا گیا تھا۔

"میری محبت کا جال میں یار۔"

دوبارہ اس کا ہاتھ تھامتے وہ زور سے ہنسا تھا۔اس نے جیسے اپنی ہی بات کی تردید کی تھی۔سحاب پر سکون ہو گئ۔

"آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔"

اس کے کندھے سے سر ٹکائے وہ اپنائیت سے کہہ رہی تھی۔

"تمہیں ڈرنا بھی چاہیے۔"

"وہ بھلا کیوں؟"

اس کے ہاتھ کی پشت پر انگلی پھیرتے وہ بولی تھی۔لبوں پر خوبصورت سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"رات کے اس پہر تن تنہا ایک غیر محرم کے ساتھ۔۔۔دانستہ وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر لب دانتوں میں دبا گیا۔"

"ہمارے دل تو صاف ہیں ناں اور نیت بھی صاف ہے۔"

سحاب نے اس کی بات کا جواب دیا تھا۔ابشام استہزائیہ ہنسا تھا۔

سحاب کو اس کی ہنسی عجیب لگی۔وہ بری طرح الجھ رہی تھی ابشام کے رویے سے۔

"تمہاری نیت صاف ہو گی پر میری نہیں۔"

سپاٹ لہجے میں بول کر اس نے گاڑی ایک بلڈنگ کے کمپاؤنڈ میں روکی تھی۔سحاب اتنی بری طرح اس کے رویے میں الجھی ہوئی تھی کہ محسوس ہی نہ کر سکی کہ وہ ٹریک بدل چکا تھا انہیں سی ویو جانا تھا۔سحاب اس سے کہہ چکی تھی کہ وہ فلیٹ میں نہیں ملے گی تو ابشام نے اسے سی ویو کا کہا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ ابشام سے کچھ پوچھتی وہ گاڑی سے باہر نکل چکا تھا۔ سحاب نے نظر دوڑائی تو وہ بری طرح چونک گئ۔

ابشام نے اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اسے باہر نکلنے کو کہا۔

"اترو گاڑی سے۔"

انداز ہنوز سنجیدہ تھا۔

"آپ یہاں کیوں لائیں ہیں مجھے۔ ہم نے تو سی ویو جانا تھاناں۔"

وہ اٹک اٹک کر بولی۔

"مگر اب نہیں جانا۔"

ابشام کا وہی انداز تھا۔

سحاب کو سمجھ نہیں آئی کو وہ ایسا رویہ کیوں روا رکھ رہا ہے۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ میں نے منع کیا تھاناں آپ کو۔"

وہ قدرے خفگی سے گویا ہوئی۔

"تمہارا تو باپ بھی جائے گا۔ نکلو باہر۔"

اس کی ایک ہی تکرار پر ابشام نے غصے سے بازو سے پکڑ کر کھینچ کر باہر نکالا تھا۔ نتیجتاً درد سے سحاب کی چیخ نکلی تھی۔

"خبردار جو آواز نکالی تو۔ یہیں زندہ گاڑھ دوں گا سمجھیں۔"

سیدھے ہاتھ کے شکنجے میں اس کا چہرہ پکڑتے وہ غرایا تھا۔ اس کے تیور غضب ناک تھے۔ آنکھوں میں غصے کی سرخی تھی۔

سحاب کے جسم میں خوف کی ایک شدید لہر سرایت کر گئی۔ اسے شدت سے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔ ابشام اسے اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا لے جا رہا تھا۔

"چھوڑو مجھے میں نے کہا ناں مجھے نہیں جانا تمہارے ساتھ۔"

عزت کے خوف سے وہ آپ سے تم پر آ گئی تھی۔ رات کے اس وقت فلیٹ میں سحاب کی آواز گونج رہی تھی۔

"تمہارے انکار کی کوئی اوقات نہیں مس سحاب۔ تمہیں کہاں جانا ہے کہاں نہیں یہ تم نہیں میں طے کروں گا۔"

سحاب کا دماغ ماؤف ہو گیا۔

ڈر اور خوف بری طرح اس پر حاوی ہو چکا تھا۔

"تم ایسا کیوں کر رہے ہو۔ تم تو مجھ سے محبت کرتے ہو ناں۔ تم نے کہا تھا کہ میری عزت تمہاری عزت ہے۔ پھر یہ سب کیا ہے۔"

فلیٹ کھول کر اسے اندر چھوٹے سے ٹی وی لاؤنج میں پڑے صوفے پر پھینکتے ابشام نے فلیٹ لاک کیا تھا سحاب صوفے سے اٹھ کر غم و غصے سے چیخ اٹھی تھی۔

ابشام تیزی سے پلٹ کر اس کے نزدیک آیا تھا اور پوری قوت سے اسے کھینچ کے تھپڑ مارا تھا۔ نازک سی سحاب تھپڑ کی تاب نہ لاتے ہوئے لڑکھڑا کر دوبارہ صوفے پر ڈھے گئی تھی۔ تھپڑ اتنی زور کا تھا کہ اس کا ہونٹ پھٹ چکا تھا۔

درد سے اس کی آنکھوں میں آنسو رواہو گئے تھے۔

ایک شکوہ کناں نظر اس نے اس ہرجائی پر ڈالی تھی۔

"تم جیسی لڑکیوں کی کوئی عزت نہیں ہوتی اور جن کی خود کی کوئی عزت نہیں ہوتی وہ دوسروں کی عزت کیسے ہو سکتی ہیں۔"

جبڑے بھینچے وہ نفرت آمیز لہجے پھنکارا تھا۔

"مجھ جیسی سے کیا مراد ہے تمہاری۔ہاں۔ مجھ جیسی لڑکی سے ہی محبت کی تھی ناں تم نے۔"

ابشام کا گریبان پکڑ کر کھینچتی وہ غصے سے پاگل ہو کر چیخی تھی۔ سحاب کی آنکھوں میں چنگاریاں نکل رہی تھیں۔اپنی ذات کو یوں رلتا ہوا پا کر اس کا دماغ الٹ گیا تھا۔

"محبت ہنہہ۔"

وہ اس کا تمسخر اڑاتے ہنسا تھا۔

"محبت نہیں میری جان۔دکھاوا کہو دکھاوا۔

تم جیسی کتنی ہی لڑکیوں کے ساتھ سرراہ چلتے زندگی میں محبت کا محض دکھاوا کیا ہے۔اب تو شمار ہی نہیں۔ گنتی محال ہے۔وہ بھی تم جیسی پیار محبت میں مر مٹنے والی لڑکیاں تھیں جو رات کے اندھیرے میں اپنی محفوظ پناہ گاہ کی دہلیز پھلانگ کر ابشام کرمانی کی بھینٹ چڑھ گئیں۔تم بھی انہیں بیوقوف اور عقل سے عاری لڑکیوں میں سے ایک ہو میری جان۔"

اس کے چہرے کے نزدیک چہرہ کرتے اس نے زور سے اس کے چہرے پر پھونک ماری تھی۔ سحاب خوفزدہ ہو کر دو قدم پیچھے ہو کر صوفے سے ٹکرائی۔

"کک۔ کیا مطلب ہے تمہارا کک۔ کیوں لائے ہو مجھے ادھر۔"

سحاب کی آنکھوں میں خوف کی لہریں ہلکورے لے رہی تھیں۔ دل شدت سے کسی انہونی کے حساب سے دھڑکا تھا۔

"سوال جواب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ زیادہ ٹرٹر کی تو بولنے کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔"

اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا ایک کمرے میں لا کر پٹخا اور وارننگ دیتے لہجے میں کہہ کر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔

"دروازہ کھولو کمینے انسان میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ کھولو دروازہ۔ مجھے جانے دو ابشام۔ اللہ سے ڈرو۔ پلیز مجھے جانے دو۔"

دروازہ بند ہوتے ہی وہ برق رفتاری سے اٹھ کر دروازہ پیٹتے چیخ رہی تھی مگر دوسری طرف سننے والا کوئی نہ تھا۔

لہجے میں غصے کی تپش کے ساتھ عجیب سی بے بسی در آئی تھی۔

"یااللہ میری مدد کر۔مجھے یہاں سے نکال دے کسی طرح۔ تیری گناہ گار میں ہوں۔مجھے سزا دے جو دینی ہے میرے بھائیوں کی عزت محفوظ رکھ دے اللہ۔ شیر بھائی جیتے جی مر جائیں گے جب انہیں پتا چلے گا کہ ان کی بہن رات گھر میں نہیں تھی۔

دروازہ پیٹتے پیٹتے جب وہ تھک گی تو سسکتے ہوئے وہیں دروازے کے ساتھ بیٹھتی چلی گئ تھی۔ منہ پر دونوں ہاتھ رکھے وہ اپنی کھوٹی قسمت پر ماتم کناں تھی۔

****

رات کے اس پہر جہاں آدھا کراچی تھک ہار کر سو رہا تھا وہیں کچھ لوگ جاگ بھی رہے تھے۔جن میں کچھ تو شوق سے جاگ رہے تھے کچھ مجبوری میں تو بعض لوگ پریشانی میں جاگ رہے تھے۔

کراچی کے علاقے میں ایسے ہی دو گھر تھے جو عالم تفکر میں بیدار تھے۔

خالدہ اور ساجدہ بیگم سمیت مزینہ اور پارس کی نیند بھی گویا روٹھ گئ تھی۔رات کے بارہ کا وقت تھا سفیر کی خبر تھی نہ ہی زائشہ کا کچھ اتا پتا تھا۔ساجدہ بیگم کی حالت غیر ہو گئ تھی۔

مزینہ انہیں تسلیاں دے دے کر خود بھی تھک گئ تھی۔اب تو اسے بھی صحیح معنوں میں فکر لاحق ہونے لگی تھی۔پارس خود پریشان تھی۔روشنی کا نمبر ان کے پاس تھا نہیں۔نہ ہی اردشیر کا نمبر لینے کی کبھی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔مزینہ نے خرم کو فون کر کے مطلع کیا۔اب وہی آخری ذریعہ تھا۔

"پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے۔" وہ ماتھا مسلتا ہوا متفکر سا بولا۔

"میں نے یوں نہیں بتایا کہ شاید ابھی دونوں آجائیں مگر ابھی تک نہیں آئے دوسری بات یہ کہ بات خالی سفیر کی نہیں زائشہ کی بھی ہے اسی لیے میں نے نہیں بتایا کہ انکل آنٹی کو پتا لگا تو وہ پتا نہیں کیا سوچیں گے۔آپ تو جانتے ہیں ناں کہ وہ ایسی نہیں ہے۔"

مزینہ جھجھک کر خدشہ بیان کیا۔

"کچھ زیادہ ہی سمجھدار نہیں ہو تم۔"

خرم نے تپ کر طنز کیا تھا اس کی بیوقوفی پر۔

"مجھے القابات سے نوازنے سے بہتر ہے کہ آپ روشنی کے گھر فون کر کے پتا کریں۔"

وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"ٹھیک ہے تم فکر مت کرو میں پتا کرتا ہوں۔"

بے چینی اس کے ہر ہر انداز سے عیاں تھی۔ زائشہ اسے اپنی بہن کی طرح ہی عزیز تھی۔ تیزی سے موبائل میں نمبر ڈائل کرتے وہ ماتھا بھی مسل رہا تھا۔ جو اس کی پریشانی ظاہر کرنے کا مخصوص انداز تھا۔

بیل جا رہی تھی پر وہ کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ مجبوراً اسے نوریز کو کال کرنا پڑی تھی۔

"السلام علیکم نوریز"!

اس نے چھوٹتے کی پہلے سلام کیا۔

" وعلیکم السلام کون بول رہا ہے بھائی۔ اتنی رات کو بھی چین نہیں ہے تم لوگوں کو۔"

وہ جو پکی نیند میں تھا۔ موبائل کی چنگھاڑتی آواز نے اس کی نیند میں اچھا خاصا خلل ڈالا تھا۔ وہ بری طرح بدمزہ ہو کر نیند میں ڈوبی آواز میں بولا تھا۔

"زائشہ کہاں ہیں۔ کچھ پتا ہے۔ وہ اب تک گھر نہیں پہنچی ہیں۔ ان کے گھر والے بہت پریشان ہیں۔"

خرم کی بات نے اس کی نیند پر پانی پھینکے کا سا کام کیا تھا۔ اس کی نیند بھگ سے اڑ گئی تھی۔

"واٹ کیا کہہ رہے ہو یار۔ شیر خود انہیں گھر ڈراپ کرنے گیا تھا۔"

وہ تیزی سے تیر کی طرح اٹھ کر بیٹھا تھا۔

"اگر وہ ڈراپ کرنے گیا تھا تو وہ اب تک گھر کیوں نہیں پہنچی دوسری بات یہ کہ چیک کرو اردشیر گھر پہنچا بھی ہے کہ نہیں۔"

خرم کے لہجے میں اندیشے بول رہے تھے۔

"ویٹ میں چیک کرتا ہوں۔"

سلیپرز پہنتے وہ کمرے سے نکل کر اردشیر کے کمرے میں آیا تھا۔ بیڈ خالی پڑا تھا۔ اس نے واشروم چیک کیا کہ شاید واشروم میں ہو پر واشرم بھی خالی تھا۔ نوریز کو ایک نئی پریشانی نے گھیر لیا۔ اردشیر اور زائشہ دونوں ہی گھر نہیں پہنچے تھے۔

"خرم! یار اردشیر بھی گھر پر نہیں ہے۔"

وہ متفکر سا چہرے پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

"اومائے گاڈ۔ کہیں کسی مصیبت میں نہ پھنس گ ۓ ہوں دونوں۔"

خرم کا خود کا دل بے کل تھا۔

"ریلیکس رہیں ان کے ساتھ شیر ہے اور پھر ان کی حفاظت تو اپنی جان پر کھیل کر بھی کرنی پڑی تو وہ کرے گا۔"

نوریز کے الفاظوں پر خرم ٹھٹکا تھا۔

"کیا مطلب میں سمجھا نہیں۔"

خرم نے نہ فہمی کا اظہار کیا۔

"مطلب تو بعد میں سارے اسی سے ہی پوچھ لینا۔ فالحال تو دعا کرو کہ دونوں صحیح سلامت گھر پہنچ جائیں۔"

وہ گہری سانس خارج کرتا ہوا بولا۔

"ہاں اللہ خیر کرے نہ جانے کہاں ہیں دونوں اور فون بھی نہیں اٹھا رہے۔"

اب نیند کس بدبخت کو آنی تھی۔ ٹینشن سے اس کی نیند ہی چھو منتر ہو گئی تھی۔

****

اس وقت وہ کراچی کے ایک پرائیویٹ ہاسپٹل کے کی راہداری میں لگے سٹیل کے مخصوص بینچ پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔

سامنے ہی وارڈ تھا جس کا دروازہ بند تھا اور اس بند دروازے کے پیچھے اردشیر کی زندگی ہوش و حواس سے بیگانہ پڑی تھی۔

اس کی نگاہیں خون میں رنگے اپنے دونوں ہاتھوں پر مرکوز تھیں۔ یہ زائشہ کا خون تھا۔ سرخ بے حد سرخ جسے اس نے دھونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ نہ جانے کیوں اس پل میں اردشیر کو اس خون سے بھی انسیت ہو گئی تھی۔ وہ زائشہ کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔ اس کے سفید کرتے پر لگا خون بھی جم چکا تھا۔

اس نے ایک نظر وارڈ کے بند دروازے پر ڈالی تھی۔

اس کے ذہن میں ڈیڑھ گھنٹے پہلے کا منظر تازہ ہو گیا کیسے وہ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ زائشہ کا خون مسلسل بہتے دیکھ کر اس کے ہاتھ پیر کانپنے لگے تھے۔ کتنی دفعہ تو ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔ اس کی حالت اسے بے قرار کیے ہوئے تھی۔ کنپٹی سے مسلسل بہتا خون اور زرد پڑتا اس کا چہرہ اردشیر کی سانسیں خشک کر گیا تھا۔

ہاسپٹل کے آگے گاڑی روک کر وہ اسے بازوؤں میں اٹھائے اندر کی جانب بھاگا تھا اور استقبالیہ پر کھڑے عملے پر بری طرح چیخا تھا۔ منٹوں میں اردشیر کی دھاڑ پر ہاسپٹل کا سارا عملہ بیدار ہوا تھا۔

وہ شہر کا مشہور بزنس مین تھا۔ روپے پیسے کی کمی نہ تھی۔ یہی چیز اس کے حلیے سے بھی چھلکتی تھی۔ لوگ اسے جانتے تھے۔ جبھی ہاسپٹل میں زائشہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا۔ ذہن زرا پیچھے سرکا تو یاد آیا اس کا موبائل جھٹکا لگنے سے گاڑی میں ہی گر گیا تھا۔ زائشہ کی حالت اس قدر تشویش ناک تھی کہ اسے موبائل کیا اپنا بھی ہوش بھول گیا تھا۔

نہ معلوم کیا وقت ہوا تھا۔ وہ سسکتی سسکتی غنودگی میں جا چکی تھی۔ رونے سے اعصاب شل ہو چکے تھے۔ تھکاوٹ طاری ہوئی تو طبیعت جواب دیتی چلی گئی۔

کمرے کے باہر کچھ شور سا ہوا تو اس کی آنکھ کھلی تھی۔ پہلے تو غائب دماغی سے ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر سب کچھ یاد آنے پر اذیت سے دکھتا سر پکڑ کر دروازے کے ہینڈل کے سہارے سے کھڑی ہوئی۔

"کدھر ہے لڑکی؟"

سحاب باہر سے آتی آوازوں پر چونک گئ۔

"اندر ہے کمرے میں۔ تم لوگ یہاں سکون سے بیٹھو۔

میں دیکھتا ہوں کے ہوش میں ہے یا بے ہوش۔"

ابشام نے سپاٹ تاثرات لیے کہا اور کمرے کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا کہ سفید فارم کے سختی

سے بولنے پر لب بھینچ گیا۔

"زیادہ ہوشیاری دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لڑکی ہمارے حوالے کرو اور اپنی رقم

لے کر اگلے آرڈر کا انتظار کرو۔"

سحاب کے کان کھڑے ہو چکے تھے۔ خوف سے اس کا دل سکڑ گیا۔ کان سائیں سائیں

کرنے لگے تھے۔ یک لخت گلابی عارض آنسوؤں سے تر ہوتے چلے گ ئے۔ دھچکا اتنا بڑا

تھا کہ وہ سنبھل ہی نہیں پا رہی تھی۔

"ہمیں آج رات ہی نکلنا ہے۔"

ابشام اس کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے قدموں کی آواز اسے اس پہاڑ کی مانند لگ

رہی تھی جو ٹوٹ کر اس پر گرتا آ رہا ہو۔

ابشام نے کمرہ کھولا اور اگلے ہی لمحے چیتے کی پھرتی سے اسے اپنے شکنجے میں لے کر کلوروفام سے بھرا رومال سونگھا دیا۔ نتیجتاً کچھ دیر کی مزاحمت کے بعد اس کے شکنجے میں پھڑ پھڑاتی ہوئی وہ اس کے بازوؤں میں ڈھلک گئی۔

ابشام نے بے دردی سے اس کے وجود کو بیڈ پر پھینکا اور ان دو آدمیوں کو اشارہ کیا جو اس کا اشارہ ملنے کے ہی منتظر تھے اور وہ للچائی نظروں سے سحاب کے وجود کو سراہتے اسے بوری میں ڈال کر اس کا منہ بند کر کے خاموشی سے ابشام کرمانی کو سودے کے مطابق رقم اس کے حوالے کر کے فلیٹ سے جا چکے تھے۔

ابشام نے سکون کی سانس خارج کی۔ ایک بلا سر سے ٹلی تھی۔

ابشام نے پیسوں سے بھرا بریف کیس اٹھا کر الماری میں رکھا۔ صبح اسے یہ رقم اپنے اکاؤنٹ میں منتقل کروانی تھی اور اپنے نئے شکار کی تلاش میں نکلنا تھا۔ ابھی وہ الماری بند کر کے مڑا ہی تھا کہ دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے برف کا مجسمہ بنا دیا۔

****

سر اعجاز سے لیکچر لیتے اسے ٹائم کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔ اس کی کچھ کتابیں ان کے پاس تھیں جن کے لیے وہ رک گیا تھا مگر جب ملازمہ نے ان کے کمرے کی چھان بین کی تو کتابیں کہیں نہیں ملیں۔

سفیر کو وہ کتابیں چاہیے تھیں۔ کافی دن سے انہیں نوٹس تیار کرنے کے لیے دے رکھی تھیں۔

انہیں یاد آیا کہ دو دن پہلے ہی ابشام وہ کتابیں لے گیا تھا اپنے فلیٹ پر۔ آج کل اس کا قیام زیادہ تر فلیٹ پر ہی ہوتا تھا اور وہ پڑھتا بھی وہیں تھا۔ سفیر کو انہوں نے اس کے فلیٹ کا ایڈریس سمجھا کر ابشام سے کتابیں لینے بھیج دیا تھا۔

اسے دیر ہو رہی تھی اور کتابیں بھی لینی ضروری تھیں۔ ساتھ ہی زائشہ کو بھی پک کرنا تھا سو اس نے سر اعجاز کے موبائل سے اردشیر کو میسج کر دیا تھا کہ اگر وہ آپا کو آج گھر پہنچا دیں تو وہ ان کا احسان مند رہے گا۔

ایڈریس کے مطابق وہ بلڈنگ کے کمپاؤنڈ میں بائک کھڑی کر کے لاک کرنے کے بعد جیسے ہی لفٹ کی طرف بڑھنے لگا ایک تیز رفتار ہائے روف دھول اڑاتی اس کے پاس سے

کسی ہوا کے جھونکے کی طرح گزری تھی۔ سفیر سر جھٹک کر لفٹ کا بٹن پریس کر کے اوپر آیا اور اب فلیٹ کے سامنے کھڑا تھا۔اس نے دروازے پر دستک دی کہ جلدی سے کتابیں لے کر گھر پہنچتا یوں بھی وقت کافی ہو گیا تھا۔

وہ برف کا مجسمہ بنا کھڑا تھا۔فلیٹ کا اس کے علاوہ اس کے ڈیڈ کو پتا تھا یہاں تک کے اس کے دوستوں کو بھی علم نہیں تھا۔

ڈرتے دل سے چہرے کے تاثرات بحال کرتا وہ دروازہ کھول چکا تھا مگر جہاں دروازے پہ اعجاز صاحب کو نہ پا کر وہ ہلکا پھلکا ہوا تھا وہیں ایک اجنبی کو دیکھ کر اس کے ماتھے پر تیوری چڑھی تھی۔

"مجھے سر اعجاز نے بھیجا ہے۔جو کتابیں پچھلے دو دن سے آپ کے پاس ہیں وہ میری ہیں۔" سفیر نے اپنے انے کا مقصد بتایا۔

"اوہ مین تم دو کوڑی کی کتابوں کے لیے آدھی رات کو میرے فلیٹ پر ٹپک پڑے۔کیا صبح نہیں ہونی تھی۔"

شدید غصے میں کہتے وہ دروازہ ٹھا کی آواز سے اس کے منہ پر بند کر گیا تھا۔

سفیر دو قدم پیچھے نہ ہٹتا تو یقینا اس کی ناک کا بیڑا غرق ہو چکا ہوتا۔

"یہ لو پکڑو کتابیں اور نو دو گیارہ ہو جاؤ۔"

کتابیں تقریبا سفیر کے ہاتھوں میں پھینکتے وہ دروازہ بند کرنے لگا تھا کہ سفیر کی نظر ادھ کھلے دروازے سے اندر لاؤنج میں پڑے بریسلٹ پر پڑی۔اس کی محویت نوٹ کر کے ابشام نے گڑبڑاتے ہوئے ایک سخت نظر اس پر ڈالی قبل اس سے کہ وہ کچھ پوچھتا اس نے دروازہ دھاڑ سے بند کر دیا۔کمپاؤنڈ سے بائیک نکالتے وقت اس کے دماغ میں وہ بریسلٹ بری طرح چپک کر رہ گیا تھا۔وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ آخر اس نے وہ بریسلٹ کہاں دیکھا تھا۔دفعتا اس کے دماغ میں جھماکہ سا ہوا۔

"وہ بریسلٹ تو اس سرپھری لڑکی سحاب کا ہے۔اسی کے ہاتھ میں دیکھا تھا میں نے مگر وہ سر اعجاز کے بیٹے کے پاس کیسے آیا۔"

وہ بائیک کے پاس کھڑا تذبذب کا شکار تھا۔

"اوہ میرے خدا کہیں وہ ٹریپ تو نہیں ہو گئی۔پھر سے کسی مصیبت میں تو نہیں پھنس گئی۔"

چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ مختلف سوچوں میں گھرا ہوا تھا۔ پھر اس نے قریبی فون بوتھ سے زوالقرنین کو کال کی۔ وہ اس وقت پولیس سٹیشن میں تھا۔ سفیر کی بات سن کر وہ تیزی سے جیپ لے کر اس کے بتائے گ ئے ایڈریس پر پہنچا تھا۔

"ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ بریسلٹ کسی اور لڑکی کا ہو اور جس صورتحال کا نقشہ تم نے کھینچا ہے سب کچھ اس کے الٹ ہو۔"

زوالقرنین ہر طرح سے تسلی کر لینا چاہتا تھا۔

"سحاب اور وہ لڑکا ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں۔ میں وہاں اکثر سر اعجاز سے ملنے کے لیے جاتا رہتا ہوں۔ مزنی سحاب کی دوست ہے۔ اس سے اچھی دعا سلام ہے۔ وہ بتا رہی تھی کہ ابشام کرمانی اچھے کردار کا مالک نہیں ہے اور یہ بھی کہ سحاب اس میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

وہ سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔ زوالقرنین سحاب نام پر بری طرح چونکا۔

"کیا نام بتایا تم نے؟"

اسے یک لخت شدت سے کسی انہونی کا احساس ہونے لگا۔

"سحاب نام ہے لڑکی کا۔"

سفیر نے بتایا تو وہ ٹھٹھک گیا۔

"اوہ نو اردشیر کی بہن کا نام بھی سحاب ہے اور وہ بھی اس یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ چلو اس لڑکے کی تو میں ابھی خبر لیتا ہوں۔"

وہ غصے سے آستین اوپر چڑھاتا ہوا اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا تیزی سے لفٹ کی طرف بھاگا جبکہ سفیر تو اس انکشاف پہ ہی چکرا گیا تھا۔ زوالقرنین نے وہاں کے سیکرٹری سے فلیٹ کی ڈوبلیکیٹ چابی لے کر مطلوبہ فلیٹ پر پہنچ کر ابشام کرمانی کے ہوش اڑا دیے تھے۔

"وہ بریسلٹ کدھر ہے؟"

زوالقرنین نے اسے گریبان سے پکڑ کر پوچھا۔

"کون سا بریسلٹ اور یہ کون سا طریقہ ہے بغیر اجازت کسی کے گھر میں آنے کا؟"

اپنے گریبان سے ہاتھ جھٹک کر وہ تیکھے لہجے میں بولا تو اس نے دو ہاتھ ابشام کو جڑ دیے اور کالر سے پکڑ کر اسے صوفے پر دھکا دیا۔

"اجازت کی بات مت کر۔ ہم بغیر اجازت مردوں کو بھی قبر سے نکال لیتے ہیں۔"

زوالقرنین نے اس کی تلاشی لی تو پینٹ کی پچھلی جیب سے بریسلٹ برآمد ہو گیا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا یہ بریسلٹ اس نے روشنی کو اس کے شادی کے تحفے کے طور پر دیا تھا۔ اس نے خود ہی تو بنوایا تھا اس کے لیے۔ وہ اپنے ہاتھوں کی نکلی ہوئی چیز کیسے بھول سکتا تھا۔ اب تو شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔

"مجھ سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہونے والا انسپیکٹر۔ پکڑنا ہی ہے تو ان کو پکڑو جس کے قبضے میں وہ چڑیا ہے۔"

وہ ان دونوں کے تاثرات سے حظ اٹھاتا مزے سے بولا تو سفیر نے اس کے منہ پر پوری شدت سے گھونسہ دے مارا۔ وہ مزید بھی اس کی تواضع کرتا مگر زوالقرنین نے اسے روک دیا۔

"چھوڑوں گا تو میں تجھے بھی نہیں۔"

ریوالور سے اس کی کنپٹی ٹھونکتا وہ غصیلے لہجے میں خطرناک حد تک سنجیدگی لیے بولا اور تیزی سے وہاں سے نکلا۔ اس نے شہر سے باہر جانے والے سارے راستے بند کروا دیے

تھے۔ ہر جگہ پولیس کی بھاری نفری لگا دی گئ تھی۔ شہر کی داخلی حدود پر بنے چیک پوسٹ پر وہ اور سفیر خود اپنی نگرانی میں ایک ایک گاڑی کی چیکنگ کر رہے تھے۔ زوالقرنین فون پر بھی اپنے عملے سے ساتھ رابطے میں تھا۔

****

وہ اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ دفعتاً موبائل کی رنگ ٹون پر چونکی۔ سکرین پر چمکتا خرم کا نمبر دیکھ کر اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"فکر کی کوئی بات نہیں ہے اردشیر اور زائشہ دونوں صحیح سلامت ہیں۔ چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا ان کا۔ زائشہ کو چوٹیں آئی ہیں۔ اردشیر اس کے ساتھ ہی ہاسپٹل میں ہے۔"

خرم نے اس کی فکر کم کیا تھی مزید بڑھا دی تھی۔

"زیادہ چوٹ تو نہیں لگی اسے۔"

مزینہ کا دل رک سا گیا۔ سب کی نظریں ایک ساتھ اوپر اٹھی تھیں۔

"نہیں زیادہ نہیں لگی۔ سفیر آیا یا نہیں؟"

اسے تسلی دیتے خرم نے استفسار کیا۔

"ابھی تک تو نہیں۔"

مزینہ نے مایوسی سے جواب دیا۔

"چلو میں ہاسپٹل پہنچ کر تمہیں کال کروں گا۔جب تک سفیر نہیں آتا سب کا خیال رکھنا۔"

خرم نے اسے تاکید کی تو مزینہ نے ٹھیک ہے کہہ کر کال منقطع کر دی۔

"اردشیر بھائی اور زائشہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔وہ لوگ ہاسپٹل میں ہیں۔"

مزینہ نے دھماکا ہی تو کیا تھا۔ساجدہ بیگم کا ہاتھ کلیجے پر پڑا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ خرم ہاسپٹل گ ئے ہیں۔وہاں جا کر حالات کی اطلاع دیں گے۔"

ہاسپٹل کی راہداری میں پشت پر دونوں بازو باندھے وہ ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔

زائشہ کا خون بہت بہہ گیا تھا۔یہ تو اچھا تھا کہ بلڈ بینک میں اس کا بلڈ گروپ مل گیا تھا۔دروازے کے اس پار وہ خطرے سے تو باہر تھی مگر شدید تکلیف میں تھی اور یہی

تکلیف اردشیر کو بے قرار کیے ہوئے تھی۔ کسی لمحے اسے قرار نہیں آرہا تھا۔ کیسی بے بسی تھی وہ اسے نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔

وہ وہیں بینچ پر ڈھے سے گیا۔

"شیر"!

خرم بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا تھا۔

"کیسا ہے تو اور زائشہ کیسی ہیں۔ کوئی سیریس بات تو نہیں؟"

وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر استفسار کرنے لگا۔

"میں ٹھیک ہوں زائشہ کو سر پر گہری چوٹ آئی ہے۔ ابھی تک ڈاکٹرز نے کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دیا۔"

وہ ضبط سے سرخ پڑتا چہرہ لیے سنجیدگی سے بولا۔

"ڈونٹ وری! وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔"

خرم نے اسے تسلی دی۔

"انہیں ٹھیک ہونا پڑے گا خرم! وہ اس طرح مجھ سے اور میری محبت سے غافل نہیں ہو سکتیں۔ میں نے اگر انہیں ڈھیل دی ہے تو محض اس لیے کہ وہ خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیں کہ انہیں ہر حال میں اردشیر کی پناہوں میں آنا ہے۔"

وہ ضبط کی انتہاؤں پر تھا۔ اس کے لہجے میں بولتی شدتوں نے خرم کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اس نے گہری سانس خارج کی۔ اسے تو لگا تھا معاملہ صرف پسندیدگی کی حد تک ہے مگر اردشیر کی حالت تو کچھ اور ہی داستان سنا رہی تھی۔

****

سیاہ تاریک کمرے میں پڑے ساکت وجود میں ہلکی سی جنبش ہوئی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد کراہیں سنائی دینے لگی یقیناً وہ وجود تکلیف میں تھا۔

اس نے آنکھیں وا کیں تو کچھ دکھائی نہ دیا۔ کہنیوں کے بل اٹھ کر بیٹھتی وہ درد سے بے حال ہوتی گزشتہ رات ہوئے واقعہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اسے یاد آیا کہ وہ ابشام سے ملنے گئی تھی کیسے وہ اسے اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر اس کا سودا کر چکا تھا۔

چند پیسوں کے عوض وہ انسانیت سے گر گیا تھا۔بے ہوش ہونے کے بعد اسے کچھ یاد نہیں تھا کہ وہ کیسے یہاں پہنچی۔کون اسے یہاں لایا۔دکھتے سر کو تھامتے وہ ادھر سے نکلنے کے بارے میں سوچنے لگی پر کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔اس کمرے میں کھڑکی نام کی چیز بھی نہیں تھی۔

دفعتادروازہ کھلنے کی آواز آئی اور اگلے ہی لمحے دروازہ کھل گیا تھا۔تیز روشنی کے باعث وہ آنے والے لوگوں کا چہرہ دیکھنے سے قاصر تھی۔

اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنسو رگڑے۔

وہ دو تین لوگ تھے۔سیاہ جینس اور شرٹ میں ملبوس بھاری بھرکم جسامت کے مالک وہ لوگ ایک ہی جست میں اس تک پہنچ کر بے دردی سے کھینچ کر کھڑا کر چکے تھے۔ان کے ہاتھوں کی سختی پر سحاب خوف سے زرد پڑ گئی تھی۔سہم کر ان کو دیکھا۔

"مجھے چھوڑ دو پلیز۔میں نے تم لوگوں کا کیا بگاڑا ہے۔پلیز لیو می مجھے گھر جانا ہے۔"

روتے سسکتے وہ ان ظلموں سے بھیک مانگ رہی تھی۔

کیاوقت لایا تھاخدااس پرساری اکڑساراغروراور طنطنہ کافور ہوا تھا۔اپنی خوبصورتی پر ناز کرنے والی آج اسی خوبصورتی کی کو کوس رہی تھی۔

ان ظلموں پر سحاب کی گریاوزاری کاالٹااثر ہوا تھا۔

بھاری مردانہ سخت ہاتھ اس کی نرم عارض کو سجھا گیا تھا۔تھپڑاتنی شدت کا تھا کہ اس کے جبڑے ہل گ ئے تھے۔دانت درد سے سنسنااٹھے تھے۔

وہ لڑکھڑاکر دیوار سے جالگی تھی۔

"لے کر آؤاس سالی کو۔ہمیں صبح کااجالا پھیلنے سے پہلے پاکستان کی سرحد پار کرنی ہے۔جیٹ میں ڈالتے ہی اسے ایک ڈوز دے دینا۔اٹھتے ہی کان کھانے لگتی ہے۔"

سپاٹ لہجے میں حکم صادر کرتا وہ بندہ جس کا بھاری ہاتھ سحاب کے ہوش ٹھکانے لگا گیا تھا باہر چلا گیااور باقی دواسے کسی لگیج کی طرح گھسیٹتے ہوئے اپنے ساتھ لے گ ئے۔

سحاب کادماغ تواس کے ایک جملے پر ہی اٹک گیا تھا۔

"ہمیں صبح کااجالا پھیلنے سے پہلے پاکستان کی سرحد پار کرنی ہے۔"

ایک برفانی تودا تھا جو اس کے اوپر گرا تھا۔اس کا پورا وجود سرد ہو گیا تھا۔اسے لگا وہ برف کا مجسمہ بن گئی ہے۔

آنسو قطار در قطار عارض کو بھیگو رہے تھے۔

کوئی اس کے ہاتھ باندر رہا تھا۔اب اس کی آنکھوں پر پٹی باندھی جا رہی تھی۔

اسے دو لوگ دائیں بائیں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کہیں لے جا رہے تھے۔وہ دیکھنے سے قاصر تھی۔

اسے پھینکنے کے سے انداز میں سیٹوں پر پٹخا تھا اور ہائے روف بند کر دی تھی۔

رسوائیاں اس کے مقدر میں لکھ دی گئی تھیں۔

وہ بے حس و حرکت پڑی تھی یوں کہ جسم میں جان باقی نہ تھی۔خوف سے دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔

وہ لوگ موٹر وے پر گاڑیوں کی تلاشی لے رہے تھے۔اب تک سحاب کا کچھ اتا پتا نہیں تھا۔سفیر کی حالت قابل رحم تھی۔وہ سرپھری کچھ مغرور سی لڑکی کب دل کو بھا گئی اُسے

پتا ہی نہ چلا۔ مصروف سی زندگی اور لگی بندھے معمول میں ایک سحاب کا خیال ہی تو تھا جو اسے سکون دیتا تھا۔ وہ تھک کر چور ہو گیا تھا۔ اعصاب شل ہو گئے تھے۔ زوالقرنین نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"میں یہاں اپنی ڈیوٹی نبھا رہا ہوں مگر تم کیوں خوار ہو رہے ہو؟"

جانچتی نظروں سے اسے دیکھتے زوالقرنین نے استفسار کیا۔

"تم فرض کے ہاتھوں مجبور ہو کر خوار ہو رہے اور میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر۔"

وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ زوالقرنین نے گہری سانس خارج کی۔

"غلط جگہ دل اٹکایا ہے یار۔ وہ تمہارے ٹائپ کی نہیں ہے۔"

رات کے اس پہر وہ لوگ باتوں میں مصروف تھے۔ عملہ چیکنگ میں مصروف تھا کہ یک لخت فضا میں فائر کی آوازیں گونج اٹھیں۔ زوالقرنین اور اس کے ساتھی الرٹ ہو گئے۔ جس وین سے فائرنگ کی گئی تھی زوالقرنین جیپ میں بیٹھ کر مسلسل اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ سٹریٹ پولز کی روشنی میں اس نے وین کے پچھلے دونوں ٹائر کا نشانہ لیا۔ وین لڑکھڑا کر بلآخر رک گئی تو زوالقرنین کے آدمیوں نے ان سب کو قابو کر لیا۔

سفیر تیزی سے سحاب کی طرف بڑھا۔

وہ نیم بیہوشی میں تھی۔اس کا پورا جسم ٹھنڈا یخ ہو رہا تھا۔اس نے اس کے ہاتھ پاؤں کھولے پھر منہ سے بندھی پٹی ہٹائی تو سحاب اسے دیکھ کر اس کا کالر مٹھیوں میں دبوچ کر سفیر کو دیکھ کر نمدیدہ ہو گئ۔اس کے سینے سے لگ کر شدت سے رو پڑی۔وہ بے حد خوفزدہ تھی۔اسے اس وقت نہیں یاد تھا کہ وہ دو کوڑی کا کار مکینک ہے جس سے وہ شدید نفرت کرتی ہے۔بس یاد تھا تو اتنا کہ وہ اس کا محافظ ہے۔اس نے جیسے پہلے ایک بار اسے بچایا تھا۔آج پھر وہ اسے بچسنے کے لیے آن پہنچا تھا۔

"مجھے یہاں سے لے چلو پلیز۔مجھے گھر جانا ہے۔"

وہ بلک بلک کر سفیر کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے روتی چلی گئ۔سفیر نے اپنے کندھوں سے چادر ستار کر اس کے کندھوں پر ڈالی۔

"شش سحاب!کچھ نہیں ہوا جسٹ ریلیکس۔"

اس کا سر سہلاتے دوسرے ہاتھ سے اس کے وجود لو خود میں بھینچے وہ سرد لہجے میں قدرے نرمی سے گویا ہوا۔ پھر اس نے اسے دھیرے سے خود سے الگ کیا اور گاڑی میں پڑی پانی کی بوتل اٹھا کر اسے پانی پلایا۔ اتنے میں ذوالقرنین بھی وہاں چلا آیا تھا۔

"تم سحاب کو لے کر گھر پہنچو اور اردشیر کو ساری حقیقت سے آگاہ کر دینا۔ باقی میں خود دیکھ لوں گا۔"

اپنی گاڑی کی چابیاں اسے پکڑا کر ایک سخت نظر سحاب پر ڈال کر وہ جیپ کی طرف بڑھ گیا جبکہ وہ نم آنکھیں اور بھیگی پلکیں جھکائے شرمندہ سی ہو گئی۔

رات تقریباً ڈھل چکی تھی۔ صبح کا ملگجا سا اندھیرہ چھایا ہوا تھا۔ جس وقت وہ سحاب کو لے کر گھر پہنچا روشنی فجر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں۔

"میں اندر نہیں جاؤں گی۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

وہ نوریز اور اردشیر کے غصے سے بے طرح خوفزدہ تھی۔ سفیر کا بازو سختی سے تھام کر کپکپاتے لہجے میں خشک لبوں پر زبان پھیرتے بولی۔

"کمال ہے۔رات کے اندھیرے میں باہر نکلتے وقت ڈر نہیں لگا۔دن کے اجالے میں اپنے ہی گھر میں قدم رکھنے سے خوف آرہا ہے۔"

ایک بے نام سے چبھن اس کی آنکھوں میں تھی۔اس کے لہجے کی تلخی سحاب کو سہما گئی۔آنے والے وقت سے بچنے کے لیے اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ڈور بیل پر ہاتھ رکھ کر وہ پیچھے ہوا۔دروازہ روشنی نے کھولا تھااور وہ اپنے سامنے کھڑی سحاب کو دیکھ کر سکتے میں آگئی تھیں جس کی اجڑی بکھری حالت نے ان کا دل دہلا کر رکھ دیا تھا۔

"یہ یہ سب کیا ہے۔کیا حالت بنا رکھی ہے۔کہاں سے آرہی ہو اس وقت۔"

روشنی کے لہجے میں یکایک سختی در آئی تھی۔

اس کا بکھرا سراپہ سوجھے گال پھٹا ہونٹ اور چادر کے اندر سے جھانکتی پھٹی ہوئی آستین اور بازوؤں پر پڑی خراشیں دیکھ کر ان کا دل پاتال کی گہرائیوں میں جا گرا تھا۔

سحاب لب کچلتی آنسو پیتی رہی۔اپنی بربادی کی داستان اپنی زبانی کیسے سناتی۔

"میں بتاتا ہوں آپ کو سب کچھ۔آپ پہلے انہیں کمرے میں لے جائیں۔انہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

سفیر نے سنجیدگی سے کہا جبکہ سحاب مزید خوفزدہ ہو گئ۔

"اگر نوریز بھائی کو سب پتا چل گیا تو مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔ نہیں میں ایسا کچھ بھی نہیں ہونے دوں گی۔ مجھے کچھ ایسا کرنا ہے کہ میں سب کی نظروں میں مظلوم بن جاؤں۔"

اس نے ایک نظر سفیر کو دیکھا۔ وہ اس کے منظر سے غائب ہونے کا منتظر تھا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ سمجھے تم۔ جو بھی بتانا ہے میرے سامنے بتاؤ بلکہ تم کیا بتاؤ گے میں بتاتی ہوں بھابھی۔"

وہ آنکھوں میں نمی لیے چیخی۔ شور کی آواز پر نوریز بھی کمرے سے نکل آیا۔ وہ جاگنگ پر جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا مگر سحاب کی چیخ و پکار پر وہ تیزی سے نیچے آیا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے ادھر؟"

وہ سخت لہجے میں بولا اور جیسے ہی نظر سحاب پر پڑی۔ اس کے پیروں تلے زمین سرک گئ۔

"بھائی جان۔"

سحاب روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔ نوریز کو اس کی حالت نے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ اسے اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی تھی۔ پھر بھی عہ دعا گو تھا کہ ایسا کچھ نہ ہو جیسا وہ سوچ رہا ہے مگر سحاب کے اگلے الفاظوں نے اس کا سارا سکون غارت کر دیا

"آپ کی سحاب لٹ گئی بھائی۔ اس شخص نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ میری چھوٹی سی غلطی کی اتنی بڑی سزا دی مجھے کہ اب میں اپنی آخری سانس تک اس معاشرے میں سانس نہیں لے سکوں گی۔ میں نے تو اس سے اپنی دوستوں کے ساتھ مل کر چھوٹا سا مذاق کیا تھا مگر اس نے۔"

سحاب نے ایک نمناک نظر ششدر کھڑے سفیر پر ڈالی۔ جو حیرت سے گنگ کھڑا اسے کاٹ دار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"اس نے بدلے میں میرے ساتھ اتنا گھناؤنا مذاق کیا کہ دل چاہتا ہے زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں۔"

اس کے کندھے سے لگ کر بلک بلک کر روتی وہ سب کچھ بتاتی چلی گئی۔ سفیر نے لب سختی سے بھینچ لیے۔

روشنی نے بے یقینی سے سفیر کو دیکھا جس کا چہرہ خود شدت ضبط سے سرخ پڑ گیا تھا۔

وہ سحاب کو صوفے پر بٹھاتا ایک ہی جست میں سفیر تک پہنچا تھا اور گریبان سے پکڑا تھا۔

"کمینے انسان میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

مشتعل ہو کر اس نے سفیر کو تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ بلند کیا۔

"تیری ہمت کیسے ہوئی میری معصوم بہن کو میلی نگاہ سے دیکھنے کی۔

سحاب کی حالت نے گویا اس کے اندر آگ بھڑکا دی تھی۔ وہ تو جیدڑے مرنے مارنے پر تلا ہوا تھا۔ سفیر کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ اس نے نوریز کا اٹھتا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا۔ اس کا جبڑا ابری طرح تھرک رہا تھا۔ سحاب نے خوفزدہ ہو کر نظریں چرا لیں۔

وہ اس کا محافظ بن کر آیا تھا اور اس نے اسے لٹیرا بنا ڈالا۔

"سامنے والے کو الزام دینے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک لینا بہتر ہوتا ہے۔ بعض دفعہ گھر کو گھر کے چراغ سے ہی آگ لگ جاتی ہے۔"

وہ بول کر رکا نہیں تھا بلکہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

خرم صبح سات بجے گھر واپس چلا گیا تھا۔

ہاسپٹل کے چھوٹے سے بیڈ پر وہ آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی تھی۔ایک ہاتھ پر کنولہ لگا ہوا تھا جبکہ دوسرا ہاتھ سینے پر دھرا تھا۔

صوفے پر بیٹھا وہ میگزین ہاتھوں میں لیے کوئی آرٹیکل پڑھ رہا تھا کہ کراہنے کی آواز پر اس کی توجہ زائشہ پر مرکوز ہوئی جو آنکھیں کھولے دائیں ہاتھ سے سر پکڑتی تکلیف میں مبتلا اٹھنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔

اردشیر بیقراری سے میگزین وہیں رکھتا تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

"پلیز! لیٹی رہیں۔"

اس نے زائشہ کے کندھوں پر دباؤ ڈال کر اسے واپس لٹا دیا۔

"کچھ چاہیے؟"

اسے نظروں کے حصار میں رکھتے نرمی سے استفسار کیا تو زائشہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"اب کیسا فیل کر رہی ہیں؟"

اردشیر نے اس کے برابر میں جگہ بنائی اور اس کا کنولہ لگا ہاتھ اپنے پر حدت ہاتھ میں لے کر اسے گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

زائشہ نے نرمی سے جواب دیا مگر ہاتھ اس کی گرفت سے نکالنے کی سعی نہیں کی۔ یہ بات اردشیر کو پر سکون کر گئی تھی

"رات جو ہوا وہ سب کیا تھا۔ کون تھے وہ لوگ؟"

وہ جرح کے موڈ میں تھی۔ اردشیر نے اس کے عارض پر پنا بھاری مردانہ ہاتھ رکھا تو زائشہ اس کے لمس پر آنکھیں میچ گئی۔

"جو بھی ہوا اسے بھول جائیں صرف مجھے یاد رکھیں۔ میں بہت جلد آپ کو آپ سے چرالوں گا۔ آپ بہت بے پرواہ ہیں زائشہ۔ خود کی قدر نہیں ہے آپ کو۔"

وہ تاسف سے کہتا اس کے ماتھے پر بکھرے بالوں کو نرمی سے سمیٹنے لگا۔ زائشہ نے خفت سے سرخ پڑتے چہرہ موڑ لیا تو وہ مسکراہٹ دبا گیا پھر سفیر کے ساتھ پارس اور ساجدہ بیگم کو اندر آتے دیکھ کر زرا فاصلے پر ہو گیا۔

"یہ سب کیسے ہوا آپا۔پتا ہے میں کتنا ڈر گئی تھی۔"

پارس نے نم لہجے میں کہا۔

"السلام علیکم"!

اردشیر نے ساجدہ بیگم سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام"!

انہوں نے اس کا ماتھا چوما گروہ نہ ہوتا کیا زائشہ ان کے سامنے صحیح سلامت ہوتی۔وہ نمدیدہ ہو گئیں۔سفیر نے البتہ اس سے علیک سلیک نہیں کی تھی۔یہ بات اردشیر نے شدت سے نوٹ کی تھی۔

"مجھے اب اجازت دیں۔"

وہ ایک گہری نظر زائشہ پر ڈالتا وہاں سے نکل گیا۔

"مجھے معاف کر دیں آپا یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔مجھے خود آپ کو لینے آنا چاہیے تھا۔"

وہ سر جھکائے خود کو موردالزام ٹھہرانے لگا۔

"جو قسمت میں لکھ دیا جاتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے سفیر۔ میرے ساتھ بھی یہ حادثہ پیش آنا ہی تھا۔ پھر چاہے تم ہوتے یا کوئی اور۔"

دانستہ اس نے اردشیر کا نام لینے سے گریز کیا تھا۔

"اردشیر بھائی بہت اچھے انسان ہیں۔"

پارس نے نرمی سے کہا۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

سر پکڑتی وہ بیچارگی سے بولی۔

کھانے کے بعد نرس نے اسے دوائیاں دی اور انجیکشن لگا کر واپس چلی گئ۔

"خالہ بہت پریشان کرنے لگی ہے یہ۔ اس کا کوئی بندوبست کریں۔ ہاتھ پیلے کر کے اس کو بھی ٹوریں۔ اگلا بندہ خود ہی سنبھال لے گا اسے۔ اپنی ٹینشن سر سے اتاریں آپ بس۔"

خفا خفا سی مزینہ اسے ٹیڑھی نظروں سے دیکھتی ساجدہ بیگم سے مخاطب ہوئی۔

"اللہ جلدی لائے گا وہ دن بھی۔"

ساجدہ بیگم اس کے بال سنوارتیں مسکرا دی تھیں۔

"آپا آپ نے ڈرا دیا تھا ہمیں۔ ابو کے بعد اب آپ کو کھونے کی ہمت نہیں ہے۔ اپنا خیال رکھا کریں ہمارے لیے۔"

سفیر نے محبت سے کہا۔

"تمہاری آپا نے ٹھیکا اٹھا رکھا ہے ہمیں تنگ کرنے کا۔"

وہ مصنوعی خفگی سے گویا ہوئی اور پارس کی چھوڑی ہوئی جگہ پر بیٹھ کر زائشہ کا ہاتھ تھام لیا۔

"غصے میں کیوں ہو۔ کیا خرم بھائی نے لفٹ نہیں کروائی۔"

زائشہ نے مسکراہٹ دبائی تو مزینہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔ باقی سب صوفے پر بیٹھے تھے پارس پاس پڑی چیئر پر بیٹھی تھی۔ سفیر ان کے لیے چائے لینے گیا تھا۔

"ہاسپٹل کے بیڈ پر لیٹے بڑی تمہیں شوخیاں سوجھ رہی ہیں۔ کل رات سے آدھا خون خشک کر دیا ہمارا۔ جی تو کرتا ہے دو تھپڑ اس گال پر ماروں اور دو تھپڑ اس گال پر۔ عقل ٹھکانے آجائے گی تمہاری۔ کوئی ایسا بھی کرتا ہے۔ سولی پر لٹکا دیا تھا تم نے تو ہمیں۔ تمہاری ایکسیڈنٹ کی اطلاع ملنے کے بعد بھی سکون سے سو نہ سکی میں۔ پوری رات آنکھوں میں کٹی ہے۔ مجھ سے پوچھو ظالم کتنی ٹینشن میں تھی میں۔"

آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتی وہ محبت بھرے لہجے میں بڑے رعب سے کہہ رہی تھی۔

پارس گواہ تھی۔اس کی خود کی یہی حالت تھی۔

"میں صدقے اتنی محبت امڈ رہی ہے۔"

زائشہ ہنس دی۔

اس کے ہنسنے پر مزینہ خفگی سے اس کے پاس سے اٹھ کر ساجدہ بیگم کے پاس جا بیٹھی۔

وہ لوگ تھوڑی دیر رکنے کے بعد گھر چلے گ ۓ تھے۔زائشہ کو ڈسچارج اگلی صبح ملنا تھا۔سفیر ہاسپٹل میں اس کے ساتھ ہی رکا تھا۔

****

"خدا کے لیے نوریز ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔یہ پولیس کو انوالو کرنے والا معاملہ نہیں ہے۔"

روشنی اسے کب سے سمجھانے کی کوشش میں تھیں جو غصے سے بے قابو ہوا جا رہا تھا

"تو آپ کیا چاہتی ہیں اپنی بہن کے گناہگار کو یوں کھلے عام پھرنے دوں۔"

وہ لہو رنگ آنکھیں لیے ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ سفیر کی بوٹی بوٹی کر ڈالے۔ روشنی نہ روکتیں تو وہ اب تک نہ معلوم کیا کر چکا ہوتا۔

"تم اس پر کیس کرو گے بات عدالت تک جائے گی۔ سحاب کی پیشی لگے گی۔ کیسے کیسے سوال اس سے کیے جائیں گے بات پورے خاندان میں پھیل جائے گی۔ اب تک جو بات گھر کی چار دیواری میں ہے کل کو پورے شہر کو پتا چل جائے گی کہ مشہور بزنس مین اردشیر عباسی کی بہن۔۔۔۔"!

اردشیر کو لاؤنج میں آتے دیکھ کر روشنی کی زبان کو بریک لگا تھا۔

"کیا کہہ رہی تھیں آپ۔ بات مکمل کریں بھابھی۔"

کن نظروں سے اس نے ضبط سے سرخ پڑتے نوریز کو دیکھا جو یک دم ہی پھٹ پڑا تھا۔

"آپ کی سو کالڈ محبت زائشہ کے بھائی نے اپنی بے عزتی کے بدلہ لینے کے لیے ہماری عزت خاک میں ملا دی۔ آپ نے اس کی بہن کے ساتھ نیکی کی۔ ان کی جان بچائی۔ بروقت ہاسپیٹل لے کر گئے اور اس نے کیا کیا آپ کی بہن کے ساتھ۔۔۔۔۔"!

وہ چیخ کر اپنا غبار نکالنے لگا مگر اردشیر کے پیروں تلے زمین سرگئ تھی۔ وہ لڑکھڑا سا گیا۔

"بکواس ہے یہ سب۔ میں نہیں مانتا۔ سفیر ایسا نہیں کر سکتا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں اسے۔"

وہ سختی سے منکر ہوا۔

"اوہ! یعنی سحاب جھوٹ بول رہی ہے؟"

وہ طنزیہ انداز میں ہنسا۔

"میں نے ایسا نہیں کہا نوریز۔ بات کو غلط رنگ مت دو۔ کوئی غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔"

وہ خود بھی بے یقین ہی رہتا گر اسے رستے میں زوالقرنین کی کال نہ آتی۔ وہ اسے پہلے ہی سب سچائی بتا چکا تھا۔

"میں خود سحاب سے بات کروں گا۔"

وہ بے تاثر لہجے میں سرد مہری سے گویا ہوا۔

"آپ اس سے کوئی بات نہیں کریں گے۔ وہ پہلے ہی بہت ڈسٹرب ہے۔ آپ کے سر پر اس وقت زائشہ کا بھوت سوار ہے۔ جب اتر جائے تب بات کیجیے گا۔"

وہ تمسخرانہ لہجے میں بولا۔

"زائشہ کو بیچ میں مت لاؤ۔اس قصے میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے اور آئیندہ بعد انہیں تمیز سے مخاطب کرنا ورنہ مجھے تمیز بھولنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

وہ یک دم چیخ گیا۔اس کے تاثرات سرد پتھریلے تھے۔لب بھینچ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے میں چلا گیا۔

پہلے ہی دل و دماغ زائشہ میں الجھے ہوئے تھے اس نازک سی لڑکی نے تو اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ کس قدر وہ بے بس ہوا تھا کہ بس میں ہوتا تو اسے آغوش میں لے کر اس کی ساری تکلیفیں اپنے سینے میں اتار لیتا۔اب یہ ایک نئ ٹینشن۔ سحاب سے ایسی امید نہیں تھی۔اس نے تو اس کی ہر خواہش پوری کی تھی۔اسے بے حد محبت سے رکھا تھا۔کہاں کمی رہ گئ تھی جو اس نے اتنا بڑا قدم اٹھاتے ہوئے اپنے بھائیوں کا سوچا ہی نہیں کہ اس کا کہ ایک غلط قدم کس بربادی کو دعوت دے سکتا ہے۔اسے سحاب پر اس قدر غصہ آرہا تھا کہ بس نہیں چل رہا تھا گر وہ سامنے ہوتی تو یقیناً اس کی جان ہی لے لیتا۔اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی اسے زرا شرم نہ آئی اور اس نے اپنے مسیحا پر ہی الزام ڈال دیا۔وہ ششدر رہی تو رہ گیا تھا۔

"اب طبیعت کیسی زائشہ کی؟"

وہ اپنی سوچوں میں بری طرح غرق تھا کہ روشنی کمرے میں چائے کے ساتھ دوا بھی لے آئیں

اسے بے اختیار کل رات والا منظر یاد آنے لگا کہ کیسے کوئی انہیں اوورٹیک کر رہا تھا اور ان کی گاڑی پر فائرنگ بھی کی گئ تھی۔ یہ کوئی چھوٹی موٹی بات نہیں تھی۔ ضرور کوئی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ جانتا تھا بزنس کی دنیا میں اس کا ایک نام تھا۔ ایک مقام تھا۔ ایسے میں بہت سے حاسدین پر شک کیا جاسکتا تھا۔ فالحال تو وہ معاملے کی تہہ تک جانا چاہتا تھا کہ وہ جو کوئی بھی لوگ تھے۔ ان کی کاروائی سے زائشہ محفوظ نہ رہ سکی تھی۔ وہ تو یہ سوچ سوچ کر ہی شل ہو رہا تھا کہ خدانخواستہ اسے اگر گولی لگ جاتی تو۔۔۔۔!

"اب بہتر ہیں وہ۔"

چائے کا کپ لبوں سے لگاتے وہ بولا۔

"مگر یہ سب ہوا کیسے؟"

روشنی صوفے پر ٹک گئیں۔

"گاڑی ڈس بیلنس ہو گئ تھی۔ راستے میں شاید کوئی پتھر ٹائر کے نیچے آگیا تھا۔"

وہ بات گول مول کر کے خالی مگ سینٹرل ٹیبل پر رکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے شام میں ہاسپیٹل لے چلنا زائشہ کی عیادت کے لیے۔"

اس کو اٹھتے دیکھ کر وہ فورا بولیں۔

"وہ کل ڈسچارج ہو کر گھر آجائیں گی پھر مل لیجیے گا۔"

وہ کچھ سوچ کر مخاطب ہوا پھر کف فولڈ کرتا گاڑی چابیاں اٹھا کر باہر نکل گیا۔ اس کا رخ پولیس سٹیشن کی جانب تھا۔ وہ معاملے کی تہہ تک جانا چاہتا تھا۔ ایسے ڈھیل دینا نری حماقت ہی تھی۔ وہ جو فائرنگ کر سکتے تھے تو کچھ بھی کر سکتے تھے۔

****

وہ آج ہی ڈسچارج ہو کر گھر آئی تھی۔ ہاسپیٹل میں تو عجیب سی گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ گزرا کل کا دن اس نے بامشکل کاٹا تھا۔

پلنگ پر تکیوں سے ٹیک لگائے وہ نیم دراز تھی۔ سفیر گیراج جا چکا تھا۔ مزینہ اور پارس تو اس کے آگے پیچھے ہو گئ تھیں۔ کبھی سوپ بنا کر دیتیں تو کبھی پھل کاٹ کر اس کے آگے

رکھ دیتیں۔ خالدہ بیگم بھی اسے دو بار دیکھ کر گئی تھیں۔ ساجدہ بیگم اس کے برابر میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وقفے وقفے سے اس پر کچھ نہ کچھ پڑھ کر پھونکتی رہتی تھیں۔

ان سب کی محبتوں پر وہ خود بھی سرشار ہوئی تھی پر دوسری ہی طرف ان پھیکے کھانوں اور سیب سے عاجز نظر آتی تھی۔ یہ صحیح تھا کہ وہ تیکھا کم کھاتی تھی مگر اتنا بھی نہیں ہے کہ سوپ پر اکتفا کرلے اور سیب کھانے سے تو یوں بھی اس کی جان جاتی تھی۔ اسے سیب شروع سے ہی پسند نہیں تھے۔

"سیب نہیں کھائے تم نے یہ سوپ تو پی لو۔ کیا پسند نہیں آیا؟"

مزینہ نے ٹرے میں رکھے پیالے میں موجود سوپ کی جانب اشارہ کیا۔

"بہت پھیکا ہے۔ نہیں پیا جا رہا۔"

اس نے برا سا منہ بنایا تو پارس ہنس دی۔ وہ شام کی روٹیاں بنا کر فارغ ہوئی تھی۔

"آپا سوپ میں مرچوں کا تڑکہ کون لگاتا ہے۔"

وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"دیکھو تو زرا دروازے میں کون ہے۔"

ساجدہ بیگم اٹھ کر باہر پلنگ پر جا بیٹھی تھیں۔ صحن میں چلتی ٹھنڈی ہوا کی انہیں عادت سی ہو گئی تھی۔ شام ہوتے ہی یوں بھی تپش سی ہو جایا کرتی تھی۔ ایسے میں انہیں پنکھے کی ہوا نہیں بلکہ قدرتی ہوا سکون دیتی تھی۔ وہ مغرب کی نماز کے لیے زائشہ کے پاس سے اٹھیں تھیں تو نماز پڑھ کر باہر ہی بیٹھ گئی تھیں۔

مزینہ نے سر پر دوپٹہ جماتے باہر آ کر دروازہ کھولا تھا اور سامنے روشنی کو دیکھ کر وہ فوراً اس سے گلے ملی تھی۔ پیچھے اردشیر بھی تھا۔ اس کے ساتھ ہی خرم بھی تھا جس کی گود میں حماس تھا۔

خرم نے اسے زبردست مسکراہٹ پاس کی تھی۔ وہ جھینپتی ہوئی ایک طرف ہوئی تھی اور ان کے اندر آتے ہی دروازہ بند کر کے پلٹی تھی۔

ساجدہ بیگم تو حماس کو دیکھ کر کھل اٹھیں۔ خرم اور اردشیر نے انہیں سلام کر کے ان کے آگے جھک کر سر پر ان سے پیار لیا تھا۔

"السلام و علیکم آنٹی"!

روشنی نے ادب کا تقاضہ نبھایا۔

"وعلیکم السلام! جیتی رہو خوش رہو۔"

اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے انہیں کسی کی شدت سے یاد آئی تھی۔پہلے جب روشنی کو دیکھا تھا تو انہیں وہم لگا تھا کہ اس دن جب وہ آئی تھی تو گھر میں لائٹ ہی نہ تھی لیکن اب تو اس کے نقوش بالکل واضح تھے۔

وہ فرصت سے آبدیدہ ہوئی تھیں۔انہیں نہ معلوم کیوں روشنی کے چہرے میں سعدی کا عکس چھلکتا دکھائی دیا تھا۔روشنی انہیں روتے دیکھ بوکھلا گئ۔

"آپ روئیں نہیں پلیز۔زائشہ جلد ہی ٹھیک ہو جائے گی۔ماشاللہ وہ تو بہت بہادر ہے۔"

روشنی نے ان کے ہاتھ تھام کر تسلی دی کہ اسے یہی لگا تھا کہ وہ اس کی وجہ سے افسردہ ہیں۔

"ارے نہیں زائشہ تو اب ٹھیک ہے۔میری نظروں کے سامنے ہے۔مجھے اور کیا چاہیے۔میں تو اسی پر صابر ہوں بس۔تمہیں دیکھ کر کسی کی یاد آ گئ تھی۔اس کی یاد نے ہی آبدیدہ کر دیا۔"

وہ دوپٹے کے کنارے سے آنسو پونچھتی ہوئی مسکرا دیں۔

"پھر تو مجھے یہاں بالکل بھی نہیں آنا چاہیے کہ میں آپ کے رونے کی اور تکلیف کی وجہ ثابت ہوتی ہوں۔"

وہ خفگی سے گویا ہوئیں۔

"خبردار جو الٹی سیدھی بات کی۔"

وہ برا منا گئیں۔

"کون آیا ہے پارس؟"

پاس بیٹھی پارس سے انجان بنتی وہ پوچھنے لگی۔اس کے انجان بننے پر پارس گھور کر رہ گئ۔اردشیر کے سلام کرنے کی آواز تو وہ خود سن چکی تھی۔یہ بھلا آپا کے کانوں کو کیا ہو گیا تھا۔

"اتنی انجان بھی نہ بنا کریں۔"

وہ اٹھ کر باہر چلی آئی تھی۔

"ہائے ایسا ظلم نہ کیجیے گا کہ آپ آتی ہیں تو آنگن میں بہار آتی ہے۔"

پارس اس سے ملتی ہوئی حماس کو پیار کرنے لگی تھی۔

"اور ہمارے آنے سے کیا آتی ہے؟"

خرم نے معنی خیزی سے پوچھا۔مزینہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑے تھے۔وہ تو سپیڈ سے کچن میں جا گھسی تھی۔

"آپ کے آنے سے کچھ نہیں آتا بلکہ جو آتا ہے وہ بھی بھاگ جاتا ہے۔"

پارس کا جواب برجستہ تھا۔سب کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

انہیں لے کر وہ کمرے میں آ گئی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟اردشیر نے مجھے بتایا تو مجھ سے رہا نہیں گیا۔"

روشنی نے محبت سے اس کے ہاتھ تھامتے پوچھا تھا۔

"پہلے سے بہتر ہوں۔"

وہ دھیمے سے بولی تھی۔اس شخص کی موجودگی اسے نروس کیے دے رہی تھی۔اس کے جھکے سر کو دیکھتی وہ مسکراہٹ دبا گئی تھی۔حماس باہر ساجدہ بیگم سے لاڈ اٹھوا رہا تھا۔

"بہت پریشان کیا ہے آپ نے بہنا۔میری ہونے والی زوجہ کی نیندیں ہی اڑا دیں جبکہ ان کی نیندیں اڑانے کا حق تو اصولاً مجھے تھا۔"

سامنے موجود کرسی پر بیٹھے خرم نے پھل جھڑی چھوڑی تھی۔وہ مسکرادی تھی۔پارس کا قہقہہ نکلا تھا۔

"آپ کی ہونے والی زوجہ کے فالحال حواس اڑے ہوئے ہیں۔"

کن نظروں سے وہ کچن میں کام کرتی مزینہ کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔اس نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے اسے چائے کا ڈونگا مارنے کے لیے اٹھایا تھا پر افسوس وہ ایسا کر نہ سکی تھی۔

پارس کمرے کی دہلیز پر کھڑی اس کی حرکتوں سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"کچھ دنوں تک سکول نہ جاؤ ریسٹ کرو جب تک مکمل طور پر ٹھیک نہ ہو جاؤ۔"

روشنی اسے تاکید کر رہی تھی۔

اس کی جھکی نظروں اور لرزتی کو دیکھتے وہ موبائل پر مصروف ہو گیا تھا۔

"ہونے والی بھابھی کی طبیعت نہیں پوچھے گا؟اتنا بے مروت کب سے ہو گیا؟"

خرم نے اس کے کان میں گھس کر لتاڑا۔

لفظ بھابھی پر اردشیر نے اچھنبے سے موبائل کی سکرین سے نظریں ہٹا کر اسے گھورا۔

"بھری محفل میں مجھ سے خاطر نہ کروالینا۔ خیر سے میری ہونے والی بھابھی یہیں ہیں۔ کچھ تو خیال رکھ اپنی عزت کا۔"

اسے تیکھے لہجے میں دھمکاتے ہوئے وہ آخر میں طنزیہ ہوا تھا۔

"تو بس مجھے دھمکیاں ہی دیتے رہنا اور کچھ تجھ سے نہیں ہونے والا۔"

وہ جل بھن کر کہتا سیدھا ہو بیٹھا۔ اردشیر نے سر جھٹکا جبکہ اندر کہیں خرم کے زائشہ کو بھابھی کہنے پہ بے نام میٹھی سی کسک نے زور پکڑا تھا۔

سفیر ابھی گھر نہیں آیا تھا

خرم کچھ دیر وہاں بیٹھ کر خالدہ بیگم سے ملنے چلا گیا تھا۔ روشنی بھی ایک گہری نظر اردشیر پر ڈال کر کچھ سوچتی ہوئیں اٹھ کر باہر چلی آئی تھی۔ کچن میں پارس اور مزینہ گھسی ہوئی نہ جانے کیا کر رہی تھیں۔ وہ ان کے پاس چلی آئی تھی۔

زائشہ نے گہری سانس لی اور ہاتھ بڑھا کر دوپٹہ سر پر درست کیا جو ڈھلک گیا تھا۔

اب کمرے میں صرف وہ دونوں تھے اور ان کے درمیان حائل شور مچاتی خاموشی۔

"کیسی ہیں آپ؟"

اردشیر نے ہی ہر بار کی طرح پہل کی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔آپ کیسے ہیں؟"

نہ جانے کس جذبے کے تحت وہ پوچھ گئی تھی۔گاڑی میں وہ دونوں ہی تھے تو ظاہری بات تھی محفوظ تو وہ بھی نہیں رہ سکے ہوں گے۔زائشہ کی اپنی ہی سوچیں تھیں۔

اسے اپنے سماعت پر یقین نہ آیا تھا۔خوشگوار سی کیفیت میں وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اسے دیکھنے سے دانستہ گریز برت رہی تھی یا نظریں چرا رہی تھی۔

"الحمداللہ ٹھیک ہوں۔"

وہ ایک شخص جو کم کم میسر ہے ہم کو

آرزو ہے کسی روز وہ سارا مل جائے

"کب تک نظریں چرانے کا ارادہ ہے۔حقیقت تو اٹل ہے آپ مان کیوں نہیں لیتیں۔"

اردشیر کے لہجے میں تھکن در آئی۔وہ اس پتھر سے سر پھوڑتے پھوڑتے تھک گیا تھا کہ جس میں اس کی محبت کا تیشہ بھی شگاف نہ ڈال سکا تھا۔

"کیا منوانا چاہتے ہیں آپ۔"

خلاف توقع وہ نرمی سے دھیمے سروں میں سر جھکائے اپنی شفاف ہتھیلی میں اردشیر کہ محبت کی لکیریں کھوجتی اسے شاکڈ کر گئ تھی۔

کہاں وہ اس سے اس لہجے میں مخاطب ہوتی تھی۔اردشیر کو عادت ہی نہ تھی ان میٹھے سروں کی سو اس کا شاک میں جانا بجا تھا۔

"میں غریب بندہ آپ سے کیا منوا سکتا ہوں۔ مجھ میں کہاں سکت ہے بھلا۔میں تو بس اتنا چاہتا ہوں کہ میری محبت کا خالی کاسہ بھر جائے۔"

مسکراہٹ دبائے جھکے سر کے ساتھ وہ جوتے کی نوک سے فرش رگڑتا ہوا محبت سے چور لہجے میں گویا ہوا۔

اس کے لفظ غریب کہنے پر پہلی بار زائشہ نے اسے سر تا پیر گھورا تھا۔اردشیر نے نظروں کی تپش پر جھکا سر اٹھایا تو نظریں چار ہوئیں۔زائشہ کو اپنی بے اختیاری کا خیال آیا تو وہ سٹپٹا کر نگاہیں پھیر گئ۔

"میرے دل کا اکاؤنٹ خالی ہے۔ محبتوں کی دولت کی اشد ضرورت ہے بصورت دیگر اکاؤنٹ بند ہو جائے گا اور میری اکیلی نازک سی جان اتنا بڑا خسارا برداشت نہیں کر پائے گی۔"

اردشیر نے جھک کر اس کے کان میں دھیمے سروں میں سرگوشی کی۔اس کے شنگرفی لبوں پر مسلسل مسکراہٹ کا پہرہ تھا۔زائشہ نے لب دبا کر مسکراہٹ ضبط کی۔

"یہ دولت آپ کہیں اور سے اکٹھی کر لیں۔"

وہ بھی زائشہ تھی۔اسے جواب دینا بخوبی آتا تھا۔

"دل کو صرف مخصوص بندے کی دولت ہی درکار ہے۔"

اس کی ڈھٹائی پر زائشہ نے ٹیڑھی نظروں سے اس دیکھا جو کوٹ درست کرتا کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔اس نے گہری سانس خارج کی۔جان خلاصی ہوئی تھی۔

ساجدہ بیگم اپنے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

سفیر کچھ دیر بعد آ گیا تھا گھر میں مہمانوں کی آمد کو بھانپتا وہ پہلے زائشہ کے کمرے میں اس کی طبیعت کا پوچھنے گیا تھا پھر اپنے کمرے میں آ کر اپنی حالت درست کر کے اردشیر سے ملا تھا

جبکہ سفیر کو دیکھ کر روشنی کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی تھی۔ وہ یقین نہیں کر پا رہی تھیں کہ سحاب کے ساتھ زیادتی کرنے والا سفیر ہے مگر جھٹلانے کا یارا بھی نہ رکھتی تھیں کہ سحاب کو اجڑی بکھری حالت میں دیکھ کر ان کا دل کٹ گیا تھا۔

"السلام علیکم"

نہ چاہتے ہوئے بھی سفیر اردشیر سے بغلگیر ہوا جبکہ وہ اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد اس گھر کے کسی فرد کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

"وعلیکم السلام! تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ باہر چلیں۔ یہاں تو یوں بھی خالصتاً عورتوں کی محفل لگی ہوئی ہے۔"

وہ مخصوص لہجے میں بولا تو سفیر ٹھٹھکا پھر سنجیدہ تاثرات لیے اٹھ کر باہر آ گیا۔

"میں جانتا ہوں آپ مجھ سے کیا بات کرنے والے ہیں مگر میں۔۔۔۔ نہیں! تم نہیں جانتے سفیر کہ تم نے سحاب کی جان اور اس کی عزت بچا کر مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ تمہیں کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا رویہ حق بجانب ہے۔ سحاب نے

جو کیا میں اس کے لیے تم سے معذرت خواہ ہوں۔ مجھے زوالقرنین نے پہلے ہی سب بتادیا تھا۔"

وہ دوٹوک لہجے میں ہاتھ اٹھا کر کہتے اسے خاموش کروا کر شرمندہ لہجے میں کہتے دونوں ہاتھ جوڑ گیا۔ سفیر جو پہلے شاکڈ سے ہی نہیں نکل پایا تھا اردشیر کے ہاتھ جوڑنے پر نفی میں سر ہلاتے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"یوں معافی مانگ کر میری نیکی ضائع مت کریں۔"

سفیر اردشیر کے ساتھ روا رکھے رویے پر خود بہت شرمندہ تھا۔

"تم بہت اچھے انسان ہو سفیر۔ایک اچھائی اور کرو گے۔ سحاب سے شادی کرلو۔اسے اپنا نام دے دو۔"

سفیر دو قدم پیچھے ہٹا اور ساکت نگاہوں سے اردشیر کو دیکھا۔

"اسے تم نیکی کہہ لو یا احسان۔"

سفیر کے اندر تک کڑواہٹ بھر گئی۔

"میں اس معاملے میں قطعی ملوث نہیں ہوں۔آپ کیا سمجھ رہے ہیں کہ۔۔۔۔۔"!

وہ ضبط کھوتے سرد لہجے میں گویا ہوا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو سفیر! میں ایک مجبور اور لاچار بھائی بن کر تم سے اپنی بہن کی عزت کی بھیک مانگ رہا ہوں۔ اپنی نیکی کو ضائع مت ہونے دو۔ سحاب کو قبول کر لو ورنہ وہ ساری زندگی یونہی میری دہلیز پر بیٹھی رہے گی۔"

وہ اس وقت واقعی بے بس تھا۔ سفیر نے گہری سانس خارج کی۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ امی سے باقائیدہ بات کر لیں۔"

وہ بے تاثر لہجے میں کہتے پشت پر ہاتھ باندھے دور افق پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"زندگی کے کسی موڑ پر اگر میں تمہارا یہ احسان اتارنے کے قابل ہو سکا تو ضرور اتاروں گا دوست۔"

اردشیر نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"نیکی کے بدلے نہیں اتارے جاتے اردشیر صاحب۔"

سفیر نے نارمل لہجے میں کہا تو اردشیر نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا۔

مزینہ گھر جا چکی تھی۔ پارس کھانا لگا رہی تھی جبکہ روشنی کو وہ حماس کے ہاتھوں کمرے میں بلوا چکا تھا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں اور آج اسی سلسلے میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔"

روشنی نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔ کچھ تو تھا اس کے لہجے میں۔ انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ اردشیر نے ان سے سحاب کے رشتے کی بات کی ساتھ ہی انہیں ساری حقیقت بھی بتادی۔ اب بال ان کی کورٹ میں تھی۔ اردشیر کو ڈر تھا کہ کہیں وہ انکار ہی نہ کر دیں مگر ساجدہ بیگم نے بلا تکلف بغیر کسی اعتراض کے سحاب کے لیے رضامندی دے دی تھی۔ روشنی بے یقینی سے اردشیر کو دیکھ رہی تھیں جس نے اچانک ہی اتنا بڑا فیصلہ اکیلے ہی لے لیا تھا۔ ان سے کچھ پوچھا نہ کوئی مشورہ لیا۔

"میں زیادہ دیر نہیں کرنا چاہتا۔ جتنا جلدی ہو سکے معاملہ نمٹا لیں اور نہ ہی شور شرابے کا خواہش مند ہوں بس سادگی سے کسی بھی دن آ کر نکاح پڑھوا کر رخصتی لے جائیں۔"

سفیر سر جھکائے سنجیدگی سے سن رہا تھا۔

"جمعہ کا دن ٹھیک رہے گا۔تب تک زائشہ بھی ٹھیک ہو جائے گی اور تھوڑی بہت تیاریوں کا بھی وقت مل جائے گا۔"

ساجدہ بیگم نے سفیر کی حالت سمجھتے ہوئے کہا۔وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔

"جیسے آپ کو مناسب لگے۔"

وہ کچھ دیر مزید رک کر روشنی کو لیے وہاں سے روانہ ہو گیا تھا جبکہ وہ سوچ رہی تھیں کہ زائشہ کو کیسے راضی کریں گی۔

کچھ دیر کی سوچ بچار کے بعد وہ خود ہی پارس اور زائشہ کے مشترکہ کمرے میں آئیں اور جو بات انہوں نے زائشہ کو بتائی بلکہ بتائی کیا تھی اپنا فیصلہ سنایا تھا۔اسے سننے کے بعد وہ ششدر رہ گئی۔پھر یکا یک اس کی آنکھوں میں غصے سے سرخ ڈورے دوڑ گئے۔

"مجھے آپ کے اس فیصلے پر اعتراض ہے امی۔میرا اکلوتا ہیرے جیسا بھائی کیا صرف اردشیر کی بہن کے لیے رہ گیا ہے جسے نہ اپنی عزت کی کوئی پرواہ تھی نہ ہی اپنے بھائی اور خاندان والوں کی۔"

زائشہ نے غصے سے نم آنکھیں صاف کیں۔ پارس نے چھوٹی بہن ہونے کے باعث خاموش رہنا بہتر سمجھا تھا۔

"بری بات ہے میری جان! کسی لڑکی کے لیے ایسا نہیں کہتے۔ اس عمر میں ہر لڑکی ہی بہک جاتی ہے۔"

انہوں نے ٹوک کر سمجھانا چاہا۔

مگر میں اور پارس تو نہیں بہکے امی اور پھر مزینہ کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ پیار محبت عشق کرنے سے انکار نہیں ہے مگر راستہ تو صحیح چننا چاہیے۔"

اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ غصے سے اس کی سانس پھولنے لگی۔

"اس کے سر پر ماں نہیں ہے ناں جو اس کی تربیت کرتی۔ اسے سمجھاتی۔ صحیح غلط میں تفریق سکھاتی۔ اسے روکتی ٹوکتی پھر بھائی ہیں دو اور وہ بھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف۔ میں یہ نہیں کہتی کہ سحاب نے غلطی نہیں کی۔ بہت سی لڑکیاں بن ماں باپ کے بھی بہت مضبوط کردار کے ساتھ معاشرے میں رہ رہی ہیں مگر کچھ سحاب جیسی بھی

ہوتی ہیں جنہیں گھر میں پیار اور توجہ نہیں ملتی تو وہ باہر تلاش کرتی ہیں۔بس سحاب نے باہر محبتیں تلاش کیں۔جس کا اسے خمیازہ بھگتنا پڑا۔"

انہوں نے رسان سے سمجھایا۔زائشہ لاجواب ہو گئی۔

"مگر امی! سحاب جیسی لڑکیاں زیادہ دیر ٹکتی نہیں ہیں۔ان کی فطرت نہیں بدلتی۔مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ سفیر کی زندگی نہ خراب کر دے۔میرا بھائی بہت نرم دل ہے۔یہ ہمدردی کا رشتہ اس کے دل میں محبت جگا دیگا اور پھر جب وہ سفیر کو چھوڑ جائے گی تو وہ ٹوٹ جائے گا۔"

زائشہ کی نمی گھلی ہوئی آواز اور تڑپتا لہجہ باہر کھڑے سفیر کے دل میں سکون پہنچا گیا تھا۔اسے لگا تھا وہ آپا کی محبتوں کا مقروض ہو جائے گا۔یکایک اسے ایسا لگا کہ اس کی آپا اس کے بابا کی جگہ ہیں۔اس نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھا پھر دروازے سے ہٹ گیا۔

"محبت سے مضبوط کوئی زنجیر نہیں ہوتی زائشہ۔ہم اسے اتنی محبت دیں گے کہ وہ کہیں جانے کا سوچے گی بھی نہیں۔"

انہوں نے محبت سے اسے سینے سے لگا یا۔

"بھابھی بھائی میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔آپ جانتی ہیں ناں سب کچھ۔وہ شخص میرا مجرم ہے اور بھائی مجھے ہمیشہ کے لیے اس کے سر پر مسلط کر رہے ہیں۔اپنی سگی ماں جائی کے ساتھ ایسا کون کرتا ہے۔"

روشنی کے سپاٹ انداز میں بتانے پر وہ چیخ ہی تو پڑی تھی۔اس نے تو صرف شیر اور نوریز کے غصے سے بچنے کے کے لیے جھوٹ بولا تھا کیا پتا تھا یہ جھوٹ گلے ہی پڑ جائے گا وہ بھی ساری زندگی کے لیے۔

"آپ ان سے کہہ دیں کہ مجھے یہ شادی نہیں کرنی۔اس سے تو بہتر ہے کہ میرا اگلا دبا دیں۔"

وہ چیخ گئی تھی۔

"تم جیسی بہن کا گلا دبا ہی دینا چاہیے تا کہ پھر کوئی سحاب رات کے اندھیرے میں گھر کی دہلیز نہ پھلانگے کہ ہر بار کوئی سفیر مسیحا بن کر نہیں آتا۔"

اردشیر نے ضبط سے سرخ پڑتے مٹھیاں بھینچ لیں۔وہ یہاں صرف سحاب کو خبردار کرنے آیا تھا کہ اگلے گھر جا کر سکون سے رہے اور کوئی تماشہ کھڑا نہ کرے مگر وہ تو اسی وقت روشنی کے ساتھ کمرے میں تماشہ لگا چکی تھی۔

سحاب کی رنگت سفید پڑ گئ۔وہ ساکت رہ گئ۔یک لخت ساری اکڑ سارا غرور جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔وہ کس بل پر چیخ چلا رہی تھی یہاں تو اردشیر ساری حقیقت سے واقف تھا یہی نہیں اس نے راستے میں روشنی کا خراب موڈ دیکھ کر اسے ساری سچائی بتادی تھی جس کے بعد ان کا خود کا رویہ اس کے ساتھ سرد و سپاٹ ہو گیا تھا۔

"اسے سمجھادیں کہ خاموشی سے سر جھکا کر یہ فیصلہ قبول کر لے کہ اسی میں اس سمیت ہم سب کی بھلائی ہے۔ سفیر اچھا نہیں بہت اچھا انسان ہے۔اس جیسے شخص کو یہ چراغ لے کر بھی ڈھونڈے گی تو نہیں ملے گا۔چپ چاپ اس کے سنگ یہاں سے رخصت ہو جائے تو بہتر ہے۔بصورت دیگر یہ ساری زندگی اسی طرح اس دہلیز پر گزار دے گی بخدا اگر پھر یہ بھول جائے اس گھر سے اسے کبھی رخصت کروں گا۔"

وہ غصیلے لہجے میں سرد نظروں سے اسے دیکھتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا جبکہ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ روشنی نے ایک تاسف زدہ نظر اس پر ڈالی اور کمرے سے نکل گئیں۔

جمعہ بھی کوئی زیادہ دور نہیں تھا۔ زائشہ کی طبیعت زرا سنبھلی تو وہ اس کے ساتھ جا کر سحاب کے لیے شاپنگ کر آئی تھیں۔ البتہ سفیر کو ان سب چیزوں میں بالکل بھی دلچسپی نہیں تھی۔ انہوں نے ایک دو بار پوچھا بھی مگر وہ قطعی موڈ میں نہیں تھا۔ آج وہ جلدی اٹھ گئی تھیں کہ جمعہ کا دن تھا۔ سفیر گیراج گیا ہوا تھا جبکہ وہ منع کرتی رہ گئیں۔ زائشہ نے بھی سمجھایا مگر وہ جلدی آنے کا کہہ کر چلا گیا۔ اب مغرب ہونے کو آئی تھی مگر سفیر کا اتا پتا نہیں تھا۔ ساجدہ بیگم کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا مگر پھر سفیر کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر خفگی سے دیکھنے لگیں۔

"کیا ہو جاتا اگر آج نہیں جاتے تو۔ شادی تو ایک ہی دفعہ ہوتی ہے۔"

پارس نے کہتے ساتھ ہی زبان دانتوں تلے دبائی۔ زائشہ نے اسے گھورا جبکہ سفیر ہنس دیا تھا۔

"قربان جاؤں تم پر۔ آنے والی کے ہزار خرچے ہیں۔ کماؤں گا نہیں تو اسے کھلاؤں گا کہاں سے۔"

زائشہ کے ہاتھ سے کپڑے لے کر وہ مسکرا کر بولا تو سب کی جان میں جان آئی۔ زائشہ کا دل اداس تھا۔ اپنے اکلوتے بھائی کے لیے۔ کتنے ارمان تھے مگر سفیر کی اس قربانی پر اس کا دل خون کے آنسو رویا تھا۔

وہ تیار ہو کر باہر آیا تو ساجدہ بیگم نے یونہی اس کی بلائیں لے لیں۔ وہ خوش تھیں اور سفیر ان کی خوشی میں خوش تھا۔ زائشہ اور پارس خوش نہیں تھیں۔ وہ اپنے جذبات واحساسات کو دبا گیا کہ نہیں چاہتا تھا وہ دونوں اس کے چہرے پر تکلیف ودکھ کا کوئی بھی تاثر دیکھ کر مزید دکھی ہوں۔ وہ انہیں خوش کرنے کے لیے نارمل تھا۔ اس نے خالدہ بیگم اور ساجدہ بیگم کو ڈرائیور کے ساتھ بٹھایا اور خود زائشہ مزینہ اور پارس کو لیے گاڑی کے پیچھے روانہ ہوا۔

****

سرخ رنگ کے دیدہ زیب لباس میں سولہ سنگھار کیے وہ بیڈ پر بیٹھی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہی روشنی اسے تیار کر کے گئی تھیں۔ وہ کچن میں ملازمہ سے کھانا تیار کروا رہی تھیں کہ جب ملازم نے انہیں مہمانوں کے آنے کی اطلاع دی۔ اردشیر نے ان کی یہ مشکل آسان کر دی۔ وہ مہمانوں کو لے کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ نوریز کا رویہ خاصا سرد تھا۔ اردشیر کے فیصلے پر احتجاج کر کے ناکامی کے باعث اب خاموشی اختیار کر چکا تھا۔ روشنی ان سے خوش دلی سے ملی تھیں۔ البتہ زائشہ تھوڑی کھینچی کھینچی سی تھی۔ وجہ جاننے سے وہ قاصر تھیں۔ کافی دیر بات چیت کرنے کے بعد اردشیر نے روشنی کو اشارہ کیا تو وہ سحاب کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

وہ بالکل ساکت کسی مجسمے کی طرح بیٹھی تھی۔

"چلو سحاب مہمان آگئے ہیں۔"

انہوں نے اس کا عروسی دوپٹہ ٹھیک کرتے کہا تو وہ تڑپ اٹھی۔

"پلیز بھابھی کچھ کریں۔ میں یہ شادی نہیں کر سکتی۔ ایک ایسے شخص کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزاروں گی جسے میں جانتی تک نہیں۔"

وہ سسک اٹھی۔

"جسے تم جانتی ہو پھر اسے بلالو۔"

روشنی کے سختی سے کہنے پر وہ شرمندگی سے لب کچلنے لگی۔

"سفیر بہت اچھا انسان ہے۔ اردشیر نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ تمہیں شکر کرنا چاہیے کہ اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی قسمت تم پر مہربان ہے۔ اس مہربانی اور سفیر کی قربانی کو رائیگاں مت جانے دینا۔ خود بھی خوش رہنے کی کوشش کرنا اور اسے بھی خوش رکھنا۔"

وہ اسے سمجھاتے ہوئے کمرے تک لائی تھیں جبکہ وہ خاموشی سے ان کی ساری باتیں سن رہی تھی۔

انہوں نے اسے صوفے پر لا بٹھایا۔

کچھ ہی دیر بعد اس کی زندگی مکمل طور پر بدل گئی تھی۔ وہاں مبارک سلامت کا شور بلند ہوا تھا جبکہ اس کا دل چاہا کہ سب کچھ تہس نہس کر ڈالے۔

"میری بہن کو ایک کھروچ بھی آئی تو یاد رکھنا تمہارے آگے بھی بہنیں ہیں۔"

اس سے گلے ملتے وقت نوریز نے سرگوشی کی تو سفیر نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"بہت بہت مبارک ہو زائشہ۔"

اس نے گہری سانس خارج کی اور روشنی سے گلے ملی۔

ساجدہ بیگم نے سحاب کے سر پر پیار کیا اور دونوں کی نئی خوشیوں بھری زندگی کے لیے دعا کی۔ روشنی سحاب کو اس کے کمرے میں چھوڑ آئیں۔ کچھ دیر بعد پر تکلف ماحول میں کھانا کھانے کے بعد سحاب کی رخصتی کا وقت آن پہنچا۔ دونوں بھائیوں نے مختلف جذبات کے ساتھ اسے رخصت کیا۔ اردشیر نے فرنٹ میرر میں زائشہ کو آنسو صاف کرتے دیکھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اسے دکھ سے دوچار کر گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنی فیملی کے ہر فرد کے لیے گداز دل رکھتی ہے۔ اس کی نظر میں قربانی صرف سفیر نے ہی نہیں زائشہ نے بھی دی تھی۔ اپنوں کی خوشیوں کی قربانی۔

ساجدہ بیگم نے سحاب کا شاندار استقبال کیا تھا گو کہ اتنا وقت تو نہیں تھا مگر پھر بھی اکلوتے بیٹے کی یہ خوشی وہ ادھوری نہیں چھوڑ سکتی تھیں۔ کچھ ان کے خود کے بھی ارمان تھے۔

زائشہ نے اسے سفیر کے روم میں بٹھادیا۔ پارس تو اپنی نازک و خوبصورت بھابھی دیکھ کر پھولے نہیں سمارہی تھی جبکہ مزینہ کے تاثرات کچھ اچھے نہیں تھے۔ دوسری طرف زائشہ ابھی تک خود کو یقین دلانے کی کوشش کررہی تھی۔

گھونگھٹ اٹھا کر اس نے ایک طائرانہ نظر پورے کمرے پر ڈالی۔ چھوٹے سے کمرے کے وسط میں بیڈ رکھا تھا جس پر وہ بیٹھی۔ ایک طرف دو پارٹ کی الماری اور سامنے ہی ایک چھوٹا سا ڈریسنگ میز تھا جس کے شیشے میں دراڑ پڑی ہوئی تھی۔ چھت پر چلتے پنکھے کی آواز سے اب اس کے سر میں درد اٹھنے لگا تھا۔ کمرے میں سجاوٹ نام کی کوئی شے نہیں تھی۔ اس کمرے پر نظر ڈالنے کے بعد اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔ اس جیسے تو اس کے کمرے میں سے تین کمرے نکل جاتے تھے۔ اس ڈربے میں وہ کیسے رہ پائے گی یہی سوچ کر وہ گھبرا کر بیڈ سے اٹھی ہی تھی کہ عین اسی وقت سفیر نے کمرے میں قدم رکھے۔

"کہاں بھاگ رہی ہیں۔؟

سفیر نے دروازے کی چٹخنی چڑھائی اور کرخت لہجے میں استفسار کرتے اس کے نزدیک آ کر بازو دبوچا۔اس کی قربت پر سحاب نے لب بھینچ کیے۔

"کاش کے بھاگ سکتی۔"

نخوت سے کہتے اس نے بازو چھڑوانا چاہا پر دوسری طرف گرفت مضبوط تھی۔

"میں تو بھول ہی گیا تھا۔چور چوری سے جائے پر ہیرا پھیری سے نہ جائے۔ بھلا فطرت کیسے بدل سکتی ہے آپ کی۔"

بازو آزاد کرتا وہ طنزیہ لہجے میں بولا تو وہ سلگ اٹھی۔

"تم دو ٹکے کے کار مکینک سمجھتے کیا ہو خود۔ہمت کیسے ہوئی تمہاری میرے بارے میں بکواس کرنے کی۔میں تمہیں۔۔۔۔"!

سفیر نے ایک ہی جست میں اس کی کمر میں بازو حمائل کر کے اس کے باقی کے الفاظ قید اپنے لبوں میں قید کر لیے۔ سحاب اس کی اس حرکت پر شاکڈ رہ گئ۔اس کے شدت بھرے لمس میں گو کہ نرمی تھی مگر سحاب کے لیے یہ تجربہ نیا تھا۔وہ چکرا کر رہ گئ

تھی۔ پے در پے اس کے شانوں پر مکے برسائے مگر نتیجہ بے سود۔ اس کی سانسیں اکھڑنے لگیں تو سفیر کو اس پر جیسے ترس آگیا۔

وہ بری طرح کھانستی ہوئی نیچے بیٹھتی چلی گئ۔ آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں۔ سفیر نے گلاس میں پانی انڈیلا اور ایک گھٹنہ موڑ کر اس کے مقابل بیٹھ کر گلاس اس کے آگے کیا۔ سحاب نے تیزی سے تھام کر دو گھونٹ بھرے اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

"میرا خیال ہے آپ کو اس دو ٹکے کے کارمکینک کی ہمت و طاقت کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔" سرد و سپاٹ لہجے میں کہتے اس نے سحاب کے چہرے پر جھولتی لٹ کھینچی۔

وہ سرخ پڑتا چہرہ لیے اٹھ کر بیڈ پر جا بیٹھی۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی حس یک لخت منجمند ہو گئ تھی۔ دل آنے والے لمحات کے خوف سے دھک دھک کر رہا تھا۔ سفیر کی حرکت کو وہ کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔ غصہ محبت انتقام کیا تھا وہ۔

"یہ خوف کیسا ہے مسز سفیر؟"

سحاب کے تھوڑی کو دو انگلیوں سے اونچا کر کے وہ سرد لہجے میں مستفسر ہوا۔ اس کی کاٹ دار نظروں نے سحاب کو پور پور زخمی کر دیا تھا۔

"تم جتنا ہو سکے دور رہو مجھ سے۔ زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ خوبصورت اور امیر گھر کی لڑکی سے شادی کر کے تم نے سوچا تھا کہ ہمدردی کی آڑ میں دولت سمیٹ لو گے۔ چہ خواب! تمہاری یہ ہمدردی تمہارے گلے پڑ گئ۔ تمہیں لگتا ہے کہ تم نے مجھ سے شادی کر کے کوئی بہت بڑا تیر مارا ہے۔ تم شیر بھائی کو تو بیوقوف بنا سکتے ہو پر مجھے نہیں۔ تمہیں تو میں ایک کوڑی بھی نہیں دوں گی۔ تمہارا جینا حرام نہ کر دیا تو میرا نام سحاب نہیں۔ بہت غلط جگہ پیر پھنسایا ہے تم نے مسٹر مکینک۔"

وہ زہر آلود لہجے میں بولتی ہوئی تنفر سے گویا ہوئی۔

اس کی بات پر سفیر کی رگ رگ میں شعلے دہک اٹھے مگر کمال ضبط سے برداشت کر گیا پھر اس کی بات پر یوں مسکرایا جیسے کسی بچے کی بات پر مسکراتے ہیں۔ سحاب نے کچھ تعاجب سے اسے دیکھا۔

"خوش فہمی اچھی ہوتی ہے پر اتنی بھی نہیں۔ گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی چاہے جتنی بھی امیر اور خوبصورت کیوں نہ ہو کمرے میں تو بس سکتی ہے مگر دل میں نہیں۔"

وہ تمسخرانہ لہجے میں کہتے ہوئے گھڑی اتار کر ڈریسنگ پر رکھ کر الماری سے اپنا لباس نکال کر واشروم کی طرف بڑھا پھر کچھ یاد آنے پر پلٹا۔ "اور ہاں ایک بات اور یہ آپ کا کی کنالوں پر مشتمل بنگلہ نہیں ہے میرا دو کمروں کا چھوٹا سا گھر ہے جہاں آپ کی آواز ساتھ والے کمرے میں بھی جائے گی سو بی کیئر فل فار نیکسٹ ٹائم۔ آپ کی آواز اس کمرے کی چار دیواری سے باہر نہیں جانی چاہیے۔"

وہ سرد تنبیہی لہجے میں بول کر اندر گھس گیا جبکہ سحاب کتنے ہی لمحے لب بھینچے لفظ بھاگی ہوئی لڑکی پر غور کرتی رہی۔ اس کا دماغ شعلوں کی زد میں آگیا۔ کل تک جسے وہ خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ جس کے سائے سے بھی اسے گھن آتی تھی۔ آج وہ نہ صرف اسے طعنہ دے گیا تھا بلکہ اسے اس کی اوقات یاد دلا گیا تھا۔

وہ باہر نکلا تو سحاب کا دل چاہا کہ اس شخص کا سر پھوڑ دے مگر وہ اپنی اس خواہش کو دل میں دبا کر سوٹ کیس سے اپنا آرام دہ لباس لے کر واشروم کی طرف بڑھی مگر جونہی اندر قدم رکھا اس کر جی بری طرح متلانے لگا۔

چھوٹے سے اٹیچ باتھ روم کی دیواروں پر سفید رنگ ہوا تھا۔ نیچے پانی کی بالٹی تھی جس میں بالٹی کے ہم رنگ پانی بہانے کا مگا تھا۔ نچلے نل کے عین اوپر ایک شاور تھا۔ سامنے کی دیوار پر تولیہ سٹینڈ تھا اور اس کے ساتھ ہی کارنر پر ایک سلیب لگی ہوئی تھی جس پر ہیئر آئل شیمپو اور فیس واش وغیرہ کی بوتلیں رکھی ہوئی تھی۔

اس کا سر چکرانے لگا۔

وہ واپس کمرے میں آئی اور سفیر کو دیکھا جو آنکھوں پر ہاتھ رکھے یوں بے خبر لیٹا ہوا تھا جیسے اس کمرے میں اس کے علاوہ دوسرا کوئی ذی روح موجود ہی نہ ہو۔

"سنو"!

اس کے پکارنے پر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"میں تم سے بات کر رہی ہو دو کوڑی کے مکینک۔ تم میری بات سن رہے ہو یا میں چیخنا شروع کروں۔"

وہ غصیلے لہجے میں اس کی دکھتی رگ پر پیر رکھ گئ۔

"کہیے ملکہ سفیر میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

سفیر نے بازو آنکھوں سے ہٹا کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تم اس کمرے سے باہر چلے جاؤ کچھ دیر کے لیے۔ مجھے کپڑے چینج کرنے ہیں۔"

وہ بول کر لب کاٹنے لگی۔

"غالباً باتھ روم اسی مقصد کے لیے ہوتے ہیں۔"

وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"تمہارا باتھ روم شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے اور اس قدر گندہ ہے کہ میرا دل خراب ہونے لگا ہے۔"

وہ ناک بھوں چڑھا کر بولی۔

"اوہ یہ تو خاصا سنگین مسئلہ ہے۔ پر کیا کیا جا سکتا ہے اب تو اس چھوٹے سے باتھ روم سے ہی گزارہ کرنا پڑے گا رہ گئی بات گندہ ہونے کی تو میرا نہیں خیال کہ سادگی کا دوسرا نام گندگی ہو سکتا ہے۔"

وہ بھیگو بھیگو کر طنز مار رہا تھا سحاب نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ سفیر نے گہری نظروں سے اسے دیکھا تو وہ پیر پٹختی باتھ روم میں بند ہو گئی۔

واپسی پر وہ آئی تو ایک نئ فکر اس کی راہ تک رہی تھی۔ وہ اس کار مکینک کے ساتھ ایک ہی بیڈ پر کیسے سو سکتی تھی۔ کچھ دیر قبل وہ جو کر چکا تھا اس سے کیا بعید تھی کہ وہ رات کو اس کے قریب آ کر اس کا فائدہ نہ اٹھاتا۔ پورے کمرے پر نظر ڈالنے کے بعد اسے ایسی کوئی جگہ نظر نہ آئی جہاں وہ سو سکتی۔

"اس کمرے میں رہ کر ملکہ سفیر مجھ سے دور رہ سکیں گی یہ آپ کی خام خیالی ہے سوا اپنے دماغ سے ہر خیال کو جھٹک کر یہاں آ کر لیٹیں۔"

وہ سخت لہجے میں بولا۔ اس کے چہرے پر چھائی سرد مہری نے سحاب کی ریڑھ کی ہڈی تک سنسنا دی۔

وہ مرتا کیا کرتا کے تحت بیڈ پر آئی اور درمیان میں تکیے کی ایک حفاظتی دیوار بنا کر اس پر تیکھی نگاہ ڈالتی رخ موڑ کر لیٹ گئ۔ سفیر نے گہری سانس خارج کی۔ نہ معلوم یہ رشتہ کیا موڑ لینے والا تھا۔

اگلی صبح وہ جس وقت اٹھی سفیر کمرے میں موجود نہیں تھا۔ باہر سے روشنی کی باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ ایک دم کھل اٹھی۔ جلدی سے تیار ہو کر وہ باہر نکلنے ہی لگی تھی کہ زائشہ اور روشنی کمرے کا دروازہ پر دستک دے کر اندر آئیں۔

"تھینک گاڈ بھابھی آپ آ گئیں ورنہ اس دڑبے میں میرا دم ہی گھٹ جاتا۔"

وہ گلے ملتے ہوئے ایک کاٹ دار نظر زائشہ پر ڈال کر بولی تو روشنی نے اسے گھورا۔ زائشہ سرخ چہرہ لیے پلٹ گئی۔

"گھر چھوٹا ہو یا بڑا گھر ہی ہوتا ہے سحاب اور گھر کو سنوارنا عورت کا کام ہوتا ہے۔ اب میں تمہارے منہ سے کچھ الٹا سیدھا نہ سنوں۔

رات سفیر کا رویہ کیسا تھا تمہارے ساتھ۔"

روشنی کے سوال پر وہ سرخ پڑتا چہرہ جھکا کر لب کچلنے لگی۔ یک لخت اسے ڈھیروں شرم آئی۔

روشنی نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر دھیرے سے ہنس دیں۔

"سفیر بہت اچھا ہمسفر ہے۔اس گھر کے لوگ بہت محبت دیں گے تمہیں۔ان لوگوں کا خمیر محبت سے گندھا ہوا ہے۔خاص کر زائشہ اور سفیر کا۔یہ تمہرا گھر ہے اب سے۔زائشہ اور پارس کا کیا ہے چند سالوں میں اپنے گھر کی ہو جائیں گی۔اس گھر کو تمہیں سنبھالنا ہے۔ساجدہ آنٹی کو شکایت کا کوئی موقع مت دینا۔یہ لوگ شکوہ نہیں کریں گے۔نہ ہی تمہیں کچھ کہیں گے مگر دلوں میں فرق آجائے گا سحاب۔تم یہاں اپنی پوزیشن مستحکم کرو۔ایک اچھی اور خوبصورت زندگی تمہاری راہ تک رہی ہے۔"

وہ اسے بیڈ پر بٹھا کر رسان سے سمجھا رہی تھیں۔

"زائشہ سے سوری کرنا جا کر۔اس کے سامنے جو خرافات تم نے منہ سے نکالی ہے اسے برا لگا ہے۔

وہ کہے گی نہیں مگر میں جانتی ہوں۔وہ میرے دل کے بے حد قریب ہے سحاب۔اسے ویسی ہی عزت دینا جیسی تم مجھے دیتی ہو۔سمجھ گئیں۔"

سحاب نے بیزاریت سے سر ہلایا۔

"اب چلو میں اور نوریز تمہارے لیے ناشتہ لائے ہیں۔"

"شیر بھائی نہیں آئے۔"

اس نے آس سے پوچھا۔

"زخم بھرنے میں وقت لگتا ہے۔"

وہ گہرے لہجے میں بولیں تو سحاب خاموش ہو کر ان کے ساتھ باہر چلی گئ۔

سفیر کی شادی کو دس دن ہو گ ئے تھے۔ سحاب کی وہی روٹین تھی۔ صبح کا ناشتہ وہ سفیر کے ڈر سے سب کے ساتھ کرتی تھی پھر اس کے گیراج چلے جانے کے بعد وہ کمرے میں ایسی گھستی کہ دوپہر کے کھانے کی بھی پرواہ نہیں رہتی۔ سارا دن یا تو میگزین پڑھتی رہتی یا ٹی وی دیکھتی رہتی تھی۔ گھر کا کام پارس دیکھتی تھی۔ پہلے پہل تو نئی بھابھی کا چاہ ایسا تھا کہ پارس کچھ محسوس ہی نہ کر سکی تھی مگر سحاب نے ان دس دنوں میں اسے اپنے اصلی روپ سے واقف کروا دیا تھا۔ وہ ایک بددماغ سرپھری اور مغرور لڑکی تھی اور حد درجہ بد تمیز بھی۔ ایک دو بار دونوں میں جھڑپ بھی ہوئی تھی۔ زائشہ ان سب سے انجان اپنی اکیڈمی میں مصروف رہتی تھی۔ وہ صبح جاتی شام کو لوٹتی۔ سحاب اسے دیکھ کر جلتی کڑھتی

رہتی تھی۔اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ بھی گھر پر نہیں بیٹھے گی۔جب زائشہ باہر کمانے نکل سکتی تھی تو وہ پڑھنے کیوں نہیں نکل سکتی تھی۔اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔

مزینہ کی شادی کے دن قریب تھے۔آج کل زائشہ کا زیادہ وقت مزینہ کے ساتھ شاپنگ کرتے گزرتا تھا۔آج بھی وہ اس کے ساتھ کراچی کی مشہور لالو کھیت مارکیٹ آئی ہوئی۔پارس بھی ان کے ساتھ تھی۔زائشہ کے لاکھ منع کرنے کے بعد بھی شاپنگ کے بعد وہ لوگ چاٹ کی دکان پر رکے تھے۔وہ لوگ بل دے کر فارغ ہوئیں تو اطراف میں نظر دوڑائی۔زائشہ کہیں بھی نہیں تھی۔

"زائشہ کہاں گئ۔"

لٹھے کی مانند سفید پڑتا چہرہ لیے وہ لڑکھڑاتی آواز میں بڑبڑائی۔پارس اور اس نے قریب کی ساری دکانیں چھان ماریں۔وہ کہیں نہ ملی۔تو پارس مزینہ پر چڑھ دوڑی۔

"منع کیا تھا آپا نے پھر بھی تم یہاں رک گئیں۔کس قدر رش ہے ادھر۔نہ معلوم کہاں ہوں گی آپا۔یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔"

وہ نم لہجے میں غصے سے سرخ ناک لیے بولی۔مزینہ کی ضد کرنے والی عادت اسے زہر لگتی تھی۔

"اچھابس بس زیادہ میری ماں نہ بنواور سفیر کو فون کر کے بلاؤ خود مارے مارے پھر کر وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے اسے اطلاع کر دی جائے۔"

وہ سمجھداری سے بولی۔

"سفیر بھائی تو بہت ڈانٹے گے کہیں گے کہ تم لوگوں نے انہیں اکیلا چھوڑا ہی کیوں۔"

بیل جا رہی تھی۔وہ موبائل کان سے لگائے روہانسی شکل بنا کر مزینہ سے مخاطب ہوئی۔

"اللہ مالک ہے دیکھی جائے گی۔"

وہ ہر طور سے تیار تھی۔

"پارس خیریت سے فون کیا ہے ناں۔"

وہ اس وقت سر اعجاز کے ساتھ بیٹھا کچھ اہم نکات نوٹ کر رہا تھا اس کی لڑکھڑاتی نم آواز پر ٹھٹھکا۔

"کچھ خیریت نہیں ہے سفیر بھائی۔پریشانیوں اور مصیبتوں نے تو جیسے ہمارے گھر پر ڈیرہ ہی ڈال لیا ہے۔ ہم خریداری کرنے نکلی تھیں۔مزینہ کو بھوک لگ رہی تھی تو ہم لوگ چاٹ والے کی دکان پر رک گ ئے مگر جب ہم فارغ ہوئے تو آپا کہیں بھی نہیں تھیں۔ہم نے انہیں ہر جگہ ڈھونڈ لیا۔وہ نہیں مل رہیں۔"

وہ روہانسی ہو گئ تھی۔ادھر سفیر کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"کیا مطلب ہے۔کہاں گئیں آپا۔دیکھو وہیں کہیں ہوں گی۔"

وہ ماتھے میں بل ڈالے فون کان سے لگائے کتابیں وہیں چھوڑتا صوفے سے اٹھا تھا۔

"ہم نے سب جگہ دیکھا۔فون بھی ٹرائے کر رہے ہیں پر وہ اٹھا نہیں رہیں۔"

وہ بے بسی لب کچلتی بعلی۔

"تم لوگوں کو ضرورت کیا تھی انہیں تنہا چھوڑ کر جانے کی۔جب چیزیں نہیں سنبھلتی ہیں تو نکلتی کیوں ہو خریداری کرنے۔حد ہوتی ہے لاپرواہی کی پارس۔آرہا ہوں میں۔"

سفیر کی گرج برس پر وہ رونا شروع کر چکی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا وہ ڈانٹیں گے۔"

فون بند کر کے آنسو پونچھتے وہ کہنے لگی۔

"کوئی بات نہیں۔اب غلطی ہم سے ہوئی ہے تو ڈانٹ تو پڑنی تھی ناں۔کیا بول رہا تھا سفیر۔"

مزینہ نے لجاجت سے پوچھا۔

"کہہ رہے تھے آ رہا ہوں۔"

"سوری یار کسی کیس کے سلسلے میں میر پور گیا ہوا تھا کل ہی واپسی ہوئی ہے۔سنا کیسا ہے؟"

ریوالونگ چیئر پر بیٹھتے ایس پی ذوالقرنین نے اردشیر سے حال احوال دریافت کیا۔

"اللہ کا شکر ہے تو سنا ٹھیک ہے۔جس کام کے لیے گیا تھا وہ ہو گیا۔نمبر بھی بند تھا تیرا۔"

اردشیر نے جواب دیتے سوال داغا۔

"ہاں نمبر ڈسٹر بینس کی وجہ سے بند تھا۔ایسے موقعوں پر خوفیہ نمبر زایکٹو رکھتے ہیں بھئی۔"

وہ مسکرایا تھا۔

"ایف آئی آر درج کروائی تھی تو نے سب خیریت ہے۔آج صبح ہی آیا ہوں پولیس سٹیشن اور آتے ہی سب سے پہلے تیری آمد کی اطلاع ملی ہے۔"

وہ جانچتی نظروں سے اردشیر کو دیکھنے لگا۔

"حولدار وہ فائل لے کر آؤ جس میں ایف آئی آر درج ہے۔"

اس نے حولدار کو آواز لگائی۔

"تم نے رپورٹ نہیں پڑھی۔"

"کہاں پڑھی بتا تو رہا ہوں کل واپسی ہوئی ہے اور آج ہی یہاں تشریف لے آیا ہوں۔اب دیکھوں گا میرے پیچھے ہوا کیا ہے۔"

وہ مسکرا کر رپورٹ پڑھنے لگا تھا۔

"اوہ تو یہ مسئلہ ہے۔کیا لگتا اردشیر کون لوگ ہیں جنہوں نے تجھے آور ٹیک کیا اور تجھ پر حملہ کیا۔"

رپورٹ ہڑھنے کے بعد وہ مستفسر ہوا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا۔پر اتنا ضرور پتا

ہے جو بھی ہے میرے تعاقب میں رہتا ہے۔ ورنہ اسے کیا پتا کہ میں اس وقت اس رستے سے جانے والا ہوں۔"

اردشیر نے لب دبائے۔

"ہمم بات تو تیری ٹھیک ہے۔ پھر بھی کچھ تو پتا چلے۔ کسی پر شک۔"

اس نے آئبرو اچکاتے استفسار کیا۔

"میرا سوشل سرکل بہت وسیع ہے یار۔ ڈیڈ کے بعد بزنس کو میں نے اور رمیز بھائی نے سنبھالا تھا پھر رمیز بھائی کے بعد میں اکیلا ہو گیا۔ دن دگنی رات چگنی محنت کر کے نام بنایا ہے اور آج اس مقام پر ہوں کے حاسدین کی گنتی نہیں ہوتی۔ اب یہ کس کی حرکت ہے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔"

وہ مبہم انداز میں کرسی سے ٹیک لگائے بولا۔

"کوئی خاندانی دشمنی یا جائیداد وغیرہ کا چکر تو نہیں ہے ناں"

چائے کے گھونٹ بھرتے زوالقرنین نے سرسری سا پوچھا۔

"اونہوں! میرے ڈیڈ اکلوتی اولاد تھے سو جائیداد کا کوئی مسئلہ نہیں اور خاندان بھی اتنا لمبا چوڑا نہیں ہے۔ تو اس طرف سے تو مطمئن رہ۔ یہ کوئی باہر والا بندہ ہے۔"

اردشیر نے خالی کپ میز پر رکھا۔ دفعتاً اس کا موبائل بجا۔ ان نون نمبر سے کال تھی۔ وک ان نون نمبر کم ہی رسیو کرتا تھا سو نظر انداز کر کے پھر سے اس کے ساتھ گفت وشنید مین مصروف ہو گیا۔

"فون اٹھا لے ہو سکتا ہے کوئی ضروری کال ہو۔"

فون کے مسلسل بجنے پر زوالقرنین نے اسے کال اٹھانے کا اشارہ کیا۔

اردشیر نے سکرین سویپ کر کے کال رسیو کی۔

"کیسے مزاج ہیں اردشیر صاحب؟"

دوسری جانب سے کوئی گھمبیر آواز میں بولا۔

"سوری! کیا میں آپ کو جانتا ہوں؟"

اردشیر نے نافہم انداز میں کہا۔

"ہماری جان پہچان کے لیے تو ساری عمر پڑی ہے۔"

مقابل نے بے ہنگم قہقہہ لگایا اور پھر یک لخت اس کی آواز میں سرد پن اتر آیا۔

"ابھی صرف اتنا جان لے کہ تیری محبوبہ اس وقت میرے قبضے میں ہے اور میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ کوئی بھی ہوشیاری دکھانے کی کوشش مت کرنا ورنہ صرف ٹریگر دبانے کی دیر ہے۔ میرے نشانے پہ ہے وہ۔ ایک سیکنڈ لگے گا اس کے چیتھڑے اڑنے میں۔"

پل بھر کے لیے اردشیر ششدر رہ گیا۔ ابھی وہ پچھلا حادثہ بھولا نہیں تھا اور زائشہ کا اغواہ۔ وہ سناٹے میں رہ گیا۔

"کون ہو تم اور میں کیسے مان لوں کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔"

اردشیر نے سرد لہجے میں کہا تو دوسری طرف کال کٹ گئی اور کچھ ہی دیر بعد اس کے موبائل پر نوٹیفکیشن موصول ہوا۔ اردشیر نے جیسے ہی اسے پر کلک کیا تو چکرا کر رہ گیا۔ اس کے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔ دل کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

بلاشبہ وہ زائشہ ہی تھی۔ کرسی پر رسیوں سے بندھی دوپٹے سے ندارد بکھرے بالوں کے سنگ وہ اس کا دل چیر گئی تھی۔ اس کے ہونٹ سے خون رس رہا تھا۔ وہ بری طرح سسک رہی تھی۔ منہ پر پٹی بندھی تھی۔ وہ تو کبھی اس کے سامنے بھی بغیر دوپٹے نہیں آئی تھی تو

اب اس کا کیا حال ہو گا۔ غصے سے اس کی رگیں تن گئیں۔ مٹھیاں بھینچے وہ بامشکل اپنے اشتعال کو قابو کیے ہوئے تھا۔ ضبط سے اس کا جبڑا بھینچ گیا تھا۔

اس کے موبائل پر دوبارہ کال موصول ہوئی تو وہ بہت زور سے دھاڑا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

"اگر زائشہ کو ایک خراش بھی آئی تو میں تیری نسلیں تباہ کر دوں گا۔ سنا تو نے۔"

وہ مزید بھی اپنا غصہ نکالتا مگر ٹوں ٹوں کی آواز پر بے بسی سے کرسی کو ٹھوکر مار گیا۔ زوالقرنین کے پوچھنے پر اس نے ساری بات اسے بتادی۔ زوالقرنین نے پہلی فرصت میں سفیر کو اطلاع کی تھی اور وہ تو جیسے زائشہ کے اغواہ کی خبر سن کر ہی ساکت رہ گیا تھا۔ کال کاٹ کر مزینہ اور پارس کو گھر چھوڑنے کے بعد وہ سیدھا پولیس سٹیشن پہنچا تھا۔

"اردشیر صاحب مجھ سے مزید صبر نہیں ہو گا براہ کرم آپ بتائیں یہ سب ہو کیا رہا ہے۔ آپ کو کیسے پتا کہ آپا کو اغوا کیا ہے کسی نے۔"

وہ شدت ضبط سے بولا۔

"زائشہ کو میرے ہی کسی حریف نے اغوا کیا ہے۔ مجھے نقصان پہنچانے کے لیے۔"

جواب میں اس نے ویڈیو کھول کر اس کے سامنے کر دی۔

سفیر کا چہرہ لہو رنگ ہو گیا۔اس کی دماغ کی طنابیں کس گئیں۔

"آپا سے آپ کا ایسا کون سا تعلق ہے جس کے تحت آپ کے حریف نے انہیں یرغمال بنا لیا۔"

سفیر نے چبھتے لہجے میں تلخی سے استفسار کیا۔اس کے لہجے میں بھرپور کاٹ تھی۔

"ریلیکس یار۔یہ وقت مصلحت سے کام لینے کا ہے نہ کہ آپسی اختلافات کا۔"

زوالقرنین نے مداخلت کر کے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"بات مصلحت سے کام لینے کی نہیں ہے زوالقرنین۔

مجھے بھی تو پتا چلے کس بنا پر آپا کو مہرا بنایا گیا ہے۔"

وہ سنجیدگی سے سرد لہجے میں بولا۔

"ہر وجہ بتانا ضروری نہیں ہوتی سفیر۔دل کے بھیدوں کا میں نے کبھی بھی سرِعام اشتہار نہیں لگایا اور نہ ہی ارادہ رکھتا ہوں۔جن سے محبت کی جاتی ہے انہیں سیپ میں موتی کی

طرح چھپا کر رکھا جاتا ہے اور مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کوئی غیر اخلاقی حرکت کی ہے یا کچھ بھی ایسا کیا ہے جس کی وجہ سے دنیاوالوں کو میرے دل کی خبر لگ جائے۔"

اردشیر نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سکون سے کہا کہ اس کے دل میں چور نہیں تھا یوں بھی جب بات کھل کر سامنے آ ہی گئ تھی تو کاہے کا چھپانا۔

"کسی کو آپ کے دل کی خبر نہیں جبھی لوگ آپ کو بلیک میل کرنے کے لیے میری بہن کو مہرہ بنا چکے ہیں۔"

وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا منہ پھیر کر اپنے اندر پنپنتے غصے کی شدت پر قابو پاتا ہوا چبا چبا کر بولا تھا۔

"ہمیں ان کی دوسری کال کا انتظار ہے تاکہ ان کا مطالبہ پورا کر سکیں۔"

اردشیر نے لب بھینچے کہا۔

"انتظار کے سوا ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

سفیر نے بے بسی نم آنکھوں کو صاف کیا۔

"ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں سفیر۔ڈونٹ بی وریڈ۔زائشہ کا نمبر اگر آن ہے تو اسے ٹریس کر کے لوکیشن معلوم کی جاسکتی ہے۔"

زوالقرنین نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر حوصلہ دیا اور اسے امید کی ایک نئ کرن تھمائی۔

"آپا کا نمبر آن ہے۔یہ لیں نمبر نوٹ کریں۔"

سفیر نے اسے نمبر نوٹ کروایا۔

"ہاں سرور ایک نمبر بھیج رہا ہوں اس نمبر کی لوکیشن معلوم کرو۔نہیں ابھی اسی وقت۔یار ارجنٹ کیس ہے۔ہاں ٹھیک ہے میں تھوڑی دیر بعد کال کرتا ہوں۔"

اس نے اپنے ڈپارٹمنٹ کے قابل ترین آئی ٹی آفیسر سے بات کر کے انہیں کچھ دیر انتظار کرنے کا کہا۔

اردشیر کا ایک ایک پل کانٹوں پر گزر رہا تھا۔آج زائشہ دوسری بار اس کی وجہ سے مصیبت میں تھی۔

"ہاں سرور۔ کیا؟لوکیشن مل گئ۔ ٹھیک ہے۔ مجھے سینڈ کرو میں ٹیم کے ساتھ نکل رہا ہوں۔"

تھرتھراتے موبائل کو کان سے لگاتے اس نے تیزی سے اپنی سٹک اٹھائی کیپ پہنی اور ریوالر ہولیسٹر میں اڑسا اور ان دونوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا وہ بھاری نفری کے ہمراہ وہاں سے نکلا۔

****

چکراتے سر سے بھاری ہوتی آنکھوں کو بامشکل کھولتے اس نے اطراف میں نظر دوڑائی۔ یہ ایک نیم تاریک کمرہ تھا۔ جابجا بڑے بڑے کاٹن ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔ پلاسٹک کے شاپرز لکڑی کا کچھ سامان اور نیلی رنگ کی بڑی گیلنز بھی رکھی ہوئی تھیں۔

وحشت وخوف سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اسے گزرا وقت یاد آنے لگا کیسے اسے ٹریپ کر کے گاڑی تک لایا گیا تھا پھر کسی نے اس کے منہ پر رومال رکھ کر اسے بے ہوش کر دیا تھا۔

اس نے اطراف میں نگاہ ڈالتے اپنے ہاتھ ہلانے جلانے کی کوشش کی پر ناکام رہی۔ ہاتھ بری طرح مضبوطی سے کرسی کے پیچھے لے جا کر باندھے گ ۓ تھے۔ یہاں تک کے دونوں پیر بھی رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔

ایک عجیب سی چبھتی ہوئی سمیل اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ چھینکوں سے بے حال ہوتی وہ نڈھال ہو گئ تھی۔ شاید کوئی زہریلی گیس کی یا کسی کیمیکل کی بدبو تھی۔

عزت کا خوف جان کا خوف اپنوں سے دوری کا خوف اسے رونے پر مجبور کر گیا تھا۔ دوپٹہ سر سے اترا ہوا تھا

چادر تن سے ہی غائب تھی۔ اسے باہر سے قدموں کی چاپ شنائی دے رہی تھی جو لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتے جا رہے تھے۔ اس کا دل خوف کی شدت سے پھٹنے کے قریب تھا۔ بابا کی نرم شفقت کی چھاؤں میں پلنے والی نے کہاں دنیا کا بھیانک چہرہ دیکھا تھا۔

ایک جھٹکے سے درواشہ کھول کر چار پانچ افرد ندر داخل ہوۓ

خود کو یوں غیر مردوں کے سامنے بے پردہ دیکھ کر اس کا دل چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"باس لڑکی کو ہوش آگیا ہے۔"

اس شخص کی بے باک نگاہیں اور گھٹیاں ذو معنی گفتگو سن کر اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔

"اچھی خبر ہے۔فالحل اسے کچھ مت کرنا۔بس اگلے چوبیس گھنٹوں کے دوران اردشیر کو دوبارہ کل کرنااور اس کی محبوبہ کی حسین سی وڈیوں کلپ اسے بھیج دینا۔یہ ویڈیو ہمارا کام مزید آسان کردے گی۔"

مقابل نے خباثت سے کہتے قہقہ لگایا۔

فون بند کر کے وہ بندہ داڑھی کھجاتا زائشہ کے نزدیک آیااور اس کا منہ دبوچ کر اس کے چہرے پر نظریں گاڑھے وہ کمینگی سے ہنسا تھا۔

"بڑی فرصت بنایا ہے اوپر والے نے تجھے۔چاندی جیسی رنگت کے ململ سے بدن کا انگ انگ تراشا ہوا ہے۔"

اس غنڈے کی انگلیاں اسے اپنے رخساروں میں کیلوں کی طرح دھنستی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔

تکلیف سے اس کی آنکھیں ایک بار پھر اشک بار ہوئی تھیں۔غلیظ الفاظ سننے سے پہلے اس کی سماعتیں کیوں نہ خراب ہو گئی تھیں۔دل بے بسی کی انتہاؤں پر تھا۔

"پر افسوس اس حسین چاند کو تو گرہن لگنے والا ہے۔"

اسکا منہ جھٹکے سے چھوڑتے وہ خباثت سے بولا۔

"تجھے تیرے یار کے قابل نہیں چھوڑیں گے۔بہت غرور ہے نہ اسے اپنے نام اور کام پر۔ایسی جگہ وار کریں گے کہ زندگی بھر اٹھنے کے قابل نہیں رہے گا سالا۔"

اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑے چہرہ اوپر کو اٹھائے وہ بھینچے جبڑوں کے ساتھ غصے سے گویا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس شخص نے اس کے نرم رخساروں پر اپنا بھاری ہاتھ جڑ دیا تھا۔تھپڑ اتنی شدت کا تھا کے زائشہ کی چیخ نکلی تھی۔اسے اپنے دانت ہلتے محسوس ہوئے تھے۔منہ میں خون کا ذائقہ گھلتا محسوس ہوا تو وہ خوف سے لرز گئی۔

"لیومی۔پلیز مجھے چھوڑ دو۔آپ کس کی بات کر رہے ہیں میں نہیں جانتی۔آپ لوگوں کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔میرا کسی شخص سے اس قسم کا کوئی تعلق نہیں۔خدا کے لیے مجھے جانے دیں۔"

زائشہ نے منتی لہجے میں کہا۔۔دل سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔

"ایسے کیسے جانے دیں۔بڑی مشکل سے تو ہاتھ لگی ہے بلبل۔"

زائشہ کا جبڑہ دبوچے وہ کمینگی سے ہنستا اسے جھٹکے سے چھوڑ کر پیچھے ہٹا۔

چند منٹ وہ یونہی درد کی شدت سے چیختی رہی اور پھر تاب نہ لا کر بیہوش ہو گئ۔

"ابے یہ کیا کیا تو نے کہیں مر ور تو نہیں گئ۔باس کو پتا لگا تو ہمیں زندہ زمین میں گاڑھ دے گا۔"

ایک دوسرے ساتھی نے زائشہ کے سر کی پچھلی سائیڈ سے بہتا خون دیکھ کر اسے ملامتی لہجے میں کہتے آگے کے حالات سے آگاہ کیا۔

"رک چیک کرنے دے سانسیں چل رہی ہیں کیا۔"

وہ بندہ اپنے ساتھی کی بات پر کان دھرتا اس کے نزدیک ہوا ہی تھا کہ پولیس سائرن پر یک دم کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا۔

"ابے پولیس کی ریٹ پڑ گئ ہے۔بھاگو۔"!

پیچھے کھڑے ساتھیوں نے کہتے ساتھ ہی دوڑ لگانا شروع کردی۔ زوالقرنین اپنی پوری پولیس فورس کے ہمراہ وہاں پہنچا تھا۔ یہ شہر سے باہر کوئی فیکٹری تھی جو کافی عرصے سے ایک حادثے میں جلنے کے بعد بند پڑی تھی۔

"تم لوگ یہیں رکو۔ اندر جانا خطرے سے خالی نہیں۔ بس گرین سگنل ملتے ہی اندر آنا ورنہ مزید کسی مشکل میں پڑ سکتے ہو۔"

وہ بول کر ریوالر لیے الرٹ سا سپاہیوں کو پیچھے آنے کا اشارہ کرتا فیکٹری کے اندر داخل ہوا۔

"تم لوگ اس طرف دیکھو اور تم لوگ اوپر سے گھیرو میں نیچے چیک کرتا ہوں۔"

اپنی ٹیم کو سرگوشیوں میں کہتا وہ اپنے پیچھے آنے والے دو بندوں کو ہاتھ کے اشارے سے پیچھے آنے کا کہتا وہ ریوالور والا ہاتھ قدرے بلند رکھتا ہوا محتاط انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ آگے کی کاٹنز رکھے ہوئے تھے۔ ایک ہی جست میں لات مار کر کاٹن نیچے گرائے۔

"سر ادھر کوئی نہیں ہے۔ پوری فیکٹری خالی پڑی ہے۔ لگتا ہے وہ لوگ بھاگ گئے۔"

اس کی ٹیم سے ایک سپاہی نے اسے مطلع کیا۔

"زیادہ دور نہیں گ ئے ہوں گے۔آس پاس کا پورا علاقہ سیل کروادوں۔ گو بیگ ہری اپ۔"

اس نے سختی سے بول کر ٹیم کو واپس بھیجا اور اردشیر کو میسج کر کے اندر بلا لیا۔ان دونوں کو وہ نیچے گراؤنڈ فلور پر ہی مل گیا تھا۔

" یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے زوالقرنین۔"

اردشیر کے مطابق تو اب تک وہاں گولیوں کی بوچھاڑ ہو چکی ہونی چاہیے تھی۔ مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔

"وہ لوگ بھاگ گ ئے ہیں۔اب یہ نہیں پتا کہ زائشہ کو ساتھ لے گ ئے ہیں یا افراتفری میں اپنی جان بچانے کی خاطر یہیں چھوڑ گ ئے ہیں۔کیا پتا وہ یہاں ہوں ہی نہیں۔انہیں کہی اور رکھا گیا ہو۔"

وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ہم تینوں الگ الگ سمتوں میں جا کر ڈھونڈتے ہیں۔مجھے سو فیصد تو نہیں پر اسی فیصد یقین ہے کہ وہ یہیں ہوں گی۔"

اس نے گہری سانس خارج کرتے انہیں دوسری سمت پر جانے کا اشارہ کیا اور خود بھی کاٹنز ہٹاہٹا کر تلاشی لینے لگا۔

اردشیر نے نیچے دیکھنے کے بعد اوپری منزل کا رخ کیا تھا۔ جہاں مختلف پورشن بنے ہوئے تھے۔

ایک کے بعد اک چیک کرتے وہ آخری پورشن میں پہنچا تھا۔

"کہاں ہیں آپ زائشہ۔ کہاں ہیں۔ خدا کے لیے مل جائیں۔ بہت ستاتی ہیں آپ۔ بس ایک بار مل جائیں پھر میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گا۔"

تھکن زدہ لہجے میں کہتے اس نے بے بسی سے دیوار پر مکا بنا کر مارا۔

آخری پورشن کا دروازہ کھلا پڑا تھا۔ سامنے ہی کاٹنز رکھے تھے۔ ایک چوہا تیزی سے اس کی ٹانگوں سے نکل کر بھاگا۔ اردشیر اچک کر ایک طرف ہوا۔

کاٹنز کے پیچھے سے نکل کر وہ آگے آیا تو سامنے کا منظر دیکھ کر اس کا دل جیسے کسی نے پیروں تلے مسل دیا۔

وہ کرسی سے بندھی ہوئی تھی۔ بال بکھر کرارد گرد بکھرے ہوئے تھے۔ دوپٹہ نیچے فرش پر ماتم کناہ تھا۔ سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔

وہ بے قراری سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

اس کے پیروں کو رسیوں سے آزاد کرتے وہ جوں ہی پیچھے اس کے ہاتھ کھولنے آیا اس کے سر سے بہتا خون دیکھ کر اس کے جبڑے بھینچ گ ئے۔ دل شدت سے ندامت میں ڈوبا۔ آنکھیں غصے کی شدت سے سرخ ہو گئ تھیں۔ اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کا دوپٹہ اٹھا کر اسے اوڑھایا تھا اور اسے بازوؤں میں اٹھاتا ہوا تیزی سے نیچے بھاگا۔

"یہ شور کیسا ہے۔"

اردشیر کے قدم مختلف آوازوں پر ساکت ہوئے تھے۔

سفیر کی ساکت نظریں اس کے بازوؤمیں بے سدھ پڑی زائشہ پر تھیں۔

"جی ناظرین یہ فیکٹری جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ سیٹھ مبین شروانی کی وہی فکٹری تھے جو دو سال پہلے آگ لگنے کے وجہ بند ہو گئ تھی لیکن آج اسی فکٹری کو فحاشی کا مسکن بنالیا گیا ہے۔

ناظرین ہمیں اطلاع ملی ہے کہ اس فیکٹری میں ناجائز کاموں کو پروان چڑھایا جارہے اور وہ کیسے چڑھایا جارہا ہے یہ سب جاننے کے لیے جڑے رہیے ہمارے ساتھ۔ ملتے ہیں ایک بریک کے بعد۔"

باہر سے بہت سی آوازیں آرہی تھیں۔ جسے سن کرارد شیر نے لب بھینچ لیے۔

"آپا۔"!

سفیر کے منہ سے صدمے سے سرسراتا ہوا نکلا۔ اس کے سر سے بہتا خون چھوتے وہ نم ناک ہوا تھا۔

"کیا ہوا ہے آپا کو۔"

وہ گھبرا کر مستفسر ہوا۔

"سر پر گہری چوٹ لگی ہے۔"

وہ بول کر باہر کی طرف بڑھنے لگا تھا کہ زوالقرنین نے اسے روک لیا۔

"باہر میڈیا آئی ہوئی ہے۔ تم کچھ دیر تک اندر ہی رہو تب تک میں میڈیا کو کنڑول کر کے واپس بھیجتا ہوں۔"

اس کی بات پر اردشیر کے ماتھے میں بل نمودار ہوئے تھے۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ان کے سر سے کس قدر خون بہہ رہا ہے۔نہ معلوم کب سے اس حالت میں ہیں۔انہیں طبی امداد کی ضرورت ہے۔بروقت اگر ہاسپٹل نہیں لے جایا گیا تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

وہ برا منا کر نا گواری سے کہتا اس کو اٹھائے آگے بڑھا تھا۔

"دماغ میرا نہیں تمہار خراب ہو گیا ہے۔اس طرح اس حال میں اسے باہر لے جانے کا مطلب جانتے ہو۔اچھ خاصا سکینڈل بن جائے گا۔"

زوالقرنین اس سے زیادہ نا گواری سے بولا تھا جبکہ سفیر ارد گرد کوئی دوسرا راستہ تلاش کر رہا تھا۔

دونوں اسپتال کے بینچ پر سر جھکائے بیٹھے تھے۔کچھ دیر قبل ہی وہ زائشہ کو میڈیا کی نظروں سے بچا کر ہاسپٹل لائے تھے۔پیچھے زوالقرنین اپنی پوری ٹیم کے ساتھ ارد گرد کے علاقے میں کاروائی کر رہا تھا۔

اردشیر کے ہاتھ پچھلی بار کی طرح اس بار بھی خون سے رنگے ہوئے تھے۔ سفیر نے چہرہ موڑ کر بینچ پر دھرے اردشیر کے خون آلود ہاتھ دیکھے۔

"آپ کے ہاتھ گندے ہو رہے ہیں۔ انہیں دھو لیں۔"

اردشیر نے بے اختیار ہتھیلیاں دیکھیں۔

"میں انہیں دھونا نہیں چاہتا سفیر۔ ان ہاتھوں کو دیکھ کر مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ میری وجہ سے اس حال میں ہیں اور شاید آگے بھی میری وجہ سے مشکلوں میں گھرتی رہیں گی کہ جب تک مجرم پکڑا نہیں جاتا تب تک وہ محفوظ نہیں ہیں۔"

اس کے لہجے کی اذیت بلاشبہ سفیر محسوس کر سکتا تھا۔

"اسی لیے کہتے ہیں کہ اپنے جذبات واحساسات پر ضبط کا ایسا بندھ باندھو کہ پاس سے گزرتی ہوا کو بھی ان کی بھنک نہ لگنے پائے۔ اپنی کمزوریاں عیاں نہ ہونے دو کہ لوگ فائدہ اٹھانے میں ماہر ہوتے ہیں۔"

سفیر نے گہرے لہجے میں سامنے لگی تصویر پر نظریں جمائے کہا۔

"بعض اوقات ہم بہت مجبور ہوتے ہیں سفیر صرف اس دل کے ہاتھوں۔میں بھی مجبور ہو گیا ہوں۔جو راز اس میں نہاں تھے نہ معلوم کب یہ کم بخت دل انہیں عیاں کرنے لگا۔مجھے تو خبر ہی نہ ہوئی۔میرا اپنا دل ہی مجھے دغا دے گیا۔"

وہ بینچ سے اٹھ کر سامنے بنی چھوٹی سی باؤنڈری وال کے نزدیک آ کھڑا ہوا جس کے پار ایک چھوٹا سا پارک بنا ہوا تھا۔اردشیر کے لہجے کی بے بسی اور سچائی پر سفیر نے گہری سانس خارج کی۔

تھک کر اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑتے بینچ کی پشت سے ٹیک لگا کر زرا دیر کو آنکھیں موند لیں۔

تھوڑی دیر بعد پارس سحاب اور ساجدہ بیگم خرم کے ہمراہ ہسپتال پہنچ گئی تھیں۔وہ آنا تو نہیں چاہتی تھی مگر اردشیر کی ہاسپیٹل میں موجودگی کا سن کر انکار بھی نہ کر سکی۔ان کے پیچھے خرم بھی اطلاع ملتے ہی اپنی شاپنگ چھوڑ کر ہاسپیٹل پہنچ چکا تھا جبکہ شمائم کی کالز پر کالز آ رہی تھیں۔وہ شاپنگ کرنے کی غرض سے نکلا تھا اور اب اچھی خاصی دیر ہو چکی

تھی۔ شاید اس کی واپسی نہ ہونے کی صورت میں سروت بیگم نے ہی شمائم سے کال کرنے کے لیے کہا تھا۔

"کوئی سیریس مسئلہ تو نہیں ہے؟ کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹر؟"

خرم نے سفیر کے برابر میں جگہ بناتے ہوئے دھیرے سے پوچھا۔

"ابھی تک تو کچھ نہیں کہا۔"

سفیر نے پریشانی سے چہرے پر ہاتھ پھیرے۔ قدرے فاصلے پر لگی بینچوں پر پارس سحاب اور ساجدہ بیگم بیٹھی تھیں۔ سحاب نے اردشیر کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکا مگر سحاب کو دیکھ کر اس کے تاثرات سرد پڑ گئے۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"

وہ نم لہجے میں خفگی سے مستفسر ہوئی۔

"ناراضگی بہت چھوٹا لفظ ہے۔"

وہ ایک کاٹ دار نظر ڈال کر چپ ہو گیا۔

"آئی ایم سوری بھائی۔"

وہ نمدیدہ ہو گئ۔

"دوبارہ بھائی مت کہنا مجھے اور اب دور ہو جاؤ میری نظروں سے میں مزید کوئی تماشہ افورڈ نہیں کر سکتا۔"

سختی سے کہتے اس نے سحاب کی طرف سے رخ موڑ لیا۔

سفیر نے گہری نظروں سے اس کے روئے روئے چہرے کو دیکھا۔دفعتاً ڈاکٹر وارڈ سے باہر آتے دکھائی دیے تو وہ تیزی اٹھ کر ان کے سامنے آیا۔

"ڈاکٹر میری بہن کیسی ہیں اب؟"

پارس بھی بینچ سے اٹھ گئ تھی۔دل گویا پسلیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔

ایک عجیب سا خوف تھا جو اس کے رگ وپہ میں سما گیا تھا۔

اردشیر نے بے حد پریشان نظروں سے ڈاکٹر کی جانب دیکھا۔وہ ان کے تاثرات سے کچھ بھی تو اندازہ نہیں لگا پا رہا تھا۔

"ناؤ شی از فائن مگر احتیاط کی ضرورت ہے۔ سر پر خاصی گہری چوٹ لگی ہے۔ کوشش کیجیے گا انہیں ٹینشن سے دور رکھیں۔ دماغ کی چوٹ ہے۔ سر درد شدت اختیار نہ کر جائے کہیں۔"

ڈاکٹر نے تسلی دیتے ساتھ ہی وارن بھی کر دیا تھا۔ پارس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

"یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے آپا کو ہوش آگیا۔

امی میں نوافل پڑھ کر آتی ہوں۔ شکرانے کے بولے ہوئے تھے۔"

نم آنکھوں سے مسکراتی ہوئی وہ بینچ سے اٹھی تھی۔

"اب ٹھیک ہیں وہ۔ تجھے بھی گھر جانا چاہیے۔ بھابھی پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے خرم نے کہا تو اس نے دھیرے سے کندھے پر دھرا اس کا ہاتھ ہٹایا اور قدم ساجدہ بیگم کی جانب بڑھا دیے۔

"آپ پلیز مجھے معاف کر دیں۔ایک بار پھر آپ کی بیٹی میری وجہ سے تکلیف میں ہے۔نہ معلوم کیسا نصیب پایا ہے کہ جس شخص کی تمنا کرتا ہوں وہ شخص مجھ سے دور ہو جاتا ہے۔"

ان کے گھٹنوں پر سر رکھتے وہ بے بسی سے نادم لہجے میں بول رہا تھا جبکہ سحاب نے کچھ چونک کر اس کی آخری بات سنی تھی۔

ساجدہ بیگم نے تسبیح بینچ پر رکھ کر دونوں ہاتھ اس کے سر پر بے حد شفقت سے پھیرے تھے۔

"پہلے موم ڈیڈ چھوڑ کر چلے گ ئے۔بہت پیار کرتا تھا میں ان سے۔اس کے بعد رمیز بھائی بھی تنہا کر گ ئے۔وہ تو میرے بیسٹ بڈی تھے۔میرے سب سے قریبی دوست میرے ہمراز اور اب۔۔۔"!

وہ کہتے کہتے دانستہ طور پر ٹھہر گیا یا شاید روانی میں کہتے اسے یک لخت ہوش آیا تھا اور سحاب! وہ تو دنگ رہ گئ تھی۔

ساجدہ بیگم نے اس کے جملہ ادھورا چھوڑنے پر بہت غور سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔وہ وہاں کچھ ٹٹولنا چاہ رہی تھیں۔ان کی جہاں دیدہ نظروں سے بھلا کہاں کچھ چھپ سکتا تھا۔انہوں نے سر تھام لیا۔اردشیر کا شکست خوردہ لہجہ خرم کو بھی متحیر کر گیا تھا۔

"کوئی کسی کی وجہ سے تکلیف میں نہیں ہوتا بچے۔وہ شخص اپنی تکلیفیں اپنے حصے میں اوپر سے لکھوا کر آتا ہے۔ تکلیفیں اور مصائب ہماری زندگی میں نئے موڑ لے کر آتی ہیں۔زائشہ کی زندگی بھی اب ایک نیا رخ اختیار کرنے والی ہے۔"

اس کے گال پر ہاتھ رکھتے گویا انہوں نے اسے بری الذمہ قرار دیا تھا۔

"میں بہت فکرمند ہوں ان کی طرف سے۔یہ جو کچھ بھی ان کے ساتھ ہو رہا ہے اور جو کوئی بھی کر رہا ہے۔وہ دوبارہ بھی کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔"

اردشیر نے لب بھینچ لیے۔

"اللہ مالک ہے۔اس نے اس مشکل میں میری بچی کو ڈالا ہے تو نکالے گا بھی وہی۔فکر نہ کرو اب کچھ دن تک وہ گھر میں ہی رہے گی۔یوں بھی اس حالت میں اسے میں باہر نہیں نکلنے دوں گی۔"

ساجدہ بیگم نے کہا۔

"اور اب تم بھی گھر کو جاؤ خرم بیٹا۔ تمہاری تو خیر سے پر سو مہندی ہے اور قسمت کی کرنی دیکھو ہماری وجہ سے تمہاری خوشیاں بھی ماند پڑ گئی ہیں۔"

وہ تاسف سے گویا ہوئیں۔ خرم نے گہری سانس خارج کی۔ ماحول میں عجیب سی سوگواریت چھا گئی تھی۔

****

روشنی حماس کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ ٹی وی پر مشہور زمانہ کارٹون ٹام اینڈ جیری دیکھا جا رہا تھا۔ نوریز آفس سے تھوڑی دیر پہلے ہی آیا تھا۔

"بھابھی کھانا لگا دیں بہت زبردست بھوک لگ رہی ہے۔"

کف کے بٹنز بند کرتا وہ نیچے اترا تھا۔

"میں اردشیر کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ آجاتا ہے تو پھر لگاتی ہوں۔ ساتھ ہی بیٹھ کر کھا لیں گے۔"

روشنی نے زرا سی گردن موڑ کر کہا۔اس کا رخ سامنے نہیں تھا وہ نوریز کو دیکھ کر بات کر رہی تھیں۔

"لیجیے آگ ئے لارڈ صاحب۔"

اس نے طنزیہ لہجے میں کہتے داخلی دروازے کی سمت اشارہ کیا۔ سحاب کی شادی کے بعد سے دونوں کے تعلقات کشیدگی اختیار کر گ ئے تھے۔اردشیر چاہتا تو نوریز کو حقیقت بتا سکتا تھا مگر سحاب کا پردہ بھی ضروری تھا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ نوریز کی نظروں سے بھی گر جائے۔

"شکر ہے تم آگ ئے ہو۔فریش ہو جاؤ میں کھانا لگاتی ہوں۔"

روشنی نے صوفے سے اٹھ کر کچن کا رخ کیا۔

"چاچو۔۔۔"!

حماس کی خوفزدہ سی چیخ پر روشنی کے اور نوریز دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"یہ آپ کے ہاتھوں کو کیا ہوا ہے۔خ۔خون کہاں سے آیا۔آپ کو چوٹ لگی ہے کیا۔مما چاچو کو چوٹ لگ گئ ہے۔"

اردشیر کے ہاتھوں پہ لگا خون بے شک جم چک تھا مگر اس کا سرخ رنگ تازگی کا تاثر دے رہا تھا۔ روشنی اس کے ہاتھ دیکھ کر گھبرا کر گئیں۔۔

"کچھ نہیں ہوا ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔"

اس نے جواب دیا پر نوریز مطمئن نہیں ہوا۔

"پھر یہ خون کہاں سے آیا؟"

اسے تشویش نے آن گھیرا۔

"ڈونٹ سے کہ پھر سے کوئی حادثہ ہوا ہے۔"

اس نے قدرے مشکوک نظروں سے اردشیر کو دیکھا۔

"میں آکر بتاتا ہوں سب۔"

اپنا رنگ ہوتا فون کان سے لگائے وہ کمرے کی اور بڑھ گیا۔

"اللہ جانے اب کیا ہوا ہے۔"

روشنی وہیں اس کا انتظار کرنے لگیں۔

کچھ ہی دیر میں وہ سیڑھیوں سے اترتا دکھائی دیا۔

وہ بے حد عجلت میں دکھائی دے رہا تھا۔

"ہاں زوالقرنین میں بس نکل ہی رہا ہوں۔ نہیں فالحال تو نہیں مگر پہلے سے بہتر ہیں۔ باقی میں تجھے آکر کنڈیشن بتاتا ہوں۔"

وہ خاصی عجلت میں تھا۔

"اردشیر سب ٹھیک ہے۔ زوالقرنین سے بات کر رہے ہو۔ کیا کوئی سیریس مسئلہ ہے۔" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ اب تک اسے لگ رہا تھا کہ شاید کسی کو حادثے سے بچاتے ہوئے ہاتھ خون میں رنگے ہوئے ہیں مگر اس کی گفتگو سے اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ معاملہ کہیں نہ کہیں اس کی ذات سے بھی جڑا ہوا ہے۔

"مسئلہ تو سیریس ہی ہے۔ پتہ نہیں کون ہے جو میرے پیچھے پڑا ہوا ہے اور مجھ تک پہنچنے کے لیے زائشہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

ایک ہاتھ کمر پر ٹکاتے دوسرے ہاتھ سے ماتھا مسلتے وہ تفکر سے گویا ہوا۔

"واٹ۔ پہلے کیوں نہیں بتایا آپ نے۔"

نوریز شاکڈ رہ گیا۔

"کیونکہ مجھے خود آج پتہ چلا ہے۔زائشہ مزینہ کی شادی کے سلسلے میں صبح خریداری کے غرض سے مارکیٹ گئ تھیں۔وہاں انہیں کچھ لوگوں نے موقع پا کر اغوا کر لیا۔میرے موبائل پر ان لوگوں کی کال آئی تھی۔اس وقت میں پولیس اسٹیشن میں تھا۔"

وہ سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔

"اوہ میرے خدا۔وہ ٹھیک تو ہے؟"

روشنی نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھے پریشانی سے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے وہ محفوظ ہیں بس سر پر گہری چوٹ آئی ہے۔ہاسپٹل میں ہیں۔شاید صبح تک ڈسچارج مل جائے انہیں۔"

اس نے مختصر بتایا۔

"پر آپ پولیس سٹیشن کیوں گ ئے تھے۔"

نوریز کی سوئی اس کی اس بات پر اٹکی تھی۔

"جس دن میں زائشہ کو ان کے گھر ڈراپ کرنے گیا تھا۔اس دن کچھ لوگ ہمیں اوورٹیک کر رہے تھے۔کچھ دیر تک تو وہ اوورٹیک کر کے ہمیں گھیرنے کی کوشش کرتے رہے تھے

پھر جب میں نے گاڑی کی سپیڈ بڑھادی تو انہوں نے فائر کھول دیا۔ زائشہ یہ سب دیکھ کر گھبرا گئی تھیں۔ گھبرا تو میں بھی گیا تھا مگر جلد ہی تاثرات پر بند باندھ گیا۔"

وہ تفصیل بتانے لگا۔

"مطلب اس رات زائشہ ان لوگوں کا نشانہ بنی تھی۔"

روشنی کو شدید صدمہ ہوا۔ وہ ششدر رہ گئیں۔

"نہیں دراصل کچھ گاڑی ڈس بیلنس ہو گئی تھی۔ کچھ ان کی چیخوں سے میرے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ سٹیرنگ پر گرفت نہیں رہی تھی میری بس اسے نتیجے میں گاڑی سٹریٹ پر لگے درخت سے جا ٹکرائی۔"

اس نے گہری سانس خارج کی۔

"اتنا سب کچھ ہو گیا اور آپ نے مجھے بتایا نہیں۔ ہمارت آپس کے تعلقات چاہے جیسے بھی ہوں۔ ہیں تو ہم بھائی ہی۔ آپ نے مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ اپنی پریشانی مجھے بتاتے۔"

وہ دل گرفتگی سے کہہ رہا تھا۔

"میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

وہ مسکرا کر نوریز کا کندھا تھتھپانے لگا۔

"اچھا میں نکلتا ہوں۔زوالقرنین کی مسلسل کالز آرہی ہیں۔"

وہ فکر و پریشانی سے بولا۔

"میں بھی چل رہا ہوں۔"

موبائل اٹھاتا وہ بھی اس کے ساتھ ہی پولیس سٹیشن پہنچا تھا۔

"کچھ پتا چلا۔"

وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھا۔اس کے ساتھ نوریز بھی بیٹھ چکا تھا۔۔

"نہیں فالحال تو نہیں مگر تو فکر مت کر بہت جلد اس کی گردن میرے شکنجے میں ہو گی۔اب ہمیں اس کی دوسری چال کا انتظار ہے۔اس بار تو ہمیں خبر نہیں تھی مگر اگلی بار کے لیے اس نے خود ہی ہمیں چوکنا کر دیا ہے۔"

زوالقرنین کے کہنے پر وہ لب بھینچ گیا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کون ہے جو مجھ پر زیرک نگاہ رکھتا ہے اتنی کہ اس شخص کو میری کمزوری پتا چل گئی جبکہ میرے جذباتوں کی خبر تو میں پاس سے گزرنے والی ہوا کو بھی نہیں لگنے دیتا پھر یہ کون سا مائی کا لال پیدا ہو گیا۔"

وہ سرخ چہرہ لیے بھینچے جبڑوں سے بول رہا تھا۔

"ان لوگوں کو پکڑنے سے بہتر ہے کہ ان کا مطالبہ پورا کر دیں ورنہ وہ لوگ یونہی نقصان پہنچاتے رہیں گے۔"

نوریز نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔ وہ ابھی پوری بات سے واقف نہیں تھا۔

"ان کے مطالبے معلوم ہوتے تو منہ پر مار کر جان چھڑواتا مگر مسئلہ یہ ہے کہ وہاں سے کسی قسم کا کوئی مطالبہ ہی نہیں کیا گیا۔"

اردشیر نے لب بھینچے۔

"میرے خیال سے ان کا مطالبہ روپیہ پیسہ اور پراپرٹی ہو گا بصورت دیگر کوئی پرانی دشمنی بھی ہو سکتی ہے۔ تو دماغ پر زور ڈال ہے کوئی ایسا بندہ جس پر تجھے سو فیصد نہ صحیح مگر ساٹھ فیصد ہی شک ہو۔ کیونکہ اس سے پولیس کا کام اور آسان ہو جائے گا بصورت دیگر وہ پکڑا تو

جائے گا مگر دیر سے اور اس دوران وہ دوبارہ زائشہ کو نقصان نہ پہنچائیں کہ اس دفعہ تو قسمت سے ہم نے موبائل ٹریس کر کے انہیں بچالیا مگر ہر بار معجزے ہوں یہ ضروری نہیں۔"

زوالقرنین نے آگے کو جھک کر اسے کہا۔

"نہیں میں اب مزید زائشہ کو ٹارگٹ نہیں بننے دے سکتا۔مجھے ان کی سیکیورٹی چاہیے زوالقرنین۔"

وہ سختی سے گویا ہوا۔

"فکر مت کر ان کے گھر کے باہر میرے کچھ بندے پہرہ دیتے رہیں گے۔"

اس نے اکسہ کیا۔

"ہاں مگر اس کے علاوہ بھی ایک حل ہے۔"

نوریز نے دونوں کو دیکھا۔

"کیسا حل؟"

اردشیر کی استفہامیہ نظریں نوریز پر جمی تھیں۔اس نے قدرے الجھن آمیز نظروں سے اس کو دیکھا۔

"آپ زائشہ سے شادی کر کے انہیں پروٹیکشن دے دیں کہ ایک تو وہ انجانے میں ہی صحیح لیکن آپ کی وجہ سے اس دلدل میں پھنسی ہیں۔انہیں کچھ بھی ہوتا ہے یا دوبارہ خدانہ کرے وہ لوگ اغوا کرتے ہیں تو اس صورت میں کال بھی آپ کو ہی کریں گے۔کیوں کے مقابل کا ہدف آپ ہیں تو آپ کو ہی ان تک پہنچنا ہو گا زائشہ کو بچانے کے لیے۔اس ساری صورتحال میں زائشہ کے کردار پر بھی بات آسکتی ہے بھائی۔ہمارے معاشرے میں اغوا شدہ لڑکی کی کیا عزت ہوتی ہے یہ مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔آپ دونوں باخوبی جانتے ہیں۔"

نوریز کی بات وہ کتنی دیر تک اسے دیکھے گیا۔

"یہ تو سب زیادہ بیسٹ رہے گا۔"

زوالقرنین نے مسکراہٹ دبائی۔

"میں نے یہ سب اس طرح نہیں چاہا تھا۔"

وہ تھکن زدہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"زائشہ کو اس وقت پولیس پروٹیکشن کی ضرورت نہیں ہے اسے ایک مضبوط سائبان چاہیے۔ جس کے رہتے وہ دنیا کے سرد و گرم سے محفوظ رہ سکیں۔"

ذوالقرنین نے سکون سے کہا۔

رات کے کسی پہر وہ زائشہ کے روم میں داخل ہوا۔ نرس جو وہاں بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر کھڑی ہوئی اس سے پہلے کہ وہ سخت سست سناتی اردشیر نے اسے سختی خاموش رہنے کا اشارہ کیا ساتھ ہی روم سے باہر نکل جانے کا حکم جاری کیا جس پر وہ بیزاریت چہرے پر لائے باہر نکل گئ۔

وہ بھرپور نظر اسپتال کے بیڈ پر بے خبر لیٹی زائشہ پر ڈال کر اس کے پاس بیٹھ کر اس کا نرم گداز ہاتھ تھام گیا جو گہری نیند میں غرق اس کی نیندیں اڑا چکی تھی۔

ماتھے پر بندھی پٹی جگہ جگہ سے سرخ ہو رہی تھی۔ چہرے میں زردیاں سی گھل گئ تھیں۔ وہ ایک ہی دن میں کملاسی گئ تھی۔ اس کے ریشم جیسے بال ہاسپیٹل کے تکیے پر بکھرے ہوئے تھے۔

نوریز کی باتیں اب تک اس کے دماغ میں گردش کر رہی تھیں۔وہ خود بھی زائشہ سے شادی کا خواہشمند تھا اگر درمیان میں خرم کی شادی نہ ہوتی تو اب تک اپنی اور زائشہ کی شادی کی بات کر چکا ہوتا۔اب وہ جو خرم کی شادی کے بعد سکون سے یہ قدم اٹھانے والا تھا موجودہ حالات نے اس کا سارا سکون غارت کر دیا۔

جس طرح اس کے دشمن زائشہ تک پہنچ گ ئے تھے۔وہ کسی بھی قسم کا نقصان پہنچا سکتے تھے۔وہ اب کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔

"میری جان نکال کر کتنے سکون سے سو رہی ہیں۔آپ کو زرا بھی اندازہ نہیں ہے کہ میری جان نکل گئی تھی آپ کے اغواہ کی خبر سن کر۔میں آپ کو خود سے دور نہیں رکھ سکتا۔"

اس نے تکیے پر بکھرے اس کے بال سمیٹے اور محبت پاش نظریں اس کے صبیح چہرت پر گاڑھ دیں۔

"اب بس جلدی سے میرے پناہوں میں آنے کی تیاری کر لیں۔صرف ایک دن اور پھر ہمارے درمیان سے ساری دوریاں مٹ جائیں گی۔"

اس کے ہاتھ کو اپنے پر حدت ہاتھوں میں کے کر سہلاتے وہ گھبیر بھاری لہجے میں بولا اور آنے والے وقت کا سوچنے لگا۔ اسے زائشہ کو بہت طریقے سے ہینڈل کرنا تھا۔ وہ ایک محبت بھری نظر اس پر ڈال کر باہر نکل گیا۔

اگلی صبح اسے ڈسچارج مل گیا تھا۔

وہ چاہ کر بھی آرام نہ کر سکی۔ دوسرے دن مزینہ کی مہندی تھی۔ زائشہ کی غیر موجودگی میں اکیڈمی صفیہ نے سنبھالی تھی۔ وہ مزینہ کو مہندی لگانے آئی تھی۔ اسی بہانے زائشہ کا حال احوال بھی دریافت کر لیا۔ ساجدہ بیگم نے زائشہ کو بھی مہندی لگوادی۔ وہ ماں کو انکار نہ کر سکی تھی۔ ان کی مسکراہٹ آج صبح سے تھم نہ رہی تھی۔ وہ وجہ تو نہ جان سکی مگر وہ ان کی خوشی میں خوش تھی۔

سفیر رات گھر میں داخل ہوا تو سامان سے لدا پھندا ہوا تھا۔ مزینہ کی شادی کی مناسبت سے وہ سب گھر والوں کے لیے خریداری کر کے لایا تھا۔ بہنوں کو شاپنگ بیگز تھمانے کے بعد جب وہ کمرے میں آیا تو سحاب نے ایک تیکھی نظر اس پر ڈالی۔

"فرصت مل گئی اپنی بہن سے یا مزید لاڈ چونچلے باقی ہیں۔"

نخوت سے کہتے اس نے سر جھٹکا۔

"میری بہن آپ کی بھی کچھ لگتی ہے۔"

وہ سنجدگی سے گویا ہوا۔

"سوری ٹو سے مگر مجھے فضول رشتے بنانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔"

ہاتھوں پر کریم لگاتے وہ کڑوے لہجے میں بولی۔ سفیر نے اسے بازو سے پکڑ بھینچے جبڑوں کا ساتھ کھینچ کر ایک جھٹکے سے اپنے سامنے کیا۔

"فضول رشتے بنانے کا ہی شوق ہے آپ کو جبھی رات کے اندھیرے میں ایک انجان لڑکے کے ساتھ بھاگ گئی تھیں۔"

اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ سحاب کو انگلیاں گوشت میں دھنستی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"مجھ پر طنز کے تیر مت چلایا کرو۔ میں نے نہیں کہا تھا مجھ سے شادی کرنے کو۔"

وہ بدتمیزی سے گویا ہوئی۔

"آپ اپنے جامے میں رہیں اور زبان اتنی ہی کھولیں جتنی کہ سامنے والی کی سن سکیں۔ میرے ہر رشتے سے آپ کا گہرا تعلق بن چکا ہے۔ یہ بات اپنے ننھے سے دماغ میں بٹھالیں۔"

سفیر نے سرد لہجے میں کہا اور دو انگلیوں سے اس کی کنپٹی ٹھونکی۔

"جب میں تمہیں اپنا شوہر ہی نہیں مانتی تو تمہارے رشتوں کو کیوں مانوں گی۔"

گرفت ہلکی ہونے پر وہ تمسخر سے کہتی پلٹنے لگی تھی کہ سفیر نے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے اسے قریب کیا۔ وہ اس کے سینے سے آلگی۔ دونوں میں انچ بھر کا فاصلہ بھی نہیں رہا۔ اس کی بے ساختہ قربت پر سحاب کا دل آن کی آن میں زوروں سے دھڑکا اور چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"بیوی تو میں بھی آپ کو نہیں مانتا۔ بھلا بیوی آپ کی طرح ہوتی ہیں جنہیں نہ تو شوہر کا کوئی کام کرنا آتا ہے نہ ہی گھر آنے پر اسے ویلکم کرنا جانتی ہیں اور نہ ہی شوہر کو خوش رکھنا آتا ہو۔"

اس کے لبوں کو نرمی سے چھوتا وہ ذو معنی لہجے میں گویا ہوا۔

"چھوڑو مجھے۔ تم میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔"

وہ سرخ چہرہ لیے اس کی گرفت میں پھڑ پھڑانے لگی۔

"چاند کو غرور جچتا نہیں ہے پتا ہے کیوں"!

س

وہ لحظہ بھر کو رکا

"کیوں کہ اس میں داغ ہوتا ہے اور سفیر کو داغدار چیزیں پسند نہیں۔"

وہ اسے ایک جھٹکے سے چھوڑ کر پیچھے ہٹا۔

"یہ شاپنگ آپ کے لیے کی تھی۔ کل مزینہ کی مہندی ہے۔ زرا سلیقے سے تیار ہو جایئے گا۔"

"ہنہہ! بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ۔"

اس کی بڑ بڑاہٹ پر وہ مڑا اور سخت لہجے میں بولا۔

"کچھ کہا آپ نے۔"

"ہاں وہ میں یونیورسٹی جانا چاہتی ہوں۔فائنل سیمسٹر ہے اور ایگزام بھی ہونے والے ہیں۔"

وہ اس کے تاثرات جانچے بنا بولی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تعلیم تمیز اور تہذیب سکھاتی ہے۔ماشااللہ سے آپ میں یہ دونوں چیزیں ہی مفقود ہیں۔میں نہیں چاہتا کہ رہی سہی بھی چلی جائے۔"

وہ بول کر کپڑے الماری سے نکالتا واشروم میں گھس گیا۔واپس آیا تو کتابیں کھول کر بیٹھ گیا۔

"میرے کردار پر تو بہت جلدی انگلیاں اٹھتی ہیں۔ تمہاری اپنی بہن کے بارے میں کیا خیال ہے۔اکیڈمی کے بہانے میرے بھائی سے ملاقاتیں کرتی رہی ہے وہ۔اپنی اداؤں سے شیر بھائی کو آخر کار اس نے پھنسا ہی لیا۔مجھے تو اب سمجھ آرہی ہے کہ انہوں نے میری شادی یہاں کی ہی اسی لیے ہے تاکہ زائشہ کا حصول آسان ہو جائے۔تمہاری بہن نے بہت اونچا ہاتھ مارا ہے چند ہی ملاقاتوں میں میرے بھائی کو زیر۔۔۔۔۔!

اس کی زبان سفیر کے بلن ہوتے ہاتھ نے بند کی تھی۔اس کی آنکھیں لمحوں میں غصے اور اشتعال کی شدت سے سرخ ہو گئی تھیں۔ جبڑا بری طرح تھرک رہا تھا۔

"خبر دار جو آپا کے بارے میں گھٹیا بات کی تو ورنہ میں اپنی تربیت بھول جاؤں گا۔آپ تو میری آپا کے پیروں کی دھول بھی نہیں ہیں۔ کبھی وقت ملے تو آئینے میں صورت دیکھ لیجیے گا اپنی اور پھر دیکھیے گا میری بہن کو۔میں کچھ کہتا نہیں ہوں تو میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہیں مگر اب نہیں بہت ڈھیل دے دی ہے کل سے سیدھی طرح کام پر لگیں۔فارغ نہ دیکھوں میں آپ کو اور ہاں صبح پہلی فرصت میں آپا کی طبیعت پوچھیے گا۔"

سرد لہجے میں بول کر وہ اسے بیڈ پر دھکیلتا باہر نکل گیا۔پیچھے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

باہر وہ مضطرب تھا تو اندر وہ بے چین تھی۔

سفید بے داغ لباس پہنے وہ خود پر ڈھیر سارا پرفیوم چھڑک کر والٹ جیب میں ڈالنے لگا۔گھڑی پہن کر اس نے ایک تنقیدی نگاہ اپنی تیاری پر ڈالی۔پورے کمرے میں پوائزن کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

"بھائی بھابھی پوچھ رہی ہیں کب تک نکلنا ہے۔"

نوریز حماس کو گود میں لیے اس سے مخاطب ہوا تھا مگر اس کی تیاری دیکھ کر معنی خیزی سے گنگنایا۔

آگے براتی پیچھے بینڈ باجا

آئے دلہے راجا گوری کھول دروازہ

اردشیر نے اسے گھورا

"واؤ چاچو یو آر لوکنگ سو چارمنگ۔"

حماس کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ شلوار سوٹ کم ہی زیب تن کرتا تھا اور جب کرتا تھا تو اس پر خوب جچتا تھا۔

"مائے لٹل چائلڈ آلسو لکنگ چارمنگ۔"

اس کے گال پر بوسہ دیتے وہ کمرے سے نکلا۔

روشنی نیچے تیار کھڑی اس کی ہی منتظر تھیں۔

"بہت پیارے لگ رہے ہو۔اللہ نظر بد سے بچائے۔کتنے ارمان تھے میرے تمہاری شادی کے مگر زائشہ سے زیادہ اہم تو نہیں۔شاید یہ سب اسی طرح ہونا لکھا تھا"

وہ اداسی سے کہہ کر شوخ ہوئیں۔

اردشیر نے مسکراہٹ دبا کر گاڑی سٹارٹ کی اور مین گیٹ عبور کیا۔

"ساجدہ آنٹی نے زائشہ سے ذکر نہیں کیا ہوگا۔پتا نہیں کیا ری ایکشن ہوگا اس کا۔کہیں عین موقع پر شادی سے انکار کر دیا تو۔"

نوریز نے اسے چھیڑا۔

"بس تم اپنی شکل نہ دکھانا۔"

اردشیر نے اطمینان سے کہا تو وہ بلبلا اٹھا۔

"اب میں اتنا بھی کوئی ڈریکولا نہیں کہ بھابھی انکار ہی کر دیں۔"

راستے بھر ان کی نوک جھونک جاری رہی۔

وہ زرد اور آتشی رنگ کے سوٹ میں ملبوس صوفے پر بیٹھی تھی۔ کرتی سبز رنگ کی تھی۔ جس پر جھلملاتے ستارے اور گوٹے سے کام کیا گیا تھا۔اس کی ننھیالی کزنوں نے بری طرح اسے گھیر رکھا تھا۔

پارس اور ایک دوسری لڑکی جو اس کی دور پار کی کزن تھی اس کے بالوں میں گجرا سیٹ کر رہی تھیں۔ زائشہ اس کے دائیں ہاتھ میں گیندے اور گلاب کے کنگن پہنا رہی تھی۔ کمرہ پھولوں کی خوشبو سے معطر سا ہو گیا تھا۔

پورے گھر میں شور شرابہ اور ہنگامہ سے مچا ہوا تھا۔ باہر کہیں ڈیک پر آج کے دن کی مناسبت سے گیت چل رہے تھے۔ شادی والا گھر تھا خاصی رونق لگی ہوئی تھی۔

زائشہ خلاف توقع خاموش تھی مگر خوش تھی۔

مزینہ اس سے اکیلے میں بات کرنا چاہ رہی تھی مگر بھرے گھر میں اسے موقع ہی نہ مل پا رہا تھا۔

"میں نے سوچا تھا ہم ایک ہی دن شادی کریں گے۔"

مزینہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"مگر تمہیں کچھ زیادہ ہی جلدی تھی۔"

پارس نہ لقمہ دیا تو سب ہی ہنس دیں۔ان کی ہنسی سے کمرہ زاعفران ہو گیا۔

"بلے بھئی تم تو بڑی جگمگا رہی ہو۔دیکھنا کہیں خرم صاحب آج ہی رخصتی نہ کروالیں۔"

صفیہ نے تان اڑائی تو وہ جھینپ سی گئ۔

"آپا آپ تیار ہو جائیں۔۔اب تو مزینہ بھی تیار ہو گئ ہے۔"

پارس نے دوپٹہ سیٹ کر دیا تھا اب وہ فارغ ہو کر پلنگ پر بیٹھی زائشہ کو تیار ہونے کا کہہ رہی تھی جو صبح والے کپڑوں میں ملبوس تھی۔

ساجدہ بیگم نے تو اسے کہا تھا کہ وہ پہلے خود تیار ہو جائے پھر بے شک تیار کرتی رہے مزینہ کو مگر اس کی بھی کوئی ضد تھی کہ پہلے اسے تیار کرے گی پھر خود تیار ہو گئ۔

"ہاں بس جا رہی ہوں۔"

دوپٹہ اوڑھتے وہ کمرے سے باہر نکلی تھی۔

خرم اور اس کی فیملی والے اپنے قریبی رشتہ داروں کے ہمراہ تھوڑی دیر قبل ہی پہنچے تھے۔ خالدہ بیگم نے ان سب کا بہت شاندار استقبال کیا تھا ان کا۔ دل افروز اور شمائم تو خوشگوار سی حیرت میں مبتلا رہ گئی تھیں۔

وہ لوگ اندر آرہے تھے تو مزینہ کی کزنوں نے گیندے اور گلاب کی پتیاں ان پر نچھاور کی تھیں اور بہت خوش اخلاقی سے وہ لوگ شمائم اور دل افروز سے ملی تھیں۔ خالدہ بیگم سروت بیگم سے مل کر انہیں صحن میں لگے صوفوں کے پاس لے گئی تھیں۔ ارتضی اور عصمت صاحب بھی وہیں بیٹھ گئے تھے۔ خرم درمیانی صوفے پر ٹھاٹ سے بیٹھا تھا۔ گہرے سبز رنگ کے تارکشی کے کام والے کرتے اور سفید شلوار پہنے وہ خوبرو لگ رہا تھا۔ موقع کی مناسبت سے گلے میں ست رنگی چنری کا پٹکا ڈالے وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ چہرے پر سجائے سفیر سے گفتگو میں مصروف تھا۔

کچھ دیر بعد اردشیر لوگوں کی آمد پر ماحول اور بھی زیادہ خوشگوار ہو گیا تھا۔

نوریز کی قہقہوں اور اردشیر کی شوخ و شریر گفتگو اور سفیر کی برجستہ جملہ بازی نے محفل زاعفران زار کر دی تھی۔

روشنی تومزینہ کے پاس آگئی تھیں جہاں شمائم اور دل افروز پہلے سے موجود تھیں۔روشنی سحاب سے ملیں تو وہ نم آنکھوں سے مسکرادی۔

"میں کب سے آپ لوگوں کا انتظار کر رہی تھی۔"

وہ اداسی سے بولی۔

"بس نکلتے نکلتے دیر ہو گئی۔"

وہ مزینہ کو چھیڑنے لگیں پھر باقی سب سے ملیں۔کافی عرصے بعد انہوں نے دل افروز کو دیکھا تھا۔شمائم سے تو شادی سے پہلے اکثر ملاقات ہو جاتی تھی پھر اس کی شادی کے بعد یہ سلسلہ تھم گیا تھا۔اب خرم کی شادی کے سلسلے میں وہ یہاں آئی ہوئی تھی تو اتفاق سے ملاقات ہو گئی۔

"ہائے اللہ روشنی آج تو بڑی روشنیاں بکھیر رہی ہیں۔"

مزینہ نے اپنی حیرت چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔اس کی تعریف پر وہ پل بھر کو جھینپ گئی تھیں۔

"یہ روشنیاں زائشہ کی مرہون منت ہیں۔"

انہوں نے معنی خیزی سے کہا۔ سحاب کا تن من جھلس گیا۔ زائشہ کے ذکر پر اندر تک کڑواہٹ بھر گئی۔

"ویسے موصوفہ کہاں چھپی بیٹھی ہیں۔"

روشنی نے نظریں اطراف میں گھمائیں۔ وہ کافی دیر سے انہیں نہیں دکھ رہی تھی۔

"وہ تیار ہونے گئی ہے۔"

مزینہ نے کنگنوں کو سیدھے کرتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔

کاہی گرین کرتی کے نیچے نارنجی رنگ کا گوٹے کے کام والا شرارہ پہنے وہ پلاسٹک کی جاپانی گڑیا جیسی معلوم ہو رہی تھی۔ کمزوری کے باعث بیوٹی بون مزید ابھر آئی تھیں۔ البتہ بال اس نے نہیں بنائے تھے۔ سر میں ٹانکے لگے ہونے کی وجہ سے وہ شاور بھی نہیں لے سکی تھی۔ بالوں کی کھجوری چٹیا کر کے اس نے آگے ڈال لی تھی۔ چند شریر لٹیں چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

سرخ وسفید پیروں میں نازک سی سلیپرز پہن کر دوپٹہ سر پر درست کر کے وہ بیرونی دروازہ لاک کر کے مزینہ کے پاس آ گئی تھی۔

اتنے مہمانوں میں مرد بھی شامل تھے۔اسے اتنی حیا آئی تھی کہ وہ دروازے میں ہی رک گئی تھی۔دوپٹے کے پلو سے چہرہ چھپاتے وہ روہانسی ہو گئی تھی۔جاتے وقت تو سادگی میں تھی تو کوئی مسئلہ ہی نہ تھا مگر اب اتنے لوگوں کے سامنے اسے بے حد عجیب لگ رہا تھا اس طرح تیار ہو کر روبرو ہونا۔

"چاچو گرین فیری۔"

اردشیر کے برابر میں بیٹھے حماس نے اس کا بازو ہلاتے اسے متوجہ کیا۔پہلے تو اس نے اسے گھورا کہ وہ ہر آتی جاتی خوبصورت لڑکی کو اس کے کپڑوں کے رنگ کے حساب سے فیری کا نام دے رہا تھا اور اسے مطلع بھی کرتا جا رہا تھا کہ چاچو یہ پنک فیری ہیں یہ پرپل فیری ہیں۔اردشیر نے اس کے چوتھی مرتبہ پکارنے پر زبردست طریقے سے اسے گھورا تھا۔

"مجھے پتا ہے یہاں کتنی اور کس رنگ کی فیریز ہیں۔ناؤ فنگر آن دا لپس۔"

اس نے حماس کی ناک کھینچی تھی۔

"اوہو چاچو ادھر دیکھیں وہ والی فیری بہت سپیشل ہیں کیونکہ وہ آپ کی برائڈ ہیں ناں۔"

حماس نے ننھے ہاتھوں سے اردشیر کے گال پر ہاتھ رکھ کر اس کے چہرے کا رخ دروازے کی اور موڑ کر جھنجھلا کر کہا۔۔

گھبرائی گھبرائی سی آدھے رخ پہ حجاب کیے کھڑی وہ زائشہ ہی تھی۔ جو اندر آنے کے پر طول رہی تھی۔ پر ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

وہ اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر جلتی کڑھتی وہیں کھڑی میدان خالی ہونے کی منتظر تھی جو کہ ناممکن سی بات تھی۔

اردشیر کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"یہ تو واقعی سپیشل فیری ہیں۔"

اس نے دھیرے سے کہہ کر لب دبائے تھے اور پھر موبائل جیب میں ڈال کر قدم اس کی طرف بڑھا دیے۔

"آپ کی ساری تیزی اور طراری بس ایک شخص کے آگے چلتی ہے۔ باقیوں کے سامنے تو آپ سہمی ہوئی ہرنی بن جاتی ہیں۔

"

وہ جو مارے غصے و بے بسی کے دروازے سے ہی پلٹنے لگی تھی کہ اردشیر کی گھمبیر آواز پر پلٹی۔ ہاتھ پہلو میں گرا تھا۔ پلو سر کا تھا اور بے حجابی اردشیر کی دنیا تہو بالا کر گئ تھی۔

گھنیری پلکوں تلے بھوری آنکھوں میں رونق در آئی تھی۔ چہرے پر چھائی مخصوص چمک اردشیر کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی۔ جہاں اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے تھے وہیں زائشہ نے اپنی عقل کو سو بار کوسا تھا اور سٹپٹا کر نظریں جھکالی تھیں۔

اس کی کٹھی آنکھوں میں ہیں جنتر منتر سب

چاقو واقو، چھریاں وریاں، خنجر و نجر سب

اردخیر کی گھبیر بوجھل اور جذبوں سے پر گنگناہٹ پر شائشہ کی پلکیں لرزی تھیں جبکہ چہرہ بار حیا سے تمتما اٹھا تھا۔

"آئیں اندر کمرے تک چھوڑ دوں۔"

اسے دونوں ہاتھ مسلتے دیکھ کر اردشیر نے مسکراہٹ دبائی تھی کہ وہ اس کی حالت سے باخوبی واقف تھا۔ حیا سے اس نے دوبارہ پلکیں نہ اٹھائی تھیں۔ قدم تو گویا یوں جکڑے

گ ئے تھے جیسے اردشیر نے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی ہوں۔دل الگ زور زور سے دھڑک رہا تھا۔وہ مزید دو منٹ اور اس کے سامنے ٹھہرتی تو شاید بے ہوش ہی ہو جاتی کہ اس طرح کی لطافتوں سے اس کا واسطہ جو نہ پڑا تھا۔

اثبات میں سر ہلاتے وہ اس کی ہمراہی میں چل پڑی تھی۔اردشیر اسے کمرے کے دروازے تک چھوڑ کر پلٹ گیا تھا۔

زائشہ تیزی سے کمرے میں آئی تھی اور دروازہ کھٹاک سے بند کیا تھا۔اپنی شمار ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالتی وہ جو نہی پلٹی سب کی نظروں کو خود پر دیکھ کر مزید بوکھلا گئ۔

"کون سا بھوت دیکھ لیا آپا؟"

پارس نے ہنس کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔کچھ بھی تو نہیں دیکھا۔باہر اتنے مرد تھے کے توبہ۔بس جلدی جلدی آ گئ میں۔"

وہ جواب دے کر شمائم اور دل افروز سے ملنے لگی پھر روشنی سے ملی تو وہ خصوصی طور پر اس سے ملیں اور سر سے پیر تک معنی خیزی سے اسے دیکھا۔ کوئی شک نہیں تھا کہ وہ بے انتہا خوبصورت تھی۔ اسے اردشیر کی پسند پر یک دم ہی رشک آنے لگا تھا۔

"نکاح کا فرض پورا کر دیتے ہیں۔ پھر ابٹن اور مہندی کی رسم کا آغاز کر دیں گے۔"

سروت بیگم نے خالدہ بیگم سے کہا تو انہوں نے سفیر کو اشارہ کیا۔

"کدھر۔"

نوریز نے استفامیہ انداز میں آئبر واچکائے۔ دوسری ملاقات میں ہی دونوں کے مزاج مل گئے تھے اور دوستی بھی گہری ہو گئی تھی۔ کافی دیر سے بیٹھے وہ دونوں مل کر خرم کی مزاج پرسی کر رہے تھے۔

"قاضی صاحب کو لے کر آتا ہوں۔ دولھے میاں سے صبر نہیں ہو رہا۔"

مسکراہٹ دبا کر کہتا وہ اردشیر اور خرم پر معنی خیز نظر ڈالتا ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔

کچھ ہی دیر بعد سفیر قاضی صاحب کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔ اس کے اشارے پر روشنی نے آگے بڑھ کر زائشہ جو مزینہ کا دوپٹہ زرا نیچے سرکانے لگی تھی۔ اسے بازو سے پکڑ کر بٹھایا تو

وہ حیران ہوئی۔ پھر روشنی نے بغیر اسے سوچنے سمجھنے کا موقع دیے اس پر گھونگھٹ کر دیا۔ سفیر برابر میں بیٹھا اور قاضی صاحب کو نکاح پڑھانے کا اشارہ کیا۔

زائشہ ششدر رہ گئی۔ اس کا دماغ ماؤف ہو گیا۔ بغیر اسے بتائے بغیر اس کی مرضی جانے اس کے گھر والے اتنا بڑا قدم اٹھا چکے تھے۔ آنسو سرخ گالوں پر بہہ گئے۔ اس نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔

"آپا پلیز۔ یہ وقت کی ضرورت ہے۔ آپ کا اردشیر سے نکاح اب ناگزیر ہو گیا ہے۔ کچھ بھی غلط سوچنے سے پہلے یہ یاد رکھیے گا کہ آپ کا بھائی آپ کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہونے دے گا۔ آج اپنے بھائی کا مان رکھ لیں۔"

اس کے نزدیک جھک کر سرگوشی میں بولتا وہ بھی نمدیدہ ہوا تھا۔ بے اختیار اس نے سر جھکا دیا تو سب نے شکر کی سانس لی۔

سفیر اس کے دائیں طرف بیٹھا تھا قاضی صاحب نے نکاح پڑھانا شروع کیا تھا۔ سب کتنے خوش تھے کہ وقت اور گھڑی ہی خوشی کی تھی مگر وہ خوش نہیں تھی۔ اس کے احساسات منجمند ہو گئے تھے۔ اسے گھٹن ہو رہی تھی۔ وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی بھلا کیا

جوڑ تھا اس کا اور اردشیر کا۔ وہ محلوں میں رہنے والا شہزادہ تھا اور وہ غریب کی کٹیا میں پلی بڑھی معمولی سی لڑکی تھی۔ مخمل میں ٹاٹ کے پیوند والی مثال اسے اپنے لیے ہی معلوم ہوئی تھی۔ وہ اس رشتے کے حق میں نہیں تھی جبھی تو اردشیر کے بڑھتے قدموں کو روکا تھا مگر قسمت پر نہ کسی کا زور پہلے کبھی چلا تھا نہ اب اس لڑکی کا چلا تھا۔ یہ شخص نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔

آخری دستخط کرتے وقت وہ سفیر کے گلے لگ کر بہت روئی تھی۔ نکاح ہو چکا تھا ہر طرف مبارک کی صدائیں گونج رہی تھیں جبکہ مزینہ نکاح کے بعد شرمائی سی سب سے داد وصول رہی تھی۔ مزینہ کے نکاح کے بعد جب کمرہ خالی ہوا تو روشنی سمیت سب اسے چھیڑنے لگیں۔ اس نے اذیت سے آنکھیں میچ لیں۔ گال سختی سے رگڑے اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے نکلی تھی اور سیدھا گھر آ کر سانس لی تھی۔ پارس اس کے پیچھے جانا چاہتی تھی مگر روشنی نے روک دیا۔

"اسے اس کی جنگ تنہا لڑنے دو۔ یا تو تھک کر ہتھیار ڈال دے گی یا پھر جنگ جیت جائے گی۔"

مزینہ نے گہری سانس خارج کی۔ یہ سب اس نے بھی چاہا تھا مگر اس طرح! بالکل بھی نہیں۔

ساجدہ بیگم نے اسے یوں جاتے دیکھا تو پریشانی سے مہمانوں کے بیچ سے اٹھیں۔

وہ پلنگ پر تکیے میں منہ دیے بری طرح سسک اٹھی تھی۔ قدموں کی چاپ اور دروازہ بند ہونے کی آواز پر پلٹی اسے لگا اردشیر ہو گا مگر کسی نقاب پوش کو دیکھ کر خوف کی ایک شدید لہر اس کے پورے بدن میں سرائیت کر گئی تھی۔ لرزتے ہاتھوں سے اس نے دوپٹہ درست کر کے خود کو چھپایا۔

"کون ہو تم اور اندر کیسے آئے۔ دیکھو پاس مت آنا۔ ورنہ میں شور مچا دوں گی۔"

خوف سے زرد پڑتی رنگت لیے وہ چیخی۔

"مجھے تم روک نہیں سکتی ہو اور نہ ہی میں اب رکنے والا ہوں۔ پچھلی بار تو بچا لیا تھا تجھے تیرے عاشق نے۔ اب کون بچائے گا تجھے میرے چنگل سے۔"

زائشہ دو قدم پیچھے ہوئی تھی اور اس نقاب پوش کے قدم مزید آگے بڑھ رہے تھے۔

"کیوں میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گ ئے ہو۔میں تو تمہیں جانتی تک نہیں ہوں۔"

وہ روتی سسکتی ہوئی چیخی۔

"میں کون ہوں۔ہاہاہاہا۔"

خود کلامی کر کے وہ نقاب پوش بے ہنگم طریقے سے ہنسا تھا۔

"میں تیرے عاشق کا دشمن ہوں تو میرے دشمن کی کمزوری ہے اور آج میں اس کمزوری کو اپنے ہاتھوں سے بری طرح مسلنے والا ہوں۔وہ جب جب تجھے دیکھے گا تو تب تب ٹوٹ کر بکھرے گا اور اسے اس حال میں دیکھ کر میرے سینے میں ٹھنڈ پڑ جائے گی۔سکون ملے گا مجھے"۔

زائشہ کا چہرہ دبوچ کر وہ شخص غرایا تھا نقاب سے جھانتی آنکھوں میں سرخیاں واضح تھیں جو مقابل کے غصے میں ہونے کا پتا دے رہی تھیں۔

"چھوڑو مجھے۔دور ہٹو۔۔۔۔۔۔"!

زائشہ نے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔آنسو گلابی عارضوں پر بہہ نکلے تھے۔

"خبردار جو میرے قریب آئے تو۔"

وہ خوف کے باوجود چیخی۔

"خالی خولی دھمکیاں مجھ پر کار گر ثابت نہیں ہوں گی۔"

زائشہ کو بازو سے پکڑ کر کھینچتا وہ قریب کر چکا تھا۔وہ ہچکیوں سے رو دی تھی۔

"اللہ کا قہر پڑے تم پر ظالم انسان چھوڑو مجھے۔تم برباد ہو جاؤ اللہ کرے۔"

اس شخص نے زائشہ کا دوپٹہ کھینچ کر دور اچھالا تھا اور اسے پلنگ پر دھکا دیا تھا۔

اسے لگا قیامت سے پہلے قیامت نازل ہو گئی ہو۔دھڑ دھڑ کر کے اس پر پہاڑ کے تودے گرے تھے۔تکلیف محسوس نہیں ہوئی تھی۔جسم برف بن گیا تھا۔دماغ بالکل ماؤف ہو گیا تھا۔اس کی سسکیاں خالی گھر میں گونج رہی تھی۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

ساجدہ بیگم کو بامشکل اپنی جگہ سے اٹھتے دیکھ کر اردشیر اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پاس آیا تھا اور انہیں سہارا دیا تھا۔

"زائشہ کے پیچھے جا رہی ہوں۔ وہ روتی ہوئی گھر گئی ہے۔ میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔ پتا نہیں کہیں کچھ کر نہ بیٹھے۔"

وہ پریشان سی گھبرائی ہوئی سی کہہ رہی تھیں۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔"

وہ ان کے ہمقدم ہوا تھا۔

گھر کا کھلا دروازہ اور ہلکی ہلکی سسکیوں کی آوازیں ان کے لیے اچھنبے کا باعث تھیں۔

"یہ سسکیاں تو زائشہ کی ہیں۔ ہائے اللہ میری بچی۔"

چونک تو وہ بھی گیا تھا۔ آواز کا تعین کر کے جب وہ ان کے پیچھے ہی کمرے میں پہنچا تو اس کی نظروں میں زمین و آسمان گھوم گئے۔ ساجدہ بیگم کا ہاتھ کلیجے پر پڑا تھا۔ اردشیر کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ سفید بے شکن پیشانی پر شکنوں کا جال لمحوں میں ابھرا تھا۔

"زائشہ۔۔۔۔ میری بچی۔"

وہ فوراً پلنگ پر آڑی ترچھی پڑی روتی سسکتی زائشہ کی طرف لپکی تھیں۔ جس کے بکھرے بال دور فرش پر پڑا دوپٹہ اور اس کی ماتم کرتی آنکھیں انہیں بہت کچھ باور کروا رہی تھیں۔

"زائشہ یہ یہ۔۔ کیا ہوا ہے۔ کچھ بتا مجھے ورنہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔"

انہوں نے اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ زائشہ کی چیخوں کو اردشیر کی دھاڑ نے بند کیا تھا۔

"ادھر دیکھیں میری طرف۔ کس نے کیا ہے یہ سب۔"

زائشہ نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ وہ حد سے زیادہ شاکڈ میں تھی۔ اس وقت وہ کچھ بھی سمجھنے کی حالت میں نہیں تھی۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں آپ سے۔ یہ کس کی حرکت ہے۔ مجھے بتائیں میں اس کی جان نکال لوں گا۔ میرے ہاتھوں وہ شخص زندہ نہیں بچے گا۔ بولیں کس نے کی ہے یہ حرکت۔"

اردشیر نے اسے بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ دھان پان سی لڑکی اس کے غصے اور شاکڈ کی سی کیفیت کی تاب نا لا کر اس کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔ ساجدہ بیگم پر تو سکتا ہو گیا تھا۔ بیٹی کی حالت چیخ چیخ کر جو کہہ رہی تھی وہ۔۔۔ وہ ماننے کو تیار نہ تھیں۔

"آنٹی پانی لے کر آئیں جلدی سے۔ یہ بے ہوش ہو گئی ہیں۔ ان کا ہوش میں آنا بہت ضروری ہے۔"

ساجدہ بیگم سر ہلاتیں کچن سے پانی کا گلاس لے آئیں۔

اردشیر نے پانی کے چند چھینٹے زائشہ کے چہرے پر چھڑکے تو چند منٹوں بعد وہ ہوش میں آ گئی۔ ساجدہ بیگم نے پیار سے نم آنکھوں سے اسے دیکھا اس کے بال سنوارے۔ اس کی اجڑی حالت پر ان کا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔

اردشیر نے نظریں چرا کر اسے دوپٹہ تھمایا جسے وہ خود پر پورا لپیٹ کر ساجدہ بیگم کے سینے سے لگ کر روتے ہوئے ساری داستان سنا گئی۔

اس کی زبانی سب سن کر ساجدہ بیگم پر سے منوں بوجھ ہٹا تھا مگر بیٹی کی عزت و جان کا خوف انہیں بری طرح لاحق تھا۔

سفیر ساجدہ بیگم کی غیر موجودگی محسوس کر کے ادھر آیا تھا۔

"کیا بات ہے امی۔ آپا کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔"

سفیر نے انہیں ہلتے نہ دیکھ کر پریشانی سے پوچھا تو ساجدہ بیگم نے ساری کہانی اس کے گوش گزار دی

سفیر ششدر رہ گیا۔اس کی مٹھیاں بھینچ گئی تھی۔پریشانی سے چہرے پر ہاتھ پھیر کر اس نے زائشہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

پھر ایک سخت نظر اردشیر پر ڈال کر وہ کپڑے جھاڑ کر کھڑا ہوا۔

"یہ سب آپ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔آپ کی وجہ سے میری بہن کو آج یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے ورنہ ان کے ساتھ بدتمیزی کرنا تو دور کی بات انہیں کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات بھی کرتا۔انہیں گرم ہوا بھی چھو کر گزرتی ہے تو میں اس ہوا کا رخ موڑ دیتا ہوں۔اب آپ کے ساتھ کیا سلوک کروں جو میری بہن کی تکلیف اور آنسوؤں کی وجہ بنے ہیں۔"

انتہائی غصے میں وہ ساری تمیز بھلائے درشت لہجے میں اسے موردالزام ٹھہرا رہا تھا۔

"بولیں جواب دیں۔"

وہ اپنے آپے میں نہیں لگ رہا تھا۔

"آپ اس طرح سے بات نہیں کر سکتے میرے بھائی سے۔شیر بھائی نے کچھ نہیں کیا۔یہ تکلیف اور یہ آنسوان کے اپنے خریدے ہوئے ہیں۔"

سحاب جو وہاں بیٹھی بیٹھی اکتا گئی تھی اٹھ کر باہر نکل آئی اسے بیگانی شادی میں عبداللہ کا کردار ادا کرنا سخت زہر لگ رہا تھا۔ وہ گھر آئی تو سفیر کی بات سن کر سلگ اٹھی۔

"تم بیچ میں مت بولو۔"

اردشیر نے اسے ٹوک دیا۔

"کیوں نہ بولوں۔ یہ ہوتے کون ہیں آپ پر الزام لگانے والے اور اب تو کوئی جواز بنتا ہی نہیں دونوں بہن بھائیوں کی پلاننگ پوری ہو گئی۔ بھائی نے مجھ سے شادی کر لی اور بہن نے آپ کو پھنسا لیا۔ بہت خوب۔۔۔"!

سفیر نے لب بھینچ لیے۔ اردشیر کے ایک تھپڑ اسے رسید کیا۔ وہ ششدر رہ گئی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"زائشہ میری بیوی ہے اور میری بیوی کے خلاف کوئی ایک لفظ بھی کہے یہ مجھے برداشت نہیں۔ آئندہ سوچ سمجھ کر بولنا۔"

وہ سرخ آنکھیں لیے سحاب کو تنبیہہ کرنے لگا۔ وہ احساس ذلت سے بھاگ کر کمرے میں گھس گئی۔

زائشہ کے رونے میں شدت آگئی تھی۔اس ہنگامے نے اسے مزید سہادیا تھا۔

"امی یہ سب میرے ساتھ کیوں ہو رہا ہے۔"

وہ ہذیانی انداز میں چیخی تھی۔نرم خو سی اور دھیمے سروں میں بولنے والی زائشہ کا یہ روپ بالکل نیا تھا۔باہر کھڑے اردشیر نے کرب سے آنکھیں میچ لی تھیں۔سفیر کا غصہ اب قدرے کم ہوا تھا۔

"کیا یہ نکاح ضروری تھا۔کوئی دوسری راہ نہیں تھی۔امی میں یہ نکاح نہیں کرنا چاہتی تھی۔آپ نے مجھ سے میری مرضی نہیں پوچھی۔مجھے بتایا تک نہیں میرے نکاح کی بھنک بھی مجھے نہیں لگنے دی۔عزت اور ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ہم انسان کیوں کسی کی زندگی کا فیصلہ کر لیتے ہیں جب پتا ہے کہ ہماری زندگیوں کے تمام فیصلے وہ کرتا ہے۔"

وہ ان کے اس اچانک لیے گ ئے فیصلے پر صدمے سے دوچار ہوئی تھی۔وہ ماں سے بھی سخت خفا تھی ان سے الگ ہو کر وہ رخ موڑ گئی۔سحاب کی باتوں نے اسے عجیب سے احساس سے دوچار کر دیا تھا۔

اس رات وہ سفیر کو کھانا دینے گئی تھی مگر سحاب کی باتوں نے اس کا دل چیر دیا تھا اسے بہت تکلیف ہوئی تھی اور اب یہ اس نکاح نے سحاب کی باتوں پر تصدیق کی مہر لگا دی تھی۔ اب بھلا وہ کیسے اس کے سامنے سر اٹھا کر فخر سے کچھ کہہ سکے گی۔

"میری جان مجھ یوں خفا مت ہو۔ اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ میں تمہارا بھلا ہی چاہتی ہوں۔ ماں باپ کبھی اپنی اولاد کا برا نہیں سوچتے۔

اردشیر بہت اچھا بچہ ہے۔ بہت اچھے ہاتھوں میں تربیت پائی ہے اس نے۔ بہت خوش رکھے گا تجھے۔ یوں بھی تو اس کی پسند ہے مگر یہاں اس نے اپنی پسند پر تیری حفاظت کو ترجیح دی ہے۔ کہاں ملتے ہیں ایسے لوگ۔ میری بچی مجھ بوڑھی جان کا کچھ خیال کر۔ تیرے بابا کے جانے کے بعد میں کوئی اور تکلیف برداشت نہیں کر سکتی۔ اولاد کی تکلیف بڑھی اوکھی ہوتی ہے۔"

اسے چپ کرواتے کرواتے اب وہ خود رو پڑی تھیں۔ زائشہ کی خفگی نے انہیں خوفزدہ کر دیا تھا۔

"مجھے امید ہے تو بغیر کسی چوں چراں کیے اس رخصتی کے لیے مان جائے گی۔ میری فرمانبردار بیٹی ہے ناں زائشہ تو۔"

وہ پیار سے اسے سمجھاتی ہوئی کہہ رہی تھیں۔ ان کے لہجے میں کتنا مان تھا۔ کتنے اعتماد سے کہہ رہی تھیں وہ کہ زائشہ ان کی فرمانبردار بیٹی ہے۔ اس نے ضبط سے آنکھیں زور سے بند کیں۔ وہ بھلا کیسے اپنی ماں کا اعتماد ٹوٹنے دیتی۔ کیسے انکار کر کے ان کے مان کو ٹھیس پہنچاتی۔ انہوں نے خود تپتی دھوپ میں رہ کر اسے چھاؤں میں پالا تھا۔ پیٹ پٹی باندھ کر اسے پڑھایا لکھا تھا۔ اس کی اچھی تربیت کا سہرا بھی ان کے ہی سر تھا۔ وہ انکار کر ہی نہیں سکتی تھی۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے امی۔"

دو آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر بہہ گ ئے تھے۔ اس کی انا ٹوٹی تھی۔ اس کا غرور کرچی کرچی ہوا تھا۔ وہ تو کتنے دھڑلے سے اردشیر کے جذبات کو روندتی آئی تھی مگر اب۔۔۔؟

شاید نہیں واقع غرور کا سر نیچا ہوتا ہے۔ اسے بہت غرور تھا اپنی تربیت پر اپنے وقار پر۔ اللہ نے اس کا غرور توڑا تھا۔ وہ خود بھی تو بکھر گئی تھی۔ اس وقت زائشہ کے دماغ میں بیک وقت ان گنت سوچیں حملہ آور ہوئی تھیں۔

وہ زائشہ کی حالت درست کر کے اسے وہاں لے گئیں۔ مہمانوں کا ڈھیر تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کسی کو اس واقع کی بھنک بھی پڑے۔

اوبٹن کی رسم ادا کرنے کے لیے مزینہ اور زائشہ کو باہر لا کر بٹھایا گیا تھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ بیٹھی تھیں۔ دائیں بائیں مزینہ کے ساتھ خرم جبکہ زائشہ کے ساتھ اردشیر بیٹھا تھا۔ ان دونوں کی رسم حنا ایک ساتھ ادا کی گئی تھی۔ ساجدہ بیگم نے سکون کی سانس خارج کی تھی۔

"صرف چوکا مارا ہے یا چھکے کا ارادہ بھی ہے۔"

زوذلقرنین نے شریر سی گفتگو کی تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دیا تھا۔

"سکسر ہی مارنا ہے تیرے بھائی نے۔"

اردشیر نے اس کی اور جھک کر محظوظ ہوتے اس کی بات کا جواب دیا تھا۔ زائشہ کے کان کی لوئیں سرخ پڑ گئیں۔

"اے ہائے بڑی ہی عجیب سی بات ہوئی یہ تو۔ ہمیں تو کبھی بھنک نہ پڑنے دی زائشہ کے رشتے کی۔"

مزینہ کی تائی برا مناتے ہوئے بولیں۔

"بہن اب وہ وقت گیا جب بچیوں کے رشتے کرنے کے بعد محلے بھر میں ڈھنڈورا پیٹا جاتا تھا۔ اب لوگ خاموشی سے سارے کام کر لیتے ہیں اور کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتے۔"

طنزیہ گفتگو میں انہیں کمال حاصل تھا۔ خالدہ بیگم نے ناگواری سے انہیں ٹوکا۔

"لوگ اگر جلیں ناتوان کی روٹی ہضم نہیں ہوتی بہتر ہے کہ کسی کو خبر نہ ہی کی جائے۔ لوگوں کا جلاپا کب کام بگاڑ دے کون جانے۔"

بظاہر نرم لہجے میں وہ کہہ رہی تھیں مگر باتوں میں سختی تھی۔ وہ سمجھ گئ تھیں کہ درپردہ انہیں ہی کہا جا رہا ہے۔ کلستی ہوئی وہ خاموشی کو غنیمت جان گئ تھیں۔

"اوہ شٹ۔"

زوالقرنین کے کرتے پر ابٹن کا آمیزہ گر گیا تھا۔ حماس کا ہاتھ ٹیبل پر رکھی ابٹن کی پیالی سے ٹکرایا تھا چونکہ وہ اردشیر کے برابر میں ہی بیٹھا تھا تو ابٹن اچھٹ کر اس کی قمیض داغ دار کر گیا تھا۔

"آپ کا کرتا خراب ہو گیا ہے چلیں آپ کو واشروم دکھاؤں۔"

اردشیر نے کہا۔

"ناٹ آ بگ ڈیل یار بیٹھو انجوائے کرو میں بس ابھی آیا۔"

وہ ٹشو سے کرتا صاف کرتا ہوا وہاں سے ہٹ گیا۔

"یہ رنگ تو چھوٹ ہی نہیں رہا۔ شمائم بھی نہ حد کرتی ہے۔"

وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئیں دوپٹہ پر لگا ابٹن دھو رہی تھیں جو شمائم نے شرارت سے لگایا تو اس کے گال پر تھا پر وہ اس کے دوپٹے پر بھی لگ گیا تھا۔ وہ فوراً واش بیسن کی طرف بڑھی تھیں۔ انہیں نہیں پتا تھا کہ زوالقرنین بھی وہیں آ جائے گا۔

"کچھ رنگ بہت پکے ہوتے ہیں۔ چاہ کر بھی نہیں چھوٹتے۔"

اس کی گھمبیر آواز پر وہ جھٹکے سے مڑی تھیں۔

"کچھ سائے بہت منحوس ہوتے ہیں ساری زندگی پیچھا نہیں چھوڑتے جیسے کہ آپ کا۔"

وہ نفرت سے پھنکاری تو زوالقرنین نے لب بھینچ لیے۔ روشنی ایک جھٹکے سے مڑیں اور اندر کمرے میں چلی گئیں۔

"باباماما کے پاس جانا ہے۔"

لوگوں کی بھیڑ میں کھڑے زوالقرنین کی قمیض کا کونہ کھینچ کر رونی صورت بنا کر کہتے حماس نے اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"یار کتنی بار کہا ہے یوں پبلک پلیس پر بابا نہ کہو کرو۔ ماما کو تو شک ہے ہی باقیوں کو بھی شک پڑ گیا تو میری کیا عزت رہ جائے گی۔"

نیچے جھک کر اسے گود میں اٹھاتے زوالقرنین نے بیچار گی سی شکل بنا کر کہا۔

"تو پھر آپ ماما کو ہمارا گولڈن سیکریٹ بتادو۔"

حماس خاصا تھک گیا تھا۔اس کی باتوں سے اور نیند سے بوجھل ہوتی آنکھوں کو اس نے بے اختیار چوما۔

"ان شااللہ بہت جلد بتائیں گے آپ کی ماما کو وہ سیکریٹ۔اب بہت ہوا یہ لکاچھپی کا کھیل۔"

زوالقرنین نے حماس کے بال بگاڑے اور اندر آ کر حماس کو روشنی کی گود میں بٹھادیا۔

یہ سب اتنی اچانک ہوا تھا کہ روشنی کو سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔وہ بوکھلا سی گئ تھی۔

"یہ کیا حرکت تھی مسٹر۔"

روشنی نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

حماس کو اس کی گود میں دے کر جب وہ پیچھے ہوا تھا تو غلطی سے اس کا سر روشنی کے تھوڑی سے مس ہوا تھا۔وہ یک دم سٹپٹائی تھی۔

اس کے قریب سے آتی پرفیوم کی نرم گداز سی دل موہ لینے والی خوشبو لمحے بھر کو اسے اپنے حصار میں لے گئ تھی۔ان کے حواس جھنجھنا اٹھے تھے۔

"میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ جو ہوا اپنے آپ ہوا اور ہوتا چلا گیا۔ میں نے کب چاہا تھا کہ ایسا ہو جائے مگر ہمارے چاہنے نہ چاہنے سے بھی تو کچھ نہیں ہوتا۔"

زوالقرنین نے گہری سانس لی۔ روشنی یک ٹک اس کو ہی دیکھ رہی تھی۔

"بحر حال میری طرف سے اپنا دل صاف کر لیں روشنی کہ حقیقت سے آپ ابھی نہ آشنا ہیں اور جب حقیقت معلوم ہو گی تو مجھے یقین ہے کہ آپ نادم ضرور ہوں گی اور میں ہر گز بھی آپ کو نادم ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ آپ شر مندہ کرتی ہوئی تو اچھی لگتی ہیں مگر شر مندگی میں گھری ہوئی نہیں۔"

وہ بول کر رکا نہیں تھا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ بھرے گھر میں شور شرابے سے اس کا سر درد کرنے لگا تھا وہ تو کمرے میں دو گھڑی سکون لینے آئی تھیں۔

زوالقرنین کے منہ سے پہلی بار اپنا نام سن کر روشنی کا دل خوشگوار سے احساست میں گھرا تھا مگر وہ فالحال اس احساس کو قبول کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔

کس حقیقت کی بات کر رہا تھا وہ اور میں بھلا کیوں شر مندہ ہونے لگی۔ وہ ذہن پر زور ڈال کر سوچتی ہوئی سر جھٹک کر حماس کو خود میں سموئے اسے تھپکنے لگیں۔

رسم اپنے اختتام کو پہنچی تو مہمانوں نے بھی نے بھی رخصت لی۔

سفیر اور ساجدہ بیگم نے زائشہ کو اردشیر کے ساتھ ہی رخصت کر دیا تھا۔وہ اپنے ہی گھر میں محفوظ نہیں تھی۔رخصتی کے وقت نہ زائشہ کے آنسو کام آئے تھے نہ ہی اس کی آہ و بکا۔وقتی طور ساجدہ بیگم نے بھی دل پر پتھر رکھ لیا تھا۔اولاد کی خاطر تو یہ بہت کم تھا ان کا بس چلتا تو اس کی خاطر جان بھی حاضر کر دیتیں۔

اس کی رخصتی پر واحد مزینہ تھی جو بہت خوش تھی۔اس کی ایک نہیں دو خواہشیں پایہ تکمیل تک پہنچی تھیں۔پارس بھی آبدیدہ تھی پر آپا کے لیے بہت خوش تھی۔

روشنی نے اپنے کندھے سے لگے سوئے ہوئے حماس کو نوریز کی گود میں دیا اور خود زائشہ کو لے کر اردشیر کے روم میں کی طرف بڑھ گئیں۔

"تمہاری خواب گاہ۔"

اس کی اور جھک کر وہ مسکراہٹ دبا کر بولیں پھر قدرے فاصلے پر ہو کر اسے بیڈ پر بٹھایا۔

"اب سے یہی تمہارا کمرہ ہے۔تم ایزی ہو کر بیٹھو۔کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو اردشیر سے یا مجھ سے بلا جھجک کہہ دینا۔پہلے کی بات اور تھی مگر اب اس گھر کی فرد ہو تم۔کچھ الٹا

سید حامت سوچنا. دیکھو میں جانتی ہوں یہ سب بہت جلدی اور غیر متوقع ہوا ہے مگر قسمت میں ایسا ہی ہونا لکھا تھا۔ تمہارے لیے شاید قبول کرنا مشکل ہو لیکن ناممکن تو نہیں ہے کہ ہم سب یہاں تک کہ اردشیر تمہارا دیکھا بھالا ہے۔ سو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

روشنی اس کے پاس بیٹھ کر اسے سمجھا رہی تھی۔ زائشہ کا ایک ہاتھ ان کے دونوں ہاتھوں کے درمیان دبا ہوا تھا۔ اس نے ایک خاموش مگر شکوہ بھری نظر روشنی پر ڈالی تھی۔ روشنی نے ایک تھکی ہوئی سانس ہوا کے سپرد کی۔ وہ یہاں صرف زائشہ کی برین واشنگ کرنے آئی تھیں مگر یہ سب اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ زائشہ بہت حساس لڑکی تھی اور حالات کی تبدیلی کو وہ ایک دم قبول نہیں کر سکتی تھی یہ بات انہیں باخوبی پتا چل گئ تھی۔

"میں چلتی ہوں۔ حماس نیند سے جاگ گیا تو سلانا مشکل ہو جائے گا۔"

وہ اس کا ہاتھ تھپتھپاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ تنہائی پا کر زائشہ ایک بار پھر قسمت کی ستم ظریفی پر اشکبار ہوئی تھی۔

اپنے حصے میں آئے اس خصارے پر وہ جتنا رو سکتی تھی رو رہی تھی۔ وہ ساجدہ بیگم سے ناراض تھی اور سفیر سے بھی بے حد خفا تھی جنہوں نے اسے ایک پل میں پرایا کر دیا تھا۔

اردشیر نوریز کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھا تھا۔

"نوریز اپنے کمرے میں جاؤ اور اردشیر تم بھی اٹھو اور کمرے میں جاو۔ زائشہ بے حد پریشان ہے۔"

نیچے آتی ہوئی روشنی نے دونوں کو اپنے اپنے ٹھکانے سے بھیجا۔

نوریز تو معنی خیز مسکراہٹ اردشیر کی سمت اچھالتا سیڑھیاں پھلانگتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ پیچھے اردشیر نے بھی کچھ سوچ کر قدم کمرے کی جانب بڑھا دیے۔

کمرے میں ابھی پہلا قدم ہی رکھا تھا اور اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ زائشہ رو رہی تھی کہ اس کی سسکیاں پورے کمرے میں گونج رہی تھیں۔

کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ پلٹا تو اس نے گردن موڑ کر آنے والے کو دیکھا اور آنے والی شخصیت کو دیکھ کر اس نے ناراضگی سے چہرہ واپس موڑ لیا۔

اس کا رونا ہنوز جاری و ساری تھا۔

اردشیر خاموشی سے اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھا۔

"رونے کی وجہ تو بتائیں کہ اگر معقول ہوئی تو مل کر روئیں گے۔"

اردشیر نے ایک محبت بھری نظر اس کے روئے روئے حسین سے چہرے پر ڈالی جو رونے سے بے تحاشہ سرخ ہو رہا تھا۔ تھوڑی تلے سرخ و سپید ہاتھ کی مٹھی بنائے وہ فرصت اس کے سامنے بیٹھا اسے نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھے۔

"آپ امیروں کو رونے کی کیا ضرورت پڑی ہے۔ سارے رونے تو ہم غریبوں کے ہیں کہ جن کے آگے مجبوریوں کی خندق ہے اور بے بسی کی کوئی حد نہیں۔"

نہایت تلخ لہجے میں کہتے وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔

"اب تو آپ بھی امیر ہیں۔"

اردشیر نے مسکراہٹ دبائی۔ وہیں زائشہ نے ایک کٹیلی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"آپ کی کرم نوازی ہے۔"

زائشہ کا جواب برجستہ تھا۔

"خوب فائدہ اٹھایا ہے آپ نے ہماری مجبوری کا خاص کر میری۔ میری ماں کو شیشے میں اتار کر آپ کتنے بے فکر ہو گئے تھے کہ آپ جانتے تھے زائشہ اپنی ماں کی بات ٹال ہی نہیں سکتی۔ کتنا اچھا سمجھتی تھی میں آپ کو مگر آپ نے میری ساری سوچوں پر اپنی کارکردگی سے پانی پھیر دیا۔ آپ کو کیا لگتا ہے یہ سب کر کے آپ بہت بڑے بن گئے ہیں۔ مجھے حاصل کر کے ٹھنڈک پڑ گئی آپ کو۔ ہمدردی کا یہ بخار بہت مہنگا پڑے گا آپ کو اردشیر صاحب کہ جس دن آپ کو اپنی اس غلطی کا احساس ہو گا کہ آپ نے کتنی بڑی غلطی کی ہے تب میں دیکھوں گی کتنا یارا ہے آپ میں۔ کتنا برداشت کر سکتے ہیں آپ مجھے۔ نری محبت کا بھوت آپ کے سر سے چند دنوں میں نہ اترا تو پھر کہیے گا۔"

غصے میں پھولی سانسوں کے درمیان کہتی وہ اردشیر کو اپنے حواسوں میں نہیں لگی تھی۔ وہ اپنے حواسوں میں ہوتی ہی کب تھی۔ اردشیر سے بات کرتے وقت اس کا غصہ اس کے حواس یوں بھی صلب کر لیتا تھا۔ اردشیر کو اس کی کسی بھی بات پر غصہ نہیں آیا تھا اس کے برعکس اس کی سوچ پر وہ تاسف زدہ رہ گیا تھا۔ کس قدر غلط سوچتی تھی وہ اس کے بارے میں۔

"آپ کو لگتا ہے کہ آپ کو حاصل کرنے کے لیے مجھے آپ کی والدہ کو شیشے میں اتارنے کی ضرورت تھی تو بہت بیوقوف ہیں آپ۔آپ کے حصول کے لیے مجھے کچھ بھی زرا بھی تردد کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔چاہتا تو ایک لمحہ نہیں لگاتا مگر آپ کی رضا بھی مطلوب تھی۔"

وہ گہری سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"اب بھی اس شادی میں میری رضا شامل نہیں ہے۔"

وہ بے تاثر لہجے میں بول کر نمدیدہ ہو گئی۔

"آپ اس وقت ٹھیک نہیں ہیں اور آپ کے حواس بھی ٹھیک طرح سے کام نہیں کر رہے۔آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ہم اس موضوع پر پھر بات کریں گے یوں بھی اب ساتھ ہی زندگی کٹے گی تو اتنی لمبی زندگی میں کرنے کو کچھ تو ہونا چاہیے ناں۔آپ جھگڑا کیجیے گا۔میں محبت کروں گا۔"

نرمی سے کہتے اس نے بھرپور استحقاق سے اس کی روشن پیشانی کو اپنے لمس سے مہکایا تو وہ اس کی جرأت پر دنگ رہ گئ۔ یکایک اسے اردشیر سے حیا محسوس ہوئیں پلکیں لرز سی گئیں۔ دل یونہی شور مچانے لگا تو وہ لب دبا گئ۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور اپنے حواسوں میں ہوں۔ سمجھے آپ! اور یہ ایک ساتھ لمبی زندگی تو تب گزرے گی ناں جب آپ جیسے کلی کلی منڈلانے والے ایک عورت پر اکتفا کر لیں گے۔"

لہنگا سنبھالتی وہ بیڈ سے اٹھ کر اس کے مقابل ہوئی تھی۔

"اتنی بے یقینی اچھی نہیں ہوتی زائشہ۔ اعتبار کی ڈور کا کوئی سرا تو تھمائیں کہ میاں بیوی دو اجنبی لوگ ہوتے ہیں اور ان کے بیچ اس رشتہ کو صرف بھروسہ اور یقین ہی جوڑے رکھتا ہے۔ میرے بارے میں تو خاصی غلط فہمیاں پال رکھی ہیں آپ نے۔ اردشیر کا معیار اتنا گرا ہوا ہرگز نہیں ہے۔ وہ تو صرف ایک گلاب پر ہی اٹکا ہوا تھا اور اب وہ خوبصورت گلاب اس کی دسترس میں ہے۔

اردشیر اس خوبصورت گلاب کی نرماہٹ محسوس کرنا چاہتا ہے اس کی خوشبوں اپنی سانسوں میں اتارنا چاہتا ہے کہ اس گلاب نے اردشیر کی زندگی گلزار کر دی ہے۔"

وہ اس کے نزدیک ہوا اور دو انگلیوں سے اس کی تھوڑی کو چھوا تو وہ گلال ہو گئ۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ گلاب کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں۔"

زائشہ نے طنزیہ انداز میں کہتے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ وہ اس کا ضبط آزما رہی تھی مگر وہ اس کی بات پر یوں مسکرایا جیسے بچے کی بات پر مسرایا جاتا ہے۔

"آپ کو فکر کس بات کی ہے گلاب کے ساتھ کانٹے ہونے کی یا میرے زخمی ہونے کی۔ اگر میرے زخمی ہونے کی ہے تو یہ تو بہت خوش آئیندہ بات ہے۔"

اس کی بات کا زائشہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اردشیر نے اسے خاموش پا کر کلام کا سلسلہ ترک کیا اور وارڈراب سے نائٹ سوٹ لے کر واشروم کا رخ کیا۔

وہ کپڑے تبدیل کر کے واپس آیا تو وہ ایک بار پھر رونے میں مصروف تھی۔اردشیر بے حد افسوس بھری نظر سجی سنوری اس لڑکی پر ڈالی جس نے کچھ ہی دیر میں رو رو کر اپنی آنکھوں کا ستیاناس کر لیا تھا۔

وہ خاموشی سے اس کے پاس بیٹھا اور چہرہ رگڑتے اس کے نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"بس کر دیں زائشہ۔کیسے رو لیتی ہیں اتنا۔کہاں سے لاتی ہیں ان ساگروں میں اتنا پانی۔رو رو کر آپ نے حشر کر لیا ہے۔مجھ پہ رحم کریں میری جان۔میں آپ کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔"

بے حد محبت سے وہ اس کے آنسو اپنی انگلیوں پر چن رہا تھا دل کی خواہش تھی کہ لبوں سے سارے اشک چن لے مگر زائشہ نے اس کا ہاتھ بھی بری طرح جھٹک دیا۔

"بات مت کریں مجھ سے اور ہاتھ بھی مت لگائیں۔میری نظروں کے سامنے سے ہٹ جائیں۔میں پہلے ہی بہت تکلیف میں ہوں۔مزید میری تکلیفوں میں اضافے کا باعث مت بنیں۔خدا کے لیے۔"

وہ درشت لہجے میں بولی تھی۔ پھر آخر میں بے بسی سے کہہ کر سر بیڈ کراؤن سے ٹکا کر کنپٹیاں مسلنے لگی۔

اس بار وہ اپنے ساتھ ہوئی زیادتی پر نہیں روئی تھی بلکہ سر میں درد کے باعث آنسو رواں ہوئے تھے۔ تکلیف کی شدت وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

"تکلیف بہت زیادہ ہے تو چلیں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔"

وہ اس کی تکلیف محسوس کرتا کار کی چابی اٹھا لایا تھا۔

زائشہ نے نفی میں گردن ہلا کر گویا انکار کیا۔ وہ کہیں بھی جانے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

اردشیر نے اسے مجبور نہیں کیا بلکہ وہ گاڑی کی چابیاں لیتا کمرے سے نکل گیا۔ ارادہ زائشہ کی دوا لینے کا تھا۔ سفیر سے زائشہ کی دوائیوں کا پوچھ کر وہ قریبی بنے میڈیکل سٹور سے دوائیاں لے کر نکلا تھا۔

وہ واپس آیا تو وہ تکیے پر سکڑی سمٹی پڑی تھی۔ سردی کی شدت سے کپکپاہٹ الگ طاری تھی۔ ایک ہاتھ مسلسل کنپٹی پر تھا۔

اردشیر نے گلاس میں پانی ڈالا اور دوائی لے کر اس کے پاس آیا۔

بازو سے پکڑ کر اسے بٹھایا۔

"یہ لیں دوائی کھائیں۔"

اس کی ہتھیلی پر میڈیسن رکھ کر اس کے آگے پانی سے بھرا گلاس کیا۔ وہ چپ چاپ گلاس تھام کر دوا پھانک گئی۔ پے در پے ہونے والے واقعات نے اسے گہرے صدمے سے دوچار کیا تھا جس کے احساس سے وہ اتنا رو چکی تھی کہ درد سے اس کا سر پھٹا جا رہا تھا اب تو بخار نے بھی اسے کمزور جان کر زور پکڑ لیا تھا۔ اس وقت بغیر کسی نخرے اور چوں چراں کے دوائی لینے کا مقصد صرف تکلیف رفاع کرنا تھا۔

"چینج کر لیں ان کپڑوں میں کیسے سوئیں گی۔"

اسے پھر سے دراز ہوتے دیکھ کر وہ بولا تھا۔

زائشہ کا دل چاہا وہ بے بسی سے رو دے۔ اسے اس وقت سخت نیند آ رہی تھی اور یہ شخص اس کی نیند کا دشمن بن گیا تھا۔ کہاں عادت تھی اسے اتنی دیر رات تک جاگنے کی۔ وہ تو عشا پڑھ کر لمبی تان کر سو جایا کرتی تھی۔

اس کی بات پر زائشہ نے دھیان ضرور دیا تھا مگر عمل ہر گز نہیں کیا تھا۔ نیند نے اسے مہلت ہی نہیں دی تھی۔ وہ بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ دوبارہ اسی انداز میں لیٹ گئی تھی۔

اردشیر نے اس کی حرکت پر نفی میں سر ہلایا اور ریموٹ اٹھا کر اے سی کی سپیڈ کم کی۔ زائشی کی ٹانگیں سیدھی کیں اور اس پر لحاف اوڑھا کر وہ اس کے برابر میں ہی قدرے فاصلے سے دراز ہو گیا۔

سائیڈ لیمپ کی زرد روشنی میں اس کا حسین چہرہ مزید دلکش لگ رہا تھا۔ دوپٹہ اب تک سر پر ہی ٹکا ہوا تھا۔ شاید پن کیا ہوا تھا۔ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ رو لینے کے بعد تو حسن مزید نکھر گیا تھا یوں جیسے برسات کے بعد پھول پودے نکھر جاتے ہیں۔

اس کا دل شدت سے اس حسین چہرے کو محسوس کرنے کو چاہا تھا مگر وہ زائشہ کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ خود پر ضبط کرتا وہ کروٹ لے کر لیٹ گیا۔

اگلی صبح فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ نماز پڑھ کر مسجد سے واپس آیا تو نیم اندھیرے کمرے میں زسئشہ کی سانسوں کی زیر و بم نے اس کا استقبال کیا تھا۔

اسے خوشگوار سے احساس نے اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔اپنے کمرے میں ہونے والی اس خوبصورت سی تبدیلی پر وہ مسرور سا ہوا تھا۔

سفید شلوار قمیض پہنے وہ اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کا ماتھا چیک کرنے لگا۔بخار اب نہیں تھا مگر نہ معلوم اس کے ہاتھ کیوں گرم تھے۔پیشانی تو ٹھنڈی پڑی تھی۔اردشیر کے چھونے پر وہ کسمسا کر کروٹ بدل گئی۔اس نے اس کی نیند خراب ہونے کے ڈر سے اسے دوبارہ ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

وہ کمرے سے ملحقہ سٹڈی سے لیپ ٹاپ لے آیا تھا اور اب صوفے پر بیٹھا کام میں مشغول ہو چکا تھا۔فجر کے بعد یوں بھی وہ سونے کا عادی نہیں تھا۔

اس نے بالوں کو اونچا کر کے کیچر لگایا اور دونوں بازو کہنیوں تک موڑے اور صحن میں لگے بیسن سے منہ ہاتھ دھو کر برش کیا اور دوپٹے سے چہرہ خشک کرتی وہ سر پر دوپٹہ اوڑھتی باہر نکلنے لگی تھی۔

"امی میں زائشہ کے پاس جا رہی ہوں۔"

اس نے وہیں سے ہانک لگائی تھی۔

"اے لڑکی رک جاو ہیں۔"

وہ اسے گھور کر دیکھتیں چائے کی ٹرے مہمانوں کے سامنے رکھ کر تیزی سے اس کی طرف آئیں۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا۔مایوں کی دلہن اس طرح گھر سے باہر نہیں نکلتی چل اندر۔"

وہ اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹتی ہوئی اندر کمرے میں لے آئیں۔

"اماں تو پھر تم زائشہ کو ادھر بلالو میں اس کے ساتھ ہی ناشتہ کروں گی۔"

پلنگ پر دھپ سے بیٹھتی وہ خفگی سے گویا ہوئی۔

"تری یاداشت کہاں پاتال کوچ کر گئ ہے۔وہ اپنے سسرال میں ہے۔بھول گئ کل تیرے ساتھ ہی اس کا اور اردشیر کا نکاح ہوا تھا۔"

وہ اس کی عقل کو کوستی ہوئیں باہر نکل گئیں۔

اور پیچھے سب یاد آنے پر وہ دل مسوس کر کے رہ گئ۔

سفیر کی نظر پارس پر گئی جو ابھی ناشتے کی غرض سے کچن میں جا رہی تھی۔ وہ کمرے میں آیا تو سحاب گہری نیند سو رہی تھی۔

اس نے لب بھینچے اور اسے ایک جھٹکے سے اٹھا کر بٹھا دیا۔ اس اچانک افتاد پر وہ گھبرا کر رہ گئی۔ ساری نیند کا خمار بھگ سے اڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خماری دیکھ کر وہ سرعت ڈے نظریں چرا گیا۔

"ناشتے ریڈی کریں مجھے ایک گھنٹے میں نکلنا ہے۔"

اطمینان سے کہہ کر وہ کف فولڈ کرتا اسے جلا کر خاک کر رہ گیا تھا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا دو کوڑی کے کار مکینک۔ اچھی خاصی نیند کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا۔ اپنی بہن سے بنواؤ ناشتہ۔ مجھے نہیں آتا اور آتا ہوتا تب بھی نہیں بناتی۔"

وہ گھور کر کہتی ضدی لہجے میں گویا ہوئی۔

"ناشتہ تو آپ ہی بنائیں گی۔ پھر چاہے آتا ہو یا نہ آتا ہو۔"

وہ سنجیدگی سے بولا تو سحاب نے دانت پیسے۔

"ملازم نہیں ہوں تمہاری۔"

نخوت سے کہہ کر اس نے سر جھٹکا اور دوبارہ لحاف خود پر کھینچا ہی تھا کہ سفیر نے چادر کھینچ کر دور اچھال دی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟"

وہ نہاہت ناگوار لہجے میں غرائی تھی۔

"بدتمیزی تو میں اب کرنے جارہا ہوں۔"

سرد لہجے میں کہتے اس نے سحاب کو کلائی سے پکڑ کر جھٹکا دیا تو وہ اس کے سینے سے جا ٹکرائی۔

سفیر نے اس کے ہونٹوں کو اپنے انگوٹھے سے سہلایا۔

"چائے تو آپ نے پلانی نہیں ہے۔ تو پھر کیا خیال ہے یہی جام نوش کیا جائے۔"

معنی خیز سے کہتے وہ اس کے حواس اڑا گیا۔ اس کی زرد پڑتی رنگت کی پرواہ کیے بغیر وہ اس کے کندھوں پر دباؤ ڈال کر اسے لٹا چکا تھا۔

سحاب کی مزاحمت ہنوز جاری تھی۔ سفیر نے اس کی دونوں نازک کلائیاں گرفت میں لیں اور اس کے لبوں کو چھوا ہی تھا کہ وہ تیزی سے بولی۔

"میں میں ناشتہ بناتی ہوں۔پلیز۔"

اس کی نمی گھلی آواز سن کر وہ پیچھے ہٹاتو وہ تیزی سے اٹھی اور تیار ہو کر باہر نکلی۔سحاب اسے کچن میں دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"آج ناشتہ میں بناؤں گی اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو مجھے بتاتی جاؤ۔"

وہ نرم لہجے میں آج پارس کے ہوش اڑا رہی تھی۔اس نے خاموشی میں ہی عافیت جانی۔پھر جیسے جیسے وہ بتاتی گئی ویسے ویسے سحاب کرتی گئی۔

"سارا کام ہو گیا بس بھائی کا پراٹھہ رہ گیا۔وہ گرم گرم کھانے کے عادی ہیں۔بس آنے والے ہوں جلدی سے ان کا پراٹھہ بنا لیں۔میں تب تک دستر خوان لگاتی ہوں۔"

وہ ہدایت دیتی باہر نکل گئی۔

سفیر خوشبوئیں بکھیرتا باہر نکلا تو سحاب کی فلک شگاف چیخ پر تیزی سے کچن میں آیا جہاں وہ گرم تیل سے ہاتھ جلا بیٹھی تھی۔

"اف خدایا! لڑکی نے ستیاناس مار لیا ہاتھ کا۔کس نے بولا تھا کچن میں گھسنے کو میرے بچے۔دیکھو ذرا۔"

وہ ٹھنڈا پانی ہاتھ پر بہاتی ہوئیں ہمدردانہ لہجے میں اسے ٹوک رہی تھیں۔

"مجھے سفیر نے کہا تھا کہ اب سے میں گھر کا سارا کام کیا کروں۔ میں نے کہا بھی تھا کہ مجھے نہیں آتا مگر اس نے میری بات نہیں سنی اور میرے ساتھ زبردستی۔۔۔"!

وہ اپنی رو میں سوں سوں کرتی بول رہی تھی کہ سفیر نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کاٹ دی۔

"امی میں کلینک لے جاتا ہوں انہیں۔"

اس سے پہلے کہ وہ مزید گل افشانی کرتی سفیر نے اسے بازو سے پکڑ کر وہاں سے لے گیا۔ پارس نے مسکراہٹ دبائی جبکہ ساجدہ بیگم آسودگی سے مسکرادیں۔

"بندے میں سینس نام کی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ کون سی بات کس کے سامنے کہنی ہے اور کون سی نہیں کہنی۔ بچی تو نہیں ہیں آپ جو یوں منہ پھاڑ کر ہم میاں بیوی کی پرائیویٹ بات امی کے سامنے کہنے جارہی تھیں۔"

وہ طنز کررہا تھا جبکہ سحاب شرم سے سرخ چہرہ لیے نظریں خفت سے جھکا گئی۔

"میں تمہارے ساتھ بائیک پر نہیں جاؤں گی۔"

صحن میں کھڑی اس کی بائیک دیکھ کر سحاب نے درد کے باوجود تڑخ کر انکار کیا۔

"جانتا ہوں آپ کی شان گھٹ جائے گی۔ دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھیں سٹاپ سے کیب کر لیں گے۔"

تلخی سے کہتا وہ اسے ٹوک گیا۔ پھر اس کا جلا ہوا ہاتھ دیکھ کر خود ہی دوپٹہ درست کیا۔

زائشہ کی آنکھ کھلی تو کمرہ خالی تھا۔ اس نے سکون کی سانس لی کہ اردشیر کمرے میں نہیں تھا۔ اس کی موجودگی میں وہ ہرگز بھی کمفرٹیبل فیل نہیں کر پاتی تھی۔ ایک جھجھک ہمیشہ آڑے آجاتی تھی۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ سٹڈی کا دروازہ کھول کر اردشیر کمرے میں آیا اور وہیں زائشہ کا سکون خاک ہوا۔

"گڈ مارننگ۔ اب کیسی طبیعت ہے؟"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ یونہی سر جھکائے ہاتھ مسلتی رہی۔

اردشیر نے اس کی جھجھک محسوس کرتے اسے وارڈراب سے اسے ایک لباس نکال دیا۔وہ خاموشی سے لباس لے کر واشروم چلی گئ۔اردشیر اس کے باہر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

روشنی ٹیبل پر ناشتہ لگوا رہی تھیں۔

زائشہ لان کے دوپٹہ کے پلو سے چہرہ خشک کرتے ہوئے باہر آئی تو اسے وہیں بیٹھے دیکھ کر ٹھٹھک گئ۔

اس کا ٹھٹھکنا وہ نوٹ کر چکا تھا۔مسکراتا ہوا اس کے نزدیک آیا۔

اس کی بے وقت کی مسکراہٹ زائشہ کو ناگوار گزری تھی۔

اردشیر نے جیب سے رومال نکال کر اس کی تھوڑی صاف کی جہاں جھاگ لگا ہوا تھا۔پھر رومال اس کے سامنے لہرایا تو وہ خفت زدہ رہ گئ۔

"چلیں بھابھی نیچے ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

اسے سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر وہ اس کا ہاتھ تھام کر نیچے لے آیا۔کیسا استحقاق تھا اس کے انداز و لب و لہجے میں۔زائشہ دنگ رہ گئ تھی۔

"گڈ مارننگ بھابھی۔"

نوریز نے خوش دلی سے وش کیا۔ وہ اس کی آمد پر احتراما کھڑا ہو کر کارنش بجالایا تھا۔ حماس نے بھی کرسی پر چڑھ کر زائشہ کا رخسار چوم لیا۔

"گڈ مارننگ فیری چاچی۔"

زائشہ سرخ پڑتی سٹپٹا سی گئ۔ روشنی نے حماس کو گھر کا تو نوریز ہنس پڑا۔ وہ حد سے زیادہ نروس تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ نئے لوگ نیا رشتہ اور نئ جگہ۔ وہ رو دینے کو تھی۔

"گڈ مارننگ زائشہ۔ تم نہیں جانتیں تمہیں اس طرح اپنے گھر میں دیکھ کر میں کتنی خوش ہوں۔"

اس سے الگ ہو کر وہ جیسے اپنی خوشی اس سے شیئر کر رہی تھیں۔ اپنے جذبات انہوں نے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"اب چاہے اگلا بندہ خوش ہو نہ ہو۔"

نوریز نے یونہی شرارت سے کہا۔

"ن۔ نہیں م۔ میں خوش ہوں۔"

زائشہ نے گھبراہٹ کے مارے جلدی سے کہا۔اردشیر نے گھور کر اسے دیکھا تو وہ سیز فائر کر گیا۔

"انسان بنو نوریز۔"

وہ زائشہ کو ریلیکس کرتیں کرسی پر بٹھا کر دیور کو ڈپٹتی ہوئی بولیں۔

"میں سر سے لے کر پاؤں تک انسان ہی ہوں کیوں بھابھی۔"

نوریز نے زائشی سے تائید چاہی۔وہ کنفیوژ ہو کر اسے تو کبھی روشنی کو دیکھے لگی۔

"بھابھی آپ ناں آج سے میری ٹیم میں ہیں۔روشنی بھابھی نہ مجھے جلدی ناشتہ کروا کر جلدی گھر سے بھگا دیتی ہیں اور رات کو ٹی وی بھی نہیں دیکھنے دیتیں اور دیر رات تک جاگنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اب آپ آگئیں ہیں نا۔اس گھر پر اپنا رعب جمانا شروع کر دیں۔آپ کا راج چلے گا تو میں سکون سے لیٹ نائیٹ ٹی وی شوز دیکھ سکوں گا۔"

ناشتے سے انصاف کرتے ہوئے نوریز نے ایک طرف تو روشنی کی شکایتوں کا پٹارہ کھول دیا تھا ساتھ ہی زائشہ کو اپنی ٹیم میں آنے کی آفر کرتا وہ اسے فوائد بھی گنوا رہا تھا۔

"میں رات کو جلدی سو جاتی ہوں۔"

زائشہ نے چائے پیتے ہوئے جواب دیا۔

"گئی بھینس پانی میں۔"

روشنی کی ہنسی کا فوارہ چھوٹا تھا۔ نوریز کی شکل دیکھ کر وہ ہنسی روک نہیں سکی تھیں۔

اردشیر نے مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

زائشہ کو سمجھ نہیں آئی کہ اس نے ایسا کیا کہہ دیا کہ وہ سب اتنا ہنس رہے تھے۔

"نوریز بھئی تمہارا شہر تو بسنے سے پہلے ہی اجڑ گیا۔ زائشہ تو اتنی دیر تک جاگتی ہی نہیں

ہیں۔ بھول جاؤ اپنے لیٹ نائیٹ شوز۔"

روشنی اس کی حالت سے حظ اٹھا رہی تھی۔

"بھابھی میں آفس چلتا ہوں۔ حماس نے سکول نہیں جانا کیا؟"

اپنی چیئر سے اٹھ کر اس نے کی ہولڈر سے اپنی کار کی چابیاں اٹھائیں۔

"نہیں آج خرم چاچو کی شادی ہے۔"

حماس نے صاف انکار کر دیا۔

"ایک میری ہی چھٹی نہیں ہے جس کی کل ہی شادی ہوئی ہے۔"

وہ مسکراہٹ دبا کر گویا ہوا۔

زائشہ کا ناشتہ کرتا ہاتھ وہیں رک گیا۔

"تو کر لو چھٹی منع کس نے کیا ہے۔"

روشنی نے معنی خیزی سے اسے دیکھا۔

"چھٹی تو نہیں کر سکتا۔ جلدی آجاؤں گا۔ آپ لوگ تیار رہیے گا۔"

وہ کوٹ درست کرتا ہوا احماس کو پیار کر کے پورٹیکو کی طرف چلا گیا۔

"اللہ حافظ بھابھی۔ سی یو سون۔"

نوریز الوداعی کلمات کہتا اردشیر کے پیچھے ہی گھر سے نکلا تھا جبکہ زائشہ سر درد کا کہتی کمرے میں جا چکی تھی۔ اس وقت اسے تنہائی درکار تھی۔ وہ اپنی زندگی میں اس اچانک تبدیلی کو محسوس تو کر رہی تھی مگر قبول نہیں کر پا رہی تھی۔

صبیحہ بیگم اور توقیر روحی کے ہمراہ صبح ہی پاکستان پہنچے تھے۔ عین وقت پر پہنچنے پر سروت بیگم سخت خفا ہو رہی تھیں۔ توقیر انہیں بہلا رہا تھا کہ اس کا ایک اہم پروجیکٹ تھا جس کی

ڈیل کے سلسلے میں اسے آنے میں وقت لگا ورنہ پہلے ہی پاکستان پہنچ جاتا۔اس کی وجہ سے روحی اور صبیحہ بیگم بھی کل کا فنکشن اٹینڈ نہیں کر پائی تھیں۔

"پیاری خالہ جان میں پورا ایک ہفتہ آپ کے پاس گزاروں گا۔آئے پرامس۔اب تومان جائیں۔"

وہ ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے انہیں منا رہا تھا۔وہ مزینہ کی بری تیار کروا رہی تھیں۔دل افروز اور شمائم کپڑے پیک کر رہی تھیں۔

صبیحہ بیگم چونکہ سفر سے تھک چکی تھیں کہ عمر کا کچھ تقاضہ بھی تھا سو وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں۔روحی بیڈ پر چڑھ کر اشتیاق سے اپنی ماما کو انوکھے کام کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ساتھ ہی اپنے سوالوں سے اپنی پھپھو پلس ممانی کا دماغ بھی خراب کر رہی تھی۔

"جانے دو بھئی ہفتہ بھر تو دور کی بات ہے تم دو روز بھی نہ ٹکو گے۔تمہارا فون تمہیں سکون لینے دے گا تب ناں۔پھر آفس کے کام کا بہانہ کر کے چلے جاؤ گے۔"

وہ خفگی سے گویا ہوئیں۔ان کے شکوے کسی حد تک درست بھی تھے۔

"خالہ اب بھائی آگئے ہیں ناں۔اچھی طرح کان کھینچیں ان کے۔"

دل افروز الماری سے جیولری باکس نکال رہی تھی۔ توقیر نے گھور کر بہن کو دیکھا۔ بجائے بات سنبھالنے کے وہ مزید بگاڑ رہی تھی۔

"خالہ جان اس پھاپھے کٹنی کی بات پر کان مت دھریں۔ آئے پرامس اس بار میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔"

وہ مسکرا کو گویا ہوا۔

"بہنوئی صاحب آپ کی باتوں میں کس حد تک سچائی ہے۔"

خرم اندر آتے ہی بیڈ پر دھپ سے گرا تھا۔

"سالے صاحب سو فیصد سچائی ہے۔"

توقیر کا اطمینان دیکھ کر وہ داد دیے بنا نہ رہ سکا۔

"ایک ہی شرط پر مانوں گی دس دن سے پہلے اگر جانے کی بات کی ناں تو بھول جانا اپنی خالہ جان کو۔"

دس دن بہت زیادہ تھے مگر توقیر اس وقت انہیں ناراض بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بعد کی بعد دیکھی جاتی۔ اس وقت وہ مان گئی تھیں یہی کافی تھا۔

"دادو خرم چاچو کی شادی میں لہنگا کرتی پہنوں گی گولڈن کلر کا۔ نانو کہتی ہیں پاکستان میں شادی کے لیے سب سے پریٹی ڈریس ہوتا ہے یہ۔"

روحی نے ان کی گود میں بیٹھ کر پیار سے ان کے چہرے پہ اپنا چھوٹا سا ہاتھ رکھا تھا۔

"ادھر آؤ چاچو کی جان۔ چاچو آپ کو خود شاپنگ کروا کر لائیں گے۔"

وہ روحی کو گود میں اٹھاتا کار کی کیز لے کر بیڈ سے اٹھا۔

"ارے خرم اس کی شاپنگ میں کر چکی ہوں۔ کہاں لے کر جا رہے ہو اسے۔"

دل افروز نے اسے روکا تھا۔

"نو چاچو وہ وائٹ والا ڈریس مجھے نہیں ویئر کرنا۔ مجھے گولڈن چاہیے اور اس کے ساتھ سب میچنگز بھی۔"

روحی نے ضدی لہجے میں کہا۔ وہ منہ بسور گئی تھی۔

"بھابھی روحی کو پسند نہیں ہے تو رہنے دیں۔ اسے کون سا کمی ہے کسی چیز کی۔ میں اسے شاپنگ کروا لاتا ہوں۔ آخر کو اس کے اکلوتے چاچو کی شادی جو ہے۔"

خرم نے روحی کے گال چوم کر محبت سے کہا۔

"اچھا اگر تم جا ہی رہے ہو تو ٹیلر سے میری شرٹ اٹھا لانا۔"

سروت بیگم نے اسے سلپ تھمائی۔

"ارے یاد آیا میرا دوپٹہ پیکو کرنے دیا ہوا تھا۔ وہ بھی لے آنا۔"

شمائم سر پر ہاتھ مارتی صدمے سے بولی اگر خرم شاپنگ کا ذکر نہ کرتا تو اس کا تو ہو گیا تھا کام۔

توقیر نے نفی میں گردن ہلائی اس بھلکڑ کا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

"چل میں بھی چلتا ہوں۔"

توقیر بھی اسی کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلا تھا۔

عصمت صاحب ارتضٰی کے ساتھ شادی کے کاموں میں مصروف تھے۔

اردشیر اور نوریز سر شام ہی آفس سے چلے آئے تھے۔ روشنی حماس کو کپڑے تبدیل کروا رہی تھیں۔

زائشہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ ہاتھوں میں انگلش میگزین تھا جس پڑھنے وہ اس قدر غرق تھی کہ اردشیر کی آمد کی خبر ہی نہ ہوئی۔

"طبیعت کیسی ہے اب آپ کی؟"

اس کے ہاتھوں سے میگزین لے کر ایک طرف رکھتے ہوئے اچانک ہی اس نے زائشہ کی گردن پر اپنا پر شدت لمس چھوڑا تھا۔۔وہ تو اپنے دھیان میں بخار چیک کر رہا تھا مگر اردشیر کے لمس پر وہ بری طرح گھبرا کر سیدھی ہوئی تھی۔پلکیں منوں بوجھ تلے دب کر گلابی پڑتے عارضوں پر سایہ فگن ہو گئیں۔اردشیر اس کے چہرے پہ کھلنے والے رنگ دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔

"بب۔بہتر ہے۔"

وہ مدھم سروں میں حیا سے لبریز لہجے میں بامشکل تمام گویا ہوئی تھی۔دھڑکنیں اعتدال اب تک اعتدال پر نہ آئی تھیں۔دل کی اس دغابازی پر وہ ورطہ حیرت میں غوطہ زن تھی دوسری طرف اردشیر کا دل گویا سکون میں آیا تھا۔

"آپ تیار نہیں ہوئیں؟"

کپڑے لے کر وہ جو واشروم کی طرف بڑھنے لگا تھا یک لخت کچھ یاد آنے پر پلٹا۔

"میں نہیں جا رہی ہوں۔آپ چلے جائیں۔"

زائشہ نے بیڈ سے اٹھتے ہی سلیپر پہنتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔

"اور آپ کیوں نہیں جا رہی ہیں ؟"

وہ سنجیدگی سے مستفسر ہوا اور بھاری قدم اٹھاتا اس کے نزدیک آیا۔

"کیوں کہ میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

وہ قدرے بیزار ہو کر بولی۔

"اور دل کیوں نہیں چاہ رہا؟"

اردشیر نے اس کے تاثرات سے حظ اٹھاتے مسکراہٹ دبائی اور اس کے چہرے پہ کھولتی لٹ کو اپنی انگلی پر لپیٹا۔ وہ اسے جان بوجھ کر بولنے پر اکسا رہا تھا۔ اس کی خاموشی اردشیر کو بھاتی نہیں تھی۔ وہ کم بولتی تھی پر اچھا بولتی تھی مگر اردشیر کی خواہش تھی کے وہ پہروں بولے اور وہ اسے سنتا رہے۔ کچھ یوں بھی وہ اسے ان حالات کے اثر سے نکالنا چاہتا تھا۔

زائشہ نے زچ ہو کر نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھ سے زیادہ بات مت کریں میرے دماغ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ آپ سے مغز ماری کر سکوں۔"

سنجیدگی سے مگر نرم لہجے میں کہہ کر وہ وہاں سے جانے لگی تھی کہ اردشیر نے اس کی نازک سی کمر کے گرد اپنا مضبوط حصار قائم کر کے اس کا ارادہ ناکام بنادیا اور دھیرے سے اس کی پلکوں کو اپنے لبوں سے چھوا تو زائشہ نے سانسیں روک لیں۔ سختی سے اس کی قمیض مٹھیوں میں دبوچے وہ اپنے ساختہ دھڑکتے دل کو سنبھال پارہی تھی۔

"آپ چل رہی ہیں۔اس لیے تیار ہو جائیں ورنہ اسی حلیے میں لے جاؤں گا۔"

اردشیر کے اطمینان سے کہنے پر وہ جی جان سے جل اٹھی تھی۔اس کی انگلیاں مسلسل گستاخیوں پر آمادہ تھیں جبکہ زائشہ کی جان لبوں س پر آئی ہوئی تھی۔

"میں جب نہیں جانا چاہتی تو آپ زبردستی کیوں کر رہے ہیں۔"

زائشہ نے غصے اور حیا کے ملے جلے تاثرات لیے کہا۔اس کی حالت قطعی شادی میں جانے والی نہیں تھی۔ سر پر ٹانکے لگے ہونے کی وجہ سے ہمہ وقت سر میں درد رہنے لگا تھا اور دوسرا وہ شاور بھی نہیں لے سکتی تھی۔ بال باتھ نہ لینے کی وجہ سے عجیب روکھے اور چپچپے ہو گ ئے تھے۔ایک لڑکی کی ساری خوبصورتی اس کے بالوں میں ہوتی ہے۔وہ بھی مزینہ کی شادی میں اچھا سا تیار ہونا چاہتی تھی مگر طبیعت اور حالت اجازت نہیں دے رہی

تھی۔اسی وجہ سے وہ چڑ چڑی ہو رہی تھی۔اس پر مزید اردشیر کی بولتی نگاہیں اور دست و لب کی گستاخیوں نے اسے زچ کر دیا تھا۔

"میں آپ کے ساتھ زبردستی نہیں کر رہا زائشہ۔ہاں اگر آپ کو ایسا لگتا ہے تو ایسا ہی سہی۔"

اردشیر نے بے حد پیار سے دوپٹے کے ہالے سے جھانکتے سے اس کے گلابی عارض کو دیکھا اور دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس چہرہ لے کر اس کے لبوں کو چھوتا اس کی ساری تکلیفیں ساری تھکن اور چڑ چڑاہٹ زائل کرنے لگا۔زائشہ اس اچانک افتاد کے لیے قطعی تیار نہیں تھی۔اس کی قربت پر وہ بیہوش ہو کر گر جاتی گر اردشیر اسے خود میں بھینچ نہ لیتا۔اپنی پوزیشن کا احساس ہوتے ہی وہ حجاب سی ہوئی تھی اور اس ڈے اگگ ہو کر دو قدم پیچھے ہٹنے لگی تھی کہ اردشیر نے اسے پھر سے اپنے حصار میں قید کر لیا۔زائشہ کا دل زوروں سے دھڑکا تھا۔اس کے رخسار تپ اٹھے تھے۔وہ اس قدر حیران پریشان سی اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی کہ حصار توڑنے یا پیچھے ہٹنے کا خیال ہی نہ رہا۔

"آپ بے شک کچھ نہ کہیں زائشہ مگر آپ کی خاموشی بے چین طبیعت اور چڑچڑاہٹ سب کہہ دیتی ہے۔ محبت کرنے والوں سے کچھ پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنے محبوب کا ہر راز جان لیتے ہیں۔ ہر پریشانی بھانپ لیتے ہیں اور پھر آپ تو محبوب کے ساتھ ساتھ بیوی بھی ہیں۔ من چاہی بیوی۔ میرے دل کی ہر دیوار پر آپ کا عکس ہے۔ دل کی ہر دھڑکن میں آپ ہیں۔ میری روح کی حقیقی خوشی ہیں آپ۔ میں کیسے ناں آپ کے تفکرات جان سکوں گا۔"

اس نے اسے دھیرے سے خود سے الگ کیا اور محبت پاش نظروں سے اسے دیکھا۔ زائشہ کی نظریں اور پلکیں دونوں سجدہ ریز تھیں۔

"آپ مجھے بتا سکتی تھیں ناں اپنی پریشانی۔ کیا اس قابل بھی نہیں سمجھتیں مجھے۔"

اردشیر کے لہجے کا شکوہ محسوس کر کے وہ شرمندہ ہوئی تھی۔ اس نے ایک کرسی واشروم میں رکھی تھی۔ ساتھ ہی زائشہ کا لباس جو وہ آتے ہوئے لے کر آیا تھا واشروم میں لٹکایا۔ زائشہ حیرت سے اسے یہ سب کرتا دیکھ رہی تھی۔

"آئیں میری ساتھ۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر واشروم میں لے آیا تھا۔ زائشہ نے گھبرا کر اپنا ہاتھ چھڑوایا۔ وہ کیا کرنے والا تھا۔ کیا ارادے تھے اس کے۔ اردشیر نے بے ساختہ امڈتی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا تھا۔ وہ اس کا اندر پڑھ سکتا تھا اور پڑھ چکا تھا۔

"بے فکر رہیں۔ بے تکلفی کی یہ چند دیواریں جب تک گر نہیں جاتیں تب تک تو بالکل بھی نہیں۔"

اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ زائشہ اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر حیا سے سرخ پڑ گئی تھی۔

اردشیر نے اسے کندھوں سے تھام کر کرسی پر بٹھایا اور اس کا دوپٹہ اتار کر ایک طرف لٹکا دیا۔

"یہ۔ یہ کک۔ کیا کر رہے ہیں آپ۔ پلیز میرا دوپٹہ مجھے واپس کریں۔"

زائشہ نے عجیب سے احساسات میں گھر کر کہا۔ اس کی آنکھوں سے سیل رواں ہو گئے تھے۔ اس نے کبھی خواب میں بھی اس کے سامنے بے پردگی کا نہ سوچا تھا۔ دل کی حالت عجیب تھی۔

"زائشہ میں آپ کا شوہر ہوں۔ مجھ سے کیسا پردہ۔ کیسی حیا۔ میاں بیوی تو ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں۔ آپ تو اتنی سمجھدار اور باشعور ہیں۔ کیا اتنا بھی نہیں جانتیں کہ ہمارا رشتہ ان چیزوں کا متقاضی ہے۔"

اس کے آنسو اردشیر نے گرنے نہیں دیے تھے بلکہ پوروں پر چن لیے تھے۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔

"آپ میری عزت ہیں۔ اپنے دماغ کی تمام الٹی سیدھی سوچوں کو نکال دیں دماغ سے اور سکون سے ٹیک لگا لیں۔"

اردشیر نے محبت سے کہہ کر اسے کندھوں سے تھام کر کرسی کی پشت سے لگا کر اس کے تمام بال پیچھے لٹکائے تھے۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ وہ کیا کرنے لگا ہے۔

اردشیر نے شاور پائپ کی مدد سے اس کے نیچے کے بال گیلے کر کے انہیں شیمپو کیا تھا یوں کے اس کے سکیلپ پر زرا بھی پانی نہیں لگا تھا۔

نرمی سے اس کے بالوں کو شاور دے کر ٹاول میں لپیٹا تھا۔

زائشہ خوشگوار حیرت میں گھری بیٹھی تھی۔اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ یہ سب کرنے والا ہے۔ٹاول میں لپٹے بال اردشیر نے اس کے کندھے سے آگے کو لٹکا دیے تھے۔

"اب آپ آرام سے چینج کر کے باہر آجائیں۔"

وہ کرسی باہر لے گیا تھا۔زائشہ کپڑے تبدیل کر کے باہر آئی تو اسے منتظر پایا غالباوہ اس کے باہر نکلنے کا ہی انتظار کر رہا تھا۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئ تھی۔

تھوڑی دیر بعد اردشیر ٹاول سے بال رگڑتا ہوا واشروم سے باہر آیا تو اسے گم صم دیکھ کر ٹاول بیڈ پر اچھالتا اس کی سمت بڑھا۔

"آپ اب تک یونہی بیٹھی ہیں مجھے تو لگا تھا کہ تیار ہو رہی ہوں گی۔بے حد سست ہیں آپ زائشہ۔"

وہ افسوس سے کہتا ہوا ڈریسنگ کی دراز سے ڈرائیر نکال چکا تھا۔

اب وہ اس کے بال خشک کر رہا تھا۔ زائشہ کے دل میں میٹھی سی گدگداہٹ ہوئی تھی۔ اردشیر نے اس کے بالوں پر بے حد آہستگی سے برش پھیرا تھا۔ اس کے ارد گرد تتلیاں منڈلانے لگیں تھیں۔ چاہے جانے کا احساس کس قدر خوبصورت ہوتا ہے۔ ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں اردشیر کا عکس واضح دکھ رہا تھا۔ رف سے حلیے میں بھی وہ دل دھڑکا دینے کی حد تک ہینڈسم لگ رہا تھا۔ نم بال ماتھے پھر بے پرواہی سے بکھرے پڑے تھے۔ شرٹ کے اوپری دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ جہاں سے جھسنکتا اس کا کشادہ سینہ دیکھتے ہی اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں۔ اردشیر کی سفید رنگت میں سرخیاں گھلی ہوئی تھیں۔ کیا یہ شخص اس کا تھا۔ یہ خیال ہی کتنا خوش آہن اور خوبصورت تھا۔ دھیرے دھیرے وہ شخص اس کے ذہن پر سوار ہو رہا تھا۔ اسے ارد گرد کی ہر شے غائب ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ اسے لگا تھا وہ کسی ندی کنارے مخملی سبز گھاس پر بیٹھی ہے۔ ندی میں اترتا چاند بہتے پانی میں گم ہونے کو بے تاب تھا۔ ٹھنڈی پروا چل رہی تھی۔ چاندنی میں نہایا وہ وجود محبت کے سمندر میں ڈوبا جا رہا تھا۔ پیار کے جگنوں ارد گرد رقصاں تھے۔ بہتے پانی کی لہریں سنگم کے سروں پر کوئی راگنی گنگنا رہے تھیں۔ اس شام کی راگ میں محبت کا پیام

نہاں تھا۔دور کہیں سے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی تھی۔اس نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر دیکھا۔سامنے اردشیر گھوڑے پر سوار تھا جو دلکش مسکراہٹ لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔وہ مسکرا کر اٹھی تھی اور اس کے مضبوط ہاتھ میں اپنا نازک مرمری ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"کون سی کھاد ڈالتی ہیں آپ ان بالوں میں۔"

اردشیر کی آواز پر وہ یک دم چونکی تھی۔ارد گرد دیکھتے وہ اس کو پریشان کر گئی۔

"ازا یوری تھنک او کے زائشہ۔"

اس نے برش ٹیبل پر رکھ کر اسے شانوں سے تھاما تو زائشہ نے گہری سانس خارج کی۔نہ جانے اس کے دل کو کیا ہوتا جا رہا تھا۔نہ معلوم دماغ میں یہ کسی سوچ ابھری تھی۔وہ اپنی حالت پر خود ہی انجان تھی۔اردشیر کو مطمئن کر کے وہ اپنی تیاری میں مصروف ہو گئی تھی۔

روشنی حماس کو لیے نیچے آگئی تھیں۔

نوریز پورچ میں تھا۔زائشہ اور اردشیر بھی نیچے آتے دکھائی دیے تو وہ پورٹیکو کی سمت بڑھ گ ئے۔

"آپ لوگ خرم کی طرف سے شرکت کریں۔میں اور زائشہ مزینہ کی طرف سے شرکت کریں گے۔"

اس نے مطلع کیس۔

"صاف صاف کہیں ناں۔اکیلے جانا چاہ رہے ہیں۔"

نوریز کی شرارت میں کی گ ئ صاف گوئی پر سب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گ ئ تھی۔اندر بیٹھی زائشہ نے نم ہوتی ہتھیلیاں آپس میں رگڑیں۔اردشیر نے گھور کر اسے دیکھا اور کار لے کر نکلا۔وہ لوگ بھی اس کے پیچھے ہی خرم کی طرف گ ئے تھے۔

"ایسا ہی ایک سفر تھا ناں زائشہ۔جس میں میں اور آپ ساتھ تھے۔تب ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں تھا۔آج اس سفر میں آپ میرے ساتھ ہیں۔میری ہم سفر کے طور پر اور ہمارے درمیان بہت گہرا رشتہ ہے۔"

ایک ہاتھ سے سٹیئرنگ وہیل تھامے دوسرے ہاتھ سے وہ زائشہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے مسرور سا کہہ رہا تھا۔

"شاید اسے نصیب کہتے ہیں۔"

اردشیر کو دیکھے بغیر وہ مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔اسے حیرت ہوئی وہ کل کی طرح احتجاج نہیں کر رہی تھی نہ ہی غصہ کر رہی تھی۔ مطلب وہ رفتہ رفتہ ٹریک پر آ رہی تھی۔وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے وہ اس رشتے کو قبول کر لے اور زائشہ میں تبدیلی محسوس کر کے وہ مطمئن ہوا تھا۔

سگنل پر گاڑی رکی تو اردشیر نے روشنی کو فون کر کے خیریت معلوم کی کہ وہ ٹھیک سے پہنچ گئے یا نہیں۔فون رکھتے ہوئے معا اس کی نظر زائشہ پر گئی جس کی نظریں سڑک کنارے ایک فلاور شاپ پر تھیں۔

وہ شادی میں جا رہے تھے اور اس کے ہاتھ سونے تھے۔کانوں میں چھوٹے چھوٹے ٹاپس تھے۔گلے میں باریک سی گولڈ کی چین پہنی ہوئی تھی جس میں خوبصورت سا ڈائمنڈ لاکٹ تھا۔

"آپ کو گلاب پسند ہیں۔"

اردشیر نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔زائشہ اس کی سسنسوں کی تپش پر خود میں سمٹ کر رہ گئ تھی۔

" کبھی کبھی اقرار کرلینا چاہیے۔"

اس کی گھمبیر بھاری آواز پر وہ حجاب ہوئی تھی۔اردشیر کو محسوس ہوا جیسے وہ مسکرائی ہو۔

"آپ بیٹھیں میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ گاڑی کا دروازہ کھل کر نکلنے لگا۔

"ک۔کہاں جارہے ہیں آپ۔پلیز مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جائیں۔"

اسے گاڑی کا لاک کھولتے دیکھ کر زائشہ خوفزدہ ہوئی تھی اور اسے بازو سے تھام کر روک لیا تھا۔

لمحوں میں اس کی شگفتہ لب سکڑے تھے اور آنکھیں نم ہوئی تھیں۔دل رک سا گیا تھا۔ آنسو سیاہ نینوں کی باڑ پھلانگ گ ئے تھے۔وہ حادثہ وہ یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔وہ اس کی زندگی کا بھیانک ترین دن تھا۔

"زائشہ۔۔۔!اس میں رونے والی کیا بات ہے۔میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا رہا ہوں۔جا ہی نہیں سکتا ہوں۔۔۔بھلا زندگی کو چھوڑ سکتا ہے کوئی۔میں تو بس آپ کے لیے پھول لینے جا رہا تھا۔آپ کو پسند ہیں ناں۔"

دونوں ہاتھوں کی اوک میں اس کا چہرہ تھامے وہ از حد فکر مند ہوا تھا اور پیار سے اسے بہلا رہا تھا۔ہوا کے دوش پر دوپٹہ کے ہالے سے جھانکتی چند شریر لٹوں کو کان کے پیچھے کرتے وہ محبت سے چور لہجے میں گویا ہوا۔

"مجھے نہیں پسند۔پھول بھی نہیں چاہیئں۔بس آپ چاہیئں۔میرے پاس رہیں ورنہ وہ لوگ مجھے لے جائیں گے۔"

وہ کسی معصوم بچے کی طرح نفی میں سر ہلاتی اقرار کے لمحے عبور کر گئ تھی۔اسے خبر ہی نہ ہوئی کہ وہ کیا کہہ گئ ہے۔کوئی اور وقت ہوتا تو اردشیر کے دل میں یہ لمحے کلیاں کھلا دیتے وہ خوشی سے جھوم اٹھتا مگر اس وقت اس کے دھیان کے سارے دھاگے زائشہ کے خوف سے جڑے ہوئے تھے۔

"اچھا آپ ریلیکس ہو جائیں۔ میں نہیں جا رہا کہیں۔ یہیں ہوں آپ کے پاس اور ہمیشہ رہوں گا۔ جب تک میں آپ کے ساتھ ہوں ناں آپ پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا اور میرے ہوتے ہوئے کوئی آپ کو کوئی چھو بھی نہیں سکتا۔"

اس خود میں بھینچے وہ تسلی آمیز لہجے میں بول کر اس کے آنسو اپنی دائیں ہتھیلی سے صاف کر کے دوبارہ گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا اور زائشی کے دل میں اسے دوبارہ گاڑی ڈرائیو کرتے دیکھ ڈھیروں سکون اترا آیا۔

وہ دونوں میرج ہال پہنچے تو ساجدہ بیگم نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔

وہ سب سے ملی تھی پر چہرے پر خفگی کے بادل تھے۔ وہ ان سب سے خفا تھی۔ سفیر اردشیر کو اپنے ہمراہ ایک ٹیبل پر لے آیا تھا۔ پارس زائشہ کو مزینہ کے پاس لے گئی تھی جو ہال کے برائیڈل روم میں تھیں۔ خالدہ بیگم مہمانوں کو رسیو کر رہی تھیں۔ ستارہ جہاں بھی آئی تھیں ان کے شوہر بھی شادی میں جیسے تیسے شامل ہو گئے تھے۔ آج کل وہ خاصے بیمار رہنے لگے تھے مگر اپنے چھوٹے بھائی کی جگہ پر ہوتے ہوئے بیٹی کی رخصتی میں بھی شرکت لازمی تھی۔ اس کے سر پر دست شفقت رکھ کر وہ دل سے بوجھ اتارنا چاہتے تھے۔

مہمانوں کے ساتھ گفتگو کرتے وہ خاصے پرجوش دکھ رہے تھے ان کے برکس ان کی بیگم ستارہ جہاں گیلی لکڑی کی طرح اندر ہی اندر سلگ رہی تھیں۔ان کے دل میں دیورانی کی بیٹی کے اعلی خاندان می شادی ہونے پر جو حسد تھا وہ بڑھتا جارہا تھا۔انہوں نے سوچا تھا کہ اسے اپنی بہو بنا کر نا صرف اسے ساری زندگی دبا کر رکھیں گی بلکہ ان کے حصے کی تھوڑی بہت جو جائیداد ہے وہ بھی حاصل کرلیں گی مگر ان کی ساری سوچیں گنگا ندی میں بہہ گئیں۔اب وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔

"اتنی آسانی سے یہ آسامی خالی جانے نہیں دوں گی میں بھی۔ستارہ جہاں کہتے ہیں مجھے۔میں لوگوں کی قسمت کا ستارہ بجھا دیتی ہوں۔

تو دیکھ زرا تیری یہ تائی کرتی کیا ہے۔میں بھی دیکھتی ہوں تو آج رخصت کیسے ہوتی ہے۔کھڑے کھڑے طلاق نہ کروادی تو میرا نام بھی ستارہ جہاں نہیں۔بنے گی تو تو میرے بیٹے کی دلہن۔"

ان کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔دماغ تیزی سے لائحہ عمل ترتیب دے رہا تھا۔ٹیبل کے گرد لگی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھیں وہ مہمانوں سے علیک سلیک کرتی

خالدہ کو دیکھ رہی تھیں جن کے چہرے پر ایک اطمینان تھا ایک سکون تھا جسے وہ نوچ کر پھینکنے والی تھیں۔

"ہائے زائشی میری جان کا ٹوٹا۔ میں نے کتنا مس کیا تمہیں۔ تمہاری سوچ ہو گی بس۔"

وہ شیشے میں دیکھ کر اپنی نوز پن ٹھیک کر رہی تھی۔ اس کی کزنیں بھی اس کے ارد گرد بیٹھیں ہنسی مزاق کر رہی تھیں۔ اندر آتی زائشہ کو دیکھ کر وہ خوشی سے اس کی طرف بڑھی تھی اور بے اختیار جپھی ڈال لی تھی۔ پارس نے سر پیٹ لیا اسے زرا بھی خیال نہیں تھا کہ وہ دلہن ہے۔ وہ بڑی بے شرم واقع ہوئی تھی۔

"قسم سے اینڈ موقع پر جو سینچری مار کر تم نے میدان لوٹا ہے ناں کہ دل لوٹ لیا۔"

وہ اسے لیے بڑی فرصت سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ارے بھی وہ والا نہیں۔ بھئی دو حصوں میں بٹ گیا۔ میں نے سوچا تھا میری رخصتی تک ہم دونوں سارا وقت ساتھ گزاریں گی۔ بعد کا کیا پتہ بھئی شوہر ملنے دے یا نہیں اور پھر کونسا تم میرے سامنے والے گھر میں ہوں گی جو دن میں کئی کئی بار چکر لگا لوں گی مگر تم نے تو میری رخصتی سے پہلے رخصت ہو کر ریکارڈ ہی بنا ڈالا۔ مگر میں بہت خوش ہوں کہ

تمہارے نصیب میں ہیرے جیسا بندہ لکھا گیا ہے۔ شیر بھائی مجھے شروع سے تمہارے لیے پرفیکٹ لگتے تھے مگر نری تمہاری کھڑوس طبیعت کی وجہ سے میں نے کبھی کچھ کہا نہیں۔ خیر جو ہوا اچھا ہی ہوا اور جو ہو رہا ہے وہ بھی اچھا ہو رہا ہے۔"

وہ جو شروع ہوئی تھی تو نان سٹاپ بولتی گئی چلی گئی۔

"چپ ہونے کا کیا لوگی۔ کتنا بولتی ہو۔ تیسری دفعہ تمہاری لپسٹک ٹھیک کی ہے میں نے۔"

پارس نے دانت کچکچائے۔

زائشہ خاموشی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"اس کی بولتی تو اب خرم بھائی ہی بند کروائیں۔"

مزینہ کی کسی کزن نے معنی خیز سا چٹکلا چھوڑا تھا تو سب ہنس پڑیں۔

"میری بولتی بند کوانے والا ابھی پیدا نہیں ہوا سمجھیں۔"

وہ ناک بھوں چڑھا گئی۔

"اور یہ تم کس خوشی میں زبان منہ میں دیے بیٹھی ہو۔ کیا شیر بھائی گھر سے سکھا کر لائے ہیں کہ کسی سے بات نہیں کرنی۔"

اس کی توپوں کا رخ اب زائشہ کی طرف تھا۔

"میرے حصہ کا تم بول تو رہی ہو اور میں تو ویسے بھی کم ہی بولتی ہوں۔ زیادہ بولنا صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہوتا۔"

وہ اطمینان سے بولی۔

"تم نے تو بڑی صحت بنالی ہے۔"

مزینہ کا میٹھا سا طنز زائشہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گیا۔

"آپا آپ پہلے تو اتنی پیاری نہیں لگتی تھیں مسکراتے ہوئے کہیں یہ شیر بھائی کی ہمراہی کا اعزاز تو نہیں۔"

پارس نے معنی خیز نظروں سے دیکھا تو زائشہ نے آنکھیں سکیڑ کر نظریں گھمائیں۔

"اتنے تمہارے شیر بھائی اچھے ہیں ناں۔"

وہ دل میں سوچ کر رہ گئی تھی۔

"ویسے سچی بتاؤ کیسے ہیں شیر بھائی۔پیار بھی کرتے ہیں یا بس یونہی۔"

مزینہ نے اسے کندھا مارا تو وہ سرخ پڑ گئی۔

"ارے ان کے جذبوں کو تو زباں مل گئی ہوگی آپا کو پاتے ہی۔دیکھا نہیں تم نے ابھی تو کیسے کھل رہے ہیں پھول کی طرح۔ان کی تو خوشی چہرے سے پھوٹ رہی ہے۔"

پارس نے شوخی سے کہا۔

"بس کردو تم دونوں نہ معلوم کیا ہو گیا ہے دونوں کو عجیب بے باک گفتگو کیے جا رہی ہو۔کوئی شرم لحاظ نہیں ہے۔"

اس کے تو گال تپ اٹھے تھے۔حیا بار نگاہوں سے انہیں گھورتی وہ خفت سے سرخ چہرہ لیے دونوں کو جھاڑ پلاتی وہاں سے اٹھ کر باہر آگئی۔

"شمائم کتنی دیر لگاؤ گی باہر بارات تیار ہے سب تمہارا ویٹ کر رہے ہیں۔"

توقیر نے کوئی تیسری بار اسے کہا تھا۔

"میرا دوپٹہ نہیں مل رہا توقیر میں نے یہیں رکھا تھا بیڈ پر۔"

وہ روہانسی لہجے میں گویا ہوئی۔ اپنا بھاری لہنگا سنبھالتی وہ ادھر سے ادھر الماری میں واشروم میں ہر جگہ دیکھ چکی تھی۔ اس کے سوٹ کے ساتھ کا دوپٹہ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہوا تھا۔

اب بھی وہ دوسری بار الماری کھنکال رہی تھی۔

"نہیں مل رہا کہیں بھی۔ اب میں کیسے بھائی کی بارات میں جاؤں گی۔ میرے سارے ارمان ٹوٹ گ ئے۔"

وہ دل چھوڑ بیٹھی تھی۔ یک لخت ہی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے وہ رونے بیٹھ گئ۔ توقیر کی جان پر بن آئی۔ وہ جو اسے ادھر سے ادھر دوپٹہ ڈھونڈتے دیکھ کر تاسف زدہ سا کھڑا تھا۔ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

"میری جان! کیوں رو کر خود کو ہلکان کر رہی ہو۔ میک اپ خراب ہو جائے گا۔ ہم جاتے وقت مارکیٹ سے اور لے لیں گے۔"

اس نے جیسے تسلی دلائی۔

"مگر وہ میرے ڈریس کے ساتھ کا تھا۔"

وہ سوں سوں کرتی ہوئی توقیر کو بہت کیوٹ لگی تھی۔

"کوئی بات نہیں بغیر میچنگ کا بھی تم پر بہت سوٹ کرے گا بالکل ویسے جیسے میں تمہارے ساتھ سوٹ کرتا ہوں۔"

توقیر نے اسے بازو کے گھیرے میں لیتے ہوئے باہر کی جانب قدم بڑھائے۔ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر مچل رہی تھی۔

"زیادہ شوخے ناں ہوں آپ۔ ہر وقت یہی غلط فہمی لاحق رہتی ہے آپ کو۔ میں آپ سے زیادہ پیاری ہوں۔"

حسب توقع وہ اس کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے چادر اوڑھی ہوئی تھی۔

انہیں باہر آتے دیکھ کر سب مہمانوں سمیت خرم نے سکھ کی سانس لی تھی۔

"اس کی تو سانس ہی اٹک گئ تھی بھئ۔"

ارتضی نے گویا اسے چھیڑا تو اسے پتنگے لگ گ ئے۔

"ہاں تو عین وقت پر اس پر بھی تو مسئلے کھڑے کرنا فرض ہیں ناں۔"

وہ بھرا بیٹھا تھا۔ عصمت صاحب بیٹے کی حالت پر قہقہہ لگائے بنا رہ نہ سکے۔

ارتضی نے اسے انجام سے خبردار کرتے ہوئے کہا۔

"برادر بڑے بے چین ہو رہے ہو شادی کے لیے۔ایک دفعہ ہو لینے دو پھر پوچھیں گے کس بھاؤ بک رہی ہے۔"

وہ معنی خیزی سے بولا۔

"آپ کی کس بھاؤ بک رہی۔"

دل افروز روحی کا ہاتھ تھامے کھڑی تھی۔ارتضی کو خبر نہ تھی کہ عین اس کے پیچھے کھڑی ہے۔وہ ہڑ بڑا کے پیچھے مڑا تھا۔

"میں تو مزاق کر رہا تھا محترمہ آپ تو مائنڈ ہی کر گئیں۔"

بر وقت بات سنبھالتے وہ ان سب کو لے کر گاڑی میں بیٹھا۔

وہ اکیلی ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھی۔پارس مزینہ کی کزنوں کے ساتھ ادھر ادھر گھومتی پھر رہی تھی۔بابا کے جانے کے بعد وہ پہلی بار اتنی خوش تھی۔یہی خوشی تو وہ اس کے چہرے پر دیکھنا چاہتی تھی۔

"دیکھیں بابا ہماری پارس کتنی خوش ہے۔"

آفاق صاحب کو یاد کر کے اس کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

"آپ رو رہی ہیں؟"

سفیر نے سلسلہ کلام جوڑا۔

"بابا کی یاد آگئی تھی۔ آہ بابا۔۔۔ وہ کب یاد نہیں آتے۔ باپ تو بچوں کے لیے گھنا چھاؤں دار درخت ہوتے ہیں۔ زندگی کی ہر سختی جھیلتے وقت وہ یاد آئیں گے مگر ان کی یاد پر اس طرح رویا تو نہیں جا سکتا ناں۔ ان کی روح کو بھی تکلیف پہنچے گی۔"

وہ تکلیف سے گویا ہوا۔

"تم مجھ سے بات کرو میں تم سے خفا ہوں۔ تم لوگوں نے مجھے پل میں پرایا کر دیا۔ ایسا کون کرتا ہے۔"

وہ ناراض ہوئی۔

"یہ وقت اور حالات کی ضرورت تھا۔ آپ یہ بتائیں خوش ہیں ناں۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہے ناں اگر ہے تو بتائیں ابھی خبر لیتا ہوں آپ کے ہسبینڈ کی۔"

اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر وہ بہت محبت سے پوچھ رہا تھا۔ پھر آخر میں اسے تنگ کرنے کے لیے مصنوعی غصہ کرتے ہوئے بازو اوپر کرنے لگا۔

"تمیز سے بات کرو سفیر۔ بڑے ہیں تم سے رشتے میں۔"

وہ اس کی حرکت پر گھورنے لگی۔ سفیر ہنس دیا۔

ساجدہ بیگم بھی وہیں آ گئی تھیں۔ ان کے گھٹنوں میں تکلیف رہتی تھی وہ زیادہ دیر کھڑی نہیں رہ سکتی تھیں۔

بارات آنے کا شور اٹھا تو لڑکیاں بالیاں بچے سب ہی پھولوں کی پلیٹیں لیے بارات کے استقبال کے لیے جا پہنچے۔

"آپا بارات آ گئی چلیں۔"

پارس اس کا ہاتھ پکڑ کھینچتی ہوئی اپنے ساتھ داخلی دروازے کی طرف لے گئی۔ وہ خاصی پر جوش نظر آ رہی تھی۔

زائشہ کے ہاتھ میں گلاب سے بھری پتیوں کی پلیٹ تھی۔ باہر بارات آگئ تھی۔ایک دم ہی شور سا اٹھا۔پٹاخے انار پھل جھڑیاں جلائی جارہی تھی۔زائشہ کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔

ڈھول اور ڈرم والے قطار میں کھڑے دھن بجارہے تھے۔توقیر ارتضی اور ثمر ڈھول والوں کے آگے آگے بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ عصمت صاحب نے ڈھیروں نوٹ ان کے سروں سے وار کر صدقے میں دے دیے تھے۔ارتضی نے انہیں ہاتھ پکڑ کر ساتھ ہی ملا لیا تو وہ سیز فائر کر کے ہنستے ہوئے پیچھے ہو گ ئے کہ بھلا اب وہ اس عمر میں ہڈیاں لچکاتے اچھے لگتے۔

خرم نے اشارے سے نوریز کو قریب بلایا۔

"کس طرح کا یار ہے یہ۔دوست کی شادی پر بھنگڑا نہیں ڈال رہا اسے گھسیٹ کر لے کر آ۔اسے زرا خوشی نہیں میری شادی کی۔سالا اپنی شادی کی خوشی میں دوست کو ہی بھول گیا۔"

خرم نے گھور کر دور کھڑے ہوئے اردشیر کو دیکھا جو دور دور سے ہی انجوائے کر رہا تھا۔

"صبر کریں خرم بھائی۔دیکھیں ذرا کیسے میدان میں لاتا ہوں بھائی کو۔"

وہ ایک آنکھ دباتا شرارت سے بول کر اردشیر کی طرف بڑھا۔

"چلیں بھائی شروع ہو جائیں۔"

وہ اچانک ہی اسے بازو سے کھینچ کر سب کے درمیان لے آیا تھا۔

"نوریز انسان بنو۔"

اس نے تنبیہی انداز میں ٹوکا۔

"جب تک تو ناچے گا نہیں۔ بارات اندر نہیں جائے گی۔"

خرم کار سے نکل کر باہر آیا تھا۔

"میں تمہیں ڈانسر لگتا ہوں۔"

وہ بیچ بچاؤ کرنا چاہ رہا تھا۔

"ناں تو ہم آپ کو ڈانسر لگتے ہیں۔ چلیں شروع ہو جائیں وہ دیکھیں بیچاری پیاری پیاری لڑکیاں ہمارے انتظار میں سوکھی جا رہی ہیں۔ایسے انہیں انتظار کروانا اچھا نہیں لگتا ناں۔"

نوریز نے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔اس نے تو جیسے ارد شیر کو زچ کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔

"تم لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

ڈانس کرنے کے تصور سے ہی اسے جھر جھری آنے لگی تھی۔

"ابے جا کہاں رہا ہے۔ تیرے تو اچھے بھی ناچیں گے۔"

ارد شیر کو بازو سے پکڑ کر خرم خود بھی بھنگڑا ڈالنا شروع کر چکا تھا۔اسے بھنگڑا ڈالتے دیکھ لڑکیوں اور لڑکوں نے خوب شو مچایا تھا۔ماحول پہ چھائی رونق کا اثر تھا کہ زائشہ کی طبیعت پر چھائی کثافت دور ہو گئ تھی۔وہ بے حد اچھا محسوس کر رہی تھی۔وہ سوچ رہی تھی کہ اگر ارد شیر اسے یہاں ناں لے کر آتا تو وہ کتنا کچھ مس کر دیتی۔

"موصوف نے تو اپنا کہا سچ کر دکھایا۔"

دل افروز نے ہنس کر خرم کی رشتہ طے ہونے کی خوشی میں جزباتی انداز میں کہی گئ ڈانس کرنے والی بات کا حوالہ دیا۔

"بھابھی خرم بھائی کتنے پیارے لگ رہے ہیں ناں۔"

شمائم خوشی سے جھومتے خرم کو دیکھا جس کے چہرے سے خوشی کا نور چھلک رہا تھا۔ محبت کو پا لینے سرور اس پر سر چڑھ کر بول رہا تگا۔

"ہاں ماشاللہ بہت خوش ہے خرم۔اللہ نظر بد سے بچائے۔"

دل افروز نے صدق دل سے دعا مانگی۔

"آمین۔"

شمائم نے من ہی من خرم کی نظر اتاری۔

اردشیر نے بھگڑا نہیں ڈالا تھا بلکہ خرم نے زبردستی اس سے ڈلوایا تھا۔

زائشہ نے اردشیر کو دیکھ کر مسکراہٹ دبائی۔جو بظاہر تو بھنگڑا ڈال رہا تھا مگر چہرے کے زاویے بے حد خراب تھے۔یہی خراب تاثرات اس کے چہرے پر مسکراہٹ لانے کا باعث بنے تھے۔وہ پہلی بار اردشیر کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔اس کا یہ مسکرانا اسے خود بھی سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ کس جذبے کے تحت مسکرا رہی ہے۔اردشیر کے انداز و اطوار اس کے پتھر دل کو جونک لگانے میں دھیرے دھیرے ہی سہی مگر کامیاب ہو رہے تھے۔

بارات کے اندر آنے پر ان پر پھول نچھاور کرتی لڑکیاں مسکرا رہی تھیں۔

خرم ارتضی عصمت صاحب اور سروت بیگم کے گلے میں پھولوں کے ہار پہناتیں خالدہ بیگم ان کے استقبال کے لیے کھڑی تھی۔ سفیر بھی ان سے بغل گیر ہوا تھا۔ باراتی دھیرے دھیرے اندر آرہے تھے۔

گلاب کے پھول کی بند کلی معانوریز کے سر پر لگی تو اس نے غصے میں پلٹ کر دیکھا۔

پارس کا پھول برساتا ہاتھ وہیں رک گیا۔ وہ کچھ خجل سی ہو گئی۔ مارا تو اس نے پھول ہی تھا مگر شاید مقابل کو پتھر بن کر لگا تھا۔

ٹی پنک کلر کے کامدانی شارٹ فراک اور شرارہ پہنے وہ لڑکی نوریز کے غصے کو ٹھنڈا کر گئی تھی۔ اس کے کرل ہوئے بھورے بالوں میں اس کا دل الجھ کر وہیں کہیں اٹک گیا تھا۔ اس کی ہرنی سی آنکھیں نوریز کو ہیرے کی مانند چمکتی ہوئی لگی تھیں۔ ہوا کے زور پر پارس کے کانوں میں پڑے آویزوں نے شور مچایا تو اس کی محویت ٹوٹی۔

"کھسیاگئے ہو گیا۔ جو یوں ٹکر ٹکر دیکھے جا رہے ہو۔"

پارس نے تیکھے چتونوں سے کہا۔ پاس کھڑی زائشہ کب کی اندر جا چکی تھی۔

"کھسیایا تو نہیں ہوں مگر آپ نہ ملیں تو جلد ہی آثار نظر آتے ہیں۔"

شوخی سے کہتے ہوئے اس نے پارس کی پلیٹ سے گلاب کی پتیاں اٹھا کر اس پر نچھاور کیں اور بے ساختہ ہنس دیا۔

"منہ توڑ کر ہاتھ میں دے دوں گی۔ سنبھال کر رکھوں اپنے مچلتے ہاتھوں اور بھڑکتے جزباتوں کو جو ہر دوسری لڑکی کو دیکھ کر باسی کڑی میں ابال کی طرح امڈ آتے ہیں۔"

پارس کا دل کیا تھا اس کی جرأت پر ہاتھ میں پکڑی پلیٹ سامنے والے بندے کے سر پر توڑ دے۔ جو خامخواہ فری ہونے کی کوشش میں شوخہ ہو رہا تھا۔ اس کی تیکھی باتوں پر نوریز نے مسکراہٹ دبائی تھی۔

"کمال کے پھول برساتی ہیں محترمہ آپ اور خود بھی ٹھیک ٹھاک برستی ہیں۔"

اس کے کان میں سرگوشی کرتا وہ اسے ہونق چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تھا۔

"ہنہہ دو گھڑی کا عاشق۔"

وہ ہوش میں آنے پر اس کے پیچھے سے اسے خوبصورت لقب سے نواز گئ تھی۔ اسے بے حد غصہ آ رہا تھا۔

خرم سٹیج پر راجا اندر بنا بیٹھا سب سے داد وصول رہا تھا۔مزینہ کو گھونگٹ کی اوٹ میں میں کچھ دیر پہلے ہی اس کے ساتھ لا کر بٹھایا گیا تھا۔مبارک سلامت کا دور جاری تھا۔

دل افروز اور روشنی روحی کے ساتھ سٹیج پر بیٹھی خرم کی کھینچائی کر رہی تھیں۔

ارتضی اور توقیر بھی کہاں پیچھے تھے۔سفیر کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر کھانے کا انتظام دیکھنے جا چکا تھا۔

مزینہ کے تایا بھی ان سے مل کر مہمانوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

زائشہ ساجدہ بیگم کے ہمراہ بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔سحاب بھی ان کے ساتھ ہی دو کرسی چھوڑ کر بیٹھی حسرت سے خرم اور مزینہ کو دیکھ رہی تھی۔زائشہ حماس کے پیچھے لپکی جو شاید روشنی کو ڈھونڈ رہا تھا جبکہ ساجدہ بیگم کو خالدہ بیگم مہمانوں سے ملوانے کے لیے اپنے ساتھ لے گئیں تو وہ ٹیبل پر تنہا رہ گئی۔

"میری زندگی میں سب کچھ ترتیب سے کیوں نہیں ہوا۔میری بھی تو مزینہ کی کتنی حسرتیں تھیں۔اپنی شادی کو لے کر ڈھیروں ارمان تھے۔کتنی خوش ہے مزینہ اور

زائشہ۔ڈھونڈنے سے بھی ان کے چہرے پر کوئی دکھ نہیں ملتا۔ کتنی خوش نصیب ہیں دونوں کتنے اچھے ہمسفر پائے ہیں۔ایک میں ہوں بد نصیب۔اتنا کچھ کھو کر بھی کچھ نہ پایا۔" اپنی ناتمام حسرتوں کا سوگ مناتی وہ نمدیدہ ہوئی تھی۔ سفیر کو قریب آتے دیکھ کر اس نے آنکھیں رگڑیں۔

"آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں۔جائیں سب کے ساتھ گھلیں ملیں۔ باتیں کریں۔یا پھر تنہا بیٹھ کر کسی کو یاد کرنے کا شغل فرمایا جارہا ہے۔"

سحاب نے کاٹ دار نظروں سے اسے دیکھا۔

"سب کے پاس تو اچھے ہمسفر بھی ہیں اور وہ خوش ہیں۔ضروری نہیں جو سب کریں وہ میں بھی کروں۔"

اس کے لہجے میں ناراضگی کا عنصر تھا۔

"ہمسفر تو آپ کے پاس بھی ہے۔آپ خود کو بدل لیں تو ممکن ہے کہ آپ کا ہمسفر بھی خود کو آپ کے لیے اچھائی کے زمرے میں ڈھال لے۔ہاں بنگلہ گاڑی دولت شہرت تو آپ کے شوہر کے پاس ہے نہیں باقی محبت کی اس کے پاس کمی نہیں ہے۔"

سفیر نے گہری نظروں سے دیکھا جو جانچتی نظروں سے اس کے سنجیدہ چہرے کو ٹٹول رہی تھی۔

"ہمیشہ پہل عورت ہی کیوں کرے۔ مرد بھی تو پہلا قدم اٹھا سکتا ہے کیا ضروری ہے عورت کی انا اور اس کے پندار کو ٹھیس پہنچائی جائے۔"

وہ نظروں کا زاویہ بدل گئی۔ سفیر نے کوئی کواب نہیں دیا۔

"ہاتھ دکھائیں۔ اب تکلیف تو نہیں ہے۔ مرہم لگائی تھی آپ نے۔"

وہ کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب بیٹھ کر خود ہی اس کا ہاتھ تھام کر جلا ہوا حصہ دیکھ کر استفسار کرنے لگا۔ اپنی بات کا جواب نہ ملنے پر اسے بہت غصہ آیا تھا۔

"میری تکلیف میں تمہیں دبلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ طنزیہ انداز میں بول کر ہاتھ چھڑوا گئی۔

"واقعی دبلا ہونے کی مجھے نہیں آپ کو ضرورت ہے۔ خاصی موٹی ہو گئی ہیں آپ فارغ بیٹھ بیٹھ کر۔"

وہ مسکراہٹ دبائے مبہم انداز میں بولا تو سحاب کا منہ کھل گیا۔

"یو دو ٹکے کے کار مکینک! میں تمہیں کس اینگل سے موٹی لگتی ہوں۔ تم نے کبھی میرا فیگر دیکھا بھی ہے۔ لوگ تعریفیں کرتے ہیں میری باڈی شیپ کی۔"

وہ تیوری چڑھا کر بولی تو سفیر نے دلچسپی سے اس کے غصے سے تمتماتے چہرے کو دیکھا۔

"افسوس کی بات ہے کہ جسے دیکھنا چاہیے تھا اس نے تو دیکھا ہی نہیں۔ خیر! گھر چل کر فرصت سے آپ کا فیگر دیکھوں گا۔ بس تھوڑا تعاون درکار ہے۔"

اس کے کان میں سرگوشی کرتے وہ دور ہٹا تو اس کی بات کا مفہوم سمجھ آتے ہی سحاب شرم سے سرخ پڑ گئی۔ کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔

"زائشہ ادھر آئیں آپ کو کسی سے ملوانا ہے۔"

اس نے حماس کو گود میں لے کر بہلاتی ہوئی زائشہ کو مخاطب کیا۔

"آپ ادھر بیٹھیں میں ابھی آتی ہوں۔"

حماس کو اپنی جگہ پر بٹھا کر وہ اردشیر کے ساتھ چلی آئی جو اسے ہال کی راہداری میں لے آیا تھا جہاں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔

"یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ کس سے ملوانے کے لیے لائے ہیں۔"

زائشہ نے الجھ کر سوال کیا کہ وہ یہی بول کر اسے باہر لایا تھا مگر یہاں دور دور تک کسی کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔

"ہاتھ آگے کریں۔ اردشیر نے اس کی بات جیسے سنی ہی نہیں تھی۔ دیسی گلاب کے گجرے جس میں موتیا کہیں کہیں جڑا ہوا تھا۔ اس کی سفید خوبصورت نازک سی کلائی میں خوب سج رہے تھے۔

اردشیر نے اس کا شفیون کا دوپٹہ زرا پیچھے سرکا کر اس کے کان میں پھولوں کے ایئر نگ پہنائے۔ اردشیر کے وجود سے پھوٹتی پوائزن کی خوشبو اس کے حواسوں پر چھا رہی تھی۔ اس کی اتنی قربت پر وہ بامشکل دل سنبھالے کھڑی تھی۔ پلکیں حیا کے بوجھ سے جھکی جا رہی تھیں۔

اس کے گال حیا کی سرخی چھلکا رہے تھے۔ دوسری طرف وہ اس کے دل کی حالت سے قطعی ناواقف تھا۔

"پرفیکٹ۔"

اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اس کی اور جھک کر اس کے کان میں گھمبیر بھاری آواز میں بولا اور دھیرے پھر باری باری دونوں رخساروں کی سرخی چرا گیا۔زائشہ نے سانسیں روک لیں۔اس کی حالت مزید غیر ہونے لگی تھی۔وہ زائشہ کی حالت سے خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔اردشیر نے جھک کر ان گلابوں سے اٹھتی خوشبو کو سانوں میں اتارا تھا اور پھر اس کا چہرہ تھام کر اس کی بے داغ صبیح پیشانی پر اپنی محبت کے پھول کھلائے تھے۔

وہ دم بخود رہ گئ۔

"ان گلابوں کی خوبصورتی اور بھی بڑھ گئ ہے۔اب یہ زیادہ خوشبودار لگ رہے ہیں۔"

اردشیر کے لبوں پر خیرہ کن مسکراہٹ تھی۔وہ اس کی کلائیوں میں پڑے کنگنوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔زائشہ کی ہتھیلیاں نم ہوئی تھیں۔وہ گھبرا کر تیزی سے اس کے پاس سے نکل کر ہال کی طرف بڑھ گئ۔

اردشیر نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا اور اس کے پیچھے ہال کی جانب آیا تھا۔اسے خرم کے شکوے دور کرنے تھے۔

"مس فائر کے ہاتھ ابھی سے ٹھنڈے پڑ گۓ ہیں۔ابھی تو رات باقی۔"

اس کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھتا خرم اس کی جانب جھکتے معنی خیزی سے مسکراہٹ دبا کر دھیرے سے بولا تھا۔

وہ جو کچھ دیر پہلے زائشہ کی خاموشی پر واویلا مچا رہی تھی اب خود کی بولتی بند ہو چکی تھی۔اسے اب زائشہ کی حالت سمجھ آ رہی تھی۔

خرم نے اس کے کانپنے پر اپنا ہاتھ ہٹایا تو اس کی جان خلاصی ہوئی تھی۔شاید اسے مزینہ پر ترس آ گیا تھا۔

ستارہ جہاں نے دور سے ان دونوں کا معاشقہ دیکھا تھا اور من ہی من پر اسرار طریقے مسکرائی تھیں جیسے وہ بہت کچھ سوچ بیٹھی ہوں۔

پارس نے شرارت بھری نظروں سے مزینہ کے جھکے سر کو دیکھا۔

"دیکھ لو ہم میدان چھوڑ کر جانے والوں میں سے نہیں۔آخر کار! فتح کا جھنڈا لہرا کر ہی دم لیا۔"

خرم نے فخریہ انداز میں پارس کی کسی بات کا جواب دیا تو وہ ہنس دی۔

"آپ بھی ہنس لیں بھابھی۔آپ کے ہنسنے پر ارد شیر نے کون سا ٹیکس لگایا ہے۔"

خرم نے شریر لہجے میں کہا۔

"اردشیر بھائی لاپتا ہیں تو آپا اداس ہیں۔"

پارس کی زبان پھر پھسلی تھی۔اس نے زبردست گھوری ڈالی تھی۔

شمائم اور دل افروز بھی وہیں چلی آئی تھیں۔

"ایک تو ان لوگوں کو سکون نہیں ہے۔بہت جلدی کھالیا کھانا میرے بچے نے اور کھالینا تھا تھوڑا سا۔"

خرم نے جل کر کہا۔اچھا خاصا وہ تنہائی میں بیٹھا مزینہ سے محبت بھری باتیں کر رہا تھا مگر ان لوگوں کی آمد پر وہ خاصا بدمزہ ہوا تھا۔

"اتاولے نہ ہو زیادہ پوری زندگی پڑی ہے۔ہم نے واپس چلے جانا ہے۔پر جب تک یہاں ہیں تب تک تو ہم کم ہی کھانا کھایا کریں گے۔"

شمائم بھی اسی کی جڑواں بہن تھی۔کرارہ سا جواب دے کر وہ معنی خیزی سے کہتی خرم کو جلا کر خاک کر گئی تھی۔

اس کی حالت وہ سب ہنس پڑی تھیں۔

"زائشہ بھابھی ہم یہیں ہیں کچھ دنوں تک۔آپ کا ولیمہ کھا کر جائیں گے۔ بڑی تمنا تھی اردشیر بھائی کی شادی کی دیکھو کیسے پوری ہو گئ۔"

موضوع گفتگو اب زائشہ کی ذات تھی۔وہ پھیکا سا مسکرا کر سر جھکا گئ۔روشنی اسے مسکراتا دیکھ کر مطمئن ہو گئیں۔

"کونگریچولیشن خرم بھائی۔"

سحسب نے مسکرا کر اسے مبارک باد پیش کی۔

"شکریہ سحاب صاحبہ۔اس طرف خاصی تبدیلی نہیں آ گئ۔"

وہ روشنی سے مخاطب ہوا۔

"دیر آید درست آید۔"

وہ ہنس دیں۔

"یہ تم کیا طوطے کی طرح پٹر پٹر بول رہے ہو۔شادی ہے تمہاری کچھ خیال کرو۔بندہ تھوڑا ریزرو نظر آئے۔"

دل افروز نے اسے ٹوکا۔ وہ واقع بہت باتونی ہو گیا تھا نہ معلوم شادی کی خوشی تھی یا اپنوں کی سنگت کا اثر تھا۔ دل افروز کو ڈر تھا کہیں اسے نظر ہی نہ لگ جائے۔ جب سے شادی طے ہوئی تھی۔ اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ نہ معلوم کیوں انہیں خرم کی ہنسنا مسکرانا خوف میں مبتلا کر رہا تھا یوں وہ اسے ٹوک گئی تھیں۔

"افففف اب لگ رہی ہیں بھابھی۔"

وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتا ایک بار پھر ہنس پڑا تھا۔ گولڈن شیروانی پہنے مہرون کولہ سر پر ٹکائے وہ کسی ریاست کا شہزادہ معلوم ہو رہا تھا۔

"واؤ سو پریٹی۔ یہ آتے وقت تو نہیں تھے تمہارے ہاتھ میں۔"

روشنی کی نظر بازو سے جھانکتی زائشہ کی کلائی میں سجے گجروں پر پڑی تو وہ بول اٹھیں۔ اس کی آواز پر سب کی توجہ اس کی طرف گئی تھی۔

"شیر بھائی لے کر آئے ہوں گے۔ آپا کو گلاب بہت پسند ہیں ناں۔"

پارس نے پھر شگوفہ چھوڑا تھا۔

زائشہ ان کی ذو معنی گفتگو سے بچنے کے لیے سٹیج سے نیچے اتر گئی تھی۔

"اوہ مائے گاڈ روشنی تمہیں نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔"

پیچھے کہیں سے شمائم کی کھنکتی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ پارس اس کے پیچھے ہی اسے تنگ کرنے کی غرض سے چلی آئی تھی۔ در حقیقت زائشہ کا کھلا کھلا روپ اسے بہت طمانیت بخش رہا تھا۔ وہ آپا کو ایسے ہنستے مسکراتے دیکھنا چاہتی تھی۔

"اتنی سی دوری برداشت نہیں ہوئی آپا۔ کیسے بہانہ بنا کر وہاں سے کھسک آئیں۔"

پارس نے منہ بنایا۔

"مار کھاؤ گی مجھ سے پارس۔"

زائشہ نے پلٹ کر اس کے کاندھے پر تھپڑ جڑ دیا۔

"ہائے اللہ شیر بھائی دیکھیں آپا تشدد کر رہی ہیں بچا لیں مجھے۔"

زائشہ کے پیچھے ہی اردشیر کھڑا تھا۔ پارس بھاگ کر اس کی پشت پر آ گئی۔

"میری زوجہ کو کیوں تنگ کر رہیں سالی صاحبہ۔"

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو میرے

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔

حسب موقع شعر پڑھ کر پارس نے احتاج کیا تو اردشیر ہنس دیا۔ وہ خفگی سے دونوں کو دیکھتی وہاں سے چلی گئ۔

"گھر کب چلنا ہے۔ مجھے بالکل بھی اچھا محسوس نہیں ہو رہا۔ سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔"

شور و غل سے واقعی اس کا سر دکھنے لگا تھا۔ کچھ وہ جلدی سونے کی عادی تھی اور اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے۔ اسمی آنکھوں میں چھائی خماری اور نیند سے بنتے سرخ ڈورے دیکھ کر اردشیر کے جذباتوں نے ادھم مچادیا تھا۔۔

"آپ کی یہ خماری میری نیندیں اڑا لیتی ہے۔ کچھ میری نیند کا بھی خیال کیا کریں۔ اچھی بیویاں شوہر کی نیندیں نہیں اڑایا کرتیں۔"

وہ دلکش و بے باک سے لہجے میں بولا تھا۔ لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ تھی۔ آنکھیں اس کے حسن کی تابناکیوں سے خیرہ ہوئی جارہی تھیں اور ان آنکھوں کی چمک کو وہ زیادہ دیر تک دیکھ نہ پائی تھی۔ اردشیر کی بولتی آنکھیں ہمیشہ اس کا اعتماد زائل کر دیتی تھیں سو اس وقت نظریں چرانا مقصود تھا۔ اس کے نظریں چرانے سے وہ خاصا محظوظ ہوا تھا۔ نہ معلوم

کیوں مگر زائشہ کا یہ روپ اسے اپنی طرف کھینچتا تھا مگر وہ فالحال اس کی جان مشکل میں ڈالنے کا خواہاں نہیں تھا۔وہ سر جھکائے خاموشی کھڑی اپنے ہاتھ میں پڑے کنگنوں کو تک رہی تھی۔دل یونہی اردشیر کی باتوں پر دھڑک اٹھتا تھا سو اب بھی دل دھک دھک کر رہا تھا۔اس شور میں وہ بھلے ہی زائشہ کی دھڑکنوں کا شور نہ سن پایا تھا لیکن اس کے تاثرات اسے بھلے معلوم ہو رہے تھے۔

"آپ اپنی چادر لے لیں میں نوریز کو انفارم کر کے آتا ہوں تو پھر چلتے ہیں۔"

وہ محبت سے اس کا گال تھپتھپا کر سٹیج کی طرف بڑھ گیا تھا کہ نوریز کو انفارم کر سکے جبکہ وہ ساجدہ بیگم پارس اور سفیر سے مل کر چادر اوڑھ کر بیٹھ گئی تھی۔اسے اب اردشیر کا انتظار تھا۔

"نوریز میں زائشہ کو لے کر گھر جا رہا ہوں ان کی طبیعت ناساز ہے۔تم حماس اور بھابھی کو بعد میں لے آنا۔"

وہ سٹیج پر بیٹھے نوریز کو ہدایت کر رہا تھا۔

"کچھ دیر تو اور رکتے یار۔"

خرم نے کہا جس پر وہ محض مسکرا دیا۔

زائشہ کی طبیعت ٹھیک ہوتی تو میں لازمی رکتا۔"

وہ جیسے جواز پیش کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے مگر کل ولیمے میں تجھے اتنی سی بھی رعایت نہیں ملے گی۔"

خرم کو اکلوتے یار کے جانے کا شدید قلق تھا۔

مجبوری تھی ورنہ وہ اسے ہلنے بھی نہیں دیتا۔

وہ خرم سے محو گفتگو تھا جب ستارہ جہاں وہاں آئیں۔ سٹیج پر اس وقت دونوں خاندانوں کے تمام لوگ موجود تھے۔ پارس اور مزینہ کی کزنوں نے مل کر دودھ پلائی اور جوتا چھپائی کی رسم کرنی تھی سو وہ سب بھی صوفے کے پیچھے موقع کے انتظار میں کھڑی تھیں۔

ستارہ جہاں کو دیکھ کر خالدہ بیگم اپنی جگہ سے اٹھ گئیں کہ بیٹھنے کے لیے جگہ کہیں تھی نہیں اور انہیں بولنے کا موقع وہ دینا نہیں چاہتی تھیں۔

"جیتے رہو خوش رہو اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔"

خرم نے احتراماً کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا اور سر جھکا دیا تو مجبوراً ستارہ جہاں چہرے پر مسکراہٹ سجائے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دینے لگیں جبکہ خالدہ بیگم نے جانچتی نظروں سے جٹھانی کا جائزہ لیا۔ وہ آج شہد میں ڈوبی کیسے ہوئی تھیں۔

"بس آپ کی دعائیں چاہیں۔"

خرم نے مسکرا کر جواب میں کہا۔

"میری تو ساری دعائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں۔ خاص کر مزینہ کے ساتھ۔ تو کیا ہوا جو یہ چاند میرے آنگن میں نہ اترا۔ تمہارے آنگن کو تو روشن کر ہی دیا ہے اور میں اسی میں خوش ہوں۔ بھلا بچوں کی خوشیاں بھی ٹالی جاسکتی ہیں۔ تم تو میری مزینہ کی اولین ترجیح ہو سو تم سر آنکھوں پر ہو۔ ہاں دکھ تو ہوا ہے مجھے مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ دکھ بھی ختم ہو جائے گا مگر ایک کسک سی باقی رہے گی۔ جب جب اسے دیکھوں گی ملال ضرور ہو گا۔"

ستارہ جہاں کہہ رہی تھیں اور سب انہیں سن رہے تھے۔ سب کے تاثرات بے حد نارمل تھے مگر خالدہ بیگم! وہ وہ ہر گز بھی نارمل نہیں تھیں۔ انہیں کہیں کچھ نہیں! بہت کچھ غلط ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ ستارہ جہاں کو شادی میں بلا کر انہوں

نے سنگین غلطی کی ہے۔انہیں اپنے ارد گرد خطرے کی گھنٹی بجتی محسوس ہوئی تھی۔اردشیر نے اچھنبے سے خالدہ بیگم کی غیر ہوتی حالت دیکھی۔وہ یہاں سے جانا چاہتا تھا مگر زائشہ کو سٹیج پر آتے دیکھ کر وہیں رک گیا۔

"کیا ہو رہا ہے سب خاموش کیوں ہیں۔"

زائشہ نے استفامیہ انداز میں پاس کھڑی پارس سے پوچھا۔

"خطبہ ہو رہا ہے اور ہم سب خاموشی سے سن رہے ہیں۔"

پارس نے جل کر مدھم آواز میں جواب دیا جس پر اردشیر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"کس بات کا ملال۔"

وہ متجسس ہوا۔ستارہ بیگم کی باتوں سے اسے نہ معلوم کیا ایسا لگا جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہی ہیں پر کہنے کی سکت نہیں رکھتی۔وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ شاید وہ مزینہ کو لے کر فکر مند ہیں کہ بیٹیاں جب بیاہی جاتی ہیں تو ہزار خدشے لاحق ہوتے ہیں۔ہزار خواہشیں بیٹی کے لیے من میں جنم لیتی ہیں کہ اسے اس کے سسرال والے خوش رکھیں اس کا شوہر اس سے

محبت کرے۔اس کا خیال رکھے۔اسے کوئی تکلیف نہ پہنچنے دے۔شاید وہ بھی ایسے ہی کسی خدشے کو دل میں جگہ دیے بیٹھی تھیں۔شاید انہیں لگا تھا کہ وہ ان کی بیٹی کی توقعات پر پورا نہیں اترے گا یا اس کی ذمہ داریاں ٹھیک سے نہیں نبھائے گا۔جبھی وہ کہہ رہی تھی کہ جب جب مزینہ کو دیکھیں گی تو انہیں ملال ضرور ہو گا۔مگر انہیں کون سی حسرت پوری نہ ہونے اور کس توقع پر پورا نہ اترنے کا ملال تھا۔وہ جاننا چاہتا تھا تا کہ آج یہاں اس لمحے وہ ان کے تمام خدشے دور کر کے جائے کہ ان کا ملال باقی نہ رہے۔

گھونگٹ کی اوٹ میں سر جھکائے بیٹھی مزینہ کا دل زور سے ڈھرکا تھا اور اسے لگا تھا اگلے ہی لمحے دل بند ہو جائے گا۔

ستارہ جہاں کی ناگن فطرت سے تو وہ واقف تھی جبھی تو ماں سے کہا تھا کہ انہیں شادی میں نہ بلائیں کہ جہاں یہ ہوں اور فساد نہ ہو ممکن ہی نہیں مگر خالدہ بیگم نے اس کی ایک نہیں سنی اور خاندانی وقار کو بچانے کی غرض سے انہیں مدعو کر لیا مگر اب وہ پچھتا رہی تھی کہ ستارہ کے لفظوں سے بارود کی بو انہیں واضح آ رہی تھی۔

"میرے بیٹے بلال کی منگ تھی مزینہ۔دونوں ایک دوسرے بہت محبت کرتے تھے۔مزینہ تو جان وارتی تھی میرے بیٹے پر مگر پھر بھائی صاحب اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے اور اپنی بیوی اور بچی کو تنہا کر دیا۔بن باپ کی بچی کے سارے سپنے سارے خواب چکنا چور ہو گئے۔بھائی صاحب زندہ تھے تو ہر خواہش پوری کرتے تھے مگر ان کے جانے کے بعد تو میری بچی ہر شے کو ترس گئی تھی۔اس کی محرومیوں کو ہم سب نے خاص کر میرے بلال نے پورا کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔یہ تو ہمارے آنگن میں ہوتی آج مگر قسمت کی کرنی دیکھو۔آج تمہارے پہلو میں ہے۔اپنے خوابوں کو پورا تو کرنا تھا ناں۔ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اچھے کھاتے پیتے گھر میں بیاہی جائے۔اس کا شوہر رکھ رکھاؤ والا ہو۔اس کا سسرال خاصی آن بان والا ہو سو دیکھو اسے تم مل گئے بیٹا اور یوں محبت خوابوں و خواہشوں کے ملبے تلے دب کر ختم ہو گئی۔"

ستارہ جہاں مگرمچھ کے سے آنسو صاف کرتیں زہر اگل رہی تھیں۔

کوئی بم تھا جو ان سب کے سروں پر پھوٹا تھا۔خرم کو لگا ہال کی پوری چھت اس کے سر پر آن گری ہو۔

اس نے مٹھیاں بھینچ سختی سے لیں۔ ہونٹ سختی سے آپس میں پیوست کر لیے۔ تو مزینہ صرف اس کی دولت اور شہرت سے مرعوب ہو کر اس کی طرف بڑھی تھی۔ اتنا بڑا دھوکا۔ اتنی بڑی سازش۔ اس کی کنپٹی کی رگ پھڑک اٹھی۔ اس نے ایک پر شکوہ نظر خالدہ بیگم پر ڈالی جن کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ مزینہ نے بے یقینی سے گھونگٹ الٹ کر ستارہ جہاں کو دیکھا۔ جواب صوفے سے اٹھ کر سٹیج سے نیچے اترنے لگی تھیں۔ کتنی آسانی سے وہ اس کی زندگی زیر و زبر کر گئی تھیں۔

یہ کیا کر ڈالا تھا انہوں نے۔ کیا وہ اس تک حسد کرتی تھیں اس سے۔ دھیان کے دھاگے ان سے ہٹ کر خرم سے الجھے تو خوف سے اس کی سانسیں رک گئیں۔ وہ بے تاثر چہرہ لیے بیٹھا تھا۔ یقیناً یہ انکشاف اس کی پوری فیملی کے لیے تکلیف دہ تھا مگر اتنا نہیں جتنا اس کے لیے تھا کہ اس کی زندگی تو بسنے سے پہلے ہی اجڑ گئی تھی۔

چند لمحوں کے لیے وہاں موت کا سا سناٹا چھا گیا۔ مہمانوں میں الگ کھسر پھسر اور چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔

وہ وہاں سے اٹھ کر چلا جانا چاہتا مگر اس کے بڑھتے قدموں کو عصمت صاحب نے روکا تھا۔

"برخوردار رخصتی ہو لینے دو۔"

وہ جیسے اس کی اندرونی کیفیات سے باخبر تھے۔ دل افروز کو جس بات کا ڈر تھا وہی ہوا۔

"مجھے فرق نہیں پڑتا رخصتی سے کہ مجھے اب اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کسی کا جھوٹا نہ پہلے کبھی کھایا ہے نہ کھانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ دھوکے باز لوگوں سے سخت نفرت ہے مجھے۔"

وہ یک دم ہی طیش کے عالم میں پلٹا تھا اور بازو سے پکڑ کھینچ کر مزینہ کو مقابل کھڑا کیا تھا۔

"شکل سے ہی اچھی ہو بس۔ دل تو تمہارا کالا ہے۔ یہ حسن یہ رعنائیاں انہیں سے ہی گھایل کر کے مجھے تختہ مشق بنا کر تم اپنے خواب پورے کرنا چاہتی تھیں ناں۔۔ میرے دل سے کھیلا تم نے۔ مجھے بیوقوف بنایا۔ محبت کے نام پر جو کھیل تم نے رچایا ہے ناں مزینہ بی بی۔ اسے اب میں انجام تک پہنچاؤں گا۔"

وہ وحشت ناک لہجے میں درشتی سے کہتے اسے خوفزدہ کر گیا۔

"ک۔ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ تائی جان جھوٹ بول رہی ہیں۔۔۔۔"

اس نے کپکپاتے لہجے میں صفائی دینے کی کوشش کی مگر الفاظ جیسے ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

"شٹ اپ جسٹ شٹ۔ سنا تم نے۔ تمہاری کوئی بات نہیں سننی مجھے۔ تم سننے اور یقین کرنے کے لمحے گنوا چکی ہو۔ اب میں تمہیں بتاؤں گا کہ آنے والے لمحات تمہارے لیے کس قدر اذیت ناک اور دردمند ہوں گے۔"

عصمت صاحب اور ارتضیٰ نے اسے سنبھالنے کی بہت کوشش کی تھی مگر وہ کسی آندھی طوفان کی طرح مزینہ کو اپنے ساتھ کھینچ کر لے گیا تھا۔ بھری محفل میں مزینہ کو اس کا اپنے ساتھ یہ سلوک ایسا تھا کہ اس کا ڈوب کر مر جانے کو دل چاہا تھا۔ اتنی تضحیک۔ اس قدر تزلیل۔ اس کا چہرہ خفت سے سرخ لڑ گیا۔

"توقیر دیکھو زرا اس لڑکے کو کہیں غصے میں اپنا اور بچی کا نقصان نہ کر بیٹھے۔"

عصمت صاحب نے توقیر کو ہدایت کی تو وہ فوری طور پر وہاں سے نکلا۔ شمائم نے تاسف سے دور بیٹھی ستارہ جہاں کو دیکھا۔ روشنی اور سحاب حیران پریشان سی کھڑی تھیں۔ سفیر تو خود ورطہ حیرت میں تھا۔ ستارہ جہاں کی کاروائی پر وہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔

خالدہ بیگم کی ساکت نظریں ہال کے صدر دروازے پر تھیں جہاں سے خرم اسے جارحانہ تیوروں میں کھینچ کر لے گیا تھا اور دماغ میں خرم کے بولے الفاظ گڈ مڈ ہو رہے تھے۔

"مزینہ۔ میری مزینہ۔"

یک دم ان کا سکتہ ٹوٹا تھا مگر اگلے ہی لمحے وہ چکرا کر نیچے گر پڑی تھی۔

پارس کی چیخ بے ساختہ تھی۔ زائشہ نے کچھ سہم کر اردشیر کا بازو تھاما۔ وہ اس وقت اس حالت میں نہیں تھی کہ کچھ سہہ سکتی۔

اردشیر نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ وہ بے حد خوف زدہ تھی۔

سفیر اور ارتضی نے ان کی نبض ٹٹولی جو بہت مدھم چل رہی تھی اور اٹھا کر فوراً ہسپتال روانہ ہوئے۔

"گھر چلیں پلیز۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

آنکھوں میں آنسو لیے وہ درد کی شدت کو برداشت کرتی وہ اس کے کندھے سے لگی بے بسی سے کہنے لگی تو اردشیر اسے خاموشی سے اپنے ساتھ گھر لے گیا۔

خرم کی فیملی کے سب لوگ گھر کے لیے نکل گ ئے تھے سوائے عصمت صاحب اور سروت بیگم کے انہوں نے مہمانوں سے معذرت کی اور ہاسپٹل روانہ ہوئے۔ نوریز ساجدہ بیگم اور پارس سحاب اور روشنی کو گھر لے گیا تھا۔ سفیر کے بغیر ان کا گھر میں رہنا اسے ہر گز ٹھیک نہیں لگا تھا۔

دلہن کے لباس میں سجی سنوری مزینہ اس کے ساتھ گھسٹتی جا رہی تھی۔ اسے آج کا دن یاد رہا تھا نہ ہی اس کی حالت۔ جس شاکڈ سے وہ خود گزر رہا تھا۔ وہ بھی تو اسی سے گزر رہی تھی۔ اس کے لیے بھی یہ نہ قابل یقین حادثہ تھا جسے وہ تا حیات بھولنے والی نہیں تھی۔

گلاب اور موتیے سے مہکتے کمرے کا دروازہ ٹھوکر مار کر دھاڑ سے کھولا گیا تھا اور خرم نے ایک جھٹکے سے اسے سامنے کر کے اس کی کلائی چھوڑی تو وہ توازن برقرار نہ رکھتے گرتے گرتے بچی تھی۔ حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں تھیں کہ خرم نے کمرے کی ہر چیز تہس نہس کر ڈالی تھی۔

ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی پرفیومز کی شیشیاں لوشن کی بولتیں فرش کی زینت بن چکی تھیں۔ کمرے کی فضا میں رچی خوشبو میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا مگر وہاں موجود دونوں وجودوں کے دل ہر قسم کی خوشبو سے بے بہرہ تھے۔

کھڑکیوں پر ڈلے کارٹنز کھینچنے سے لٹک گئے تھے۔ کشنز تکیے اس نے بری طرح سامنے گلاس ٹیبل پر پڑے شو پیس پر دے مارے تھے۔

چھناکے کی آواز پر مزینہ نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔ شو پیس کرچی کرچی ہو کر بکھر گیا تھا۔

ان سب سے بھی جب دل نہ بھرا تو غصہ و طیش میں آکر اس نے جلتی ہوئی موم بتیوں کو ہاتھ مار کر بجھا کر سٹینڈ سمیت اٹھا کر دیوار میں دے مارا۔ مزینہ کی چیخ نکلی۔

موم بتی کے شعلے کی تپش نے اس کی جلد کو جھلسا دیا تھا۔ چند لمحوں میں ہی اس کی ہتھیلی سرخ ہو گئی تھی۔ آگ کی تپش چاہے سیکنڈ کے لیے ہی کیوں نہ چھولے وہاں اپنی کرم نوازی کے نشاں ضرور چھوڑ جاتی ہے۔

بے ساختہ ہی خرم نے ہتھیلی سامنے پھیلائی۔

اس کی خود اذیتی پر اس کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

"کیا ملا خود کو تکلیف دے کر۔"

وہ پر شکوہ لہجے میں بولتی ہوئی لہنگا سنبھالتی اس کے نزدیک آئی اور اس کی ہتھیلی کو جوں ہی تھامنا چاہا خرم نے ہاتھ پیچھے کھینچ کر دو قدم پیچھے لیے۔

"سکون ! سکون ملا ہے مجھے۔ میرے اندر ایک آگ جل رہی ہے اور یہ آگ لگانے والی تم ہو۔ میرے قریب آنے کی یا مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش بھی مت کرنا مزینہ ورنہ جل کر راکھ ہو جاؤ گی۔"

وہ غیض و غضب کی تصویر بنا اسے خبردار کر رہا تھا۔

"اگر تمہارے قریب آنے سے میں جل کر راکھ ہو جاتی ہوں تو ہو جانے دو مجھے راکھ۔"

خرم سیر تھا تو وہ سوا سیر تھی۔ وہ اس سے زیادہ ضدی تھی۔

نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر وہ پھونک مارنے لگی تھی۔

"خاصی تکلیف ہو گی اپنے سابقہ منگیتر کو تمہیں خاک ہوتے دیکھ کر۔"

خرم نے استہزائیہ انداز میں اس کے دل پر چوٹ کی تھی۔ کیا کہنا چاہ رہا تھا وہ۔ مطلب کیا تھا اس کی بے بیناد باتوں کا۔ اسے تو یہی لگا تھا کہ وہ ستارہ جہاں کی باتوں سے طیش میں آکر وہاں سے اسے لے آیا تھا۔ مگر نہیں یہ طیش یہ غصہ ستارہ جہاں کی باتوں پر تو ہرگز نہیں تھا تو کیا ان کے کیے گ ئے انکشاف نے اسے بدگمان کر دیا تھا۔

مزینہ نے عجیب نظروں سے خرم کو دیکھا۔ کیا یقین کامل کی سیڑ ھیوں سے اس کے قدم ڈگمگا گ ئے تھے۔

"آپ کو فرق نہیں پڑے گا۔"

مزینہ نے ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ لہجا بجھا بجھا سا تھا۔

"تمہیں اپنا یہ ڈھونگ اب بند کر دینا چاہیے اب جبکہ تمہارا سچ سب کے سامنے کھل ہی چکا ہے تو۔ مجھے نہیں پتا تھا اس معصوم چہرے کے پیچھے ایک مکار چہرہ چھپا ہوا ہے۔ کیسے کر لیتی ہو تم اتنی اچھی اداکاری اور سیکھی کہاں سے ہے۔ شاید انڈین مووی‌ز سے۔ ہے ناں۔"

جارحانہ تیور لیے وہ اس کی اور بڑھا تھا۔ مزینہ کے کندھوں پر اس کی گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ اسے لگا تھا انگلیاں گوشت کو چیر کر اندر دھنس جائیں گی۔ شدید تکلیف کے مارے اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔

"مجھے تکلیف ہو رہی ہے خرم۔"

بے ساختہ آنسو پلکوں کی باڑ پھلانگ گئے تھے۔

"تکلیف۔۔۔! تمہیں کیا پتا وہ ہوتی کیا ہے۔ بھلا دوسروں کو تکلیف دینے والے بھی تکلیف میں پڑ سکتے ہیں۔ تکلیف تو مجھے ہوئی ہے۔ مجھ سے پوچھو۔ میرے دل سے پوچھو۔ جس کے ارمانوں کا تم نے خون کر ڈالا ہے۔"

اس کی تکلیف کا احساس تھا یا کچھ اور کہ وہ کندھوں پر اس کی گرفت نرم کر گیا تھا۔ مزینہ خاموشی سے خرم کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کس حد اس سے بدگمان تھا۔

"تم میری زندگی کی ایک بری حقیقت ہو۔ تمہیں جو بھی چاہیے تھا مجھے کہہ دیتیں۔ میں نا دیتا تو بات کرتیں مگر یہ پیار محبت جیسا گیم تو نہ کھیلتیں۔ لوگ تو مردوں کو کہتے ہیں دھوکے باز مگر عورتوں نے تو مردوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔"

وہ زخمی لہجے میں گویا ہوا۔

"خاصی محنت لگی ہو گی ناں تمہیں گیم ترتیب دینے میں۔ اپنی محبت سے بھی دور رہنا پڑا۔"

خرم کا اشارا اس کے سابقہ منگیتر کی طرف تھا۔

اس نے خالی خالی نظروں سے خرم کو دیکھا۔ اس کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔ تکلیف شدید تھی۔ اس کی بدگمانیوں کی عمارت خاصی بلند تھی۔

"اس محنت کا معاوضہ تو تمہیں ملنا چاہیے نئیں۔

بولوں کتنے پیسے چاہیے ہیں تمہیں اپنے ارمانوں کو پورا کرنے کے لیے۔ دس لاکھ پچاس لاکھ یا پھر ایک کروڑ۔"

مزینہ کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا تھا اور پھر آنسوؤں کی جھڑی لگ گئ تھی۔

خرم چیک بک نکال لایا تھا۔اس کی سسکیاں بے اختیار بلند ہوتی چلی گئیں۔یہ تو سہاگوں والی رات تھی۔اس رات کو لے کر ایک لڑکی کتنے سپنے بنتی ہے۔ہزاروں خواب دیکھتی ہے۔ویسے ہی خوبصورت خواب اس نے بھی دیکھ رکھے تھے مگر ستارہ جہاں کی خاردار باتوں نے اس کے سارے ارمان نوچ ڈالے تھے۔اس کی خواہشوں کا محل پورے قد سے گر کر زمین بوس ہوا تھا۔

"یہ چیک پکڑوں پانچ کروڑ کا۔تمہارے خواب ضرور پورے ہو جائیں گے اس رقم سے۔"

چیک کاٹ کر خرم نے اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا اور وہیں مزینہ کا قفل ٹوٹا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے سوائے آپ کے۔آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں ایسا کچھ کر سکتی ہوں کیا آپ کو اپنی مزینہ پر اعتبار نہیں ہے۔"

وہ اس کے گریبان تھام کر سسک اٹھی۔

"اعتبار کی بات تم مت کرو کہ اسی کے باعث تو تم جیسی لڑکی میرے نکاح میں ہے۔"

خرم نے مٹھیاں بھینچ کر غصہ ضبط کیا اور رخ موڑ لیا۔

"بلال سے میرا ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے جس کی بنیاد پر ہمارے درمیان دوریاں پیدا ہوں۔میری بات سمجھیں خرم۔یقین کریں میرا۔میں نے آپ کے ساتھ وفا نبھائی ہے اور آگے بھی نبھاؤں گی۔"

وہ سسک اٹھی۔

"مجھے بھی تو تم اسے لیے چاہتی ہو ناں کہ میں تمہاری خوشیوں کی چابی جو ٹھہرا۔"

استہزائیہ انداز میں تلخی سے کہتے خرم نے ایک طنزیہ نظر فرش پر پڑے چیک پر ڈالی جبکہ مزینہ ششدر رہ گئی۔اس کی حالت کو قطعی نظر انداز کرتے وہ باہر کی جانب بڑھا تھا مگر اس سے پہلے ہی اپنے حواسوں میں لوٹتے اس نے اسے بازو سے تھام کر اس کا راستہ روکا تھا۔

"کیا ہے یہ سب۔کیا اخذ کروں میں آپ کے رویے سے۔ہاں۔بھاگ کر نہیں آئی ہوں میں آپ کے ساتھ۔سینکڑوں لوگوں کے بیچ مجھ سے رشتہ جوڑا ہے آپ نے۔شادی سے پہلے کیوں ناں آپ نے مجھے جانچ پرکھ لیا۔اتنی ہی نظر کمزور تھی آپ کی یا نفس کی غلامی پر لبیک کہہ کر میری جانب قدم بڑھائے تھے۔مجھے تو آپ کی دولت نے مرعوب کیا

تھا۔آپ کو میرے اندر کیا دکھا تھا یا کس چیز نے اتنا مرعوب کر دیا تھا کے عشق میں اندھے ہو چلے یہ بھی نا جان سکے کے دولت کی لالچی لڑکی سے شادی کرنے جا رہے ہیں۔"

وہ شعلہ جوالہ بنی اس سے باز پرس پر اتر آئی تھی۔

خرم ہر گز بھی متاثر نہ ہوا تھا الٹا وہ اس سے زیادہ بلند آواز میں چیخا تھا۔

"تمہاری سادگی تمہاری انداز و اطوار کا دلدہ ہو گیا تھا۔جس معصومیت کا تم ڈرامہ رچا رہی تھیں اس معصومیت کا قائل ہو گیا تھا۔ارے محبت ہو گئی تھی اس مکروہ چہرے سے جس کی نہ معلوم کتنی پرتیں کھلنا ابھی باقی ہیں۔"

تلخی سے کہتے خرم نے اس کی گرفت سے ایک جھٹکے سے بازو چھڑایا تھا یوں جیسے اس کے چھونے سے وہ جھلستا جا رہا ہو۔

"ایک کام کریں محبت پر فاتحہ پڑھ دیں کیونکہ اتنے وار سہنے کے بعد تو انسان بھی گھایل ہو جاتا ہے محبت تو پھر کوئی وجود ہی نہیں رکھتی سو اس کا مرنا لازم ہے۔"

بے دردی سے آنسو رگڑتی ڈریسنگ میز کی طرف بڑھی تھی اور سرخ کندھاڑی جھلملاتی چوڑیاں تیزی سے نکال کر فرش پر دے ماری تھیں۔ بندیا نوچ پھینکی تھی۔ گلے کا ہار کانوں کے جھمکے تک نہیں چھوڑے تھے۔

اگر خرم ہوش و حواس میں ناں تھا تو وہ بھی ہوش و حواس میں نہیں رہنا چاہتی تھی۔ دونوں ہی غصے کے تیز تھے۔ خرم نے اس کو اپنا من موہنا روپ ملیامیٹ کرتے دیکھ کر غصے سے بیڈ کے اطراف میں لگی گلاب اور موتیے کی ساری لڑیاں نوچ پھینکی تھیں۔

کیسے ممکن تھا کوئی داغ دکھائی دیتا

میں نے دیکھا تھا اسے عشق میں اندھا ہو کر

پر شکوہ مگر سرد نظروں سے شیشے میں چھلکتے اس کے روپ کو نہارتے وہ نم لہجے میں گویا ہوا تھا اور اگلے ہی لمحے وہ طوفان کی تیزی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد ڈریسنگ ٹیبل پر سر ٹکا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اسپتال کے یخ بستہ کمرے میں پڑا وہ وجود ہوش و خورد سے بیگانہ ہر بات سے انجان تھا۔راہداری میں لگی بینچز پر سفیر سر جھکائے بیٹھا تھا۔عصمت صاحب اور سروت بیگم بھی سامنے بینچ پر مغموم سے بیٹھے تھے۔توقیر شمائم اور دل افروز کو گھر لے گیا تھا۔صبیحہ بھی گھر چلی گئی تھیں۔

وارڈ کا دروازہ کھلتے ہی ڈاکٹر باہر نکلی تھیں اور سفیر تیر کی تیزی سے ان کی اور لپکا تھا۔

"ڈاکٹر پیشنٹ کی طبیعت کیسی ہے۔ہوا کیا ہے انہیں۔وہ ٹھیک تو ہیں ناں۔کوئی پریشانی والی بات تو نہیں۔"

ڈاکٹر نے سرجیکل ماسک نیچے کیا اور گلوز اتارے۔

"کسی صدمے یا اچانک ملنے والے شدید ترین شاکڈ کے باعث دماغ کی نس پھٹ گئی ہے۔علاج جاری ہے مگر کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ان کی حالت بہت کریٹیکل ہے۔انہیں دواؤں سے زیادہ دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

ڈاکٹر زپیشہ ورانہ انداز میں کہہ کر نرس کے ہمراہ گفت و شنید کرتے آگے بڑھ گئے۔ارتضیٰ نے سفیر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی کا عندیہ دیا کہ اتنا تو وہ جان

چکا تھا کہ ان سب کے آپس کے تعلقات محبت کے خمیر سے گندھے تھے سو یہ کیسے ممکن تھا کہ دل درد و غم سے خالی ہوتا۔

رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی۔ وقت ہولے ہولے سرک رہا تھا۔ اندھیرا اجالے میں تبدیل ہونے کو بے تاب و بے قرار نظر آتا تھا۔ اوائل سردیوں کے دن تھے جن کی صبح اور راتیں ٹھنڈی ہوا کرتی تھیں۔

صبح فجر کی اذان کے ساتھ ہی ڈاکٹر نے مریضہ کے قومہ میں جانے روح فرسا خبر سنائی تھی۔ سفیر تو ڈھے سا گیا تھا۔ بے اختیار اس پگلی کا ہنستا مسکراتا چہرہ آنکھوں کے سامنے لہرایا تو دکھ سے اس نے آنکھیں میچ لیں۔

موسم میں صبح کے وقت ہلکی سی خنکی تھی۔ ٹھنڈی ہوائیں اپنے زور پر تھیں۔ یقیناً کراچی کے آس پاس کے علاقے سردی کی لپیٹ میں تھے۔

کراچی کا بھی خود کا کوئی موسم نہیں۔ یہ شہر دوسروں سے موسم ادھار لینے کا عادی ہے۔

زائشہ بستر سے اٹھتے ہی بڑبڑائی تھی۔کل رات کچھ زیادہ ہی سردی تھی۔ٹھنڈ کے مارے اس کا سر دکھنے لگا تھا۔

"گڈ مارننگ۔"

ایک خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ اردشیر نے اسے مارننگ وش کیا تھا۔

"نہ معلوم یہ مارننگ گڈ ہے بھی یا نہیں۔"

طبیعت میں عجیب بوجھل پن ہے۔

وہ خود سے ہی بڑبڑائی تھی مگر اس کے یہ بڑبڑاہٹ اردشیر سن چکا تھا۔

"لگتا ہے رات خاصی تھک گئی تھیں آپ جبھی طبیعت بوجھل ہے۔"

وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔زائشہ کو شرمندگی ہوئی۔وہ کمرے میں موجود تھی پھر بھی وہ اپنی شرٹ خود پریس کر رہا تھا۔

"لائیے میں کر دیتی ہوں۔"

وہ فوراً بیڈ سے اٹھتی اس کے نزدیک آئی تھی۔اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونے لگا تھا۔

اردشیر نے خوشگوار حیرت لیے اس کی طرف دیکھا۔

"موسٹ ویلکم۔"

وہ خوش دلی سے کہتا پیچھے ہٹ گیا۔

"اور کیا کیا کر لیتی ہیں آپ؟"

وہ وہیں دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے دونوں بازو سینے پر باندھے دلچسپی سے اسے اپنے کام کرتے دیکھ رہا تھا۔اس کی پر تپش نظریں محسوس کرتے زائشہ کی پلکیں لرز گئی تھیں۔

کتنا اپنائیت بھرا احساس تھا۔اس کے کام کرتی ہوئی وہ کتنی اپنی اپنی سی لگ رہی تھی۔

"آپ کیا کروانا چاہتے ہیں مجھ سے؟"

وہ سادگی سے استفسار کر گئی تھی۔

"میں کہوں گا تو کہیں گی کے مجھ سے کام کرواتے ہیں۔مجھے ماسی بنا دیا ہے۔"

وہ مسکراہٹ دبا کر گویا ہوا۔

"جی نہیں! میں ایسا کچھ نہیں کہوں گی۔آپ مجھے بتا دیں کیا کرنا ہے۔"

وہاں ہنوز سادگی کا پہرہ تھا۔

"ایک بیوی ہونے کی حیثیت سے میرے جو بھی کام ہیں وہ آپ کیا کریں۔مجھے بے حد خوشی ہوگی۔"

یک لخت اس کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگستے وہ بھاری لہجے میں بولا تو زائشہ نے بے حد خفگی سے آئرن پلک نکال کر اسے شرٹ تھمائی تھی۔اس میں اتنا گھمانے پھرانے والی کیا بات تھی سیدھا بھی تو بول سکتے تھے جناب۔

شرٹ پہن کر بلیزر پہنتے وہ رسٹ واچ کلائی میں ڈالنے کے بعد خود پر ڈھیر سارا پرفیوم چھڑک کر ضروری سامان لیتا زائشہ کے پاس آیا تھا جو کاٹن کے انگوری کلر کے سوٹ میں ملبوس تروتازہ سی اپنے دوپٹے سے نم چہرہ صاف کررہی تھی۔

"شام میں تیار رہیے گا ڈاکٹر سے اپائنمنٹ ہے۔"

اس کی بھیگی ہوئی لٹیں کان کے پیچھے کرتے اسے گہری نگاہوں سے دیکھ کر اردشیر نے اسے مطلع کیا تو وہ کوفت زدہ ہو گئی۔

"مگر اب تو میں ٹھیک ہوں۔"

اسے ہاسپٹل نام سے ہی وحشت ہونے لگی تھی۔

"یہ جو ٹانکے لگے ہیں انہیں کھلوانا بھی تو ہیں۔"

اس کی نم ہوتی پلکوں کو دھیرے سے چھوتے وہ اسے اپنے لمس سے آشنا کر گیا تھا۔وہ حجاب سی ہوئی تھی۔

بے اختیار اس نے اردشیر کی گرفت سے نکلنا چاہا تھا مگر دوسری طرف ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔اس کے حیا آلود چہرے سے اردشیر کی نگاہ ہٹتی ہی نہیں تھی اور وہ ہٹاتا بھی کیوں کر کہ وہ اس کی محرم تھی سو اسے اجازت تھی۔

"آپ کو آفس سے دیر ہو جائے گی۔"

بامشکل وہ لرزتی پلکوں کی باڑ گرائے دھیمے سروں میں گویا ہوئی تھی۔اردشیر نے ان پلکوں کی نرمی کو پوری شدت سے محسوس کیا تو زائشہ قندھاری انار کی مانند سرخ پڑ گئی۔

"مجھے کمرے سے نکال رہی ہیں۔"

وہ خفگی سے گویا ہوا۔

"نہیں میں بھلا کیوں نکالوں گی آپ کو کمرے سے۔یہ آپ کا گھر ہے اور کمرہ بھی آپ کا ہے۔میری کیا مجال کے۔۔۔۔"!

وہ حیا آلود لہجے میں بولی تو اردشیر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"آپ کی مجال ہے زائشہ کیوں کہ اس گھر اور کمرے سمیت یہ بندہ بھی آپ کا ہی ہے جسے تین بار اقرار کر کے آپ نے اپنا بنایا ہے سو آپ کو اختیار ہے کہ آپ مجھے کمرے سے نکال دیں۔"

اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ سہلاتے اسے باور کروایا۔ زائشہ نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکال کر اسے بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر نکال دیا۔

اردشیر ہقا بقا رہ گیا۔

"آپ نے ہی تو کہا تھا کہ مجھے اجازت ہے۔ پیار کی بات سمجھ نہیں آتی آپ کو۔ جائیں دیر ہو رہی ہے۔"

زائشہ نے دروازہ بند کر کے کب کی رکی مسکراہٹ کو بحال کیا جبکہ باہر اسے ہنسنے کی آواز آ رہی تھی۔

حماس نے اردشیر کی حالت پر تالی بجاتے ہوئے اچھل کر قہقہہ لگایا تھا جبکہ وہ اسے گھور کر گود میں اٹھائے دوسرے ہاتھ میں بریف کیس اٹھائے نیچے آ گیا تھا۔

کچن میں روشنی کے ساتھ پارس بھی ناشتہ بنوانے میں ہیلپ کر رہی تھی۔لاؤنج میں داخل ہوتے نوریز نے کن نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ آئے ہمارے گھر خدا کی قدرت

کبھی ہم ان کو تو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

نوریز کی بے باکی عروج پر تھی۔بھابھی تو شرارت سمجھ کر ہنس دیں جبکہ پارس نے دانت کچکچائے۔

ناشتے کے دوران اگر ساجدہ بیگم نہ ہوتیں تو اس کا جامے میں رہنا مشکل تھا۔پارس نے بھی سکون کا سانس لیا۔

دروازے پر ہوتی مسلسل دستک سے وہ کسمسائی تھی مگر سر میں اٹھتی درد کی ٹیسوں نے اسے بیدار ہونے نہیں دیا تھا۔دل افروز نے کوئی رسپانس نہ پا کر درواز کھولا تو وہ کھلتا چلا گیا اور اس کی پہلی نظر ہی کارپیٹ پر صوفے سے ٹیک لگا کر سوئی ہوئی مزینہ پر پڑی۔اسے یوں دیکھ کر ان کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔شدت سے کسی انہونی کا احساس ہوا۔

"مزینہ اٹھو۔ یہاں کیوں سوئی ہو۔ پورا بیڈ پڑا ہوا ہے۔ وہاں آرام اسے سو جاتیں۔"

مزینہ کو بیدار کر کے وہ فکر مندی سے گویا ہوئی۔

نہ معلوم کل رات کون سا طوفان آکر گزرا تھا کہ نہ کمرے کی حالت درست تھی نہ اس کی مکین کی۔

"یہ سب خرم نے کیا ہے۔ مائے گاڈ۔"

وہ تو سر پکڑ کر رہ گئ۔ جبکہ مزینہ تلخی سے مسکرا دی۔ دل افروز کو اس کی مسکراہٹ دل چیرتی محسوس ہوئی۔

"تم کپڑے بدل لو۔ ناشتے پر سب انتظار کر رہے ہیں۔"

اس کی خاموشی پر وہ مزید کچھ پوچھ نہ سکیں۔ الماری سے شیفون کا سادہ سا سوٹ لے کر فریش ہو کر وہ باہر آئی تو کمرہ اپنی اصلی حالت میں آ چکا تھا۔ غالبا دل افروز ملازمہ سے کہہ کر صفائی کروا چکی تھی۔

"یہاں بیٹھیں میں تیار کرتی ہوں آپ کو۔ خرم بھائی نظر نہیں آ رہے۔ شاید فریش ہو رہے ہوں گے۔"

مزینہ اس کے کہنے پر خاموشی سے ڈریسنگ کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ شمائم نے اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر باتوں کا آغاز کیا تھا کہ وہ اچھا محسوس کر سکے۔ کل جو اس کی تائی امی گل کھلا چکی تھیں۔ شمائم کا دل چاہا اس عورت کو اچھا سبق سکھائے جس نے اس کے بھائی کی شادی میں بربادی اٹھادی تھی۔

"دیکھیں کتنی خوبصورت لگ رہی ہیں آپ۔ خرم بھائی دیکھیں گے تو لٹو ہی ہو جائیں گے۔"

شمائم نے گویا اسے چھیڑا تھا۔ مزینہ کے تاثرات میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ یونہی بے تاثر چہرہ لیے بیٹھی تھی۔

"شمائم کیوں تنگ کر رہی ہو اسے۔ چلو نیچے میرے ساتھ۔"

دل افروز نے اسے گھورا اور مزینہ کو ساتھ لیے نیچے ڈائننگ ہال میں آ گئی۔

"السلام علیکم بیٹا! کیسی ہو؟"

عصمت صاحب نے اسے اپنے ساتھ لگا کر مسکرا کر پوچھا۔ ان کی مسکراہٹ مزینہ کو بناوٹی لگی تھی شاید وہ بیٹے کی حرکت سے اتنے بھی لاعلم نہیں تھے۔

"وعلیکم السلام! ٹھیک ہوں۔"

بغیر مسکرائے وہ نرمی سے جواب دیتی شمائم کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھ گئ تھی۔اس نے پورے ہال پر نظر دوڑائی تھی خرم اسے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔

"ویلکم ہوم چاچی۔"

روحی ارتضی کی گود سے اتر کر مزینہ کے پاس بھاگ کر آئی تھی۔اس نے ایک تھکن زدہ سانس ہوا کے سپرد کی۔اسے نارمل ہونا ہی تھا کہ کب تک وہ یوں گم صم منہ بنا کر پھرتی اپنے اور خرم کے مابین ہونے والی سرد جنگ کا پرچار کرتی۔یوں بھی جب اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا تو وہ کیوں اپنے رویے سے باقی سب گھر والوں کا دل توڑتی کہ وہ کب سے اس کی دل جوئی کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔

"تھینک یو باربی ڈول۔"

مزینہ نے اسے گود میں بٹھالیا تھا۔

"ارے یہ کیا کر رہی ہو نیچے اتارو اسے۔تمہارے کپڑے خراب ہو جائیں گے اور ناشتہ بھی نہیں کرنے دے گی یہ تمہیں۔"

دل افروز نے بیٹی کو گھورا۔

"نہیں ہوں گے خراب آپ فکر نہ کریں میں اور باربی مل کر ناشتہ کریں۔ ہیں ناں روحی۔"

اس نے خلاف توقع مسکرا جواب دیتے روحی سے تائید چاہی تو وہ زور زور سے گردن ہلانے لگی۔

کچھ ہی دیر میں اس کا رویہ ٹھیک ہو گیا تھا

ناشتے کے بعد وہ روحی کے ساتھ وہیں لاؤنج میں ہی بیٹھ گئی تھی۔ عصمت صاحب اور ارتضی تو نہ معلوم کہاں چلے گ ئے تھے جبکہ توقیر گھر میں ہی تھا۔ سروت بیگم اور صبیحہ بیگم بھی روحی کی باتوں سے محظوظ ہو رہی تھیں جو چاچی کے آ جانے سے یوں خوش تھی مانوں قارون کا خزانہ مل گیا ہو۔

مزینہ یوں تو ہنس بول رہی تھی مگر اسے گھر والوں کا رویہ شدت سے محسوس ہو رہا جس میں گرمجوشی مقفود تھی۔ وہ سوچ کے دھاگوں میں بری طرح الجھی ہوئی تھی۔

"چاچی میں آپ کو اپنی ڈول دکھاؤں مجھے خرم چاچو نے دلوائی تھی۔"

مزینہ مسکرا کر روحی کے ساتھ چل پڑی۔

"مجھے تو سمجھ نہیں آتی صبیحہ کیسے یہ خبر میں اس بچی کو سناؤں۔نہ معلوم کل رات خرم کا رویہ کیسا رہا ہوگا اس کے ساتھ۔کل رات سے گھر نہیں آیا ہے۔وہ اس کی بھی الگ فکر لگی ہوئی ہے۔کتنا خوش تھا میرا بچہ۔پتا نہیں کس کی نظر لگ گئی میرے ہنستے کھیلتے بچے کو۔"

سروت بیگم افسردہ ہوئیں۔

"مزینہ کا بجھا بجھا چہرہ گزری رات کی داستان سنا رہا ہے سروت۔پھر بھی پوچھ رہی ہو کہ خرم کا رویہ کیسا ہوگا اس کے ساتھ۔مجھے بتاؤ بھلا اس سب میں اس بچی کا کیا دوش اگر وہ پہلے سے کسی کے ساتھ رشتے میں منسلک تھی بھی تو خرم کو فرق نہیں پڑنا چاہیے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔بھلا یہ کیسی محبت ہوئی زرا سے وار پر اس کی محبت کا مجسمہ بکھر گیا۔یوں بھی جہاں بیری ہو وہاں پتھر تو آیا کرتے ہیں ناں اب بھلا لوگوں کو کیا پتا تھا کہ خرم صاحب مستقبل میں مزینہ کی محبت میں گرفتار ہو کر اس سے شادی کرنے والے ہیں جو لوگ بیری پر پتھر نہ مارتے۔حد کرتا ہے یہ لڑکا۔"

وہ تو بھنائی بیٹھی تھیں۔

صبیحہ کو تو یہاں کے لوگوں کی ذہنیت پر افسوس ہو رہا تھا۔ وہ کافی عرصہ باہر رہی تھیں جبھی یہاں کے لوگوں کی سوچ سے کسی حد تک واقف نہ تھیں۔ وہ انصاف کی قائل تھیں۔ خرم پر تو انہیں ویسے ہی بہت غصہ آ رہا تھا جو بنا قصور کے ایک تو کل اسے پوری محفل کے سامنے کھینچ کر لے گیا تھا اور اب کل رات اسے تنہا چھوڑ کر جا چکا تھا۔ دل تو ان کا کیا تھا لاڈلے بھانجے کو کان سے پکڑ کر لے آئیں مگر وہ خود لاعلم تھیں کہ خرم ہے کہاں۔

"تمہیں اس لڑکے کے کان کھینچنے چاہیے تھے سروت۔ تمہارے لاڈ پیار نے خرم کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ اس بچی کو جو سزا وہ دے رہا ہے وہ اس کی حقدار ہے۔"

انہوں نے بہن کو بھی آڑے ہاتھوں لیا۔

"آپا مجھے لگا تھا وقتی طور پر اس عورت کی باتوں پر غصہ کر کے نکلا ہے وہاں سے مجھے کیا پتا تھا کہ وہ مزینہ کو چھوڑ کر یوں بغیر بتائے کہیں چلا جائے گا۔"

وہ خود متفکر تھیں۔

"آپ لوگ بھابھی کو بتا دیں کہ ان کی امی ہاسپٹل میں ہیں۔"

توقیر نے کہا۔

"ہمت نہیں پڑ رہی کیسے بتاؤں۔"

خالدہ بیگم کے کومہ میں جانے کی خبر نے ان سب کے رہی سہی ہمت بھی ختم کر دی تھی۔

وہ جو سکتے کے عالم میں روحی کی انگلی پکڑے کھڑی تھی ایک جھٹکے سے روحی کی انگلی چھوڑ کر سروت بیگم کے پاس آئی تھی۔

"کیا ہوئی ہے امی کو۔وہ ہاسپیٹل میں کیوں ہیں۔"

وہ پریشانی سے ان کا بازو ہلا کر پوچھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتا خوف صبیحہ بیگم سے بھی مخفی نہیں تھا جبکہ سروت بیگم کو سمجھ نہیں آرہا تھا کیسے اس نئی نویلی دلہن کو وہ بری خبر سنائیں۔

مزینہ ادھر آؤ میرے پاس۔"

صبیحہ بیگم نے اسے محبت سے اپنے ساتھ لگایا۔

"تمہیں پتا ہے اللہ سے کبھی نہ امید نہیں ہونا چاہیے۔ہمیشہ اچھے کی امید رکھنی چاہیے کہ ہم جو گمان کرتے ہیں وہی پاتے ہیں۔مایوسی تو یوں بھی کفر ہے۔"

مزینہ کو سمجھ نہیں آئی اس وقت ان سب باتوں کا یہاں بھلا کیا ذکر تھا وہ اسے کیا سمجھانا چاہ رہی تھیں۔ یک لخت ہی وہ ان سے الگ ہوئی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے کچھ غلط ہونے کا پتا دے رہی تھی۔

"مجھے امی کے پاس جانا ہے۔"

وہ نم آنکھوں سے توقیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"چلی جانا بیٹا خرم آجائے ایک دفعہ۔"

سروت بیگم کو اسے روکنے کا یہی ایک بہانہ سوجھا تھا۔

"مجھے ابھی امی کے پاس جانا ہے اگر آپ لوگ نہیں لے کر جائیں گے تو بتا دیں میں سفیر کو کہہ دیتی ہوں۔"

احساس کمتری اس قدر غالب تھا کہ اسے لگا تھا کوئی اس کا اپنا نہیں ہے۔ جس شخص کے حوالے سے وہ اس گھر میں تھی وہ بے نیاز ہو چکا تھا تو گھر والوں کا تو عالم ہی کیا ہو گا۔ ان گنت سوچیں اسے پاگل کر رہی تھیں۔

"امی کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ خرم کا انتظار فضول ہے۔اسے جب آنا ہو گا تب آ جائے گا۔ موصوف فون بھی بند کیے بیٹھے ہیں۔ توقیر آپ دل بھابھی کو بھی ساتھ لے جائیے۔"

شمائم خود خرم سے خفا تھی۔ مزینہ کا دل دکھانا اسے ہرگز پسند نہیں آیا تھا۔اوپر سے سروت بیگم کی حمایت پر وہ چڑ گئ تھی۔ دل افروز روحی کو سروت بیگم کے حوالے کرتی مزینہ کے ہمراہ ہاسپیٹل روانہ ہو چکی تھی۔

بے یقینی کی سی کیفیت میں وہ پلنگ پر بیٹھی فرش کو گھور رہی تھی۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ زندگی اس سے اتنا بھیانک مذاق بھی کر سکتی ہے۔ وہ بالکل ساکت بیٹھی تھی۔ کچھ دیر قبل اس پر ساتوں آسمان ٹوٹ کر گرے تھے۔اپنے شدید ترین نقصان پر اس کی آنکھ سے ایک آنسو تک نہ ٹپکا تھا۔

"کیا تماشہ لگا رکھا ہے۔ کوئی مر نہیں گیا جو چھاتی پیٹ پیٹ کر ماتم کیے جا رہی ہیں سب۔ گھر ہے میرا کوئی تفریح گاہ نہیں ہے۔ جلدی سے نو دو گیارہ ہو جاؤ چلو۔"

صحن میں دریاں بچھائے کچھ خواتین سپارے پڑھ رہی تھیں تو کچھ اپنا غم غلط کر رہی تھیں جو خالدہ بیگم کے زیادہ قریب تھیں۔

پارس نے اذیت سے آنکھیں میچ لیں۔دل افروز اسے سنبھالنے کے لیے اٹھنے ہی لگی تھی کہ شمائم نے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر ایسا کرنے سے روک دیا۔

وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی۔

"سمجھ نہیں آرہی۔بند کرو یہ رونا دھونا اور اپنے اپنے گھروں کو جاؤ۔"

اب کے بار کسی کو بھی اپنی جگہ سے ہلتے نہ دیکھ کر وہ ایک عورت کو بازو سے پکڑ کر اٹھانے لگی۔

دل افروز نے اسے پیچھے کیا۔

"مزینہ ہوش میں آؤ۔خالدہ آنٹی ہم سب کو چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔"

وہ آبدیدہ ہو گئیں۔

"کیا فضول باتیں کر رہی ہیں۔ہوش میں تو ہیں۔

خرم کی وجہ سے لحاظ کر رہی ہوں ورنہ اس طرح اپنی ماں کے بارے میں اول فول بکنے والے کو میں ہرگز نہیں بخشتی۔"

اس کے لفظوں پر تو نہیں پر اس کی بے یقینی پر دل افروز کا دل گویا کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

"وہ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔ میرے تو ابا بھی نہیں ہے اب اماں بھی چل بسیں تو میرا کیا ہو گا۔"

وہ جھر جھری لے کر بولتی وہاں بیٹھی تمام خواتین کا دل چیر گئی تھی۔ وہ محلے کی ہی خواتین تھیں۔ عرصہ دراز سے ان کا اس گھر میں آنا جانا تھا۔ مزینہ تو ان کے سامنے پل کر جوان ہوئی تھی۔

"یہیں کہیں گئی ہوں گی پڑوس میں۔ سلائی کے پیسے لینے گئی ہوں گی شکورن سے۔"

وہ لاپرواہی سے بولی تھی۔

"مزینہ یقین کرو خالہ ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔"

اس کی ایک کزن نے روتے ہوئے اسے کہا تو وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی پیچھے ہٹتی دیوار سے جا لگی۔

"نہیں جاسکتیں وہ۔ میں کہہ رہی ہوں نا نہیں جاسکتیں۔ جھوٹ بولتی ہو تم۔ میں شکورن کے گھر دیکھ کر آتی ہوں۔ دیکھنا وہیں ہوں گی وہ۔"

لڑکھڑاتے لفظوں سے کہتی وہ دروازے کی اور بڑھی تھی۔

بھابھی دس منٹ میں ریڈی ہو جائیں ہمیں مزینہ کی طرف جانا ہے۔

وہ عجلت بھرے انداز میں سنجیدگی بولا۔

"سب ٹھیک ہے نا؟"

ساجدہ بیگم نے اس کی عجلت بھانپتے پوچھا تھا۔ نہ معلوم کیوں ان کے دل کو دھڑکا سا لگا ہوا تھا صبح سے۔

" کبھی کبھی کچھ ٹھیک نہیں بھی ہوتا آنٹی۔ خالدہ آنٹی کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔ خرم کی پوری فیملی مزینہ کی طرف ہے۔ سفیر کا فون آیا تھا بتا رہا تھا کہ آدھے گھنٹے تک ڈیتھ باڈی پہنچ جائے گی۔"

اس نے تھکن زدہ سی سانس ہوا کے سپرد کی۔

"حماس کو تو وہاں لے کر نہیں جاسکتی۔ یہ پریشان ہو جائے گا۔ میں یہیں رک جاتی ہوں پھر چلی جاؤں گی۔"

روشنی نے آنکھوں کے نم گوشے صاف کیے اور حماس جو توجہ سے سب سن رہا تھا اس کی ہوم ورک ڈائیری بیگ میں رکھ کر اسے اوپر لے گئیں۔

"آپ لوگ چل کر گاڑی میں بیٹھیں میں زائشہ کو لے کر آتا ہوں۔"

وہ گہری سانس خارج کرتا ہوا اوپر کی جانب بڑھنے لگا۔

"بھائی میں آنٹی کو لے کر نکلتا ہوں آپ بھابھی کو ہاسپٹل لے جائیں۔ واپسی پر وہیں آجایئے گا۔"

نوریز نے سنجیدگی سے کہتے کار کی چابی جیب سے نکالتے کہا تو جواب میں اس نے اثبات میں سر ہلا کر قدم کمرے کی طرف بڑھا دیے۔

"السلام علیکم"!

اردشیر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے دیکھا جو بے پرواہی سے دوپٹہ کندھے پہ لٹکائے کام میں بزی تھی۔

"وعلیکم السلام"!

اس کی بے وقت آمد پر زائشہ نے ہڑبڑا کر جلدی سے سلامتی بھیج کر دوپٹہ شانوں پر درست کیا۔

"کیسی ہیں آپ؟"

زائشہ کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

زائشہ نے پانی کا گلاس اسے تھمایا۔اردشیر اگر غور کرتا تو لازمی اس سے چھیڑ چھاڑ کرتا مگر اس کا دھیان مزینہ کی طرف تھا۔

"آپ پریشان لگ رہے ہیں؟"

اس نے احتیاط سے پوچھا گو کہ وہ غصہ نہیں کرتا تھا بہت دھیمے اور ٹھنڈے مزاج کا شخص تھا مگر زائشہ جھجھک جاتی تھی۔

"ادھر بیٹھیں میرے پاس۔"

اردشیر نے محبت سے کہتے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھالیا۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی جو ناقابل فہم تھے۔

"کچھ بتانا ہے آپ کو۔ وعدہ کریں روئیں گی نہیں۔"

اردشیر نے محبت سے اپنے ہاتھ میں دبے اس کے شفاف ہاتھ پر بوسہ دیا تھا۔

کوئی اور وقت ہوتا تو زائشہ اس کی اس پیش قدمی پر لرز کر رہ جاتی مگر اس وقت وہ اردشیر کے لفظوں کو سمجھنے کی کوشش میں تھی۔

"سب ٹھیک ہے ناں۔ امی کو کچھ ہوا تو نہیں۔ میں دیکھ کر آتی ہوں۔"

وہ حواس باختہ سی ہاتھ چھوڑ کر اس کے پاس سے اٹھی تھی مگر اردشیر نے دوبارہ اسے وہیں بٹھادیا۔

"ٹھیک ہیں وہ۔ میں نیچے سے ہی آرہا ہوں۔"

اس کے خوف سے زرد پڑتے چہرے کو سہلاتے وہ کہنے لگا۔

"بس۔ سفیر کو فون کریں۔ وہ ٹھیک ہے ناں۔ مجھے ہول اٹھ رہیں اردشیر آپ کچھ بتا کیوں نہیں رہے ہیں۔ بتائیں ناں ورنہ میں حقیقتا رو دوں گی۔"

وہ روہانسی ہو کر اسے بے چین کر گئی۔

"خالدہ آنٹی کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔"

اردشیر نے دھیمے لہجے میں کہا۔ وہ نفی میں سر ہلاتی رو پڑی تھی۔

"اردشیر وہ ایسے کیسے۔ ابھی تو مزینہ کی شادی ہوئی تھی۔ مطلب کیا انہیں اسی بات کا انتظار تھا۔ یا اللہ۔"

اردشیر نے اس کے گرد بازو حمائل کر کے اسے خود سے لگا لیا۔ وہ اپنی ہاتھوں کی انگلیوں سے اس کے بال سہلاتا اس کے سر پر لب رکھ گیا۔

" چلیں اب بس کریں۔ ان خوبصورت آنکھوں پر مزید ظلم مت ڈھائیں۔"

اسے خود سے الگ کرتے اردشیر نے انگوٹھے سے آنسو صاف کیے مگر مزینہ کی تکلیف کا سوچ کر یونہی آنسو بہتے جا رہے تھے۔

"آپ تو بہادر ہیں زائشہ۔ مجھے کم سے کم آپ سے تو اس بات کی توقع نہیں تھی۔ آپ خود روتی رہیں گی تو مزینہ کو کون سنبھالے گا۔"

زائشہ نے نم آنکھوں سے اردشیر کو دیکھا اور اپنے آنسو پونچھے۔

"دیٹس لائک اے گڈ گرل۔"

اس کا گال تھپتھپاتا وہ کار کی چابی لے کر وہاں سے اٹھا تھا۔ زائشہ کو کلینک لے جانے کے بعد واپسی پر وہ لوگ وہیں آگ ئے تھے۔

ادھر آکر وہ سچ میں گھبرا گئ تھی۔ شمائم اور دل افروز سے سلام کرنے کے بعد وہ صبیحہ بیگم اور سروت بیگم سے ملی تھی پھر شمائم کے ساتھ اندر کمرے کی طرف بڑھ گئ۔

'زائشہ کتنی دیر لگا دی آنے میں۔ دیکھو ناں سب کہہ رہے ہیں کہ امی مجھے چھوڑ کر چلی گئیں۔ تم بتاؤ ناں انہیں وہ محلے میں ہی کہیں ہیں۔ عادت ہے ان کی پورا پورا دن گھر سے غائب رہنے کی۔ اپنی ہم عمر عورتوں میں بیٹھ کر باتیں بنانا ان کا پرانا مشغلہ ہے۔"

زائشہ کو دیکھ کر وہ تیزی سے پلنگ سے اٹھ کر اس کے پاس آئی تھی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر شکایتی انداز میں کہتی وہ آخر میں خود کلامی کے سے انداز میں بولی تھی۔

"بس کر دو مزینہ۔ ہم سب پاگل نہیں ہے جو سوگ منا رہے ہیں۔ خالدہ آنٹی کو اللہ نے بلا لیا ہے۔ وہ اب ہم سب کے بیچ نہیں رہیں اور اس بات کو تم جتنی جلدی تسلیم کر وا تنا بہتر ہے کہ دنیا میں ہر انسان چرند پرند جن وانس سب کو ایک نہ ایک دن اس دار فانی سے کوچ

کر جانا ہے۔ کسی کو آج تو کسی کو کل۔ موت برحق ہے میری جان۔ اس اٹل حقیقت کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔"

زائشہ نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ مزینہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا جو آج اسے سفاک لگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے اس طرح کے تاثرات دیکھ کر تکلیف زائشہ کو بھی بہت ہوئی تھی۔

باہر یک دم شور اٹھا تھا۔ ڈیتھ باڈی آ گئی تھی۔ عورتوں کی آہ وپکار نے عجیب وحشت سی اس کے دل ودماغ میں بھر دی تھی۔ زائشہ کو تھام کر وہ شدت سے رو دی تھی۔ زائشہ کا اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔

"خرم کا فون لگا؟"

عصمت صاحب نے توقیر سے مدھم آواز میں پوچھا۔ اس کی غیر موجودگی میں لوگوں کو یوں بھی ادھر باتیں بنانے کا موقع مل گیا تھا۔ انہیں خرم کی وجہ سے جی بھر کر شرمندگی اٹھانی پڑ رہی تھی۔ انہیں کبھی اتنا غصہ نہیں آیا تھا اس پر جتنا آج آ رہا تھا۔ کل سے گھر سے وہ غائب تھا اور اب تک اس کا اتا پتا نہیں تھا۔ نہ ہی وہ فون اٹھا رہا تھا۔

"نہیں خالوں جان۔ٹرائی کر رہا ہوں مگر نمبر بند جا رہا۔"

توقیر نے چند منٹ پہلے والا وہی جملہ دہرایا تھا۔

"پتا نہیں لڑکا چاہ کیا رہا ہے اس کی کوئی ایک کل جو سیدھی ہو۔"

عصمت صاحب ابھی آنے والوں سے علیک سلیک کر کے توقیر کی طرف ہی آئے تھے۔جو مسلسل فون ملانے کی کوشش میں تھا۔

اردشیر نے عصمت صاحب کو پریشان دیکھا تو ان کے نزدیک چلا آیا۔

"از ایوری تھنگ اوکے۔"

اس کے پوچھنے پر توقیر نے اسے ساری بات گوش گزار دی۔

اردشیر کو شدید ترین جھٹکا لگا تھا۔اس کی غیر موجودگی سے وہ یہی سمجھا تھا کہ شاید کلینک پر کوئی ایمرجنسی آ گئی ہو گی مگر۔۔۔۔۔!

"کہاں جا سکتا ہے خرم۔"

اس نے ذہن پر زور ڈالا اور دفعتاً اس کے دماغ میں کچھ کلک ہوا۔وہ توقیر اور عصمت صاحب کو تھوڑی دیر میں آنے کا کہہ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

رف سے حلیے میں وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ضبط کے کڑے مراحل طے کر رہا تھے۔ دونوں پاؤں شیشے کی میز پر قینچی کی صورت میں دھرے تھے۔ دونوں ہاتھوں کی انگیاں باہم ایک دوسرے میں پیوست تھیں۔ اس کی بیرونی حالت اس کے اندرونی حالت کا غماز کر رہی تھی۔

وہ کل رات سے اب تک سخت ذہنی اذیت کا شکار تھا۔ بھوکے پیاسے نہ معلوم وہ کون سا بن باس کاٹ رہا تھا۔ وہ خود سے اس قدر بے خبر تھا کہ یہ بھی نہ اخذ کر پا رہا تھا کہ یہ اذیت وہ وہ خود کو مزینہ کے ساتھ کج ادائی کرنے پر دے رہا تھا یا اس کی بیوفائی پر۔ یہ دوہری اذیت کسی طور بھی روحانی صدمے سے کم نہ تھی۔ اس کی روح پور پور زخمی ہوئی تھی حد تو یہ تھی کہ وہ بیوفائی کر کے ہی منکر تھی۔ مزینہ کی منفاقت پر اس کا دل کرچی کرچی ہوا تھا۔ کیا تھا گر وہ سب سچ بتا دیتی اور اس سے اپنے کیے کی معافی مانگ لیتی۔ وہ اتنا کٹھور بھی نہ تھا کہ اسے معاف نہ کرتا۔

پر وہ تو اتنی ظالم تھی کہ خرم کو تکلیف دیتے ہوئے اس نے زرا بھی نہیں سوچا تھا۔

بند آنکھوں کے پیچھے اس کا روتا سسکتا وجود اور زخمی ہاتھ چھم سے آیا تھا۔ خرم ضبط کی انتہاؤں پر تھا۔ اس لڑکی کو وہ خواب میں بھی تکلیف دینے کا نہیں سوچ سکتا تھا پر جو ٹھیس اس کے دل کو اس کی ذات سے پہنچی تھی وہ ناقابل برداشت تھی۔ اسے ہمیشہ سے خالص اور کھری چیز پسند تھی بغیر کسی ملاوٹ کے اور یہاں تو بات اس کی محبت کی تھی جو جیتی جاگتی حقیقت بن کر اس کی زندگی میں بیوی کی حیثیت سے پرویش کر چکی تھی۔

"تم نے میرے دل سے کھیل کر اچھا نہیں کیا۔ وہ دل جس میں تم کبھی بسا کرتی تھیں۔ تم نے اپنے ہاتھوں اپنی بستی اجاڑ دی۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا مزینہ کبھی نہیں۔ خرم کا دل تھا۔ کوئی کھلونا نہیں۔ اس دل سے کھلواڑ کرنے کی سزا تمہیں ضرور ملے گی۔ تم ساری زندگی میری پابند رہو گی۔ ساری زندگی ایک ان چاہے رشتے کی زنجیر تمہیں جکڑے رکھے گی۔ محبت کرنے کی سزا اگر مجھے ملی ہے تو گناہ گار تم بھی ہو۔"

کھڑکی کے کھلے کیواڑوں سے جھانکتی ہوا سے پردے اڑے جا رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوائوں نے زور شور سے کھڑکی کے دونوں پٹوں پر دستک دی تو ٹکرانے کی خوفناک آواز کمرے میں گونج اٹھی۔

ان آوازوں سے بے نیاز وہ کان لپیٹے پڑا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو اگلے ہی پل خرم کے ماتھے پر بے شمار بل نمودار ہوئے۔

ملازمہ کے پوچھنے پر وہ کھانے کا سختی سے منع کر چکا تھا۔ ملازمہ کی اس گستاخی پر اب وہ اسے ہر گز بخشنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

قبل اس سے کہ وہ کرسی سے اٹھتا کسی نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر کمرے کی تاریکی کو اجالے میں بدل دیا۔

آنکھیں وا کر کے ترچھی گردن کیے خرم نے دیکھا۔ اردشیر کو دیکھ کر وہ سیدھا ہو بیٹھا مگر اطمینان ہنوز برقرار تھا کہ جانتا تھا جلد یا بدیر اسے آنا ہی تھا۔ خرم شادی کی رات سے اسی کے فارم ہاؤس پر ہی تھا۔ اکثر نوریز اردشیر اور وہ یہاں چکر لگالیا کرتے تھے۔ ویکینڈ پر گیٹ ٹوگیدر فارم ہاؤس پر ہی رکھا جاتا تھا۔

"کیا حالت بنا رکھی تو نے اور کیا ہے یہ سب۔ مجھے اگر پتا ہوتا تو میں تجھے یہ بیوقوفی کبھی نہیں کرنے دیتا۔"

اردشیر اس کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

"آگاہی کبھی کبھی بڑی جان لیوا ہوتی ہے۔"

وہ زخمی لہجے میں گویا ہوا۔

"یہ تو ہی ہے ناں۔مجھے یقین نہیں آرہا۔کون سی آگاہی اور کیسی آگاہی۔سنی سنائی باتوں پر کان دھرنا کب سے شروع کر دیا تو نے۔"

اردشیر نے اسے لتاڑا تھا۔

"کچھ باتیں سننے کے بات تصدیق کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔لوگوں کے چہرے اور ان کی آنکھیں سچائی پر مہر ثبت کر دیتی ہیں۔"

وہ تلخی سے پھٹ پڑا۔

"تیری باتوں پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔محبت کو کچے گھڑے کی مانند نہیں ہونا چاہیے کہ زندگی کے سمندر میں مشکلوں کے زرا سے طلاتم برپا ہونے پر وہ ٹوٹ جائے۔نہ ہی پانی کے بلبلے کی طرح کہ سطح پر آتے ہی وجود کھو دے۔

اعتبار میاں بیوی کے بیچ کی پہلی سیڑھی ہوتا ہے۔جس پر قدم رکھ کر یہ رشتہ پروان چڑھتا ہے چونکہ یہ دنیا کا واحد رشتہ ہے جس میں دو اجنبی ایک دوسرے سے منسلک ہوتے

ہیں۔ان کے بیچ صرف اعتبار ہی ہوتا ہے جو اس رشتے کے بیچ حائل خلیج کو پر کرتا ہے۔ بھروسے کے علاوہ دوسرا کوئی آپشن ہی نہیں بچتا۔"

وہ رسان سے بولا۔

"اعتبار ہی تو کیا تھا۔ کیا نتیجہ نکلا دیکھ لیا۔"

وہ طنزیہ کہتا اٹھ کر الماری میں جا گھسا تھا۔نہ معلوم وہ کیا تلاش کر رہا تھا۔اس کے لہجے میں غصے کی آمیزش تھی۔

"بندے کو اپنے غصے پر قابو پانا آنا چاہیے کہ اس حالت میں انسان وہ سب کر بیٹھتا جو ہوش وحواس میں کبھی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا ہو۔ہماری باتوں سے ہمارے عمل سے سامنے والے پر کیا گزرتی ہے آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔"

اردشیر نے لب بھینچے۔

"تیری کسی بھی بات کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہونے والا۔سو یا تو اس ٹاپک کو کلوز کردے یا پھر مجھے اکیلا چھوڑ دے۔"

شرٹ کے بٹن بند کرتا ہوا وہ مڑا تھا اور سنجیدگی سے کہہ کر ڈریسنگ ٹیبل سے ہیئر برش اٹھا کر بال سنوارنے لگا تھا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے تیرے ساتھ بیٹھ کر شب تنہائی کاٹنے کا۔مزینہ کا خیال نہ ہوتا تو۔۔۔۔"!

وہ بات ادھوری چھوڑ کر ایک بار پھر لب بھینچ گیا۔

"خالدہ آنٹی کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔مزینہ کی زرا سی بھی فکر اور گھر والوں کا تھوڑا سا بھی خیال ہو تو آجانا۔"

اردشیر اسے اپنے خول میں بند دیکھ کر سنجیدگی سے کہا کہ اس سنجیدگی میں بھی خفگی نمایاں تھی۔وہ ششدر رہ گیا تھا۔ایک جھٹکے سے مڑ کر اس نے جاتے ہوئے اردشیر کا بازو تھام کر نہ صرف روکا تھا بلکہ اس سے استفسار بھی کر گیا تھا۔

"کب اور کیسے۔کل تک تو وہ ٹھیک ٹھاک تھیں۔"

خرم کا غصہ اس کی ناراضگی سب اڑن چھو ہوئی تھی۔

"ہاں کل تک تو نے ان کی یتیم بیٹی کے ساتھ جارحانہ سلوک بھی تو نہیں کیا تھا ناں۔"

اردشیر کا لہجہ طنز میں ڈوبا ہوا تھا۔ خرم ندامت سے سر جھکا گیا۔اس کے بازوؤں پر اس کی گرفت یک دم ہلکی ہوئی۔

"مزینہ کیسی ہے؟"

خرم کی آنکھوں میں ہلکورے لیتی فکر پر اردشیر نے سر جھٹکا۔

"ویسی ہی ہے جیسی ایک ماں کے مرنے پر بیٹی کو ہونا چاہیے۔بے یارو مددگار۔تنہا لاوارث۔"

مزینہ کے لیے بولے گ ئے ان لفظوں پر وہ تڑپ ہی تو گیا تھا۔اس کے دونوں بازو اس کے پہلو میں آ گرے۔

وہ خاموشی سے اردشیر کے ساتھ مزینہ کے گھر چلا آیا تھا۔

عصمت صاحب اور توقیر سے مل کر وہ وہاں موجود لوگوں کے پاس کچھ دیر ٹھہر کر گھر کے اندر کی طرف بڑھا تھا۔

"میں باہر نہیں جاؤں گی۔ بلکل بھی نہیں جاؤں گی۔"

خوف زدہ سی مزینہ نے زائشہ کے دونوں ہاتھ جھٹک دیے تھے۔ شمائم تو خود آبدیدہ ہو گئ تھی۔ دل افروز نے پیار سے اسے بہلایا تھا کہ ماں کا چہرہ دیکھ لے کہ پھر کہاں دیکھنا نصیب ہونا تھا مگر وہ ماں کے ٹھنڈے اور ساکت وجود پر ایک نظر ڈالنے سے بھی انکاری تھی۔

"مزینہ چچی کو دیکھ لے۔ تدفین کے لیے لے کر جائیں گے پھر۔"

اندر آتے بلال کی آواز پر سب متوجہ ہوئے تھے۔ زائشہ نے آنچل سنبھالا تھا۔ مزینہ نے نفی میں گردن ہلائی۔ بلال نے ضبط سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اسے اپنے حصار میں لیا اور اسے باہر لے آیا تھا۔ کفن میں لپٹے ماں کے وجود کو دیکھ کر مزینہ اس کے ہاتھوں سے پھسلتی چلی گی کہ اس کی حالت نے سب کو سسکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ماں کے چہرے کو چھوتے وہ پاگل نہ معلوم کیا کیا کہہ رہی تھی۔

سفیر توقیر اور نوریز چند لوگوں کے ساتھ میت کو تدفین کے لیے اٹھا کر لے گ ئے تھے۔ بلال نے اسے تھام کر پیچھے کیا۔ بس یہی وہ قیامت خیز لمحہ تھا جو خرم کی آنکھوں نے قید کیا تھا۔ مزینہ کو بلال کے بازوؤں میں مچلتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیر گ ئے تھے۔ مٹھیاں بھینچ گئیں۔ غصے سے اس کی رگ ابھر آئی۔

خرم نے ایک قہر برساتی نظر بلال پر ڈالی تھی اور نزدیک آکر مزینہ کو نہ معلوم کس احساس کے تحت اپنے حصار میں لیا تھا۔ وہ اگر ہوش میں ہوتی کہ انکار شتہ کس نہج پر ہے تو خرم کے اس قدم کی حوصلہ افزائی کبھی نہ کرتی۔

بلال شرمندگی سے سر جھکاتا ایک طرف سے ہو کر باہر نکلتا چلا گیا۔

سب گھر والوں نے خرم کے آنے پر سکھ کا سانس لیا تھا۔

روتی بلکتی ماں کے لیے مچلتی مزینہ کو خرم نے اپنے ساتھ لگا کر ڈھیروں تسلیاں دی تھیں۔ وقت کا تقاضا تھا یا واقعی اس کا دل اس کے لیے نرم پڑ گیا تھا۔ فالحال واضح نہ تھا پر جو بھی تھا اچھا ہی تھا کہ خرم کی آمد سے سب کے منہ بند ہو گئے تھے۔

سوئم تک وہ اپنے اسی گھر میں رکی تھی۔ خرم بھی اس کی طبیعت خرابی کے باعث اس کے ساتھ ہی رک گیا تھا۔ زائشہ بھی امی کے پاس رک گئی تھی۔

دن یونہی سست روی سے گزر رہے تھے۔ ساجدہ بیگم مزینہ کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ ان کی محبتوں کا ہی تو نتیجہ تھا کہ وہ چند ہی دنوں میں زندگی کی طرف لوٹ آئی کہ وہ سب اسے

بے حد چاہتے تھے۔ بھلا وہ کیوں مرنے والے کے لیے زندگی سے منہ موڑ کر زندہ لوگوں کی بے لوث محبتوں کو ٹھکراتی۔

شام کے وقت آنگن میں سرسراتی ہوائیں چل رہی تھیں۔ وہ پلنگ پر بیٹھی تھی۔

پارس مغرب پڑھ کر دوپٹہ کھولتی باہر ہی آ گئی۔ ہوائیں سردی کی آمد کا پتہ دے رہی تھیں۔

" خرم بھائی یاد آ رہے ہیں؟ آئے بھی تو نہیں ہے ناں دو دن سے۔ "

وہ شرارت آمیز لہجے میں گویا ہوئی اور اس کے ساتھ ہی پلنگ پر بیٹھ گئی۔ مزینہ نے سٹپٹا کر نظریں دروازے سے ہٹائیں۔ یہ ایک بے اختیاری عمل تھا۔ پارس کی شرارت وہ باخوبی سمجھ گئی تھی۔

"جی نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ اتنا فالتو وقت نہیں میرے پاس۔ "

وہ تلخ لہجے میں بولی۔

"ہاں وہ تو دکھ ہی رہا ہے۔ چھیتی موڑی وے طبیبہ نئیں تے میں مر گیاں۔۔۔۔" !

مزینہ کو چھیڑنے میں اسے لطف آرہا تھا۔ معا دروازے پر دستک ہوئی تو سحاب نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ بھائی کو دیکھ کر وہ نم آنکھوں سے مسکرادی۔ اردشیر اس پر نظر ڈالے بغیر پاس سے گزر گیا۔ سحاب نے لب کچلے۔ نہ معلوم یہ سزا کب ختم ہونی تھی۔

"السلام علیکم"

اردشیر اور خرم نے اندر آتے ہی مشترکہ سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام! آیئے خرم بھائی! آیئے آپ ہی کا انتظار ہو رہا تھا۔"

پارس کی معنی خیزی سے کہنے پر مزینہ نے دانت کچکچائے۔

"کون یاد کر رہا تھا۔"

اردشیر نے جان بوجھ کر استفسار کیا۔

"مزینہ کب سے انتظار کر رہی ہے۔ اتنے دیر لگادی مہرباں آتے آتے۔"

وہ شوخ ہوئی۔

"فضول نہ بولا کرو۔ ضائع ہو جاؤ گی کسی دن میرے ہاتھوں۔"

مزینہ نے اسے گھورا۔

"ہمارے ایسے نصیب کہاکہ کوئی ہمیں یاد کرے۔"

خرم نے مسکراہٹ دبائی۔مزینہ کو یہ مصنوعی مسکراہٹ زہر لگی تھی۔اس کی باتوں میں چھپا طنز وہ کیسے ناں سمجھ پاتی۔ساجدہ بیگم ان دونوں کی آواز سن کر باہر آگئیں۔دونوں کو پیار کرتے انہوں نے ایک مسکراتی نظر مزینہ پر ڈالی تھی۔

"پارس اندر چل کر بیٹھو۔بچے تھکے ہوئے آئے ہیں سفر سے اور تم بجائے انہیں بٹھانے کے مخول کر رہی ہو۔حد ہوتی ہے۔نہ معلوم کب عقل آئے گی اسے۔"

پارس کو تاسف سے کہتی وہ بول کم لتاڑ زیادہ رہی تھیں۔وہ بچاری اردشیر اور خرم کے سامنے ستھری ہونے پر خفت زدہ سی ہو گئ۔

"آنٹی ایسا کون سا ہم ہل چل کر آئے ہیں۔آپ ایزی ہو جائیں ہم ٹھیک ہیں اور پارس کو نہ ڈانٹا کریں۔اسی کے دم سے تو گھر میں رونق رہتی ہے۔"

"لو بھئ ہم باز رہے ایسی رونق سے۔"

"السلام علیکم"!

زائشہ نے باہر آکر سلام کیا۔اردشیر کی بھٹکتی بیقرار نظروں کو گویا سکون ملا تھا۔

"واعلیکم السلام۔"

اردشیر نے سر کے اشارے سے جواب دیا تھا۔زائشہ نے نظریں پھیر لیں۔شاید وہ خفا تھی۔اس کا خفا ہونا بنتا بھی تھا۔پورے پندرہ دن بعد وہ اردشیر کو دیکھ رہی تھی۔پہلے پہل تو آفس کے کام کی وجہ سے نہ آسکا تھا یوں بھی اسے یوں ہر روز سسرال جانا اچھا نہیں لگتا تھا۔ہاں وہ دن میں سے وقت ملتے ہی زائشہ کو فون ضرور کرتا تھا جس پر صرف وہ سلام دعا کر کے ہی رخصت ہو جاتی تھی۔بعد میں وہ ایک مٹنگ کے سلسلے میں اسلام آباد چلا گیا۔جانے سے پہلے وہ اسے بتانا چاہتا تھا مگر وہ فون ہی نہیں رسیو کرتی تھی۔وہ آج صبح ہی تو آیا تھا اور آفس سے فارغ ہو خرم کے ہمراہ سسرال چلا آیا تھا کہ خرم کا اسے پتا چلا تھا کہ فالحال مزینہ کو گھر لانے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔خدا جانے وہ کیا چاہتا تھا یا کیا سوچ بیٹھا تھا۔اس کا دماغ درست کر کے وہ اسے اپنے ساتھ ہی لے آیا تھا اور یہی اسے کو مناسب لگا تھا۔

"پارس چل کر کھانا لگاؤ سفیر بھی آنے والا ہو گا۔"

ساجدہ بیگم نے سختی سے اپنی جگہ جمی پارس کو کہا۔

"اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ گھر پر سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ صبح خالہ کی فلائٹ ہے اور توقیر بھی ساتھ ہی جا رہا ہے۔ اسی لیے میں مزینہ کو لینے آیا ہوں۔ وہ ان سے ملے بغیر جانے ارادہ نہیں رکھتیں۔"

خرم نے تفصیل بتا کر انہیں آگاہ کیا تو سمجھتے سر ہلا گئیں۔

"جاؤ مزینہ تیار ہو جاؤ۔"

ساجدہ بیگم کی آواز پر وہ گہری سانس خارج کرتی وہاں سی اٹھی تھی۔ اس کی کیا تیاری تھی۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر بال سنوار کر چادر لیتی وہ باہر نکلی آئی۔

"آپ نے نہیں چلنا؟"

زائشہ نے ساجدہ بیگم کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلا گئیں۔

ان کے نکلنے سے پہلے ہی سفیر گھر آ چکا تھا۔ جاتے جاتے ان کی سفیر سے بھی ملاقات ہو گئی تھی۔

"میرے خیال سے آپ کو اپنے رویے میں کچھ نرمی لانی چاہیے۔"

سحاب کو نم آنکھیں رگڑتے دیکھ کر اس نے اردشیر سے کہا تو اس نے بھی سحاب کو دیکھا۔

"کبھی کبھی ہمارا نظر انداز کرنا اور ہماری لاتعلقی وہ کام کروا دیتی ہے جو بڑے بڑے نہیں کروا سکتے۔"

وہ سنجیدگی سے بول کر گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

زائشہ اور مزینہ پیچھے بیٹھی تھیں۔

خرم فرنٹ سیٹ پر اس کے ساتھ تھا۔انہیں ڈراپ کر کے اردشیر نے گاڑی اپنے گھر کی جانب موڑلی۔

"کیا ہوا؟آپ نے گاڑی کیوں روک دی؟"

اس کی حیرت بجا تھی۔اردشیر نے بیچ رستے پر گاڑی روکی تھی۔

"میرے پہلو میں آکر بیٹھیں۔"

اردشیر نے پیچھے مڑ کر چادر میں لپٹی زائشہ کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے گھمبیر لہجے میں حکم دیا۔۔وہ اسے پورے پندرہ دن بعد دیکھ رہا تھا۔بے قرار دل کو جیسے قرار آیا تھا۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔"

اس کا گھمبیر مردانہ لہجہ زائشہ کی دھڑکنیں بے ترتیب کر گیا تھا۔

"میرے صبر کا امتحان لے رہی ہیں آپ۔ فرنٹ سیٹ پر آئیں۔ یہ نام ونہاد احتجاج آپ کو مجھ سے دور تو نہیں کر سکتا البتہ آپ کے یہ دلکش انداز مجھے مزید آپ کی طرف مائل کر رہے ہیں۔ کیا چاہتی ہیں آپ کہ میں جگہ اور وقت کا لحاظ کیے بغیر ضبط کھو بیٹھوں۔"

اردشیر نے بیک ویو مرر میں خمار آلود نظروں سے زائشہ کو دیکھا۔ اس کا بوجھل بوجھل سا لہجہ زائشہ کا اعتماد زائل کر رہا تھا۔ اس کی ہتھیلیاں پسیج گئی تھیں۔ کان کی لوئیں سرخ پڑ گئی تھیں۔

"آپ بھی اس طرح مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔ جیسے آپ اپنی مرضی کر سکتے ہیں۔ میں بھی اپنی مرضی کر سکتی ہوں۔ آپ مجھے مجبور نہیں کر سکتے کہ میں نے بھی آپ کو مجبور نہیں کیا تھا۔ آپ اپنی مرضی سے پندرہ دن بعد مجھے لینے آئے ہیں۔"

خفگی کی پرت میں لپٹے زائشہ کے شکوے پر اردشیر کے چہرے پر مسکراہٹ نے احاطہ کیا تھا۔

اس نے گاڑی سے نکل کر زائشہ کی سائیڈ کا ڈور اوپن کر کے اس کے آگے ہاتھ پھیلایا جسے نظر انداز کر کے وہ خود ہی باہر آ گئی۔

"تو آپ مجھے مس کر رہی تھیں؟"

اردشیر اس گلابی عارض پر اپنی شہادت کی انگلی پھیری تو زائشہ کپکپا کر رہ گئی۔

"میں نے ایسا کب کہا۔"

وہ نظریں چراتی حیا سے بوجھل ہوتی پلکیں جھکا گئی۔ دل میں کہیں چوری پکڑی جانے پر خفت بھی ہوئی تھی پر وہ کمال مہارت سے تاثرات چھپا گئی تھی۔

"اور میں بھلا آپ کو کیوں یاد کروں گی؟"

ادھر وہی ازلی لاپرواہی تھی۔ زائشہ کی شان بے نیازی پر اردشیر لمحے بھر میں سنجیدہ ہوا تھا۔ وہ وہ اس سے اتنے دن بعد لوٹ آنے پر اس کے اندر نمایاں تبدیلی کی توقع کر رہا تھا مگر زائشہ سے توقع عبث تھی۔

"اگر میں ساری زندگی کے لیے چلا جاؤں اور کبھی واپس نہ آؤں تو بھی یاد نہیں کریں گی۔ کیا اتنی ارزاں ہے میری ذات آپ کے لیے۔ کیا میری محبت کی اتنی سی حرارت بھی آپ کو دل کو گرما نہ سکی۔

"

"آپ کچھ دن اور نہیں رک سکتے۔ ہم ساتھ ہی چلیں گے۔ یہاں کے حالات سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ اتنی جلدی میری واپسی ممکن نہیں ہے۔"

توقیر کو اپنی پیکنگ کرتے دیکھ کر شمائم۔ افسردگی سے گویا ہوئی تھی۔

"میری جان اگر میرے بس میں ہو تو میں واپس ہی نہ جاؤں مگر چونکہ میرے کام کا مسئلہ ہے تو جانا پڑے گا۔"

بیگ میں اپنے کپڑے رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ شمائم سے بات بھی کر رہا تھا۔

"دو چار دن اور رک جائیں ناں۔"

وہ لجاجت سے بولی۔

"پندرہ دنوں میں کچھ ٹھیک نہیں ہوا شمائم دو چار دنوں میں کیسے سب ٹھیک ہو سکتا ہے۔ تمہارا بھائی اکڑی ہوئی گائے ہے۔ جو ہو گیا اسے بدلا نہیں جا سکتا مگر آگے جو ہو گا اسے بہتر بنانا اس کے ہاتھ میں ہے گر وہ چاہے۔ زندگی کو کھیل سمجھ رکھا ہے اس نے۔ وہ شاید بھول گیا ہے کہ دوسرا فریق کھلونہ ہر گز نہیں ہے۔"

آخری سوٹ بیگ میں رکھ کر زپ بند کر کے پیچھے مڑ کر توقیر نے الماری کے دونوں پٹ بند کیے۔

"جو بھی ہے اب اس طرح تو میں نہیں جا سکتی ناں۔ خرم کی وجہ سے امی بہت ٹینشن لینے لگی ہیں۔ مزینہ بھابھی آئی ہیں تو ان کی طبیعت میں کچھ سدھار آیا ہے اگر میں آپ کے ساتھ جاتی بھی ہوں تو مجھے پیچھے کی فکر لگی رہے گی۔"

شمائم پر گہرے دکھ کے بادلوں نے سایہ کر رکھا تھا۔

"میں نے ہر گز مجبور نہیں کیا چلنے کے لیے انفیکٹ میں خود چاہتا ہوں کہ تم یہاں رہو۔" توقیر اب اس کے پاس آکر بیٹھ گیا تھا۔

"ہاں مگر میں کیسے رہوں گی آپ کے بغیر۔"

شمائم کی نم لہجے میں ابھرے سوال پر توقیر کھل کر ہنسا تھا۔ ساتھ ہی اسے اپنے ساتھ لگا کر اس کے بال سہلانے لگا۔

"میرے بغیر رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں روز فون کروں گا ناں تمہیں۔ ویڈیو کال بھی کروں گا۔ پوری رات باتیں کریں گے ہم۔"

توقیر نے اس کے چہرے کو بوسہ دیتی لٹیں کان کے پیچھے اڑسی اور اس کے ماتھے پر اپنا مہکتا لمس چھوڑا تھا۔

"توقیر نیند میری اپنی ہے۔ کرائے کی نہیں۔ راتیں کالی کرنے کا مجھے کوئی شوق نہیں۔"

اس کا حصار توڑ کر وہ خفگی سے بولی تو شمائم کے راتیں کالی کہنے پر وہ مسکراہٹ دبا گیا تھا پھر اسے لیے نیچے کی طرف بڑھا۔

"اپنا خیال رکھنا۔ یوں چھوٹی چھوٹی باتوں کو سر پر سوار مت کر لینا۔ ماں ہو ان کی تم۔ یہ تمہارے باپ نہیں ہیں۔ ایک دفعہ بس حکم صادر کیا کرو۔ نا مانیں تو کان کھینچ لو۔"

صبیحہ بیگم نے سروت سے گلے ملتے اونچی آواز میں باقائدہ خرم کو سنانے کے لیے کہا تھا۔ اس در پردہ طنز پر وہ خجل سا ہوا تھا مگر پھر سر جھٹک گیا۔

"اچھا ہوتا اگر کچھ دن اور رک جاتیں۔"

صبیحہ بیگم نے مزینہ کو پیار کیا تو وہ مسکرا کر کہنے لگی کہ کل ہی تو وہ آئی تھی خالدہ بیگم کی ڈیتھ کی وجہ سے اپنے سسرالیوں کے ساتھ وقت گزارنے کا وقت ہی نہیں مل سکا تھا۔

"پھر کبھی سہی بلکہ اب تم نے آنا ہے میرے پاس۔"

وہ گال تھتھپا کر توقیر کے ہمراہ پورٹیکو میں کھڑی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئیں۔ وہ سب انہیں چھوڑنے جا رہے تھے۔

"زائشہ یقین کرو تم آئی ہو تو اس گھر میں بہار آئی ہے۔ اردشیر اسلام آباد گیا ہوا تھا۔ نوریز کو آفس سے فرصت نہیں تھی۔ صحیح معنوں میں آج یہ گھر گھر لگ رہا ہے۔"

ناشتے کی میز پہ اس وقت سب ہی موجود تھے۔ حسب توقع روشنی زائشہ کے آنے سے بہت خوش تھیں۔

"ہم نے آپ کو بہت مس کیا بھابھی۔"

نوریز کے مسکرا کر کہنے پر زائشہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"یہاں سب ہی ان کو مس کرتے ہیں۔ ان سے پوچھیں کیا یہ بھی آپ سب کو مس کرتی رہی ہیں۔"

نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے اردشیر نے مصنوعی طنز سے کہتے اپنا بریف کیس اٹھایا تھا۔

روشنی نے تعجب سے دونوں کو دیکھا۔زائشہ تو کندھے اچکا گئی تھی جبکہ نوریز مسکراہٹ دباتا حماس کو لیے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

"کیا تم دونوں کی لڑائی ہوئی ہے؟"

روشنی نے مشکوک نظروں سے زائشہ کو دیکھا۔

"میں بہت ٹھنڈے مزاج کی بندی ہوں۔لڑنا میرے بس کی بات نہیں۔"

اس نے میز سے برتن سمیٹنے شروع کیے۔

"میرا دیور بھی بڑے دھیمے مزاج کا بندہ ہے۔"

روشنی کے اس طرح کہنے پر وہ مسکرادی۔

کام سمیٹنے اور صفائی کے بعد وہ زائشہ کے ساتھ لاؤنج میں آبیٹھی تھیں۔

روشنی چھت سے کپڑے اتروا کر ملازمہ کی نگرانی میں تہہ بنا کر سب کے کمروں میں رکھوا آئی تھیں۔

"زائشہ اردشیر کے کپڑے میں نے بیڈ پر رکھ دیے ہیں تم ترتیب سے رکھ لینا۔"

انہوں نے اسے ہدایت دی۔

"کہیں جا رہی ہیں"

زائشہ نے اس کی تیاری دیکھ کر استفسار کیا

"ہاں حماس کے سردی کے کپڑے خریدنے تھے۔ایک دو جرسیاں بھی چاہیے تھیں اور اپنی شال بھی لے لوں گی اسی بہانے۔"

وہ مسکرا کر پرس ٹٹولتی بتانے لگیں۔

"تم بھی چلو میرے ساتھ۔شادی کے بعد پہلی بار میرے ساتھ باہر جاؤ گی۔"

روشنی کے باہر جانے کا سن کر زائشہ بھی تیار ہو گئ۔

وہ دونوں ابھی پورچ میں آئی ہی تھیں کہ نوریز کی گاڑی ہارن بجاتی ہوئی مین ڈور سے اندر داخل ہوئی۔حماس ماں کو دیکھ کر تیزی سے گاڑی سے نکلا۔

"مما میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔"

وہ روشنی کی ٹانگوں سے چمٹ گیا۔

"کہاں کی تیاری ہے بیوٹیفل لیڈیس۔"

نوریز چلتا ہوا ان کے نزدیک آیا۔

"فیری چاچی مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔"

وہ اب لپک کر زائشہ کے پاس آیا تھا.

"حماس ہمارے ساتھ جائے گا اور ضرور جائے گا۔زائشہ نے جھک کر اس کا بال پیار سے بگاڑے۔

"چلیں لیڈیس میں آپ لوگوں کو چھوڑ دیتا ہوں۔"

ثمر انہیں کراچی کے مشہور شاپنگ پلازہ کے سامنے اتار کر آفس چلا گیا تھا۔روشنی نے زائشہ کو پورا پلازہ گھما دیا تھا۔

نوریز سے زائشہ کے شاپنگ پر جانے کی اطلاع ملی تو وہ خود کو کوس کر رہ گیا۔اس کے مطابق اسے زائشہ کو اتنی رقم کیا کم از کم کریڈٹ کارڈ تو دینا چاہیے تھا۔اس نے روشنی کو کال کر کے کہہ دیا تھا کہ وہ زائشہ کو جو وہ پسند کرے دلوا دیں بعد میں وہ انہیں پے کر دیگا جس پر وہ کھل کر ہنسی۔جبکہ زائشہ جھینپ گئی۔

شاپنگ کے بعد فوڈ کورٹ سے سیر ہونے کے بعد وہ گھر کے لیے نکلی تھیں۔انہیں یہیں سہ پہر ہو گئی تھی۔وہ لوگ باہر نکلیں تو پلازہ کے پارکنگ میں اردشیر گاڑی سے ٹیک

لگائے کھڑا تھا۔ سفید پلین شرٹ کے بازو فولڈ کیے اور نیلی جینس پہنے سیاہ سن گلاسز لگائے بار بار اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ کرتا سنجیدہ تاثرات لیے سیدھا زائشہ کے دل میں اتر رہا تھا۔

"سرپرائز شیر! مجھے لگا آفس کا ڈرائیور پک کرنے آیا ہو گا۔"

قریب آکر روشنی نے ہنستے ہوئے معنی خیزی سے کہا۔

"آپ کو اس طرح باہر نہیں نکلنا چاہیے تھا۔"

اردشیر نے ان کے بیٹھتے ہی ڈرائیونگ سٹارٹ کی۔ وہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔

"میں نیکسٹ ٹائم دھیان رکھوں گی۔"

زائشہ کا موڈ بھی لمحوں میں بدلا تھا۔ اس کے سنجیدہ تاثرات پر وہ لب بھینچ گیا۔ وہ اس کی سوچ تک رسائی رکھتا تھا۔ کیا وہ اسے اس قدر پست ذہنیت کا مالک سمجھتی تھی۔ اس کے خیال میں وہ قید یا پابندی کا قائل تھا۔ گاڑی میں خاموشی کا راج دیکھ کر روشنی بھی ان دونوں کے درمیان ناراضگی کو بھانپ گئی تھیں۔

گھر پہنچ کر وہ تیزی سے گاڑی سے نکل کر کمرے میں جا چکی تھی۔ اردشیر اسے دیکھ کر رہ گیا۔ یہاں ناراض وہ تھا اور خفا وہ خود ہو کر چلی گئ تھی۔

وہ خاموشی سے چہرے کے آگے میگزین کیے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے لحاف میں بیٹھی تھی۔

اردشیر صوفے پر بیٹھا اپنے آفس کے کاموں میں مشغول تھا۔ اس کے چہرے پر ناقابل فہم تاثرات تھے۔

زائشہ ہر تھوڑی دیر بعد میگزین نیچے کر کے چور نظروں سے اسے دیکھ لیتی تھی۔

"تم بھی کس سے امید لگائے بیٹھی ہو زائشہ۔"

وہ لمبا سانس کھینچتی تاسف سے کہہ کر میگزین سائیڈ ٹیبل پر تقریباً پٹخ کر اٹھی تھی۔ مقصد اردشیر کی توجہ حاصل کرنا تھا۔

"نہیں فالحال نہیں۔ نہیں کوئی مسئلہ نہیں ہوا میں وقت پر پہنچ گیا تھا۔"

زائشہ نے چونک کر اسے دیکھا جو پریشانی سے اب ماتھا مسل رہا تھا۔

"میں مزید رسک نہیں لے سکتا۔آج جو ہوا وہ میری سانسیں روکنے کے لیے کافی تھا۔اس کیس کو جلدی حل کرو مجھے یہ بندہ سلاخوں کے پیچھے چاہیے۔"

اوہ تو اردشیر اس لیے غصہ کر رہے تھے۔کوئی پریشانی ضرور ہے۔کہیں وہ پریشانی میں ہی تو نہیں۔غصہ بھی تو مجھ پر ہی کر رہے تھے۔وہ خود سے الجھنے لگی تھی۔پھر اردشیر کے نزدیک آکر اس کے کندھے پر ہولے سے ہاتھ رکھا۔

اردشیر نے چونک کر گردن موڑ کر زائشہ کو دیکھا۔

"آپ کچھ پریشان ہیں؟"

زائشہ نے تفکر سے پوچھا۔

"آپ میری فکر مت کریں بس اپنا خیال رکھا کریں۔جیسے ایک جادوگر کی جان اس کے طوطے میں ہوتی ہے بالکل ویسے ہی میری جان آپ میں ہے۔آپ کو کچھ ہوا تو میں خود بخود مر جاؤں گا۔"

اردشیر نے بے حد نرمی سے خود سے لگا کر چھوڑ دیا تھا گرچہ مزید پیش رفت نہیں کی تھی مگر زائشہ کو حوصلہ ہوا تھا کہ وہ خفا ضرور تھا مگر اس کی طرف سے بے پرواہ ہرگز نہیں تھا۔

رات جس وقت روشنی اور زائشہ کھانا لگا رہی تھیں۔ اردشیر بہت تیزی سے سیڑھیاں اتر کر باہر کی جانب لپکا تھا۔

"اردشیر کھانا کھا کر جاؤ۔ بس لگ گیا ہے۔"

روشنی نے کہا۔

"بھابھی وقت نہیں ہے۔"

فون کان سے ہٹا کر وہ بہ عجلت بولا تھا۔

"میں دیکھتی ہوں۔"

زائشہ اس کے پیچھے ہی پورچ تک آئی تھی۔ پریشانی اب زائشہ کے چہرے سے بھی عیاں ہو رہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے پورچ تک آئی تھی۔

"آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے۔ کیا بات ہے مجھے بتائیں تو صحیح۔ آپ اسی طرح قفل لگائے گھومتے رہیں گے تو میں بھی پریشان رہوں گی۔"

وہ جو فون بند کر کے گاڑی میں بیٹھنے لگا تھا زائشہ کی آواز پر مڑا۔

"کوئی پریشانی نہیں ہے۔میں بالکل ٹھیک ہوں زائشہ۔ابھی میرے پاس وقت نہیں ہے کہ آپ کی ساری پریشانیاں چن لوں۔پھر بات کریں گے۔آپ اندر جائیں اور پر سکون ہو کر کھانا کھائیں۔"

وہ سنجیدگی سے اس کا گال تھپتھپا کر مڑا۔

"نہیں۔جب تک سچ نہیں بتائیں گے میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔میری بھوک ہی مر گئی ہے۔"

وہ اس کا آستین بازو سے پکڑ کر روہانسی لہجے میں کچھ کچھ ضدی سی بھی لگی۔

"آپ پر حملہ کرنے والا اور آپ کو اغوا کرنے والا جب تک پکڑا نہیں جائے گا۔آپ کا اردشیر پریشان ہی رہے گا۔"

وہ صرف سوچ سکا تھا۔زائشہ کو بتا کر اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"بھوک مر گئی ہے یا میرے ہاتھوں سے کھانا چاہتی ہیں۔"

اسے گہری نظروں سے دیکھتے وہ سنجیدگی مگر نرمی سے آ بیرواچکا کر اپنی بات کی یقین دہانی چاہ رہا تھا۔

آپ !۔۔۔۔آپ بات کو گھمائیں مت۔میں جانتی ہوں کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔پھر کچھ ہوا ہے کیا۔آپ آفس سے ہمیں خود لینے آئے تھے اور آپ نے مجھے باہر نکلنے پر بری طرح ٹوکا بھی۔کیا پھر سے وہ شخص مجھے نقصان۔۔۔۔"!

اس سے آگے وہ بول ہی نہ سکی تھی۔خوف سے الفاظ ہی ادھورے رہ گئے تھے۔آنکھیں لباب پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

"نہیں !اس بار وہ آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔اس بار اس نے بہت بیچ حرکت کی ہے۔ابھی تو پچھلی حرکت ہی میں بھلا نہیں سکا تھا۔اب جو اس نے کیا ہے اس کا سود سمیت خمیازہ ادا کرنے ہوگا اسے۔"

اسے خود میں بھینچے اس کے بالوں پر لب رکھ کر وہ سرد لہجے میں گویا ہوا پھر اسے ڈھیروں تاکید کر کے تیزی سے اسے وہاں چھوڑ کر زوالقرنین کے فلیٹ پر پہنچا۔وہ اس کا ہی ویٹ کر رہا تھا۔

"پولیس فورس تیار ہے۔وہاں پہنچتے ہی دھاوا بول دیں گے۔یہ شخص اب بچ نہیں سکتا۔یہ نمبر کراچی کے علاقے لانڈھی کے انڈسٹریل علاقہ کی لوکیشن شو کر رہا ہے۔"

زوالقرنین اپنی رو میں بول رہا تھا جب اردشیر سنجیدگی سے بولا۔

"تجھے کس نے کہا ہے کہ میں تجھے یا تیری پولیس فورس کو ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔"

فلیٹ سے نکلتے ہوئے وہ اس کی معلومات میں اضافہ کر رہا تھا۔

"اکیلے جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

زوالقرنین نے اسے سمجھایا۔

"زائشہ کی زندگی خطرے میں ڈال دوں تجھے ساتھ لے جا کر۔ شاید تو نے غور سے سنا نہیں تھا اس نے کیا کہا کہ اکیلے آنا ہے ورنہ وہ زائشہ کو نقصان پہنچانے میں زرا سا بھی دریغ نہیں کرے گا۔"

اس نے غصے سے کہہ کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

جس وقت زائشہ اور روشنی مارکیٹ کے لیے نکلی تھیں۔ نوریز نے آفس میں آتے ہی سرسری سا اسے بتایا تھا۔ کچھ منٹوں بعد ہی اردشیر کو اس شخص کی کال موصول ہوئی تھی جس پر تیزی سے سارے کام جوں کے توں چھوڑ کر وہ زائشہ کے پیچھے بھاگا تھا۔

پارکنگ میں روشنی کو کریڈٹ کارڈ کے بہانے کال کر کے ان کی خیریت معلوم کر کے اور جلدی آنے کی تاکید کر کے وہ وہیں رک گیا تھا اور پھر زائشہ کو صحیح سالم دیکھ کر ہی سکون لیا تھا مگر وہ تب سے ہی پریشان تھا۔ نمبر زوالقرنین کو دے کر اس نے لوکیشن پتہ کروالی تھی اب وہ تن تنہا ہی زائشہ کے لیے لڑنے جا رہا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر وہ شخص کیا چاہتا ہے کیوں زائشہ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اس کی جو بھی ڈیمانڈ ہو گی وہ پوری کرنے کو تیار تھا۔

صبیحہ بیگم اور توقیر کے جانے سے ہر سو ایک اداسی سی پھیل گئی تھی جسے روحی نے تھوڑی ہی دیر میں اپنی شرارتوں اور کھلکھلاہٹوں سے دور کر دیا تھا۔

اندر قدم رکھتے ہی خرم کی پہلی نگاہ روحی کے پیچھے دوڑتی بھاگتی مزینہ پر پڑی تھی۔ وہ ایئر پورٹ سے سیدھا کلینک گیا تھا اور شام کو اس کی واپسی ہوئی تھی۔

"چاچو سیومی۔ چاچی مجھے پکڑ لیں گی۔"

خرم کو دیکھ کر روحی اس کے پیچھے چھپی تھی۔ مزینہ کے قدموں کو بریک لگا تھا۔ ساتھ اس کی مسکراہٹ بھی سمٹی تھی۔

خرم نے جھک کر روحی کو گود میں اٹھایا اور قدم موڑ لیے۔ وہ دنگ رہ گئ۔ اس قدر بیگانگی۔ وہ یوں اجنبی بن گیا تھا جیسے اسے جانتا ہی نہ ہو۔

دل میں ایک ہوک سی اٹھی تھی۔ وہ اس قدر ارزاں تھی۔ خرم نے اسے کسی بے کار شے سمجھ لیا تھا۔ اتنے دن وہ کیسی تھی ماں کے بغیر اس نے پوچھنے کی زحمت تک نہ کی تھی۔ وہ جلتی کڑھتی سونے کے لیے لیٹ گئ۔

ابھی دو منٹ ہی ہوئے تھے اسے لیٹے ہوئے کہ شور کی آواز سے پٹ سے اس کی آنکھیں کھل گئیں۔

خرم الماری میں سر دیے غالبا کچھ تلاش کر رہا تھا جو اسے مل نہیں رہا تھا۔ غصے میں جو چیز سامنے آ رہی تھی وہ فرش کی نظر کرتا جا رہا تھا۔

"لگتا ہے دوسروں کا سکون غارت کرنا آپ کا پسندیدہ مشغلہ ہے مگر یقین کریں مجھے اس کا قعطی شغف نہیں ہے نا ہی میں لطف اندوز ہو رہی ہوں۔"

اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے ناگواری سے کہا

اس کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔ خرم نے سلگتی نگاہوں اسے گھورا۔

"کیا چیز تمہیں پسند ہے کیا نہیں یہ تمہارا سر درد ہے میرا نہیں۔ یہ میرا کمرہ ہے۔ میں یہاں شور بھی کروں گا اور تمہیں برداشت بھی کرنا پڑے گا۔"

ہینگر میں ہینگ ہوئے مزینہ کے لباس کو فرش پر پٹختے وہ تیکھے لہجے میں کہنے لگا اور پھر سے مصروف ہو گیا

"مائنڈ اٹ! یہ میرا بھی کمرہ ہے اور میں اپنے کمرے میں یہ شور شرابہ برداشت نہیں کر سکتی۔"

مزینہ کی ناگواری بھی عروج پر تھی۔ اسے خرم کی بات سے پتنگے ہی تو لگ گ ئے تھے۔

"کس حق سے تمہارا ہے یہ کمرہ۔ اس کمرے میں رہنے کے لیے تھوڑی جگہ دی ہے مزید سر پر چڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

خالدہ بیگم کے جنازے والے دن بلال اور اس کی نزدیکیاں اسے اب تک نہیں بھولی تھیں۔ وہ جب جب سوچتا تھا تو انگاروں پر لوٹتا تھا۔ الماری بند کر کے وہ ہاتھ میں پکڑی شرٹ کو جھٹکے سے بیڈ پر اچھال چکا تھا۔

"میموری خاصی کمزور ہے آپ کی۔ نکاح کے دو بول بھول گۓ ہیں یا پھر اپنے حقوق و فرائض سے دستبردار ہونے کے خواہاں ہیں۔"

جوابی کاروائی بھرپور طنزیہ تھی۔

"اوہ میں تو بھول ہی گئ تھی کہ ہمارے درمیان نارمل کچھ بھی نہیں جس کے چلتے مجھے میرا حق مل سکے۔"

بازو سینے پر باندھے استہزائیہ انداز میں وہ خرم کو پور پور چٹخا گئ تھی۔ خرم نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ وہ بس اس کا لحاظ کر رہا تھا ورنہ تو اس کا دماغ درست کرنے کی بھرپور طاقت رکھتا تھا۔

"حق تلفی کرنے میں بھی کوئی ثانی نہیں آپ جیسے مردوں کا۔ میری نظر میں دو ٹکے کی بھی حیثیت نہیں ہے ایسے مردوں کی۔"

اسے خاموش دیکھ کر وہ مزید سلگی تھی۔ چٹخن ایسی تھی جیسے گیلی لکڑی دھیرے دھیرے سلگتی ہے۔ وہ پچھلے کئ دنوں سے بے چین تھی جبکہ وہ خود بے حد پر سکون تھا اور خرم کا یہی سکون اسے آگ لگانے کے لیے کافی تھا۔

"بہت قلق ہے تمہیں اپنے حقوق پورے نہ ہونے کا ہاں! آج تمہارا یہ قلق میں ختم کر ہی دیتا ہوں۔"

عجیب سرد سے لہجے میں کہہ کر خرم نے اپنے قدم بڑھائے۔مزینہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔اسے بازو فولڈ کرتے دیکھ کر وہ خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔اس کے ہر بڑھتے قدم پر وہ قدم پیچھے لے رہی تھی۔پیچھے جگہ نہ ہونے کے باعث وہ بیڈ سے ٹکرا کر کمر کے بل بیڈ پر گری تھی۔

"اپنے اندر حقوق وصولنے کا حوصلہ پیدا کرو۔اپنی بزدلی کو حق تلفی کے لبادے میں مت لپیٹو مزینہ بی بی کہ اگر میں فرض کی ادائیگی پر آیا تو شکوے شکایات تب بھی تمہیں ہی ہوں گے۔"

اس کے دائیں بائیں ہاتھ جماتے اس پر جھکے خرم نے بے تاثر لہجے میں کہا اور پھر مزید جھک کر اس کی پیشانی پر اپنا لمس مہکاتے وہ پیچھے ہٹ کر نائٹ سوٹ لیے واشروم میں جا چکا تھا جبکہ وہ دم بخود سی رہ گئی تھی۔کیا تھا کیوں تھا۔یہ سوچنے کی صلاحیت خرم کے اس اقدام نے مفقود کر دی تھی۔بے ساختہ ہی اس کی دھڑکنوں نے سر پکڑے تھے۔

گاڑی روک کر وہ اندر کی طرف بڑھا تھا۔ یہ لانڈھی کا انڈسٹریل ایریا تھا۔ اس وقت وہ کسی فیکٹری کے اندر تھا۔ یہ کوئی کیمیکل کی فیکٹری معلوم ہو رہی تھا۔ ہر سو پھیلی کیمیکل کی بدبو سے وہ یہی اندازہ کر سکا تھا۔

وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا چوکنا انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً اسے ایک سمت سے تیز روشنی پھوٹتی ہوئی دکھی۔ اس نے قدم آگے بڑھائے اس سے پہلے کے وہ قدم آگے بڑھاتا کوئی چیز اس کے پیروں کے نیچے آکر دباؤ سے ٹوٹ کر خاموشی میں ارتعاش پیدا کر گئی تھی۔

جھک کر اردشیر نے دیکھا تو ایک کانچ کی چھوٹی سی بوتل تھی جو کہ اب چکنا چور ہو چکی تھی۔ اردشیر نے کانچ کے ٹکڑوں کے بیچ میں پڑا سفید رقعہ اٹھایا جو شاید اس بوتل میں ہی قید تھا۔

небезпека

Страх

КроВі

سفید کاغذ کے اس رقعے پر لکھے یہ تین لفظ اس کی سمجھ سے پرے تھا۔ نا سمجھی سے کاغذ پینٹ کی جیب میں ڈال کر وہ واپسی کے لیے مڑا۔ عین اسی وقت اسے اپنے پیچھے کسی کے بھاگنے کی آواز سنائی دی۔

وہ تیزی سے پلٹا اور اوپری منزل کی گول سیڑھیوں پر بھاگتے شخص کے پیچھے لپکا۔

"ہے رکو۔ کون ہو تم؟"

وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ دائیں بائیں تنگ جگہوں سے نکل کر وہ بھاگتا جا رہا تھا۔ ایک بند راہداری سے نکل کر وہ جونہی مڑا تو اردشیر نے اسے ہڈی سے پکڑ کر کھینچا اور پلٹتے ہی اس کی منہ پر گھونسا مارا۔ سیاہ نقاب پوش لڑکھڑایا مگر سنبھل کر اردشیر کا وار روک کر اس پر جوابی وار کیا لیکن اس نے تیزی جھکائی دی اور اس کی گرفت سے نکل کر پیچھے ہوا تو اس نقاب پوش نے اسے کالر سے پکڑ کر اس کے پیٹ میں دو مکے جڑ دیے۔ تکلیف سے وہ کراہ کر گیا تھا مگر نقاب پوش پر اپنی گرفت ہلکی نہیں کی تھی جبکہ وہ مسلسل اردشیر کے ہاتھوں سے اپنا چہرہ دور رکھنے کی تگ ودو میں مگن تھا۔ اسی کوشش میں اردشیر نے موقع کا فائدہ اٹھاتے اس کی ٹانگوں کے بیچ میں لات رسید کی تھی۔ نقاب پوش درد کی شدت پر قابو نہ پاتے

ہوئے لڑکھڑایااور قبل اس سے کہ اردشیر جھک کر اس کا نقاب کھینچتا اس نے سنبھلنے کا موقع دیے بنا اس پر چاقو سے وار کیااور ریلنگ سے چھلانگ لگاتا نیچلی منزل پر ہی کہیں غائب ہو گیا۔

اس کی سفید بے داغ شرٹ کے بازو پر خاصا گہرہ کٹ لگا تھا جہاں سے خون تیزی سے بہتا اس کی آستین سرخ کر گیا تھا۔

وہ لب بھینچ کر دوسرے ہاتھ سے زخم کو دباتے درد برداشت کرتے لب بھینچ گیا۔ نچلی منزل پر نقاب پوش تو کیا کسی بھی ذی روح کا نام ونشاں نہیں تھا۔تکلیف ایسی تھی کہ مزید وہاں رکنا اسے کسی حماقت سے کم نہ لگا۔

فیکٹری سے وہ باہر نکلا۔ سامنے ہی اس کی کار کھڑی تھی۔ جسے دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا۔ کار کے شیشے بری طرح ٹوٹ چکے تھے۔ٹائر بھی پنکچر تھے۔اس نے شدت سے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔اس ویرانے میں دور دور تک کوئی ٹریفک نہیں تھی۔

وہ آگے بڑھا اور پاکٹ میں موبائل ٹٹولا۔

"اوہ شٹ لگتا ہے ہاتھا پائی میں وہیں کہیں گر گیا۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا پلٹ کر اندر جانے ہی لگا تھا کہ اس کے عین قریب ایک جیپ آ کر رکی تو وہ چونک کر مڑا۔ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر وہ اتر کر بھاگتی ہوئی اس تک آئی تھی۔ خون سے تربتر بازو اور ہاتھ دیکھ کر اس کی چیخ نکلی تھی۔ خوف سے اس کی رنگت زرد پڑ گئی۔ اردشیر نے ایک سخت نظر ذوالقرنین پر ڈالی جو تاسف سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو چوٹ لگی ہے۔ کتنا خون بہہ رہا ہے۔"

وہ روتے ہوئے اس کا بازو چھو کر تکلیف سے بولی تو اردشیر نے لب بھینچے۔

"میں ٹھیک ہوں زائشہ۔"

وہ تکلیف دبائے بامشکل تمام بولا۔

"نہیں آپ ٹھیک نہیں ہیں۔ یہ سب میری وجہ سے ہو رہا ہے۔ کاش میں ہی مر جاؤں۔ سب تکلیفیں اپنے آپ ختم ہو جائیں گی۔"

وہ شدت سے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو پڑی تھی۔ اردشیر کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہوا تھا۔

"فضول مت بولا کریں زائشہ۔ جانتی ہیں اس زخم سے زیادہ مجھے آپ کی اس آخری بات نے تکلیف پہنچائی ہے۔ آپ کو بچانے کے لیے لڑنے مرنے کو تیار ہوں میں اور آپ خود کو یوں بے مول کر رہی ہیں۔"

سلگتے پر تپش لہجے میں کہتے اس نے زائشہ کو بازو سے پکڑ کر قریب کیا اور اپنی نظریں اس کے روئے روئے سے بھیگے سرخ چہرے پر گاڑھ دیں۔

"مگر آپ مانیں یا نہ مانیں اس سب کی وجہ میں ہی ہوں۔"

وہ خود کو مورالزام ٹھہرا رہی تھی۔ اس کی تکلیف پر اس لڑکی کا دل اتنی تکلیف میں تھا جیسے لمحہ لمحہ کوئی اس نازک دل میں کانچ کی کرچیاں چبھا رہا ہو۔

"میں آپ کی وجہ سے تکلیف میں نہیں ہوں۔ آپ میری آتی جاتی سانسوں کی ضمانت ہیں۔ میں یہ سب تکلیفیں آپ کے لیے سہہ رہا ہوں کیونکہ آپ مطمئن رہیں گی تو میں سکون میں رہوں گا اس کے لیے آپ مجھے خود غرض بھی کہہ سکتی ہیں کہ محبت میں پڑے لوگ خود غرض ہی ہوا کرتے ہیں۔"

وہ اسے خود میں بھینچے دھیمے سروں میں اسے تسلی دے رہا تھا۔ اس کے سر پر بوسہ دیتے وہ اسے بتا رہا تھا کہ وہ اس کی زندگی میں کیا اہمیت رکھتی ہے۔

رات جس قدر وہ اس کے لیے پریشان تھی۔ اسے دیکھتے اس کے رویے میں اپنے آپ لچک آ گئی تھی ورنہ وہ اب تک اس سے خفا تھا جس سے زائشہ باخوبی آشنا تھی پھر بھی نہ معلوم وہ کوئی پیش رفت کیوں نہیں کر رہی تھی جبکہ اردشیر کے لحاظ سے اب اسے پہل کرنی چاہیے تھی کہ وہ تو ہر مرتبہ پہل کرتا تھا مگر دوسری سمت اس طرح کے کوئی آثار فالفور نظر نہیں آ رہے تھے مگر وہ سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف رہا۔

"آپ مصروف تو نہیں ہیں۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔"

اگلی صبح وہ آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا جب زائشہ نے کمرہ سمیٹنے کے بعد اسے مخاطب کیا۔

ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرتے ہوئے اردشیر نے محض ایک لمحے کے لیے شیشے میں جھلکتے اس کے روشنیاں بکھیرتے عکس کو دیکھا پھر سنجیدگی اپنی بات کہنے کا اشارہ دیا۔

"میں سکول جانا چاہ رہی تھی۔ دراصل صفیہ کی کال آئی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ وہ زیادہ دن تک اکیلے سب نہیں سنبھال سکے گی۔ سٹرینتھ دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے اور کام بھی ظاہری بات ہے مزید بڑھ گیا ہے۔ شادی کے بعد جس طرح کے حالات تھے۔ مجھے خود جانا مناسب نہیں لگا۔ کچھ خالدہ آنٹی کی ڈیتھ نے دماغ کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی مفقود کر دی تھی لیکن اب جب کہ سب ٹھیک ہے تو۔۔۔۔۔!

وہ بولتے بولتے اچانک خاموش ہو گئی کیونکہ اردشیر بالکل خاموش تھا اور اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آپ سکول نہیں جائیں گی۔"

اس کا انداز قطعیت لیے ہوئے تھا۔

"مگر کیوں۔۔۔؟ میں پہلے بھی تو جاتی رہی ہوں۔"

زائشہ کو غصہ نہیں آیا تھا نہ ہی برا لگا تھا مگر وہ الجھ کر رہ گئی تھی۔ اردشیر کا انکار سمجھ سے بالاتر تھا۔

"پہلے آپ میری بیوی نہیں تھیں تو کوئی اختیار بھی نہیں تھا۔اب بن گئی ہیں تو مجھے مکمل اختیار ہے کہ آپ کو اس چیز سے روک سکوں جو آپ کے لیے نقصاندہ ہے یا مجھے پسند نہیں ہے۔"

وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا پھر کوٹ اٹھا کر پہننے لگا۔وہ لمبا سانس کھینچ کر رہ گئی۔

"مگر صفیہ اکیلے سب کیسے سنبھالے گی۔"

وہ پریشانی سے گویا ہوئی۔

"صفیہ کو سکول کی ہیڈ بنادیں اور ایک انچارج ہائر کرلیں۔بلکہ میں آج ہی نیوز پیپر میں جاب ویکینسی کا ایڈ دے دیتا ہوں اور ونٹر ویکیشن میں رینویشن بھی سوچ رہا ہوں کروا دوں اور ساتھ ہی سکول کی سیکیورٹی کا انتظام بھی کروا دیتا ہوں۔آپ کی دوست کو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔"

گھڑی پہن کر وہ کچھ ضروری فائلز بیگ میں ڈالتے ہوئے مصروفیت کے باوجود اسے مطمئن کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔توجہ اس لیے نہیں دے رہا تھا کہ فالوقت وہ اس سے ناراض تھا۔

"میرے سکول کے لیے آپ اتنا سب کچھ کیوں کر رہے ہیں؟"

اردشیر کے رویے سے وہ الجھ گئی تھی۔ایک طرف وہ اس کی فکر کرتا تھا تو دوسری طرف اس کی ناراضگی عروج پر تھی۔اردشیر نے اچانک اس کی کمر میں بازو حمائل کرتے خود سے قریب کیا۔وہ اس کے سینے سے ٹکرا جاتی گر جو اپنے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر نہ رکھتی۔

"مجھے یہ بتائیں کہ آپ کس کی ہیں؟"

اردشیر کے سنجیدگی سے کیے گئے بے ساختہ سوال پر اس کی دھڑکنیں منتشر ہوئی تھیں۔اس کے سینے پر دھرے زائشہ کے سفید مومی ہاتھ کپکپاہٹ کا شکار ہوئے تھے۔حیا سے پلکیں سرخ عارضوں پر سایہ کر گئیں۔اس کی حالت سے وہ خاصا محظوظ ہو رہا تھا اور بے ساختہ امڈتی مسکراہٹ دبا گیا تھا۔

"خاصی دقت ہو رہی ہے آپ کو بتانے میں۔ چلیں میں خود ہی بتا دیتا ہوں۔آپ صرف اور صرف میری ہیں۔"

جھک کر اس کے کان میں گھمبیرتا سے کہہ کر وہ دونوں کے درمیان فاصلہ قائم کر گیا۔زائشہ کا گریز اب اسے سلگا رہا تھا۔

"قبول نہیں کر پا رہیں ناں اب تک۔"

اردشیر نے طنزیہ انداز میں تائید چاہی تو زائشہ نے بے چارگی سے اس کی طرف دیکھا۔اس کا قریب ہو کر یوں فاصلہ قائم کرنا زائشہ کے دل میں عجیب سی بے چینی جگا گیا تھا۔

"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔کیا ہو گیا ہے آپ کو۔پہلے تو آپ ایسے نہیں تھے۔"

وہ روہانسی ہو کر اس کے پیچھے ہی کمرے سے باہر نکلی تھی۔

"زائشہ ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے۔کبھی اپنے عمل پر غور کیجیے گا۔سب سمجھ آجائے گا۔ساری الجھنیں سلجھ جائیں گی۔چیزیں ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتیں۔وقت حالات اور لوگوں کے رویے تبدیلی کی وجہ بنتے ہیں اور بعض اوقات تبدیلیاں شدید نقصان کروا دیتی ہیں۔"

وہ ایک بھرپور نظر اس کے سراپے پر ڈالتے ہوئے رک کر رسانیت سے کہتا آفس کے لیے روانہ ہو گیا۔

ساجدہ بیگم کو دوا دینے کے بعد ان کے سونے کا اطمینان کرتی وہ کمرے آئی تو بے اختیار اسے زائشہ اور مزینہ کی کمی محسوس ہوئی۔ وہ اداسی سے مسکرادی۔ پچھلے دنوں وہ دونوں اسی کمرے میں ٹھہری ہوئی تھیں تو ان کی عادت سی ہو گئی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر سوچتی رہتی معاموبائل کی رنگ ٹون پر اس کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹا۔

"السلام علیکم"!

اسپیکر سے ابھرتی آواز پر پارس نے کان سے ہٹا کر نمبر دیکھا۔ کوئی انجان نمبر تھا۔

"وعلیکم السلام! کیا میں آپ کو جانتی ہوں۔"

وہ الجھ کر مستفسر ہوئی۔

"ارے اتنی جلدی بھول گئیں۔ نوریز بات کر رہا ہوں۔"

وہ حیران ہونے کی اداکاری کرتا بھرپور طریقے سے ہنس دیا۔

"سحاب کا نمبر کیا بند تھا جو ادھر ٹرائی کر لیا۔"

وہ طنزیہ لہجے میں گویا ہوئی۔

"سحاب سے میری بات ہو چکی ہے۔ میں نے تو آپ سے بات کرنے کے لیے کال کی تھی۔"

وہ دلچسپی سے بتانے لگا۔

"آپ کے اور میرے درمیان ایسے تو مراسم نہیں کہ موبائل پر لیٹ نائٹ گفتگو کی جائے۔"

وہ کاٹ دار لہجے میں گویا ہوئی۔

"مراسم بھی بن جائیں گے۔ آپ بس اجازت دیں۔"

وہ شوخی سے بولا تو پارس نے لب بھینچ لیے۔

"کچھ بھی سخت سست کہہ کر میں ہمارے درمیان موجودہ تعلق کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی۔ آپ اپ کے دیور ہونے کا لحاظ کر رہی ہوں ورنہ اس فضول گفتگو پر میں دن میں تارے دکھانے کا ہنر رکھتی ہوں۔ آئندہ کال کرنے کی زحمت مت کیجیے گا۔ ورنہ مجھے شیر بھائی سے بات کرنے کی زحمت اٹھانی پڑ جائے گی۔"

وہ سپاٹ لہجے میں اس کی طبیعت صاف کر کے فون بند کرتی سحاب کے کمرے میں گئ۔ نوریز نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

"دونوں بہنیں ایک جیسی ہیں کٹھور اور سنگدل۔ ایک نے بھائی کو چنے چبوائے تھے اور اب دوسری مجھے دن میں تارے دکھائے گی۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا بستر پر دراز ہو گیا۔

وہ ہلکی آواز میں کوئی میوزک شو دیکھ رہی تھی۔ اس طرح پارس کے کمرے میں آنے سے چونک گئ۔

"کم سے کم بندے میں اتنے مینرز تو ہونے چاہیئں کہ وہ کسی کے کمرے میں آنے سے پہلے دستک دے۔"

سحاب کی ناگواری پہ وہ ہرگز متاثر نہیں ہوئی۔

"اپنے بھائی کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا۔"

طنزیہ لہجے میں بولتی وہ نوریز کی کال ریکارڈنگ پلے کر چکی تھی جو اس نے نوریز کے تعارف کے بعد ریکارڈ کرنی شروع کی تھی۔ سحاب نے زائشہ پر ارد شیر کے حوالے سے جو الزام لگائے تھے وہ بھولی نہیں تھی۔

سحاب ریکارڈنگ سن کر جی بھر شرمندہ ہوئی۔

"کیا خیال ہے کچھ تمیز و تہذیب ان موصوف کو بھی سکھادی جائے کہ رات کے اس پہر لڑکیوں کو یوں بغیر کسی رشتے کے منہ اٹھا کر کال نہیں کیا کرتے۔ آپا کے بارے میں تو خاصے نادر خیالات ہیں تمہارے۔ اب اپنے بھائی کے بارے میں کیا کہو گی تم۔ ہے کوئی جواب۔ ہنہہ! میں بھی کس سے پوچھ رہی ہوں جسے برائی برائی لگتی ہی نہیں اور بات جب اپنوں کی آجائے پھر تو انسان اندھا گونگا اور بہرہ بن جاتا ہے۔ کسی کے کردار پر انگلی اٹھانے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک لینا بہتر ہوتا ہے۔ پتا ہے سحاب! تمہارے بارے میں سب کچھ پتا ہونے کے باوجود ہم نے کبھی تمہیں طعنہ نہیں دیا۔ تمہارے کردار پر وار نہیں کیا بلکہ اپنا بھائی تمہارے حوالے کر دیا جس کا کردار شیشے اور بہتے پانیوں کی طرح صاف

ہے۔ کبھی تم نے اپنا محاسبہ کیا ہے۔ یا آئینے میں دیکھا خود کو۔ تم سفیر بھائی کے قابل ہو۔ بالکل نہیں۔"

اس نے نفی میں افسوس سے کہتے گردن ہلائی۔

"تم میرے بھائی کے قابل نہیں ہو۔ سب کچھ جانتے بوجھتے بھی وہ یہ رشتہ پورے خلوص سے نبھا رہے ہیں اگر کہیں کوئی کمی ہے تو وہ تمہاری طرف سے ہے سحاب۔ اوپر والا تمہیں موقع دے رہا ہے تو اسے اویل کرو۔ کہیں یہ نہ ہو کہ نام ونہاد انا کے چکر میں اتنے پیارے شخص کو گنوا بیٹھو۔"

وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔ کہنے تو نوریز کے بارے میں آئی تھی مگر پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے بات کا رخ اس کی طرف موڑا۔ دونوں کے درمیان تناؤ وہ اکثر محسوس کرتی تھی۔ سفیر انداز واطوار پر وہ بے شک مطمئن تھی مگر ساجدہ بیگم سحاب کی طرف سے ٹینشن لینے لگی تھیں۔ انہیں لگا تھا وہ کچھ دن میں ٹھیک ہو کر ان کے چھوٹی سی فیملی میں گھل مل جائے گی۔ ان کے بیٹے کو وہ ساری خوشیاں دے گی جس پر سفیر کا حق ہے مگر ادھر ڈھاک کے وہیں تین پات تھے۔

سحاب ساکت بیٹھی اس کی باتوں کو سوچ رہی تھی۔ پارس کی باتوں سے اتنا بڑا دھچکا لگا تھا کہ وہ سنبھل نہیں سکی تھی۔ لبالب آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

دل افروز کو اکیلے کام کرتے دیکھ کر مزینہ کے قدم کچن کی طرف بڑھ گ ئے تھے۔

"کیا کر رہی ہیں؟"

وہ پوچھنے لگی۔

"رات کے کھانے کی تیاری کر رہی ہوں۔

ارتضی کو دال پالک بہت پسند ہے۔ یہاں کے دیسی کھانے وہ بہت مس کرتے تھے۔ جب سے آئے ہیں تب سے فرمائش پر دیسی آئٹمز ہی بن رہے ہیں۔"

وہ مسکرا کر فریج سے سبزی نکال کر نل کے نیچے دھوتے ہوئے جواب دینے لگیں۔

"نوری تم آٹا گوندھ لو جب تک میں روحی کے لیے پاستا بنادوں۔"

وہ ملازمہ کو حکم دے کر سبزایاں کاٹنے لگیں۔

"کھڑی کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔ تمہیں کون سی سزا ہے۔"

شمائم نے ہنس کر کہا اور چولہے کی آنچ دھیمی کی۔

"مجھے بھی کام کرنا ہے۔ میں اس طرح فارغ نہیں بیٹھ سکتی۔ شادی سے پہلے اپنے گھر کا کرتی تھی پھر پارس کے ساتھ کام کرواتی تھی۔"

مزینہ نے منہ بنا کر کہا اور اندر آ کر جائزہ لینے لگی۔

"بی بی جی پہلی ووٹی دیکھی ہے میں نے جو اپنی مرضی سے کام کرنے کا کہہ رہی ہے۔ ورنہ آج کل کی بہوؤں کو کام کا کہہ دو تو جھگڑ کر میکے جا بیٹھتی ہیں یا میاں کو ہی بھڑ کا کر الگ ہو جاتی ہیں۔"

تھالی میں آٹا نکالتی بائیس سالہ نوری بڑی دادی اماؤں کی طرح سمجھداری سے گویا ہوئی۔ مزینہ کا منہ کھل گیا جبکہ دل اور شمائم ایک دم ہنس پڑیں۔

"پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں نوری۔"

وہ خفگی سے گویا ہوئی۔

"معاف کرنا چھوٹی بی بی جی میری تو عادت ہے بولنے کی۔ اتنے دنوں بعد آئی ہوں ناں تو زیادہ دیر خموش نہیں رہ سکی۔"

وہ شرمندہ ہو گئی

"تم واقعی ہی بہت بولتی ہو۔ یہ آٹا مجھے دو میں گوندھ لوں گی تم جا کر کوئی اور کام کر لو۔"

اس سرعت سے اس وہاں سے ہٹایا۔

"ارے ہم سب کر لیں گی۔ تم آرام کرو۔"

دل افروز نے اس کے ہاتھ سے تھالی لے لی۔

"یہ میرا گھر ہے ناں بھابھی تو پھر مجھے بھی یہاں کام کرنے دیں۔ یقین کریں پورا دن بیٹھ بیٹھ کر میں پاگل ہو جاتی ہوں اگر آپ مجھے گھر کا کام نہیں کرنے دیں گی تو میں باہر کام ڈھونڈ لوں گی۔"

مزینہ نے بیچارگی سے کہتے آخر میں شرارتاً کہا تو دل اور شمائم اس کی آخری بات پر ہنس دیں۔ وہ آٹا گوندھنے لگ گئی تھی۔ شمائم کمرے میں جا چکی تھی۔ دل افروز روحی کو دیکھنے کی غرض سے کچن سے باہر نکل گئی تھیں۔

آٹھ بجے کا وقت تھا۔ خرم نے گاڑی پورٹیکو میں روکی اور کوٹ دائیں ہاتھ پر ڈالے اندرونی دروازہ سے اندر آیا۔ کوٹ صوفے پر اچھال کر وہ کچن کی طرف بڑھ گیا۔

"بھابھی ایک کپ چائے ملے گی۔ سر درد سے پھٹ رہا ہے۔"

وہ جواس کی جانب پشت کیے کھڑی آٹا گوندھ رہی تھی خرم کی آواز پر بے ساختہ پلٹی۔ دونوں کی نظریں چار ہوئی تھیں۔

"بھابھی کمرے میں ہیں۔ میں بنادیتی ہوں چائے۔"

ہاتھ دھو کر وہ اپنے دوپٹے سے خشک کرتی پین میں چائے کا پانی رکھنے لگی۔

"پتی تیز نہیں پیتا میں اور لائٹ سا سالٹ ڈال دینا۔"

وہ سنجیدگی سے کہہ کر پلٹا۔

"مجھے پتا ہے۔"

تیکھے لہجے میں کہتے اس نے خرم کی پشت کو گھور کر نظریں پھیر لیں۔

"اور کیا کیا پتا ہے تمہیں؟"

وہ پلٹ اس کے نزدیک چلا آیا اور اسے دونوں کندھوں سے تھام کر گھمبیر آواز میں کہا۔ کنویں کے مزدیک پیاسا رہنا کس قدر مشکل ہوتا ہے یہ کوئی اس سے پوچھتا۔

اس کی پشت خرم کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ دونوں کے دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے۔ خاموشی میں دھڑکنوں کے سنگم نے راگ الاپے تھے۔ فسوں خیز لمحوں میں جیسے کسی نے سحر پھونکا تھا۔ خرم پل پل اس کی چاہ میں تڑپتا تھا۔ اسے دیکھ کر دل سلگتا تھا۔ اس نے مزینہ کے گرد حصار باندھ کر اسے قید کر لیا۔ اس کے لمس وہ جی جان سے لرز گئی تھی۔ پلکوں میں ارتعاش سا پیدا ہوا تھا۔ سردی سے سرخ ہوتے گالوں پر حیا شفق کی لالی بن کر اتری تھی۔

"کس قدر ظالم ہو ناں تم۔ پہلے اپنے سحر میں جکڑا پھر مجھے خود سے محبت کرنے پر مجبور کر دیا اتنا کہ میں نے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کر لیا مگر میں پھر بھی خالی ہاتھ ہوں۔ تم لاحاصل کیوں بن گئی ہو مزینہ۔ تھکتی نہیں ہو ظلم کر کر کے۔"

وہ دھیرے دھیرے اس کے سماعتوں کی لڑیوں میں شکووں کے موتی پرو رہا تھا۔ اس کے بال ایک طرف کرتے اس نے گردن پر اپنا دہکتا ہوا لمس چھوڑا۔ وہ ضبط کھونے لگا تھا۔ مزینہ نے نم آنکھوں سے تھک کر سر اس کے کندھے پر گرا کر آنکھیں موند لیں۔ اس ہرجائی کے الزام بھی سر آنکھوں پر تھے۔

"لاحاصل تو آپ بن گۓ ہیں میرے لیے۔"

وہ کہہ نہ سکی۔

"شاید نہیں مگر میں تھکنے لگا ہوں۔ تمہارے ظلم سہنے کی طاقت نہیں رہی مجھ میں۔ تم سب کچھ بھول کر میرے پاس کیوں نہیں آجاتی ہو۔"

خرم نے اس اپنے سامنے کیا۔

اس وقت وہ خود بھی شدید مضطرب تھا۔ کنویں کے پاس رہ کر پیاسے رہنا بڑا کمال ضبط تھا اس شخص کا۔ مزینہ نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو تھام لیا۔ وہ نم آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتے جزبات دیکھ رہی تھی۔

"میں تو آپ کے پاس ہوں۔ آپ ہی مجھ سے دور چلے گۓ ہیں۔"

وہ نم لہجے میں گویا ہوئی۔

"تم بھول جاؤ سب کچھ۔ میں بھی بھول جاتا ہوں۔ ہم نئی زندگی شروع کریں گے۔ تمہیں جو چاہیے میں دوں گا۔ اچھا گھر گاڑی اچھا لائف سٹائل سب کچھ۔ انہیں سب چیزوں کی خاطر تم نے میرے جذباتوں سے کھیلا تھا ناں۔ میں تمہیں معاف کرتا ہوں جبکہ تمہاری

غلطی ناقابل تلافی ہے مگر وہ کہتے ہیں ناں کہ محبت اندھی ہوتی ہے۔ محبت میں محبوب کے عیب نہیں دکھتے اور پھر اس بلڈی بلال سے کہیں زیادہ ہینڈسم ہوں۔"

وہ اذیت سے مسکرایا۔

مزینہ دھک رہ گئی۔ اس کا دل کسی نے بری طرح مٹھی میں لے کر مسئلہ تھا۔ خرم کے ہاتھوں پر اس نے گرفت نرم کر دی۔ بے حد اجنبی نگاہوں سے اس نے خرم کو دیکھا۔ اس کی بدگمانی دور نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو سمجھی تھی کہ خرم کو اس کی باتوں کا یقین آ گیا ہے مگر نہیں۔ ستارہ جہاں کا بویا بیج اگر تناور درخت نہیں بنا تھا تو اس کی جڑیں ختم بھی نہیں ہوئی تھیں۔ وہ خرم کے ساتھ سب کچھ بھلا کر آگے بڑھنے کو راضی ہو بھی جاتی مگر اپنی انا اپنا غرور اپنے ضمیر کا کیا کرتی جو اسے ہمہ وقت ملامت کرتے اور خرم! وہ بے شک وہ سب بھولنے کو تیار تھا لیکن ایک پھانس جو چبھ گئی تھی وہ کبھی نہ نکلتی۔ اس کے دل میں اس کا وہی خاکہ رہتا جو ستارہ جہاں نے بنا کر پیش کیا تھا۔ مرد ذات بھی کتنی شکی ہوتی ہے ناں۔

اس نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔اور ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ کھینچے اور دونوں ہاتھ اس کے سینے پر رکھ کر اسے پیچھے دھکا دے کر وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے چلی گئ۔ خرم کو ہوش آیا تو وہ بھی دیوانہ وار اس کے پیچھے بھاگا۔اس کے تیور ہر گز اچھے نہیں تھے۔

اس نے واشورم سے خرم کی شیونگ کٹ سے بیلڈ نکالا تھا۔تب تک خرم بھی کمرے میں پہنچ چکا تھا۔

"خبر دار جو آگے بڑھے۔"

اس کے ہاتھ میں بلیڈ دیکھ کر خرم کا رنگ اڑا تھا۔

"یہ کیا کر رہی زینی؟لگ جائے گا پھنکیو اسے نیچے۔"

وہ دبا دبا سا چیخا۔اس وقت اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔

"نہیں پہلے میری ساری باتیں مانوں پھر۔۔۔"!

وہ ضدی لہجے میں بولی۔

"میں تمہاری ساری باتیں ماننے کو تیار ہوں تم پلیز اسے دور پھینکو۔"

وہ پریشانی سے بولا اس کی نظریں مزینہ کی کلائی پر رکھے بلیڈ پر تھیں جس کی دھار اتنی تیز تھی کے ہلکا سا بھا ٹچ ہوتا تو اس کی کلائی کٹ جاتی۔اس نے دھیرے دھیرے قدم مزینہ کی طرف بڑھانا شروع کیے۔

"میں نے کہاں وہیں رک جاؤ۔ تمہیں سمجھ نہیں آ رہی ناں۔"

مزینہ نے کلائی پر دباو بڑھایا۔خون کی دو بوندیں فرش پر گریں۔تکلیف سے اس کی آنکھیں چھلک گئیں۔

"میں یہیں ہوں اوکے۔ نہیں بڑھ رہا۔پلیز بلیڈ دور کرو اپنے ہاتھ سے اور بولو کیا چاہیے تمہیں آئی سو ویئر میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

وہ وہیں رک کر بے بسی اور پریشانی سے گویا ہوا۔

"مجھے ایک گھر چاہیے جو میرے نام ہو اور ایک عدد گاڑی بھی جو میرے نام پر ہو اور میرے حق مہر کی رقم بھی میرے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دو۔"

بلیڈ اب بھی کلائی پر تھا۔درد کی شدت کو ضبط کیے وہ کہہ رہی تھی۔ خرم نے منہ پر دونوں ہاتھ پھیر کر خود کو کمپوز کیا۔

"ٹھیک ہے میں تمہاری ہر بات مانوں گا۔اب خوش۔اب یہ بلیڈ پھینکو۔"

خرم کی بے بسی عروج پر تھی اس وقت اسے صرف اس دشمن جاں کی فکر تھی۔

"اونہوں! پہلے تم بات کرو ڈیلر سے اور اسے کاغذات بنوانے کا کہو۔"

اس کے انکار پر وہ بے بس ہو گیا۔

"اوکے میں کرتا ہوں۔"

تیزی سے موبائل جیب سے نکال کر خرم نے کسی کو کال ملائی۔

"ہیلو زوالقرنین کیسا ہے۔آہاں میں بی ٹھیک ہوں۔ نہیں فالحال نہیں۔"

دوسری جانب سے کچھ پوچھا گیا تھا جس پر وہ انکار کر گیا۔

"نہیں یار تو ڈیفینس والے بنگلے کا کہہ رہا تھا ناں سمجھ ہو گیا۔"

وہ مضطرب سے اسے دیکھ کر بولا۔

"مگر خرید کون رہا ہے؟"

اس نے حیرت سے اسے استفسار کیا۔

"میں اور کون۔اپنی وائف کو گفٹ کرنا ہے۔"

خرم نے اذیت سے مزینہ کی سمت دیکھا جس کا چہرہ کسی بھی تاثر سے پاک تھا۔

"ٹھیک ہے میں پیپرز ریڈی کرواتا ہوں تو ایک دو روز میں چکر لگا لے۔"

اس نے ایک ہاتھ سے فون کان سے لگائے جبکہ دوسری سے داڑھی کھجائے سوچ کر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں ایک دو دن میں تیری طرف چکر لگاتا ہوں۔"

اختتامیہ گفتگو کر کے اس نے فون جیب میں ڈالا۔

"کل صبح میں باقی دونوں کام بھی کر دوں گا۔اعتبار کرو۔ بھروسہ رکھو مجھ پر۔ جتنے وقت میرے ساتھ رہی ہو مجھ پر اتنا تو یقین ہو گا ناں۔ میرا وعدہ رہا تم سے۔"

خرم نے سرد لہجے میں کہا۔

"یاد رکھنا تم نے وعدہ کیا ہے۔اب مکرے تو مزینہ جان سے جائے گی۔"

بلیڈ ایک طرف پھینک کر وہ آنسو رگڑتی ٹھوس لہجے میں بولی۔

"وعدہ توڑنا میری سرشت میں نہیں۔"

میڈیکل باکس نکال کر وہ اس کا ہاتھ تھام چکا تھا جسے مزینہ نے بے دردی سے جھٹک دیا۔

"تم جانتے ہو مجھے تم سے محبت نہیں تھی۔ تمہاری زندگی میں شامل ہونا صرف ایک سوچا سمجھا پلان تھا۔"

وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

"مجھے ایک اچھے لائف سٹائل کی ضرورت تھی۔ میں نے زندگی بہت سسک سسک کر گزاری ہے۔ تمہاری صورت میں مجھے اچھا شکار ملا تھا۔ اوپر سے میری طرف تمہارے جھکاؤ اور بڑھتے قدموں نے سونے پر سہاگے والا کام کیا۔ مجھے خواہش نہیں تھی تمہاری ساتھ کی۔ صرف حسرت تھی کہ میں بھی اتنی ٹھاٹھ باٹھ والی زندگی گزاروں۔ محبت کے بغیر زندگی گزر جاتی ہے مگر ان آسائشوں کے بنا نہیں۔"

اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"چونکہ تم میرے لیے آسان ہدف تھے اسی لیے تمہارا انتخاب کیا اور مجھے اپنے کیے پر زرا بھی پچھتاوا نہیں ہے۔ افسوس تمہیں سب کچھ پہلے ہی پتا چل گیا خیر یہ بھی اچھا ہی ہوا۔"

سپاٹ لہجے میں کہتے وہ سفاکیت کی ہر حد پار کرنے کو تھی۔ خرم نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

اس کے ارمانوں کا محل بھر بھری ریت کی مانند بکھر گیا تھا۔ خرم نے تھک ہار کر اسے قبول کرنے کا سوچا تھا جو بھی تھی جیسی بھی تھی۔ وہ اس کی پہلی محبت تھی اور شاید آخری بھی مگر مزینہ نے خرم کے قدم بڑھنے سے پہلے ہی روک دیے تھے۔

وہ کتنی ہی دیر تک اسے دیکھتا رہا پھر ایک دم میڈیکل باکس وہیں چھوڑ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا۔ پیچھے وہ چہرے ہاتھوں میں گرائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

پیپرز ختم ہوئے تو اس نے شکر کا سانس لیا۔ اعجاز صاحب نے اسے اپنے ایک دوست کے آفس میں وزٹ کرنے کو کہا تھا۔ آج وہ انہی کی طرف گیا تھا۔ وہ خود اسے اپنے دوست سے ملوانے لے گئے تھے وہاں اعجاز صاحب سے اس کی ذہانت اور محنتی ہونے کے قصے سن کر وہ صاحب خاصے متاثر ہوئے اور اسے اپنے طارق روڈ والے گاڑیوں کے شوروم کے لیے مینجر منتخب کر لیا۔ وہ آج بے حد خوش تھا۔ اللہ نے کامیابی کا کوئی سرا تو پکڑایا تھا۔ اعجاز صاحب سے اسے انسیت محسوس ہوتی تھی۔ ان کے انداز و لہجے میں شفقت کا عنصر نمایاں رہتا تھا۔ وہ خوشگوار موڈ میں گھر آیا تھا۔

کمرے میں قدم رکھا تو سحاب کی سسکیاں سنائی دیں۔وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا جو منہ گھٹنوں میں دیے بری طرح رو رہی تھی۔

"سحاب ادھر دیکھیں میری طرف۔کیا ہوا ہے؟رو کیوں رہی ہیں؟"

سفیر نے زبردستی اس کی ٹانگوں کے گرد بندھے ہاتھ ہٹا کر چہرہ اوپر کرنا چاہا تو اس نے بری طرح اس کے ہاتھ جھٹکے۔

"ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔میں ایک بد کردار لڑکی ہوں۔میں تم جیسے شریف اور باکردار انسان کے لائق نہیں ہوں۔مجھ سے جتنا ہو سکے دور رہو بلکہ تم مجھے طلاق دے کر کسی یتیم خانے میں چھوڑ آؤ۔مجھے گھر والے تو قبول کریں گے نہیں۔"

سرخ روئی روئی آنکھیں لیے وہ تکلیف سے گویا ہوئی تو سفیر کا ساکت رہ گیا پھر اس کی باتوں کا مفہوم سمجھ آتے ہی سختی سے اس کا بازو دبوچ کر اپنے سامنے کیا۔

"اب تو یہ گندا لفظ منہ سے نکال دیا ہے مگر آئندہ پرہیز کیجیے گا ورنہ میں آپ کی واپسی کا ہر دروازہ بند کر کے پیروں میں ایسی زنجیر ڈالوں گا کہ چاہ کر بھی میری قید سے نکل نہیں پائیں گی اور کس نے کہا ہے کہ آپ بد کردار ہیں۔"

درشت لہجے میں کہتے وہ جواب طلبی کرنے لگا تو سحاب نے رخ موڑ لیا۔

"رات کے اندھیرے میں غیر محرم کے پیچھے گھر سے بھاگنے والیوں کو بد کردار ہی کہا جاتا ہے۔"

وہ تلخی سے بولی تو سفیر نے لب بھینچے۔

"اس داغ کو دھویا بھی تو جا سکتا ہے۔اللہ نے توبہ کا دروازہ کھلا چھوڑ رکھا ہے۔آپ سچے دل سے مانگیں تو سہی۔وہ ضرور نوازے گا۔"

وہ سنجیدگی سے مگر نرم لہجے اس کے گال پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوا۔

"خدا بھی تب تک معاف نہیں کرتا جب تک انسان معاف نہ کرے۔"

وہ پرشکوہ نم لہجے میں بولی۔آنکھیں دھندلا سی گئیں۔

"آپ کو کیوں ایسا لگتا ہے کہ سب آپ سے خفا ہیں یا کسی نے آپ کو معاف نہیں کیا۔آپا سے آپ ٹھیک سے ملتی نہیں۔پارس سے آپ کی بنتی نہیں۔امی سے بھی آپ بس ضرورت کے تحت بات کرتی ہیں۔یہاں سب محبت کے پیاسے ہیں۔آپ ایک قدم

بڑھائیں گی تو وہ آپ کی طرف چار قدم بڑھائیں گے۔ہم غریب محبت کے دھنی لوگ ہیں۔جتنی چاہیں سمیٹ لیں۔"

وہ قدرے نرم پڑا تھا۔

"میں تمہاری بات کر رہی ہوں۔"

وہ اس کا کالر دبوچ کر زچ ہو کر نم آنکھوں سے چیخی۔اس کے انداز و اطوار چیخ چیخ کر بتا رہے تھے کہ وہ تھک چکی تھی۔بکھر چکی تھی اور کم سے کم سفیر اسے اب بکھرنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

اس نے سحاب کی کمر میں بازو حمائل کرتے اسے قریب کیا۔وہ رونا بھول گئی اُس کی قربت پر سرخ پڑ گئی۔

"میری معافی برداشت کر سکیں گی۔"

اس کی اور جھک کر گھمبیر لہجے میں بولتے وہ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب کر گیا۔

"برداشت تو تمہاری بیگانگی اجنبیت اور لاتعلقی بھی نہیں ہوتی مگر پھر بھی کر رہی ہوں۔"

وہ نظریں اٹھا کر بولی۔

"سوچ لیں گزارہ کر لیں گی اس دو ٹکے کے کارمکینک کے ساتھ جس کے پاس نہ تو آپ کے شایان شان رہنے کی جگہ ہے نہ ہی گاڑی اور دیگر اسائشیں۔"

اس کی تھوڑی دو انگلیوں کی مدد سے اونچی کرتا وہ پر تپش لہجے میں مستفسر ہوا تو وہ اس کے سینے سے سر ٹکا کر رو پڑی۔

"ہر چیز کے بغیر رہ سکتی ہوں مگر اس دو ٹکے کے کارمکینک کے بغیر نہیں۔بہت فضول انسان ہو تم۔اپنا عادی بنا کر ہی دم لیا۔"

اس کے سینے پر مکے برساتی وہ بھیگی پلکوں سے نروٹھے انداز میں بولی تو سفیر نے اس کے ہاتھ اس کی کمر کے پیچھے لے جا کر قید کر دیے۔

"ہیں رہے بغیر رہ نہیں سکتیں۔"

سفیر نے جھٹکے سے اسے قریب کیا کہ اس کی سانسوں کی تپش اسے جھلسانے لگی۔

سحاب نے نفی میں گردن ہلائی۔سفیر نے اس کے لبوں پر کھلتی مسکراہٹ اپنے لبوں پر چن لی اور زور سے اسے خود میں بھینچ لیا۔سحاب نے اسے دور دھکیلنا چاہا تو تنبیہہ کرتی نظروں سے دیکھتا اس کی مزاحمت بند کروا گیا۔

"جتنی مزاحمت کریں گی۔اتنی ہی شدت بڑھتی جائے گی۔سوبی کیئر فل فار نیکسٹ ٹائم۔"

اس کی پیشانی پر لمس چھوڑتے وہ فریش ہونے کے لیے پیچھے ہٹا تو سحاب نے اس کا بازو تھام لیا۔

"تم نے مجھے معاف نہیں کیا۔"

وہ اسے امید بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کل رات بھرپور طریقے سے معاف کروں گا۔آج تو بہت تھکا ہوا ہوں۔اتنا نہیں ہو سکا کہ شوہر تھکا ہارا گھر آیا ہے اسے کھانے کا پوچھوں کچھ نہیں تو پیاس ہی بجھا دو۔"

وہ ذو معنی لہجے میں بے باکی سے کہتا اسے ٹوکتا ہوا نفی میں سر ہلانے لگا تو وہ خفت زدہ ہو کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

گو کے کراچی میں سردی کا دورانیہ زیادہ طویل نہیں ہوتا تھا مگر دسمبر سے سردی محسوس ہونا شروع ہو جاتی ہے اور پھر فروری کے اینڈ تک اتنی پڑتی تھی کے انسانی جان برداشت کر سکے۔کراچی میں گرمی اور سردی دونوں موسم اعتدال میں ہوتے تھے نہ یہاں پنجاب

جیسی گرمی پڑتی تھی نہ مری جیسی سردی۔ جنوری کے اوائل دن تھے۔ سرد ہوائیں موج میں تھیں۔ آج کل تو ہوائیں کسی بے لگام گھوڑے کی طرح ہو چلی تھیں۔

رات کے پہر تو مزید زور پکڑ لیتی تھیں۔ باہر کی نسبت اندر خاصا سکون تھا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں دبکے ہوئے تھے۔ خرم بھی تھک ہار کر خود سے جنگ لڑتا نہ معلوم کب سو گیا تھا یوں بھی کمرے میں ہیٹر ہونے کے باعث جسم کو تقویت ملی تو نیند کی دیوی اپنے آپ مہربان ہوتی چلی گی ورنہ وہ کافی دیر تک مزینہ کے آنے انتظار کرتا رہا تھا۔ یونہی نیند میں کروٹ لی تو وہ اپنی جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گیا جو حصہ کسی کے جسم کی حدت نہ ہونے کے باعث ٹھنڈا پڑا تھا اور اسی احساس سے بے چین ہو کر اس کی آنکھ بھی کھل گئ تھی۔ آنکھ کھلتے ہی جو سب سے پہلا احساس ہوا تھا وہ مزینہ کی غیر موجودگی کا تھا۔ اس کی نیند بھگ سے اڑی تھی۔ تیزی سے چپلیں پیروں میں اڑس کر چادر اپنے گرد لپیٹ کر وہ واشروم چیک کرنے کے بعد کمرے سے نکلا تھا۔

کچن راہداری ڈرائنگ روم لاؤنج ہر جگہ دیکھنے کے بعد اس کے تفکرات میں اضافہ ہوا تھا۔ پریشان سے چہرے پر ہاتھ پھیرتے وہ مزینہ سے اپنی آخری گفتگو یاد کرنے لگا۔

داخلی دروازہ کھول کر باہر نکلا گو کے دروازہ اندر سے لاک تھا مگر اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو چکی تھی۔ وہ اتنی پریشانی میں تھا کہ غور ہی نہیں کر سکا کہ اگر وہ باہر جاتی تو دروازہ اندر سے بند کیسے ہو سکتا تھا وہ بھی رات کے اس پہر۔

لان سائیں سائیں کر رہا تھا۔ بیرونی دروازہ کھلا تھا۔ چوکیدار کرسی پر پڑا اونگھ رہا تھا۔ خرم کو خدشوں نے آن گھیرا اور غصے کی ایک شدید لہر اس کے پورے جسم میں سرائیت کر گئی۔ وہ طیش کے عالم میں آگے بڑھا اور پانی کا وال کھول کر پائپ کا رخ چوکیدار کی طرف کر دیا۔

چوکیدار بھری ٹھنڈ میں برف جیسے ٹھنڈے پانی میں نہا گیا۔ ٹھٹھرتے ہوئے اس کے دانت بجنے لگے تھے۔

"مفت کی تنخواہ نہیں دی جاتی تمہیں۔ یہاں رکھوالی کے پیسے ملتے ہیں۔ دروازہ کیسے کھلا رہ گیا یہ۔"

خرم نے اسے رکھ کر تھپڑ جڑ دیا۔

"صاحب وہ مم میں۔"

وہ بیچارہ کچھ سردی سے کچھ خرم کے خوف سے منمنا کر رہ گیا۔ خرم نے اسے کالر سے پکڑ کر پیچھے کرسی پر دھکا دیا۔

" کہیں غصے میں گھر نہ چھوڑ کر چلی گئ ہو۔ بیوقوف لڑکی۔"

اس نے پریشانی سے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے اور رخ داخلی دروازے کی سمت کیا تو یونہی سرسری سی نظر ٹیرس پر پڑی جس کی سامنے والی منڈیر پر کوئی چیز رکھی تھی۔ خرم نے غور کیا تو وہ مگ رکھا ہوا۔ دفعتاً اس کے ذہن میں کوندا سا لپکا۔ وہ تیر کی تیزی سے اندر کی طرف بڑھا۔ اس کا رخ ٹیرس کی طرف تھا۔

وہ دبے پاؤں سیڑھیاں عبور کرتا اوپر پہنچا تھا اور مزینہ کو دیکھ کر ساکت رہ گیا۔ اسے اس حال میں دیکھ کر اس کے چودہ طبق روشن ہوگۓ تھے۔

ادھر سے ادھر ٹہلتے عالم پریشانی میں زائشہ کی نظر ہر تھوڑی دیر بعد داخلی دروازے کی اوپری دیوار پر نصب گھڑی پر بھی چلی جاتی تھی۔ ہاتھ میں فون تھامے وہ ہر تھوڑی دیر میں اردشیر کا نمبر ملا رہی تھی مگر ہر تھوڑی دیر بعد اسے موبائل بند ہونے کا عندیہ مل رہا تھا۔

روشنی کام ختم کر کے جلدی سونے کی عادی تھیں کہ انہیں حماس کی وجہ سے صبح سویرے اٹھنا ہوتا تھا۔

ملازم سارے اپنے کوارٹر میں جا چکے تھے۔ صرف ایک ملازمہ کچن کے کام نمٹا رہی تھی بلکہ وہ زائشہ کے احساس سے ہی ادھر تھی کہ اس نے اب تک کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔

"بی بی جی آپ کو کچھ چاہیے تو لا دوں۔"

ملازمہ ادب سے بولی۔

"اس وقت مجھے جس چیز کی طلب ہے وہ تم نہیں دے سکتیں۔"

وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔ دراصل اسے اردشیر کا انتظار تھا اور انتظار کی یہ گھڑیاں ختم نہیں ہو رہی تھیں۔ دھیان کے سارے دھاگے اردشیر سے جڑے ہوئے تھے۔

"تو پھر میں جاؤں بی بی جی۔"

زائشہ چونک گئی پھر سر اثبات میں ہلایا۔ ملازمہ کوارٹر میں چلی گئی تو زائشہ ایک بار پھر سے نمبر ڈائل کرنے لگی مگر جواب ندارد تھا۔

رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ محض دس منٹ باقی تھے۔وہ عام دنوں میں مغرب کے وقت گھر آجایا کرتا تھایازیادہ سے زیادہ عشاء ہو جاتی تھی مگر آج تو حد ہی ہو گئ تھی۔

اس کے دل میں عجیب وسوسے آنے لگے تھے۔وہ روہانسی سی ہو گئ تھیں۔ نمکین پانی سیاہ نین کٹوروں میں آن ٹھہرا تھا۔پلکیں بھیگ سی گئ تھیں۔ تفکرات خدشات میں بدلنے لگے تھے۔ان خدشات کو دور کرنے کے لیے اس نے یونہی بے آواز ٹی وی آن کر لیا۔ڈرامے وہ دیکھتی نہ تھی۔ فلموں کا اسے شوق نہیں تھا۔مارننگ اور ٹاک شوز سے اسے ویسے الرجی تھی ہاں خبریں وہ شوق سے دیکھا کرتی تھی کہ بابا اور سفیر باہر ہی ہوا کرتے تھے تو یوں بھی ملک اور شہر کے حالات سے باخبری لازمی جز تھی۔

دھیان بٹانے کو وہ جیو نیوز پر چلتی سرخیاں پڑھ رہی تھی۔ پھر دفعتاً بریکنگ نیوز نے اسے الرٹ کر دیا۔اس نے ہلکی سی آواز کھولی کے سن سکے رپورٹر کیا کہہ رہی ہے۔

"ناظرین آج کی تازہ ترین خبر سے آپ کو آگاہ کرتے چلیں۔ کراچی کے علاقے صدر میں واقع عبداللہ ہارون روڈ پر ایک نوجوان کا قتل ہو گیا ہے۔بتایا جارہا ہے مقتول کام کے بعد اپنے گھر واپسی جارہا تھا کہ چند نہ معلوم افراد نے اس پر فائرنگ کر کے اسے جاں بحق

کر دیا۔ ملزم موقع واردات سے فرار۔ مزید تفصیلات سے آپ کو آگاہ کرنے کے لیے ہمارے نمائندے فیصل حبیب ہمارے ساتھ ہیں۔ جی فیصیل کیا کہیں گے آپ اس حادثے کے بارے میں۔"

نیوز اینکر نے کیمرہ مین کو مخاطب کیا۔

"جی میں اس وقت عبداللہ ہارون روڈ پر موجود ہوں جہاں پولیس نے مقتول کی گاڑی کو گھیرے میں لے لیا ہے۔ وقتی طور پر یہ جگہ سیل کر دی گئ ہے۔ یہ قتل کیس ہے۔ مقتول کو چار گولیاں سینے میں لگنے کے باعث وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا تھا۔"

"فیصل یہ بتائیے کہ جائے وقوعہ سے کوئی شواہد مل سکے ہیں یا نہیں۔"

"فالحال کچھ کہا نہیں جا سکتا پولیس افسران کی کاروائی جاری ہے۔ جیسے ہی۔۔۔۔'!

زائشہ نے رپورٹر کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی گھبرا کر ٹی وی بند کیا اور رموٹ پھینکتی کمرے کی طرف بھاگی۔ اس کا رخ واشروم کی طرف تھا۔

ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے اسے سردی کے احساس سے زیادہ اردشیر کی سلامتی مقصود تھی۔ پھر کیسی ٹھنڈ کہاں کی سردی۔ حاجت کے نوافل پڑھ کر اس کی سلامتی کی دعا مانگ کر وہ اٹھی۔ جائے نماز الماری میں رکھا اور دوپٹہ کھول کر نیچے آ گئی۔

بے چینی حد سے سوا تھی۔ بریکنگ نیوز تھی کہ دماغ سے محو ہوتی ہی نہ تھی۔ ساڑھے بارا ہو رہے تھے اور اردشیر کا نام ونشان نہیں تھا۔ تھک کر وہ صوفے پر ٹک گئی۔ شال لینے کا بھی ہوش نہیں تھا۔

رات سرکتے سرکتے اس پر غنودگی چھانے لگی تھی۔ وہ نیند میں اونگھنے لگی تو وہیں صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔

خرم کی ساکت نظریں مزینہ پر تھیں۔ وہ حیران نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ سخت سردی میں چلتی یخ بستہ ہواؤں سے بے فکر و بے نیاز وہ ٹھنڈے فرش پر ننگے پاؤں سر گھٹنوں میں دیے بیٹھی تھی۔

نہ جرسی پہنی ہوئی تھی۔ شال یا چادر بھی ندارد تھی۔ اسے اس کم عقل لڑکی کی بے حد فکر ہوئی ساتھ ہی ڈھیروں غصہ بھی آیا۔

تیزی سے وہ اس تک پہنچا تھا اور اپنی چادر اس کے کندھوں پر پھیلا دی تھی۔

اس نے یک دم حدت کے احساس سے سر اٹھا کر دیکھا۔ یکایک اس کی آنکھوں میں سرد مہری در آئی۔ وہ رخ پھیر کر چادر پھینک گئی۔

"آدھی رات کو یہاں بیٹھ کر کس بات کا سوگ منا رہی ہو۔"

خرم کے لہجہ میں مصنوعی غصے کی آمیزش تھی۔

"سوچ رہی ہوں اگر میری تمام خواہشات بلال پوری کر دیتا تو مجھے اپنی محبت کو نہ چھوڑنا پڑتا۔"

جواب انتہائی کاٹ دار لہجے میں دیا گیا تھا۔

خرم کے پورے بدن میں گویا شرارے پھوٹ پڑے۔ اس کی آنکھیں ضبط سے سرخ پڑ گئیں۔ نہ معلوم وہ کیوں خرم کا صبر آزماتی تھی۔

"امیدوں پر پورا اترنا کوئی تم سے سیکھے مزینہ بی بی۔"

استہزائیہ انداز میں طنز کرتے وہ پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

"بے حیائی گھول کر پی ہوئی ہے تم نے۔"

مزینہ نے تیکھے لہجے میں کہتے دانت کچکچائے کچھ یوں بھی باریک کپڑوں میں سردی سے جان نکلی جا رہی تھی۔ دانت بجنے لگے تھے مگر وہ ڈھیٹ بنی بیٹھی ہوئی تھی۔

اس کے انداز پر خرم سر نیچے گرا کر نفی میں ہلاتا زور سے ہنس دیا تھا۔ اس کی ہنسی مزینہ کو صاف خود کا مزاق اڑاتی محسوس ہوئی۔

"تم نے بھی تو شرم بیچ کھائی ہے۔ پھر ہم دونوں ایک سے ہوئے ناں۔ وہ کیا کہتے ہیں۔"

وہ پر سوچ انداز میں گویا ہوا پھر بولا۔

"اللہ نے ملائی جوڑی ایک اندھا ایک کوڑھی۔"

وہ تو مانوں سر تا پا سلگ اٹھی تھی جبکہ خرم کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ مزینہ کو مزید آگ لگا گئی۔ اس نے خرم کو سینے پر دونوں ہاتھ جما کر زور سے دھکا دیا۔ وہ جو پنجوں کے بل بیٹھا تھا پیچھے کو گرا اور ہنستا ہی چلا گیا۔

"میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں سمجھے۔ ورنہ دو جھانپڑ دوں گی۔"

وہ اپنے ازلی لہجے اور دبنگ سٹائل میں گویا ہوئی۔

وہ ہنسی پر قابو پاتے اٹھا اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر زور سے کھینچا تو وہ کٹی پتنگ کی طرح اس کے سینے سے آ لگی۔ سرد ٹھٹھرتی تنہارات اور اس پر خرم کی جان لیوا قربت اس کے حواس اڑا گئی۔

"ابھی تک تو میں نے یہ فریضہ انجام دیا نہیں ہے مگر اب دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

اپنی دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اس کی سرخ پڑتے رخسار پر پھیرتے وہ گھمبیر لہجے میں بولا۔ مزینہ کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا اٹھی۔

"تم جیسی ضدی اور اڑیل لڑکی کو لگام ڈالنا بہت ضروری ہے۔"

اس کے ذو معنی باتوں سے زیادہ وہ ان باتوں میں چھپی ذلت اور تحقیر سے سرخ پڑ گئی تھی۔ احساس توہین سے اسے خود کا وجود ان دیکھی آگ میں جلتا محسوس ہوا۔ وہ براہ راست خرم کی گہری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ ان آنکھوں میں کبھی اس کے لیے عزت ہوا کرتی تھی۔ محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہوا کرتا تھا جس کی شوریدہ لہریں مزینہ کے دل میں ادھم مچا دیا کرتی تھیں تو وہ نظریں جھکا لیا کرتی تھی۔

"کیا کہتی ہو۔آج رات تمہیں اپنا نہ بنالوں تا کہ تم کہیں بھاگ ہی نہ سکو۔"

اس کے گلابی لبوں پر انگوٹھا پھیرتے وہ بوجھل لہجے میں بولا۔اس کے وجود سے اٹھتی مہک مزینہ کے حواس صلب کر رہی تھی۔اس کی قربت میں یہ حال تھا کہ نہ ہل پا رہی تھی نہ بولنے کی ہمت تھی۔ خرم کو خود پر جھکتے دیکھ کر گھبراتے ہوئے اس نے ہاتھ اس کے سینے پر جما کر اسے پرے دھکیلنے کی کوشش کی مگر اس کی آہنی گرفت میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔ خرم نے حصار مزید تنگ کر دیا جو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ مزینہ کی یہ حرکت اسے ہر گز پسند نہیں آئی۔

وہ خوف سے آنکھیں میچ گئی تھی۔دل گویا پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب تھا۔دھڑکنیں خاموش مہکتی رات میں ساز بن کر سر بکھیر رہی تھیں۔ان لمحوں میں گویا کسی نے سحر پھونکا تھا۔

شفیون کی شارٹ شرٹ اور بیل باٹم پہنے وہ اس کے دل پر قیامت بن کر اتری تھی۔گلے میں پڑا سیاہ شیفون کا دوپٹہ پہنے وہ اس رات کا حصہ ہی لگ رہی تھی۔ہونٹوں پر گہری سرخ رنگ کی لپسٹک لگائے وہ اسے مارنے کے درپہ تھی جو مرنے کے لیے راضی

تھا۔لائنر سے سجی مورنی جیسی آنکھوں میں وہ پورے قد سے ڈوبا تھا کہ اب تیرنا آتا بھی تو مرنا مقصود تھا۔وہ ان جھیل سے نینوں میں ڈوب کر مرنا جانا چاہتا تھا۔

"کس قدر خوبصورت لگ رہی ہو اس رنگ میں۔جی چاہتا ہے چھپا لوں دنیا سے تمہیں۔کتنی حسین ہو ناں تم اور ظالم بھی کہ کنویں کے پاس ہوتے ہوئے بھی پیاسا رکھا ہوا ہے۔تمہیں زرا رحم نہیں آتا مجھ پر۔قصور تمہارا بھی نہیں ہے۔خوبصورتی ہمیشہ جان لیوا ہوا کرتی ہے۔حسین و جمیل قدرت کے شاہکار پربت وادیاں جھرنے کتنے ہی لوگوں کی موت کا سبب بنے ہیں۔لوگ خوبصورتی کے لیے جاتے ہیں اور خوبصورتی انہیں مار کر خود میں سمو لیتی ہے۔تم بھی ان پربتوں وادیوں اور بہتے جھرنوں کی طرح ہو۔تمہاری ظاہری و باطنی خوبصورتی نے ایک ہی وار میں خرم کو گھایل کر دیا تھا۔اب تو بس مرنے کی آرزو ہے کہ مجھے مار کر خود میں سمو لویوں کہ میں محبت میں امر ہو جاؤں۔"

گھمبیر بھاری اور بوجھل آواز نے مزینہ کو ساکت کر دیا تھا۔اس کا لفظ لفظ شیرینی تھا جو مزینہ کی سماعتوں میں دھیرے دھیرے اتر رہا تھا۔

خرم تو بن پیے بہکا تھا۔ پھر یہ کہ کہاں کی شراب اور کیسا نشہ۔ محبوب سے بڑھ کر نہ کوئی شراب تھی نہ نشہ تھا۔ محبوب بھی وہ جو حلال ہو پھر کیسے ممکن ہے کہ بندہ ہوش بحال رکھے۔

جھک کر خرم نے اس کے گلابی عارضوں کو اپنے پر حدت لمس سے مہکایا تو اس کے جسم میں کرنٹ سا دوڑ گیا۔ اس نے پوری قوت سے حصار توڑ کر اسے پرے دھکیلا تھا۔ خفت اور شرم سے وہ سرخ پڑ گئی تھی پھر رخ پھیر گئی۔ اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

"کمرے میں چلو ادھر بہت ٹھنڈ ہے۔"

نرم لہجے میں خرم نے کہتے اس کے کندھوں پر شال ڈالی۔

وہ بدک کر دو قدم پیچھے ہوئی۔

"مم مجھے کک کہیں نہیں جانا۔ آپ چلیں جائیں۔"

وہ آنے والے لمحوں سے خوفزدہ تھی۔ مارے حیا کے تم کے بجائے خود بخود آپ نکلا تھا۔ اس کی حرکت اور گریز پر خرم کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

" کبھی وزن کروایا ہے تم نے اپنا؟"

خرم نے سنجیدگی سے سوال کیا تو مزینہ نے الجھن آمیز نظروں سے اس بندے کو دیکھا۔ کتنا عجیب سوال تھا۔ بھلا کیا تک بنتا تھا اس سوال کا ادھر۔

"آج اٹھا کر دیکھتا ہوں کہ کتنی بھاری ہو۔"

وہ سوچ ہی سکی تھی کہ بولنے کی خرم نے مہلت ہی نہ دی تھی اور جھک کر اسے بازوؤں میں اٹھا کر نیچے کا رخ کیا تھا۔

"نیچے اتاریں مجھے میں خود چل سکتی ہوں۔"

وہ گھبرا کر ادھر ادھر نظریں دوڑاتی بولی تھی۔ اس طرح اسے کوئی خرم کی بانہوں میں دیکھ لیتا تو۔ وہ شرم سے پانی پانی ہو رہی تھی۔

خرم نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی یا شاید سن کر ان سنی کر دی تھی۔ وہ پیر کی ٹھوکر سے دروازہ کھول کر اندر آیا اور مزینہ سے کہہ کر دروازے کی چٹخنی لگوائی۔

خرم کے ارادے اسے نیک نہیں لگ رہے تھے۔ سوچ سوچ کر اس کا دل بند ہوا جا رہا تھا۔

اس نے مزینہ کو کسی نازک آبگینے کی مانند نرمی سے بیڈ پر لٹایا تھا مگر وہ دوبارہ اٹھ بیٹھی تھی کہ خرم نے اسے خمار آلود نظروں سے دیکھتے اس کے کندھوں پر دباؤ ڈال کر اسے پھر سے لٹادیا اور اس پر لحاف درست کر کے اس پر جھکا۔

"خرم پلیز دور ہٹو۔ یہ سب! یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو۔"

وہ نم لہجے میں بے بسی سے چیخی۔ اپنی زندگی کی شروعات اس نے اسے نہیں سوچی تھی۔ وہ ایسا نہیں چاہتی۔ اس کی خواہش تھی کہ خرم اور اس کے بیچ سب غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔ خرم کا دل اس کی طرف سے بالکل صاف ہو جائے۔ شک کا جو بیج خرم کے دل میں پنپ رہا تھا وہ اسے جڑ سے اکھاڑ دینے کے بعد نئی زندگی شروع کرنے متمنی تھی۔ کسی کمزور لمحے کی گرفت اس کے لیے شدید ذہنی جھٹکے سے کم نہیں تھی۔ اس کے ذہن میں یہی بات کلبلاتی رہتی تھی اگر خرم کا دل اس کی طرف سے ساری زندگی صاف نہ ہوا تو یہی سوچ کر تو خود اس کی طرف قدم نہیں بڑھاتی تھی۔ کچھ خرم کا رویہ اس کے ساتھ ایسا تھا کہ اس کے شبہات اور وہمات سچ ہوتے دکھائی دینے لگے تھے۔ وہ اسی لمحے سے توڑرتی تھی جو آن وارد ہوا تھا۔

"وضاحت دو۔ کیسے ٹھیک نہیں ہے۔ تم میری قانونی اور شرعی بیوی ہو۔ میں تم پر پورا حق رکھتا ہوں۔"

اس کے بالوں میں محبت سے انگلیاں چلاتے وہ واقعی اسے حواسوں میں نہیں لگ رہا تھا۔ بے بسی سے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ کیوں نہیں سمجھ رہا تھا یا سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اندازہ نہ کر سکی۔

"خرم میں چاہتی ہوں کہ ہمارے درمیان۔۔۔۔ ہمارے درمیان یہ رات ٹھہر جائے۔ یہ لمحے یہ پل کبھی ختم نہ ہوں۔"

اس کی بات درمیان میں کاٹتا وہ جملہ مکمل کرتا اسے جا بجا اپنے لمس سے مہکا گیا تھا۔ اس کے تڑپتے بے چین من کو قرار آیا تھا۔ مزینہ کے سارے احتجاج ساری مزاحمتیں دم توڑ گئیں۔ اس نے خود کو خرم کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ وہ بے بسی سے اس کی قربت میں لمحہ لمحہ جھلس رہی تھی۔ خرم کے منہ زور جذباتوں نے اسے زیادہ دیر تک منفی سوچنے نہیں دیا تھا بلکہ اس کہ شدتوں پر وہ رشک کرتی خود کو اس کے سپرد کر گئی تھی۔

جس وقت وہ داخلی دروازہ کھول کر گھر میں داخل ہوا۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ نگاہ براہ راست صوفے پر بے ترتیبی کی حالت میں سوئی ہوئی زائشہ پر پڑی تھی۔

وہ چلتا ہوا اس کے نزدیک آیا۔ صوفے کی ہتھی پر دونوں ہاتھوں پر چہرہ ٹکائے وہ نیند کی وادیوں میں گم تھی۔ نیند میں اس کی بے چینی وہ واضح محسوس کر سکتا تھا۔ وہ غالبا اس کا انتظار کرتے کرتے ہوئے سو گئی تھی۔ اسے کچھ حیرت بھی ہوئی اور بے پناہ مسرت بھی کہ وہ اس کی خاطر جاگ رہی تھی۔ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے زائشہ کا اپنے لیے فکر مندانہ رویہ بہت اچھا لگا تھا۔

سوتے ہوئے وہ کس قدر معصوم اور پیاری لگ رہی تھی۔ اردشیر نے اس کے چہرے پر جھولتی لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا اور اس کا شانہ ہلایا۔ وہ جو اس کے انتظار میں بیٹھی بیٹھی ہی سو گئی تھی ہڑبڑا کر اٹھی اور اپنے سے چند قدم کے فاصلے پر اردشیر کو صحیح سلامت کھڑے دیکھ کر پہلے تو وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئی پھر اس کے یہ بے یقینی جلد ہے یقین میں بدل گئی۔ وہ بے اختیار اس کے سینے سے جا لگی تھی۔

اردشیر اس اچانک حملے کے لیے قطعی تیار نہیں تھا۔ لڑکھڑا کر رہ گیا۔

اردشیر !اس کا تو وہ حال تھا جیسے قارون کا خزانہ ملنے کے بعد ہوتا ہے۔بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

اس کے سینے پر سر رکھے دونوں ہاتھوں سے اس کا کوٹ دبوچ وہ بے ساختہ رو پڑی تھی۔ کیسے کیسے خیال نہ ستا رہے تھے اسے یہاں تک کہ نیند میں بھی وہ اس کے لیے پریشان تھی۔وہمات تھے کے ختم نہ ہو رہے تھے۔اس کی جو حالت تھی یہ صرف وہی جانتی تھی۔ اردشیر کو اپنی شرٹ سینے پہ سے گیلی ہوتی محسوس ہوئی تو اس نے خود کو کمپوز کیا اور گہری سانس خارج کی۔

"زائشہ کیا بات ؟طبیعت تو ٹھیک ہے ناں ؟"

محبت سے اس کا سر سہلاتے وہ نرمی سے استفسار کرنے لگا کہ اس کے خوف سے تو فالحال وہ بے خبر ہی تھا۔

"کہاں تھے آپ۔اتنی دیر لگادی آنے میں۔میں نے کتنے فون کیے آپ کو۔اتنے میسجز بھی کیے۔آپ نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔پتا ہے کتنا پریشان ہو گئ تھی میں۔آپ کو

میری بالکل فکر نہیں ہے۔ بابا بھی ایک دن اسی طرح ہمیں چھوڑ کر چلے گ ئے تھے اور

میں ان کا انتظار کرتی رہ گی ٔپر وہ نہیں آئے۔ مجھے لگا آپ بھی مجھے چھوڑ کر۔۔۔۔۔!

جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی زائشہ کی ہچکی بندھ گئ ٔ۔ اردشیر نے اس کی کمر میں بازو حمائل کر کے اسے خود میں بھینچ لیا۔

"ششش! چپ ہو جائیں زائشہ۔ آپ کے یہ آنسو مجھے ڈسٹرب کر رہے ہیں۔ دیکھیں میں آپ کے پاس ہوں اور بالکل ٹھیک ہوں۔ اینڈ آئی پرامس ٹو یو نیکسٹ ٹائم کبھی بھی دیر سے نہیں آؤں گا۔"

اردشیر نے اس کے بالوں کو نرمی سے چھوا اور اس پر گرفت مضبوط کرتے اسے خود کے ہونے کے احساس دلایا۔ اس کی سسکیاں اردشیر کے چوڑے سینے میں دب سی گئیں۔ کچھ دیر بعد جب اسے اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تو وہ تیزی سے الگ ہوئی۔ خفت سے چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"آپ نے کھانا کھایا۔"

اس نے نرمی سے اس کے پلکوں کو اپنے پر حدت لبوں سے چھوا جن پر پر آنسو اٹکے ہوئے تھے۔زائشہ نے حیاآلود نظریں جھکائے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ کھانا گرم کریں میں بس دو منٹ میں فریش ہو کر آتا ہوں۔"

اس کا گال تھپتھپا کر مسکراتا ہوا وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔واپس آیا تو زائشہ ڈائننگ ٹیبل پر اس کا ویٹ کر رہی تھی۔آنکھوں میں نیند کا خمار لیے وہ اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ اردشیر نے دھیرے سے اس کی آنکھوں کو چھوا تو وہ گھبرا کر آنکھیں کھول کر سیدھی ہو گئ۔

"آئی سیم سوری۔مجھے جلدی سونے کی عادت ہے ناں بس اسی لیے۔۔۔۔"!

وہ شرمندگی سے گویا ہوئی۔

"پر میں تو آپ کو جلدی سونے نہیں دوں گا۔صبح کا گیا شام کو تھکا ہارا آؤں اور مجھے میری بیوی سوتی ہوئی ملے۔ناٹ فیئر یار۔"

وہ جیسے تاسف سے بولا تو زائشہ لاجواب ہوتی لرزتی پلکیں جھکا گئ۔ کھانے کے بعد ٹیبل سمیٹ کر جس وقت وہ کمرے میں آئی اردشیر کمرے سے ملحکہ بالکنی کی ریلنگ تھامے کھڑا نہ جانے دور افق پر کیا تلاش کر رہا تھا۔

"آپ تھک گ ئے ہوں گے۔ سو جائیں۔ اتنی دیر تک جاگنا صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔"

زائشہ کی بات وہ چونک کر پلٹا۔

"کنویں کے قریب رہ کر پیاسا رہنا بھی صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہوتا زائشہ۔ میرے ہر درد اور ہر تکلیف کا درماں آپ ہیں۔ میری تھکن صرف آپ کے وجود سے رفع ہو سکتی ہے۔"

اس کے کندھوں پر دباؤ بڑھاتے وہ جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اس کا لمحہ پلبہ لمحہ بوجھل ہوتا لہجہ اور اس کی آنکھوں میں لکھی تحریر اور پڑھ کر زائشہ کی پتھیلی نم ہو گئیں۔ اس کے چہرے پر در آیا کرب زائشہ سے مخفی نہیں رہا تھا۔ کل اور آج جو کچھ بھی ہوا اس کے بعد اسے اتنا تو یقین ہو گیا تھا کہ وہ اردشیر کے بغیر جی نہیں سکتی۔ اس نے

اردشیر کے ہاتھ تھام لیے۔اس خوبصورت سے احساس پر اردشیر نے مدہوش ہوتے اسے جھٹکے سے قریب کیا تو وہ اس کے سینے سے آلگی۔اس کی محویت یک دم ٹوٹی تھی۔ پھر اس نے اطمینان سے اردشیر کے گلے میں بانہیں ڈال کر سر اس کے کشادہ سینے سے ٹکا دیا۔اردشیر حیران رہ گیا۔اس کی خود سپردگی پر کتنے ہی لمحے ساکت و جامد رہا۔اسے یقین کرنے میں چند منٹ لگے تھے کہ زائشہ نے خود سے اس کی طرف قدم بڑھائے ہیں۔یہ سوچ ہی اس کے دل و دماغ میں سرور بھر گئی تھی۔اس نے بھرپور استحقاق سے زائشہ کو خود میں بھینچ لیا۔

"تھینک یو! تھینک یو سو مچ جاناں۔"

اردشیر نے جذبات سے بوجھل لہجے میں کہا اور اسے بانہوں میں اٹھائے کمرے میں آگیا۔کسی نازک آبگینے کی طرح اسے بیڈ پر لٹایا تو زائشہ دھڑکتے دل کے ساتھ آنے والے لمحات کا سوچ کر پور پور پسینے میں نہا گئی۔

اردشیر نے محبت سے اس کے جوڑے میں مقید بال کھولے تو جھٹکے سے ریشمی آبشار اس کی پشت پر جھول گئے۔وہ بے اختیار اس کے ہونٹوں پر جھکا اور اس کی سانسوں سے

سانسیں الجھا بیٹھا۔زائشہ نے خوف سے اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچ لی۔اس کے کشادہ سینے کو چھوتے اس کے ہاتھ باقائیدہ کانپ رہے تھے۔اس کی غیر ہوتی حالت پر جیسے اسے ترس آگیا تھا۔زائشہ کی نم آنکھیں حیا کے بوجھ سے جھکی جارہی تھیں۔شرم سے سرخ پڑتے اس کے عارض اردشیر کو دیوانہ بناگ ئے تھے۔وہ ان عارضوں کی لالی چرا گیا تھا۔اس کی نیک بون پر لب رکھتے وہ دور ہٹا اور دھیرے دھیرے اپنی شرٹ کے بٹنز کھولنے لگا۔زائشہ کی جان لبوں پر آگئ۔وہ تیزی سے بیڈ سے اٹھ کر جائے فرار ڈھونڈتی اس سے پہلے ہی اردشیر اس کے دائیں بائیں اپنے مضبوط مردانہ بازوؤں کا حصار باندھتے اس کی گھنیری زلفوں میں چہرہ چھپا گیا تھا۔

"فیصلہ کر کے اس پر قائم رہنا سیکھیں مسز۔وہ اس کی خودسپردگی کے بعد اس کی شدتوں سے گھبرا کر فرار ڈھونڈنے پر گہری چوٹ کرتا اس کے کندھے کو اپنے لمس سے مہکا گیا۔ گردن سے نیچے اس کے ہونٹوں کا لمس محسوس کرتے وہ بے اختیار اس کا کالر دبوچ گئ۔آنکھیں سختی سے میچ لیں۔اردشیر نے اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر اسے پرسکون

کیا۔ وہ اس کی بڑھتی جسارتوں کی تاب نہ لاتے ہوئے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تو اردشیر نے اسے اپنی پناہوں میں لے لیا۔

سفیر نے جب سے انہیں اپنی جاب کا بتایا تھا تب سے ساجدہ بیگم بہت خوش تھیں۔ ان کے قدم زمین پہ نہ ٹکتے تھے۔

کچن کے کام سے فارغ ہو کر وہ کمرے میں جانے لگی تو بے اختیار انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھا کر اس کی ڈھیروں بلائیں لے ڈالیں۔

"میری بچی کے قدم کتنے خوش بخت ہیں۔ اس کے آتے ہی میرے بچے کی قسمت جاگ اٹھی۔ صحیح کہا ہے کسی نے رزق عورت کے نصیب کا ہوتا ہے۔ اللہ تمہیں شاد و آباد رکھے۔"

اس کے سر پر ہاتھ رکھتیں وہ شفقت سے بولیں تو سحاب حیران رہ گئی۔

"مجھ بد نصیب کی وجہ سے کچھ بھی میں ہوا آنٹی۔ یہ تو سفیر کی اپنی محنت کا نتیجہ ہے ورنہ میں تو اتنی بد بخت ہوں کہ جس گھر میں جاؤں اندھیرا کر دوں۔"

وہ خود اذیتی کی انتہا پر تھی۔ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔ پتا نہیں کیوں ان کی لہجے میں ممتا کی سی مٹھاس تھی۔ سحاب کا دل چاہا تھا کہ وہ ان کے سینے سے لگ کر اپنے سارے دکھ کہہ ڈالے۔

"نہیں میری بچی ایسا نہیں کہتے۔ اللہ خوشیاں دکھائے بڑے نصیبوں والی ہے میری بیٹی۔"

انہوں نے جھٹ اسے خود میں سمو لیا۔ پارس تو اس کی کایا پلٹنے پر خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گئی تھی۔

"چلو دیر آید درست آید۔ کم از کم اب اکیلی بور تو نہیں ہوا کروں گی۔ ورنہ آپا اور مزینہ کے جانے کے بعد تو یہاں الو بولتے تھے۔"

پارس نے مسکراہٹ دبائی تو سحاب ہنس دی۔

"آئی ایم سوری یار۔ میں بہت روڈ رہی تم سے۔ خاص کر زائشہ سے۔"

"اونہوں! بڑی ہیں ہم سے۔"

پارس نے تنبیہہ کی تو وہ کان پکڑ گئی۔ ساجدہ بیگم مسکرا اندر کمرے میں چلی گئیں۔

"اور میرے بھائی کا جو اتنا دل دکھایا ہے وہ؟"

پارس نے کمر پر دونوں ہاتھ ٹکار کر آنکھیں چھوٹی کیے اسے گھورا تو وہ لب دبا گئی۔

"ہم دونوں خود ہی آپس میں معافی تلافی کر لیں گے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

شرارت سے ہنستی ہوئی وہ پارس کو بہت پیاری لگی۔

مزینہ کا نکھرا نکھرا روپ دیکھ کر سروت بیگم بہت خوش ہوئیں۔اس کے وجود سے اٹھتی کسی دوسرے وجود کی خوشبو اور چہرے پر چھائی حیا کی سرخی ان کے سارے وہم دور کر گئی تھی۔انہوں بے اختیار اس کا ماتھا چوم کر اسے اپنے ساتھ لگا یا۔

"کتنی پیاری لگ رہی ہو۔خدا تمہیں دنیا جہاں کی خوشیاں نصیب کرے۔میری تو آنکھیں ترس گئی تھیں تمہارا یہ روپ دیکھنے کے لیے۔"

انہوں نے کن انکھیوں سے خاموشی سے ناشتہ کرتے خرم کو دیکھا۔

"تم دونوں نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے سب کچھ بھول کر نئی شروعات کرنے کا۔بھلا گزری باتوں کو دل پر لگانے سے کیا حاصل ہونا ہے یوں بھی سنی سنائی باتوں پر کان دھر کر احمقوں

کی طرح اپنی ہی زندگی برباد کرو گے دوسرے بس دور سے بیٹھ کر تماشہ دیکھتے ہیں۔ بس اب میں تم دونوں کو جھگڑتا نہ دیکھوں۔ پیار اور محبت سے رہو۔"

سروت بیگم نے مسکرا کر کہا۔ خرم کی پر تپش نظریں اس کے حسین نکھرے نکھرے سراپے پر تھیں۔ اس کی موجودگی میں سروت بیگم کی باتوں پر اسے ڈھیروں شرم آئی۔ شمائم اور دل افروز تو مسکراہٹ دبا گئیں۔ اس کا ناشتہ کرنا دوبھر ہو گیا۔

"میں چلتا ہوں امی جان۔ اللہ حافظ۔"

وہ ان سے سر پر ہاتھ رکھواتا ایک نظر مزینہ پر ڈال کر کلینک کے لیے نکل گیا۔ مزینہ کی کب کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔

"جلدی سے تیار ہو جائیں ہم آپا کی طرف جا رہے ہیں۔"

سحاب کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"تم جانتے ہو ناں کہ انہوں نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔"

وہ پر شکوہ لہجے میں گویا ہوئی۔

"تصحیح کرلیں سحاب بی بی گھر سے نہیں نکالا تھا۔آپ کی شادی کی تھی۔"

وہ جیسے اس کی گفتگو سے حظ اٹھا رہا تھا۔

"جس طرح انہوں نے کیا۔شادیاں اس طرح نہیں ہوا کرتیں۔میں ان کی اکلوتی بہن تھی۔ تھوڑی تو گنجائش چھوڑتے مگر انہوں نے تو مجھ سے معافی کا حق بھی چھین لیا۔"

وہ نروٹھے پن سے گویا ہوئی۔

"ہماری زندگی میں کئی دروازے سختی سے مقفل ہوتے ہیں۔ان پر متعدد پر ضرب لگانی پڑتی ہے پھر کہیں جا کر کھلتے ہیں۔آپ ایک بار پھر سے کوشش کریں۔مجھے پورا یقین ہے اس بار کی ضرب رائیگاں نہیں جائے گی۔"

وہ مسکرا کر اسے ساتھ لگاتے اس کے سر پر بوسہ دے گیا۔

"اگر انہوں مجھے گھر میں گھسنے ہی نہ دیا تو؟"

سحاب نے خوف سے جھرجھری لی۔

"آپ میرے ساتھ میری بیوی کی حیثیت سے جا رہی ہیں۔"

وہ جتاتے ہوئے لہجے میں کہہ کر فریش ہونے چلا گیا تو سحاب نے بھی اس کی تقلید کی۔

"پارس کیسی لگ رہی ہوں میں۔"

گھر جانے کی اور اپنوں سے ملنے کی خوشی انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ وہ تیار ہو پارس کے کمرے میں چلی آئی۔

"یہ سوال تو بھائی سے کرنے کا تھا۔ وہ آپ کو بتاتے کہ کیسی لگ رہی ہو۔"

اس نے معنی خیزی سے کہا تو وہ جھینپ گئی۔

"اچھا اب جلدی بتاؤ ٹھیک تو لگ رہی ہوں؟"

سحاب نے بیتابی سے پوچھا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔ ویسے تیاری کہاں کی ہے؟"

پارس نے مسکرا کر ایک نظر اس کے حسین سراپے پر ڈالی اور تجسس سے پوچھا۔

"آپا کی طرف جا رہے ہیں۔ تم بھی چلو ہمارے ساتھ۔"

سفیر نے دہلیز پر کھڑے ہو کر کف فولڈ کرتے اسے آفر کی۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔ میں بس ابھی اپنی چادر لے کر آتی ہوں۔"

وہ زائشہ سے ملنے کی خوشی میں تیزی سے پی

سے چادر نکال کر ساجدہ بیگم کو اطلاع دیتے وہ سفیر کے ہمراہ باہر نکل گئی۔

کل رات کے بعد سے دونوں میں بات چیت بالکل بند تھی۔ مزینہ کے دل میں خرم کی اس حرکت نے گہرا زخم لگایا تھا۔ وہ بالکل چپ ہو کر رہ گئی تھی۔ خرم کو احساس ندامت نے آلیا۔ وہ اسے بات کرنا چاہتا تھا مگر وہ سب سے بے نیاز خود میں مگن تھی یوں جیسے کمرے میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا ذی روح موجود ہی نہ ہو۔

ٹی وی دیکھتے وہ کن انکھیوں سے موبائل میں گم مزینہ کو دیکھ رہا تھا۔ بظاہر نظریں ٹی وی پر تھیں پر دھیان سارا دشمن جاں پر تھا جس کے چہرے پر خیرہ کن مسکراہٹ تھی جو خرم کو ٹھٹھکنے پر مجبور کر رہی تھی۔ موبائل پر انگلیوں کی تیز حرکت اس کی زیرک نگاہوں سے مخفی نہیں تھی۔ وہ کافی دیر تک برداشت کرتا رہا پھر ٹی وی آف کر کے ریموٹ بیڈ پر اچھالا اور اس کے قریب چلا آیا۔

"موبائل کے علاوہ کوئی اور کام نہیں ہے تمہیں۔"

اس کے ہاتھ سے موبائل فون کھینچتے وہ سخت لہجے میں استفسار کرنے لگا۔ چہرے کے تاثرات بے حد سنجیدہ تھے۔

"تمہیں کوئی تکلیف ہے۔"

خرم کی حرکت اسے ناگوار گزری تھی۔

"مجھ سے تمیز سے مخاطب ہوا کرو اور جو پوچھوں صرف اسی کا جواب دیا کرو۔ کیوں بھول جاتی ہو کہ تمہارا شوہر ہوں کوئی ملازم نہیں خواہ ناپسندیدہ ہی سہی۔"

خرم نے طنزیہ کہتے اسے بازو سے پکڑ کر مقابل کھڑا کیا۔ اس گرفت گوشت چیر دینے والی تھی۔ خرم کی آہنی گرفت میں اس کا بازو تھا جسے وہ جھٹکے سے چھڑوا گئی تھی۔

تکلیف کے احساس سے اس کی آنکھیں سرخ پڑ گئی تھیں۔

"ناپسندیدہ چیزوں کو خود پر مسلط کرنے کی عادی نہیں ہوں میں۔"

سپاٹ لہجے میں کہتے وہ خرم کے دوسرے ہاتھ سے فون لے چکی تھی۔ چونکہ گرفت نرم پڑ گئی تھی اسی لیے آسانی سے اچک لیا۔ مزینہ نے موبائل کھینچ کر دیوار میں دے مارا تو خرم دم بخود گیا۔

"سکون کی سانس لو مسٹر خرم۔ میں نے شک کی وجہ ہی ختم کر دی۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ تف ہے تم جیسے مردوں پر جسے اپنی ہی عورت پر اعتبار نہیں۔ میاں بیوی کو ایک لباس کہا گیا ہے۔ تم نے تو مجھے میری ہی نظروں میں بے لباس کر دیا۔"

شدید تاسف نے اسے آن گھیرا تھا۔ وہ کسی گیلی لکڑی کی طرح چٹخنی تھی جو سلگن ملتے ہی چیخ پڑتی ہے۔ خرم نے کچھ بولنے کے لب وا کیے ہی تھے کہ وہ پھر سے بول اٹھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے۔ میں تمہیں جانتی نہیں ہوں۔ اچھی طرح سمجھتی ہوں تمہاری شکی فطرت کو۔ تمہیں لگا تھا میں بلال سے بات کر رہی تھی۔ اس کی کسی شوخ چنچل سی گفتگو پر میری ہنسی نمودار ہوئی ہو گی۔ میرے دل میں اس کی کسی معنی خیز بات پر شگوفے پھوٹے ہوں گے۔ اسی پر تمہاری جھوٹی مردانہ انا بلبلا اٹھی اور تم بغیر وضاحت مانگے ہمیشہ کی طرح مجھے آج پھر موردالزام ٹھہرانے پہنچ گ ئے۔ میں بے ادب ضرور سہی مگر بے غیرت نہیں ہوں۔ غریب ہوں۔ پیسے کی کمی ضرور رہی ہے مگر کردار کی کمی نہیں ہے۔"

اس نے تلخی سے کہتے آنکھوں میں آئی نمی کو استہزائیہ انداز میں صاف کیا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔"

خرم نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا اور رخ موڑ گیا۔

مزینہ کی باتیں اسے ناگوار گزری تھیں۔اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ہاں اس کی مسکراہٹ اور انگلیوں کی حرکت پر وہ ٹھٹھکا ضرور تھا مگر سطحی مردوں کی طرح اس نے ایسا اس کے متعلق نہیں سوچا تھا یا شاید ہاں لیکن جو بھی تھا وہ زبان پر حرف بھی نہیں لایا تھا۔

"الزام لگانے کے لیے زبان ہی کافی نہیں ہوتی خرم صاحب۔ بعض اوقات نظریں اور انسانی رویے زبان سے کہیں زیادہ بہتر کام کر جاتے ہیں۔مجھے اتنا زیادہ مجبور مت کریں کہ میں واقعی اس راہ پر چل پڑوں جس راہ پر آپ کو محض میرا تخیل ہی محو سفر دکھتا ہے۔دھرتی پاک ہی جنمی گئ تھی۔ناپاک نہیں۔اسے برابرے لوگوں نے بنا دیا۔مجرم ماں کی کوکھ سے مجرم نہیں پیدا ہوتا اسے انسانی رویے دھتکار۔احساس کمتری۔بے اعتباری اور تفرقہ بازی مجرم بننے پر مجبور کرتی ہے۔"

وہ چیخ اٹھی تھی۔

"لسن مزینہ۔تم غلط سمجھ رہی ہو میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

لجاجت سے کہتے اس نے اسے تھامنا چاہا تو وہ کرنٹ کھا کر دو قدم پیچھے ہوئی۔

"آپ صاحب اپنے کام سے کام رکھا کریں۔ میرے معاملوں میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا آپ سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے کہ واسطے وہاں ہوتے ہیں جہاں تیقن کی روشنی ہو اور یہاں صرف شک کی اندھیر نگری ہے۔"

سرد و سپاٹ بے تاثر لہجے میں کہہ وہ کر کمرے سے نکلتی چلی گئ۔ ادھر غصے سے خرم کی نس پھڑک اٹھی۔ وہ بغیر کوئی وضاحت لیے اسے الزام دے گئ تھی۔ اس نے ہاتھ کا مکا بنا کر دیوار میں مارا اور پاؤں کی ٹھوکر سے ٹیبل کو پرے پھینکتا جبڑے بھینچ گیا۔

"سمیع کا ٹرانسفر ہو گیا ہے کراچی میں تو ممی لوگ اسی ہفتے کراچی شفٹ ہو رہی ہیں۔"

روشنی کی اطلاع پر اردشیر چونک گیا پھر مسکرایا۔

"چلیں یہ تو اچھی بات ہے۔ اسی بہانے آپ ان سے مل بھی لیا کریں گی۔"

اردشیر نے کہا۔

"آپ کی فیملی کہاں ہوتی ہے؟"

زائشہ نے گود میں بیٹھے حماس کو پیار کرتے روشنی سے پوچھا۔

"ممی لوگ پنڈی میں ہوتے ہیں۔ سمیع کا ٹرانسفریوں تو متعدد بار دوسری جگہوں پر ہوا پر ممی پنڈی میں ہی رہیں۔اس بار کراچی ہوا ہے تو میری وجہ سے یہاں شفٹ ہو رہی ہیں۔"

روشنی نے جواب دیا۔

بیل کی آواز پر ملازمہ نے اندورنی دروازہ وا کیا تو زائشہ سفیر اور پارس کو دیکھ کر خوشگوار حیرت میں گھر گئی۔

"السلام وعلیکم آپا۔"

وہ تیزی سے اس کے گلے لگی پھر روشنی سے مل کر اردشیر کو سلام کیا۔

سفیر اردشیر اور نوریز سے بغل گیر ہوا۔ سحاب کو ساتھ لگا کر نوریز نے اسے پیار کیا۔

"ان کپڑوں میں انسان لگ رہی ہو۔"

نوریز نے اسے چھیڑا تو وہ خفگی سے اسے دیکھنے لگی پھر اردشیر کی طرف بڑھی تو اس نے ضبط سے لب بھینچ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا کر ہٹا لیا۔ سحاب نے لب کچلے۔اس نے سفیر کی طرف دیکھا تو اس نے نظروں ہی نظروں میں اسے تسلی دی۔

"خیریت! آج تم لوگ راستہ کیسے بھٹک گ ئے؟"

روشنی ہنستی ہوئیں ملازمہ کو چائے کا کہنے چلی گئیں۔

"میری جاب لگ گئ ہے یہی خوشخبری دینے آئے تھے۔"

جواب سفیر نے دیا تھااور مٹھائی کا ڈبہ ان کہ طرف بڑھا دیا۔

"بہت بہت مبارک ہو سفیر۔اللہ تمہیں کامیاب کرے۔"

زائشہ بے حد خوش تھی۔

"کہاں جاب لگی ہے؟"

اردشیر کے پوچھنے پر وہ اسے تفصیل بتانے لگا۔وہ تینوں مرد بزنس کی گفتگو میں مصروف ہو گ ئے تو زائشہ سحاب اور پارس کو ڈرائنگ روم میں لے گئ۔

"آپا مجھے معاف کردیں۔میں نے آپ کا بہت دل دکھایا ہے۔میں جانتی ہوں جو بہتان میں نے آپ پر لگائے وہ بھلائے جانے قابل تو نہیں مگر میں اتنے سارے لوگوں کی ناراضگی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔"

زائشہ نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"معافی تلافی ضروری نہیں ہوتی۔بس دلوں کے میل دور ہو جائیں یہی کافی ہوتا ہے۔تمہارا دل صاف ہو گیا اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے۔"

وہ کھلے دل سے گویا ہوئی۔

"مگر بھائی مجھ سے ناراض ہیں۔"

وہ بوجھل لہجے میں بولی۔

"تو تم انہیں منالو۔بہن بھائیوں میں روٹھنا منانا تو چلتا رہتا ہے ناں۔کم آن۔"

وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی تو سحاب کمرے سے باہر آ گئی۔ریلنگ سے جھانک کر دیکھا اردشیر لاؤنج میں نہیں تھا۔اس نے کمرے کا رخ کیا۔

وہ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس شاید سونے کی تیاری میں تھا اسے دیکھ کر اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"کچھ کہنا ہے؟"

اس کے استفسار پر سحاب نے اثبات میں سر ہلایا۔

"سفیر ٹھیک ہے تمہارے ساتھ؟ کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟"

اس کی فکر مندی پر سحاب بے اختیار سسک اٹھی۔

"وہ آپ کا انتخاب ہے بھائی۔ وہ غلط کیسے ہو سکتا ہے۔ غلط تو میں تھی۔ میری ایک غلطی نے مجھ سے میرا پیارا بھائی چھین لیا۔ جس کا شفقت بھرا ہاتھ ہمہ وقت میرے سر پر رہتا تھا۔"

اردشیر نے اس کے آنسو صاف کیے۔ سحاب سکتے میں آ گئی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے سحاب۔ بچے جب غلطی کرتے ہیں تو ماں باپ ان پر سختی کرتے ہیں تا کہ وہ راہ راست پر آ جائیں۔ میرا سخت رویہ صرف اسی لیے تھا کہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو۔ اچھے برے میں تفریق کر سکو کہ تمہارے لیے کیا صحیح اور کیا غلط ہے۔ اب جبکہ میری چھوٹی سی گڑیا کو عقل آ گئی اور وہ اپنے سسرال میں اپنے شوہر کے ساتھ خوش ہے تو میں بھی خوش ہوں۔"

وہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے گویا ہوا تو سحاب اس کے گلے لگ گئی۔

"تھینک یو سو مچ بھائی۔ آپ نہیں جانتے آپ کی ناراضگی نے مجھے ایک پل بھی خوش نہیں رہنا دیا۔"

وہ نم لہجے میں گویا ہوئی۔

"میں بھی کب خوش رہا ہوں مگر اپنی چھوٹی بہن کو سدھارنے کے لیے یہ ضروری تھا۔ خوش رہو اپنے گھر میں۔ بس یہی دعا ہے۔ پیچھے کی فکر چھوڑ و اور اپنی ذمہ داریاں سنبھالو۔ وہاں تمہیں بہت محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ آسائشات زندگی میں ہمیشہ کے لیے نہیں ہوتیں سحاب۔ تمہیں سفیر کی توقعات پر پورا اترنا ہے۔ اسے تنگ نہیں کرنا۔ وہ بہت اچھا انسان ہے۔ بہت قابل اور ذہین بھی۔ وہ تمہیں اور اپنی فیملی کو ساری زندگی یونہیں نہیں گزارنے دیگا۔ بہت جلد وہ تمہاری ہر خواہش پوری کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ تب تک کے لیے صبر سے کام لو۔"

وہ بہت رسانیت سے اسے سمجھا رہا تھا۔ سحاب نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

ایک سکون سا رگ وپے میں سرایت کر گیا تھا۔

شمائم سروت بیگم کی وجہ سے ٹھہری ہوئی تھی اب جبکہ مزینہ اور خرم کے بیچ کے فاصلے اور غلط فہمیاں ختم ہوتی نظر آرہی تھیں تو سروت بیگم کی طبیعت بھی قدرے بہتر ہوئی تھی یوں شمائم نے بھی رخت سفر باندھ لیا۔ دل افروز اور ارتضی کو بھی بحر حال واپس جانا ہی

تھا۔ وہ شمائم کے ساتھ ہی واپس چلے گ ئے تھے۔ آج انہیں گ ئے چوتھا دن تھا۔ گھر کی فضا میں بے نام سی خاموشی اور اداسی رچ بس گئ تھی جسے مزینہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

خرم نے اپنا کوٹ صوفے پر رکھا اور گہرے نیلے رنگ کی ربن بند فائل اس کے سامنے کی تو مزینہ استہفامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہارے گھر اور گاڑی کے کاغذات کی فائل۔"

مزینہ نے فائل اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"چلو تم سے شادی کرنے کا میرا مقصد تو پورا ہوا۔"

اس کے لہجے میں بلا کا اطمینان تھا۔ خرم نے لب سختی سے بھینچ لیے۔ اس نے ربن کھول کر کاغذات کی تصدیق کی اور فائل الماری میں رکھ کر پلٹی تو خرم نے سبز رنگ کی ایک اور فائل اس کے ہاتھ میں تھمادی۔

"اس میں کیا ہے۔"

وہ بے طرح الجھی۔

"اس میں ہمارے رشتے کی حقیقت ہے۔ پہلی فائل میں تمہاری ڈیمانڈ تھی جبکہ اس فائل میں ہمارے رشتے کی ڈیمانڈ ہے۔"

وہ سرد لہجے میں گویا ہوا۔ چہرہ ہر احساس سے عاری تھا۔ اس نے فائل کھول کر پیپرز دیکھے اور پھر جیسے اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ اسے لگا جیسے کمرے کی چھت دھڑ دھڑ کر کے اس کے سر پر آن گری ہو۔ بے یقینی سے اس نے خرم کو دیکھا جو سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یکایک اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔

"جس مقصد کے تحت تم میری زندگی میں شامل ہوئی تھیں وہ پورا ہو چکا ہے۔ میرا نہیں خیال اس رشتے کو آگے چلنا چاہیے۔ تمہیں وہ سب کچھ مل گیا ہے جس کے لیے تم نے مجھے اپنی محبت کے جال میں پھنسایا تھا۔ ان پیپرز کو سائن کر کے جتنی جلدی ہو سکے مجھے اور خود کو اس زبردستی کے رشتے سے آزاد کر دو۔"

اس نے سفاک لہجے میں کہتے مزینہ کا بازو جھٹکا۔

"تم! تم ایسا نہیں کر سکتے خرم۔"

اس کا گلا رندھ گیا۔ نفی میں زور سے سر ہلاتے وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ لپک کر خرم کا کالر دبوچا تو اس نے لب سختی سے بھینچ لیے۔

"کیوں! کیا مزید کوئی حسرت تمام ہونا رہ گئی ہے؟"

اس نے تلخی سے کہتے اس کی گرفت سے اپنا کالر آزاد کروایا۔

"ایسا مت کرو خرم میں تمہارے بغیر مر جاؤں گی۔ تمہیں ابھی کچھ نہیں پتا اور جب پتا لگے گا تو ہم دونوں ہی خاک چھنتے رہ جائیں گے مگر ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔"

وہ بے اختیار رو پڑی۔ خرم کے بغیر جینے کا تصور ہی محال تھا۔ اس کی خواہشات کو اس نے جائز طریقے سے پورا کیا تھا کچھ غلط تو نہ تھا کم سے وہ ان عورتوں سے تو بہتر تھی جو اپنی حسرتوں اور خوہشوں کو اپنے نفس گروی رکھ کر پورا کرتی ہیں۔ وہ جیسے سسک اٹھی تھی۔

"کس قدر گھٹیا سٹینڈرڈ ہے تمہارا۔ کوئی دین مذہب ہے کہ نہیں۔ کل تک سابقہ منگیتر کے دم بھرتی تھیں اور آج تمہیں میں نظر آ رہا ہوں۔ کل کو مجھے چھوڑ کر تم کسی بلینئر کے پیچھے لگ جاؤ گی۔ ایسا ہی ہے ناں۔ کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا۔ سب دولت پر مرتے ہیں مزینہ بی بی۔ ایک جیتی جاگتی مثال میرے سامنے ہے۔"

خرم نے سرد و بے تاثر لہجے میں کہتے اسے بازو سے پکڑ کر آئینے کے سامنے کیا۔اس کے زہر میں ڈبو لفظوں نے مزینہ کے کردار کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔

"اپنی حد میں رہو خرم! میرے کردار پر انگلی اٹھانے کا تمہیں کوئی حق نہیں بنتا۔ سمجھے تم اور رہی بات اپنی حسرتیں تمام کرنے کی تو اپنے شوہر سے مانگا تھا سب کچھ کسی غیر سے نہیں۔جب شوہر بیوی سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے تو بیوی کیوں نہیں۔"

وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔

"میں نے جو کیا اپنی محبت میں اور بے غرض ہو کر کیا اور اس پر مجھے کوئی شرمندگی نہیں۔"

وہ درشتی سے بولا۔

"بہت خوب خرم صاحب! رات شب عروسی منا کر صبح آزادی کا اذن دے کر تم خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔سنا تم نے۔یہی سب کرنا تھا مجھے برتا ہی کیوں تھا۔جواب دو مجھے۔"

اس کا گریبان دبوچ کر وہ روتے چیختے سراپا سوال بنی ہوئی تھی۔

"خرم نے اس کی کمر میں بازو ڈالتے اسے خود میں بھینچ کر گرفت اتنی سخت کردی کے مزینہ کا سانس لینا دشوار ہو گیا۔

"اس لیے کہ میرے بعد کوئی اور تمہیں نہ برت سکے۔ جو چیز خرم کی نہ ہو وہ اسے کسی دوسرے کے لیے بھی نہیں چھوڑتا اور پھر تم نے یہ دل توڑا تھا۔"

خرم نے اس کا نازک مرمریں ہاتھ اپنے دل کے مقام پر رکھا۔اس کے ہاتھ تلے خرم کا دل زور شور سے دھڑک رہا۔

"کچھ تو سزہ بنتی تھی ناں۔ مزینہ بی بی۔"

وہ اس کے چہرے پر جھکا سرد گھمبیر لہجے میں سفاکیت سے جو انکشاف کر رہا تھا اس نے مزینہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

مزینہ پوری طاقت لگا کر اس کی گرفت سے نکلی تھی۔

"پہلی بار مزینہ بندے کو پرکھنے میں ناکام ہوئی ہے۔ معاملہ دل کا تھا جب ہی دماغ نے کام کرنا بند کر دیا تھا ورنہ تم جیسا شخص میرا انتخاب ہو ہی نہیں سکتا تھا جو کانوں کا کچا ہو۔ سنی

سنائی باتوں پر یقین کر کے اپنا ہی گھر برباد کر دے۔ جو اپنی ہی بیوی کو کردار کا طعنہ دے کر اسے اس کی ہی نظروں میں گرادے۔ گناہ ہو گیا تھا مجھ سے توبہ کرنا تو لازم ہے ناں۔"

اس نے طلاق کی طرف اشارہ کرتے ضبط سے کہا اور بے دردی سے آنسو رگڑے۔

خرم غصے کی شدت کو کنٹرول کرتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکلتا چلا گیا تو دوسری طرف مزینہ سر ہاتھوں میں گرائے ڈریسنگ میز کے ساتھ نیچے بیٹھتی چلی گئی اور فائل پر سر ٹکائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

تیری آنکھوں کے دریا کا اُترنا بھی ضروری تھا
محبت بھی ضروری تھی، بچھڑنا بھی ضروری تھا
ضروری تھا کہ ہم دونوں طوافِ آرزو کرتے
مگر پھر آرزوؤں کا بکھرنا بھی ضروری تھا
بتاؤ یاد ہے تم کو، وہ جب دل کو چرایا تھا
چرائی چیز کو تم نے خدا کا گھر بنایا تھا
وہ جب کہتے تھے میرا نام تم تسبیح میں پڑھتے ہو

محبت کی نمازوں کو قضا کرنے سے ڈرتے ہو

مگر اب یاد آتا ہے وہ باتیں تھیں محض باتیں

کہیں باتوں ہی باتوں میں مکرنا بھی ضروری تھا

وہی ہیں صورتیں اپنی، وہی میں ہوں، وہی تم ہو

مگر کھویا ہوُا ہوں میں، مگر تم بھی کہیں گم ہو

محبت میں دغا کی تھی سو کافر تھے، سو کافر ہیں

ملی ہیں منزلیں پھر بھی مسافر تھے، مسافر ہیں

تیرے دل کے نکالے ہم کہاں بھٹکے، کہاں پہنچے

مگر بھٹکے تو یاد آیا بھٹکنا بھی ضروری تھا

محبت بھی ضروری تھی، بچھڑنا بھی ضروری تھا

"روشنی اور حماس کے چلے جانے سے گھر کتنا سونا ہو گیا ہے۔"

جوس کے سپ لیتے اردشیر نے اس کے اداس چہرے کو بڑی والہانہ نظروں سے دیکھا تھا اور پھر میز پہ دھرا اس کا نازک ہاتھ اپنی گرفت میں لیا۔

"انہیں چھوڑیں اس گھر کے سونے پن کو دور کرنے کے لیے آپ کو نہیں لگتا جونیئر زائشہ کو آجانا چاہیے۔"

اردشیر کی گہری نظروں اور ذو معنی بے باک گفتگو پر زائشہ حیا سے سرخ پڑ گئ۔ جھینپ کر اپنا ہاتھ چھڑوایا۔

"جونیئر زائشہ کیوں جونیئر شیر کیوں نہیں؟"

زائشہ نے ہاتھ تھوڑی تلے ٹکا کر مسکراہٹ دبائی۔

"کیونکہ ہمارے خاندان میں بیٹیاں بہت کم ہیں۔ سحاب بھی اکلوتی تھی اب وہ بھی اپنے گھر کی ہو گئ ہے۔ میں چاہتا ہوں اس گھر میں پیاری سی خوبصورت سی جونیئر زائشہ کی کھلکھلاہٹیں گونجیں ہاں مگر وہ آپ کی طرح سنجیدہ بالکل بھی نہ ہو بلکہ مزینہ کی طرح شوخ چنچل اور بزلہ سنج سی ہو۔"

زائشہ کے چہرے کو محبت سے تکتے اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو وہ مسکرا دی۔

"اچھا! تو میں سنجیدہ ہو؟"

وہ خفگی سے بولی تو اردشیر ہنس دیا۔

"ضرورت سے بھی زیادہ۔"

وہ مسکراہٹ دبا کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"شکر ہے گھر سیٹ ہو گیا اب سمیع آجائے تو یہ سب میں سٹور روم میں رکھوا دوں۔"

انہوں نے کاٹنز میں پڑے سامان کی جانب اشارہ کیا۔

"بھائی تو دیر سے آئیں گے۔ میں رکھ دیتی ہوں ہمت کر کے۔"

روشنی نے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹا اور دوپٹہ کمر پر باندھا۔ کاٹنز زیادہ بھاری نہیں تھے۔ سعدیہ بیگم نے جبھی منع نہیں کیا۔ کاٹنز سٹور روم میں رکھنے کے بعد جب وہ سٹول سے نیچے اتریں تو حماس چھوٹا سا باکس ہاتھوں میں اٹھا لایا۔

"مما یہ تو آپ وہیں بھول گئیں۔"

باکس روشنی کی جانب بڑھاتے وہ معصومیت سے بولا۔روشنی نے جیسے ہی باکس تھامنا چاہا وہ حماس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گرااور ساری چیزیں نکل کر باہر گر گئیں۔

"چوٹ تو نہیں لگی آپ کو؟"

روشنی نے فکرمندی سے حماس سے پوچھاتواس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"آپ باہر جاؤ مما بس آ رہی ہیں۔"

روشنی نے پیار سے پچکارتے اسے باہر بھیجااور گہری سانس خارج کرتیں سامان سمیٹنے لگیں۔دفعتاان کی نظر ایک بیلک ان وائٹ تصویر پر پڑی۔انہوں نے تصویر اٹھائی اور ہاتھ سے اس پر چڑھی گرد صاف کی۔تصویر اب قدرے واضح نظر آ رہی تھی۔وہ بری طرح چونک گئیں۔

"کس کی تصویر ہے یہ؟کون ہے یہ تصویر میں موجود لڑکی اور ممی نے یہ تصویر سٹور روم میں کیوں رکھی ہوئی ہے؟"

وہ الجھن میں پڑھ گئیں۔

تصویر اٹھا کر وہ سٹور روم سے باہر آ گئیں۔سمیع لنچ ٹائم پر گھر آ گیا تھا۔

وہ فریش ہونے روم میں گیا تھا جبکہ سعدیہ ملازمہ سے لنچ ٹیبل لگوا رہی تھیں۔

"ممی ممی! ذرا ادھر تو آئیں۔"

روشنی کی آواز پر وہ ملازمہ کو ہدایت دیتیں اوپر اپنے کمرے میں چلی آئیں جہاں روشنی ہاتھ میں تصویر لیے بیتابی سے ان کی منتظر تھی۔ وہ معلوم کیوں تصویر میں موجود لڑکی انہیں دیکھی دیکھی سی لگی۔

"ممی یہ کس کی تصویر ہے۔"

روشنی نے تصویر کا رخ ان کی طرف کیا۔ سعدیہ نے وہ تصویر روشنی کے ہاتھ سے لی اور تھکے ہوئے انداز میں صوفے پہ گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئیں۔ تصویر کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے وہ آبدیدہ ہو گئیں۔ وہ بار بار اسے صاف کرتیں اور چومے جاتیں۔ ان کے آنسو تصویر پر گر رہے تھے۔ روشنی پریشان ہو گئیں۔

"ممی آپ رو کیوں رہی ہیں۔ کون ہیں یہ ممی؟"

وہ ان کے پاس بیٹھ کر مستفسر ہوئیں۔

"یہ سجو آپا ہیں۔ میری دوست میری سہیلی میری ماں جائی۔ یہ تمہاری سگی خالہ ہیں روشنی۔"

وہ زاروزار رونے لگیں۔ جدائی کی تکلیف آج بھی روزاول کی طرح تازہ تھی۔ روشنی نے تصویر ان کے ہاتھ سے لی اور متحیر رہ گئی۔

"ممی یہ کہاں ہوتی ہیں اور ہم ان سے ملتے کیوں نہیں؟"

روشنی نے کچھ پریشانی اور تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"اللہ جانے کہاں ہیں۔ زندہ بھی ہیں کہ نہیں۔ یااللہ اگر میری سجو آپا زندہ ہیں تو مجھے ان سے ملادے۔"

وہ تصویر دیکھ کر بیتے دن یاد کرتیں رونے لگیں۔

"ایسا کیا ہوا تھا امی کہ آپ لوگ الگ ہو گئیں اور خالہ جانی نے آپ کی اور آپ نے ان کی خبر ہی نہ لی۔"

روشنی نے پوچھا۔

"سب وقت کے کھیل ہوتے ہے میری جان۔ یہ جب سر پر پڑتا ہے تو خود سے بھی بے خبر کر دیتا ہے۔ وہ افسردی سے نم لہجے میں بولیں۔

"آپ نے پہلے کبھی ذکر نہیں کیا؟"

روشنی نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

"کیا ذکر کرتی۔ ذکر کرنے کو بھی تو کچھ ہوتا ناں۔ سجو آپا کی جدائی نے تو مجھے ہی جیتے جی مار ڈالا۔ تمھیں بتا کر اور پریشان کرتی۔"

وہ قدرے سنبھل کر گویا ہوئیں۔

"اچھا پریشان نہ ہوں چل کر لنچ کریں۔"

وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے باہر لے آئی۔

"خیریت ہے پریشان ہو؟"

لنچ کے بعد وہ اپنی پیکنگ کر کے لان میں چلی آئی تھی۔ سمیع چار بجے کی چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اسے الجھا الجھا دیکھ کر استفسار کیا۔

"آپ کو خالہ جانی کا پتا تھا؟"

روشنی نے کین کی کرسی گھسیٹی اور سمیع سے سوال کیا تو اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میں ممی کی وجہ سے پریشان ہو رہی ہوں۔ خالہ جانی کو لے کر وہ بہت مغموم ہیں اور مجھے جانا بھی ہے کل سے حماس کے سکول کھل رہے ہیں۔ مزید رک نہیں سکتی پڑھائی کا حرج ہو گا۔"

سمیع نے چائے کا خالی کپ ٹیبل پر رکھا۔

" تمہیں ممی کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ غم بس دو دن تک رہے گا جبکہ تمہارا غم تو نہیں لگتا ہے مار ہی ڈالے گا روشنی۔ تم کیوں ضد لگا کر بیٹھی ہو۔ مان کیوں نہیں جاتیں۔ زندگی کسی ایک شخص پر نہیں ٹھہرتی۔ پہاڑ جیسی لمبی زندگی کیسے گزارو گی؟ سمیع نے محبت و فکر مندی سے کہا۔

"بھائی پلیز کلوز دس ٹاپک۔"

روشنی نے نم آنکھیں لیے ضبط سے کہا۔

"وائے روشنی! اتنی خود غرض کب سے ہو گئیں۔ تم نے حماس کا سوچا ہے۔ اسے ماں کے ساتھ ساتھ باپ کے پیار کی بھی ضرورت ہے۔ اس کی شخصیت میں ادھورا پن رہ جائے گا۔ کیوں اس سے اس کا بچپن چھیننا چاہتی ہو۔"

سمیع نے سنجیدگی سے روشنی کی طبیعت صاف کرنے کا ارادہ باندھ کیا تھا۔

"میں خود غرض نہیں ہوں جبھی یہ قدم نہیں اٹھانا چاہتی۔ سوتیلا باپ سوتیلا ہی رہتا ہے۔ آپ کو لگتا ہے کہ کوئی مرد حماس کو باپ کا پیار دے گا تو یہ آپ کی بھول ہے بھائی۔ شادی کے بعد مرد صرف اپنے بچوں پر پیار نچھاور کرتا ہے نا کہ اپنی بیوی کے ساتھ مفت میں آئے بچے پر۔"

وہ تلخی سے گویا ہوئی تو سمیع نے لب بھینچ لیے۔

"زوالقرنین کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا۔ کسی زمانے میں وہ تمہارا بہترین دوست ہوا کرتا تھا اور اگر میں غلط نہیں ہوں تو وہ تمہیں پسند بھی کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہے۔ رمیز کا پرپوزل نہ آیا ہوتا تو میں زوالقرنین کو ہی ترجیح دیتا مگر تمہاری انوالومنٹ دیکھ کر چپ رہ گیا۔ خیر وہ تو قسمت کے کھیل تھے۔ اب اگر قسمت پھر تمہارے در پر دستک

دے ہی ہے تو درواکر دو روشنی۔ زوالقرنین حماس کو باپ کا پیار دے سکتا ہے۔ اس کی حماس سے اٹیچمنٹ بہت اچھی ہے۔"

سمیع کے بتانے پر وہ جو اتنی دیر سے تکلیف کے مراحل طے کرتی خود پر کنڑول کر رہی تھی چونک گئ۔

"حماس اور زوالقرنین کی اٹیچمنٹ۔ کب کیسے اور آپ کو اس بارے میں کیسے پتا ہے۔"

وہ حیران ہو گئ۔

"تم اتنی انجان ہو روشنی۔ پھر تو تمہیں یہ بھی نہیں پتا ہو گا کہ حماس اسے پاپا کہتا ہے۔"

روشنی شاکڈ رہ گئ۔ وہ تو سمجھی تھی کہ حماس ڈانٹ ڈپٹ سننے کے بعد بھول بھال گیا ہو گا مگر سمیع کی باتوں نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"تم نے کبھی جاننے کی کوشش کی کہ وہ اسے باپ کیوں سمجھتا ہے یا زوالقرنین سے کبھی پوچھا؟"

سمیع نے جانچتی نظروں سے روشنی کو دیکھا۔

"نام مت لیں اسے زلیل شخص کا میرے سامنے۔میرا شوہر تو چھین لیا اس نے اب کیا میرا بیٹا بھی مجھ سے چھین لے گا۔یہ کیسی محبت تھی اس کی کہ اس نے انتقام میں رمیز کو۔۔۔۔"!

روشنی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔الفاظ اندر ہی کہیں گم ہو گ ئے۔

"وہ سب قسمت میں ہونا لکھا تھا روشنی۔زوالقرنین نے کوئی انتقام نہیں لیا۔تم دماغ سے کیوں نہیں سوچتیں۔اپنی خود ساختہ انا تمہیں جھکنے کیوں نہیں دے رہی۔اس رات مشن پر زوالقرنین ہی جانا چاہتا تھا مگر اس کی والدہ کو ہارٹ اٹیک آیا تھا مگر اس نے تب بھی فرض سے منہ نہیں موڑا۔یہ بات جب رمیز کو پتا لگی تو اس نے ہائی کمیشن سے اتھارٹی لے کر یہ مشن اپنے سر لے لیا یوں کہ اسے بھنک بھی نہیں لگی کہ اس کی جگہ رمیز جا رہا ہے اگر اسے پتا ہوتا تو بخدا وہ کبھی رمیز کو جانے نہ دیتا کیونکہ شہاب حسن صدیقی کی رمیز سے ذاتی دشمنی بھی تھی۔وہ تو یوں بھی اس کے خون کا پیاسا تھا۔رمیز کو شہید ہونے کی بہت خواہش تھی بہت خوش نصیب ہوتے ہیں وہ جو من کی مراد پا لیتے ہیں۔اس مشن میں اس نے جام شہادت نوش کیا تھا تو دوسری طرف زوالقرنین نے اپنی ماں کو قبر میں اتارا

تھا۔ تدفین کے بعد جب وہ لوٹا تو اسے بھی شدید ترین جھٹکا لگا تھا۔ اس نے اسی بات پر ہائی اتھارٹی سے بحث بھی کی کہ اسے لاعلم کیوں رکھا گیا مگر کچھ حاصل حصول نہ ہوا۔ رمیز کی ڈیڈ باڈی نے اس کی ساری ہمت ختم کر دی تھی۔ اپنے جگری یار کو یوں کفن میں لپٹے دیکھنا آسان نہیں ہوتا روشنی۔ اس نے دو دو غم جھیلے۔ بغیر اف کیے اور تمہارے سارے الزامات سہتے ہوئے۔ تم نے اسے کیا کچھ نہیں کہا مگر وہ زبان پر حرف تک نہیں لایا۔ کبھی تمہیں سچ نہیں بتایا۔"

روشنی ششدر رہ گئیں۔ صدمے کی سی کیفیت لیے اس نے سمیع کو دیکھا جو آج نہ جانے کون کون سے انکشافات کر رہا تھا۔

"رمیز ذوالقرنین کی تمہارے لیے محبت سے بے خبر نہیں تھا۔ بستر مرگ پر اس نے وعدہ لیا تھا ذوالقرنین سے کہ وہ تمہیں ساری خوشیاں دے گا تم سے شادی کرے گا اور حماس کو ایک باپ کا پیار دے گا۔ اس وقت حماس آئی سی یو میں ذوالقرنین کے پاس ہی تھا۔ رمیز نے اسے یہ باور کروا دیا تھا کہ ذوالقرنین اس کے بابا ہیں۔ انہیں اللہ نے بلایا ہے تو

زوالقرنین بابا کو حماس کے لیے بھیجا ہے تاکہ وہ ہمیشہ خوش رہے۔ روشنی رمیز حماس کو باپ کے پیار سے محروم نہیں دیکھ سکتا تھا۔ سوچو کتنی بے چین ہوتی ہو گی اس کی روح۔"

سمیع نے تکلیف سے کہا تو روشنی اس کے کندھے سے لگ کر رو پڑی۔

"آپ لوگوں نے مجھ سے یہ سب کیوں چھپایا۔ مجھے کیوں نہیں بتایا کہ زوالقرنین بے قصور ہے۔ میں یہی سمجھتی رہی کہ وہ اپنی ادھوری رہ جانے والی محبت کے انتقام میں یہ سب کر رہا تھا۔ یا خدا میں کتنی غلط تھی۔ سمیع بھائی میں نے رمیز کو کھو دیا۔ اس پر میرا کوئی اختیار نہ تھا مگر میں نے اپنا سب سے اچھا دوست بھی کھو دیا۔ اس پر تو میرا اختیار تھا۔ کاش آپ لوگ مجھے حقیقت سے بے خبر نہ رکھتے۔"

وہ شدت سے رو دی۔

" بگڑا تو اب بھی کچھ نہیں ہے۔ اسے ایک موقع دو روشنی رمیز سے کیا وعدہ نبھانے کا۔ وہ صرف تمہاری ضد کے آگے بے بس ہے۔"

سمیع نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ کچھ سنبھلی۔

"آپ مجھے اور حماس کو گھر چھوڑ آئیں۔"

وہ آنسو پونچھ کر کھڑی ہو گئی تو سمیع کو بھی اٹھنا پڑا۔

"میری ایک بات یاد رکھنا روشنی۔ شوہر کے بعد سسرال میں رہنا بے معنی ہوتا ہے وہ بھی تب جب ساس سسر حیات نہ ہوں۔ ہمیشہ تمہاری ضد اور رمیز سے اٹیچمنٹ کی خاطر میں چپ رہا مگر اب تمہیں ممی کے بارے میں سوچنا ہے حماس کے بارے میں سوچنا ہے۔ زندگی بار بار چانس نہیں دیتی۔ ذوالقرنین ساری زندگی جوگ لے کر نہیں بیٹھا رہے گا۔ ایک نہ ایک دن وہ بھی اپنی زندگی میں کسی نہ کسی کو شامل کر لے گا کہ زندگی تنہا نہیں کٹتی۔ تو وہ کسی تم کیوں نہیں ہو سکتیں۔"

سمیع بول کر اسے سوچوں کے گرداب میں غرق کر گیا۔

آج اسے آتے آتے کافی دیر ہو گئی تھی۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ جلدی نہیں آسکا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی پہلی نظر بے سدھ لیٹی ہوئی مزینہ پر پڑی۔ بغیر دوپٹے کے بنا کسی لحاف کے وہ اپنے حسن کی رعنائیوں سے بے پرواہ ہو کر خرم کا ضبط آزما رہی تھی۔ ایک بازو آنکھوں پر رکھا ہوا تھا نہ معلوم وہ سو رہی تھی یا جاگ رہی تھی۔ وہ اندازہ نہ کر سکا۔ اس کے وجود کے نشیب و فراز سے نگاہ چراتا وہ کپڑے لے کر فریش ہونے چلا گیا تو

مزینہ نے کب کی رکی سانس بحال کی۔اٹھ کر دوپٹہ اوڑھا اور ایک نظر گھڑی پر ڈال کر کچن کا رخ کیا۔

ابھی کھانا گرم کرنے رکھا ہی تھا کہ کھانے سے اٹھنے والی خوشبو سے اس کا دل بری طرح متلایا۔دماغ چکرا سا گیا۔اس سے قبل کے وہ لڑکھڑا کر زمین بوس ہوتی خرم کی مہربان بانہوں نے اسے بروقت سہارا دیا۔اس نے خوف کے مارے خرم کی شرٹ دونوں مٹھیوں میں دبوچ لی۔آنکھیں بند کیے وہ اس وقت خرم کے نرم گرم حصار میں تھی۔اس کی پر تپش سانسیں خرم کو اپنے سینے پر محسوس ہو رہی تھیں۔

"پہلے اپنا آپ سنبھال لو بعد میں اپنی ذمہ داریاں سنبھالنا۔"

خرم کی کاٹ دار آواز پر وہ سیدھی ہوئی۔اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

اس کی طبعیت اس قدر عجیب ہو رہی تھی کہ وہ خرم کی بات پر غور ہی نہ کر سکی۔یک دم دل گھبرانے لگا تو وہ اس کی سائیڈ سے نکل کر باہر لان میں چلی گئ۔خرم کو اپنا یوں نظرانداز کیے جانا بہت کھلا۔وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔برنر آف کیا اور کمرے میں چلا آیا مگر وہ کمرے میں بھی نہیں تھی۔دل کہہ رہا تھا اس سرپھری کے پیچھے جائے جب کہ دماغ انا کی جنگ لڑ

رہا تھا۔ تھک ہار کر لائٹ آف کر کے لیٹ گیا۔ ادھر سے ادھر کروٹیں بدلتے اسے کسی طور چین نہیں آ رہا تھا۔ بیڈ کا دوسرا خالی حصہ خرم کو بے چین کیے دے رہا تھا۔ وہ اٹھا اور لائٹ آن کی۔ اس کے قدم لان کی طرف تھے۔

لان کی مدھم روشنیاں سوئمنگ پول میں پڑ رہی تھیں۔ چاند پانی میں اترا ہوا تھا۔ وہ ٹھنڈی ٹائلوں والے فرش پر دونوں ٹانگیں پول کے یخ بستہ پانی میں ڈالے ننگے سر بیٹھی تھی۔ خرم کا غصہ آسمانوں کو چھونے لگا۔ وہ کیوں خود سے بے پرواہ رہتی تھی۔ کیوں اس کے دل سے کھیلتی تھی۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ یہ کون سا وقت ہے جون جولائی منانے کا۔ اٹھو اور اندر چلو۔"

وہ اس کے سر پر کھڑا برہمی سے بولا۔ اس کے انداز میں سختی در آئی تھی۔

ایک تو پہلے ہی اس کی طبیعت عجیب ہو رہی تھی اوپر سے خرم کے رویے نے اسے مزید دل برداشتہ کر دیا تھا۔

"میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی تو خرم نے تمسخر اڑاتی نظروں سے اس کی پشت کو دیکھا جو پول پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"خاصی حیران کن بات ہے کہ تمہارے پاس دل بھی ہے۔"

چند قدم کا فاصلہ عبور کرتا وہ اس کے برابر میں پنجوں کے بل بیٹھتا اس کے دوپٹے کا کونہ تھام کر طنزیہ انداز میں گویا ہوا۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔ اب یہ مت کہیے گا کہ تمہیں لینے کیونکہ جہاں مراسم ٹوٹنے کی نوبت آجائے وہاں جذبات واحساسات باقی نہیں رہتے۔ آپ صاحب اندر جائیں اور سکون سے نیند پوری کریں۔ ہمارا کیا ہے چند دن کے مہمان ہیں۔ آشیانہ چھوڑ کر اڑ جائیں گے مگر تب تک کے لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ جیسے آپ نے میری خواہشوں کو پورا کیا میں بھی آپ کی خواہش (طلاق) کو پورا کر دوں گی۔"

وہ آنسو ضبط کیے کڑے لہجے میں بولی تو خرم نے سختی سے لب بھینچ لیے۔ اس نے چہرہ موڑ لیا۔ آنسو سرخ عارضوں پر بہہ گ ئے۔

ہم بھی شکستہ دل ہیں پریشان تم بھی ہو

اندر سے ریزہ ریزہ میری جان تم بھی ہو

ہم بھی ہیں ایک اجڑے ہوئے شہر کی طرح

آنکھیں بتا رہی ہیں ویران تم بھی ہو

مزینہ نے دکھ سے آنکھیں میچ لیں۔ زندگی میں یہ وقت بھی آنا تھا۔

"سب تمہاری اپنی چوائس پر ہو رہا ہے پھر یہ آنسو کیسے۔ یہ تکلیف کیونکر۔"

اس کا چہرہ اپنی طرف موڑتے وہ نرمی سے اس کے انسو اپنی پوروں پر چنتے سنجیدگی سے سرد لہجے میں مستفسر ہوا تو مزینہ لب دبا گئی۔

"آپ کو میری تکلیف اور میرے آنسوؤں سے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔"

وہ تیزی سے بولی۔

"مجھے فرق پڑتا ہے کہ تم رات کے اس پہر اجڑی بکھری حالت میں اس جگہ جس طرح بیٹھی ہو اگر گھر کا کوئی فرد تمہیں دیکھ لے تو ہمارے رشتے پر ہزاروں سوال اٹھیں گے۔"

وہ درشت لہجے میں اس کی بات کی نفی کر گیا اور وہ جو یہ سوچ رہی تھی کہ وہ یہ کہہ دے گا کہ اسے فرق پڑتا ہے۔ خرم کی بست پر دل کرچی کرچی ہو گیا۔

"خدا کے لیے جائیں یہاں سے۔ چھوڑ دیں میرا پیچھا۔"

وہ دو ہاتھ جوڑ کر گلیو کیر لہجے میں دبا دبا سا چیخی۔

"بہت جلد تمہاری یہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی فالحال اندر چلو۔"

سخت لہجے میں کہتے اس نے مزینہ کو سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر بانہوں میں اٹھایا اور اندر لے آیا جبکہ وہ اس کے اس اقدام پر حسرت بھری نگاہوں سے اس کے چہرے کو دیکھتی رہی کہ جہاں شادی کے بعد اس نے اپنے لیے کوئی گلاب سا تاثر نہیں دیکھا تھا۔ اس کا دل بری طرح کرلا یا۔ اس نے خرم کو بہت چاہا تھا۔ قسمت اسے کس موڑ پر لے آئی تھی۔ پوری زندگی سسک کر گزاری اور اب بھی جب سب کچھ میسر تھا تب بھی وہ تہی دامن تھی۔

"کپڑے چینج کرنے کا ارادہ ہے یا یہ کام بھی مجھے ہی انجام دینا پڑے گا۔"

خرم کا سرد و سپاٹ لہجہ اسے بکھیر کر رکھ گیا۔ وہ جن حالات سے گزر رہی تھی۔ وہ اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس کے پشت سے سر ٹکائے بازو اس کے گرد باندھے سسک اٹھی۔

"میں بہت تھک گئی ہوں خرم۔"

مزینہ کے ڈھکے چھپے اقرار پر وہ ششدر رہ گیا۔اور کتنے ہی لمحے کچھ کہنے کے قابل نہ رہا۔اس نے مزینہ کو اپنے سامنے کیا۔اس کی زرد پڑتی رنگت اور بھیگی نم پلکیں دیکھ خرم کا دل کرلا یا۔وہ اسے مزید تنگ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر اسے روتے دیکھ کے پھر جیسے اسے مزینہ کی حالت پر رحم آگیا۔اس نے مزینہ کی کمر کے گرد اپنے مضبوط بازوؤں کا حصار باندھا اور بے حد نرمی اور ملائمت سے اس کے آنسو لبوں پر چن لیے۔مزینہ کے تڑپتے سسکتے دل کو یک لخت کی سکون ملا تھا۔

اس نے لائٹ آف کی اور دھیرے سے اس کا دوپٹہ گردن سے نکالا۔مزینہ نے آنکھیں میچ لیں۔وہ ان لمحوں کو محسوس کرنا چاہتی تھی۔اپنی پشت پر خرم کے رینگتے ہاتھ محسوس کرتے وہ جی جان سے لرز گئی تھی۔خود کو اس کی مضبوط پناہوں میں چھپاتے وہ خود کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ گئی۔اس کی خواہش کو سر آنکھوں پر رکھتے وہ اسے بیڈ پر لے آیا۔لحاف برابر کر کے وہ کمرے سے ملحکہ گیلری میں نکل آیا۔مزینہ کا آج کا رویہ اس کی سمجھ سے پرے تھا۔

"آپ کی یہ سوچیں میری رقیب بنی ہوئی ہیں۔"

اردشیر کی گھمبیر آواز پر وہ تخیل سے باہر نکلی۔

"میری سوچوں پر بھی آپ کا پہرہ ہے۔آپ سے شروع ہو کر آپ پر ہی ختم ہوتی ہیں۔"

وہ مدھم مسکراہٹ لبوں پر سجائے بولی تو اردشیر ہنس دیا۔

"آنکھیں تو کچھ اور ہی کہانی سنارہی ہیں۔"

وہ نیپکن سے ہونٹ تھپتھپا کر گویا ہوا تو زائشہ نے اسے کل والی نوریز کی گفتگو من و عن بتادی۔

"اس میں کوئی مضائکہ تو نہیں۔اچھا ہے دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں آجائیں گی۔دیورانی جیٹھانی میں جب تکرار ہو گی تو کیا ہی مزہ آئے گا۔"

وہ شرارت سے بولا۔پھر بل پہ کر کے اس کا ہاتھ مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں تھام کر ریسٹورینٹ سے باہر نکل آیا۔

"تکرار تو تب ہو گی جب میں لڑوں گی۔"

زائشہ اس کے کندھے سے سر ٹکائے مزے سے بولی۔

"ہاں آپ مجھ سے لڑ لیں یہی کافی ہے۔"

اس کی ناراضگی پر زائشہ نے آنکھیں گھمائیں۔

"جی نہیں مجھے صرف پیار کرنا آتا ہے لڑنا نہیں۔"

وہ بے ساختگی میں کہہ تو گئی مگر اردشیر کی ذومعنی مسکراہٹ پر وہ لجا کر رہ گئی۔

"مجھے تو کبھی پیار نہیں کیا۔ ہمیشہ میں ہی کرتا ہوں۔ کوئی عملی مظاہرہ دکھائیں تو یقین بھی آئے خالی باتوں پر ہم یقین نہیں کرتے۔"

وہ دلکش لہجے میں مسکراہٹ دبا کر گویا ہوا تو زائشہ نے لب دبائے اور اچانک اس کے گال پر لب رکھ دیے اور اسی تیزی سے دور ہوئی تھی کہ اردشیر نے اس کے ارادے بھانپتے فورا اس کی کلائی تھامی۔

"یہ فرار مہنگی پڑ سکتی ہے۔"

گاڑی کا موڑ کاٹتے وہ بے باکی سے بولا تو زائشہ نے ہاتھ چھڑوانا چاہا۔ اردشیر نے گاڑی کی سپیڈ سست کر دی۔

"چھوڑیں ناں۔ کیا کر رہے ہیں۔"

زائشہ کی شرم وحیا سے لبریز کھنکتی آواز نے اردشیر کو گاڑی روکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ بے اختیار زائشہ پر جھکا اور اس کی زلفوں میں انگلیاں الجھائے اس کے گردن پر اپنا لمس چھوڑتے بن پیہے بہکنے لگا۔

زائشہ کی دھڑکنیں مدھم پڑ گئیں۔ اتنی ٹھنڈ میں بھی اردشیر کی قربت پر اس کے پسینے چھوٹ گ ئے تھے۔

"اردشیر پلیز! کوئی آجائے گا۔"

حیا اور خفت سے پر اس کی کانپتی آواز نے اسے مزید بہکا دیا۔ اسے خود میں بھینچے وہ ہوش حواس بھلائے زائشہ کا امتحان لینے کے در پہ تھا۔ زائشہ ان لمحوں میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ گاڑی کے شیشے پر ابھرتے سائے کو دیکھ ہی نہ سکی۔ آنکھیں بند کیے اردشیر کی نرم گرم بانہوں میں اس کی قربت کے نشے میں ڈوبی ہوئی اس کے گرد حصار باندھے وہ خود بھی حواسوں میں کہاں تھی۔ ہوش تو تب آیا جب گاڑی کا شیشہ چیرتی کوئی ٹھوس شے اردشیر کی پشت پر لگی۔

فلک شگاف چیخ کے ساتھ وہ حراساں ہو کر گاڑی کے دروازے سے چپک گئ۔اردشیر نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔گاڑی کا شیشہ چکنا چور ہو چکا تھا۔شکر تھا زائشہ کی طرف جھکنے سے وہ کسی جانی نقصان سے محفوظ رہا تھا۔اس کی نظر پیروں میں گرے پتھر پر پڑی جس پر کوئی چٹ بندھی ہوئی تھی اس نے اٹھا کر کھولی اور جیسے جیسے وہ پڑھتا جارہا تھا ویسے ویسے دماغ کی رگیں ابھرتی آرہی تھیں۔غصہ اور مارے اشتعال کے اس کے چہرہ تن گیا۔مٹھیاں سختی سے بھینچتے اس کی نظر اچانک زائشہ پر پڑی جس کی آنکھوں میں خوف ہلکورے لے رہا تھا۔دروازے سے چپکی ہوئی وہ بامشکل سانس لے پا رہی تھی۔دوپٹہ کندھے پہ جھولتا اس کی حالت کا گواہ تھا کہ وہ کس قدر ڈری ہوئی ہے۔اردشیر نے خود کو ملامت کیا اور چہرے پر ہاتھ پھیرتے چٹ جیب میں رکھی اور تاثرات نارمل کرتے زائشہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کا دوپٹہ اٹھا کر اسے اچھی طرح اوڑھایا۔

"ہوش میں آئیں زائشہ۔ٹھیک سے سانس لیں۔ایوری تھنگ از اوکے۔میں ہوں ناں آپ کے ساتھ۔"

اسے تسلی دیتے وہ قدرے سخت لہجے میں بولا تو جیسے اس کا سکتہ ٹوٹا۔

"آپ کو گولی لگی ہے۔ گاڑی کا شیشہ۔۔۔۔۔"!

وہ بے طرح خوفزدہ تھی۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے۔ گاڑی کا شیشہ پتھر سے ٹوٹا ہے۔ کسی منچلے نے شرارت کی ہے۔ دیکھیں۔"

زائشہ کی بات قطع کرتا وہ نیچے سے پتھر اٹھا کر دکھانے لگا۔ صد شکر تھا کہ جب وہ چٹ پڑھ رہا تھا تو زائشہ سکتے میں تھی ورنہ اسے سنبھالنا اردشیر کے لیے کافی مشکل امر ثابت ہوتا۔

"آپ آپ! بہت برے ہیں۔ کبھی بھی کہیں بھی شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ پتھر بھی آپ کو ہوش میں لانے کے لیے پھینکا ہو گا اس منچلے نے۔ میں آپ سے ہر گز ہر گز بات نہیں کروں گی۔ آپ کو میرے خوف کا اندازہ نہیں ہے کتنا ڈر گئی تھی میں۔"

وہ خفگی بھرے لہجے میں بولتی اردشیر کو پر سکون کر گئی۔ اردشیر کی خاموشی پر وہ اس سے مزید ناراض ہو گئی۔ اردشیر اس وقت اس سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس کا ارادہ زائشہ کو گھر چھوڑ کر زوالقرنین سے بات کرنے کا تھا۔

جس نے آج دوپہر میں ہی اسے فون کر کے مجرم کے پتا چل جانے کی اطلاع دی تھی مگر سہ پہر روشنی کے آجانے اور رات میں زائشہ کی فرمائش پر اسے گھر لے جانے اور واپسی پر اردشیر کی ایما پر باہر ڈنر کرنے سے یہ معاملہ بیچ میں رہ گیا تھا۔

"تم کسی زریان ملک کو جانتے ہو۔"

ذوالقرنین نے ہاتھ میں پکڑی چٹ کو پڑھنے کے بعد ریوالونگ چیئر پر جھولتے کن نظروں سے اردشیر کو دیکھ کر سوال پوچھا۔

"زریان"!

وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"چلو تمہاری مشکل آسان کر دیتا ہوں۔ تمہارا اور زائشہ کا دشمن کوئی اور نہیں بلکہ تمہارا سابقہ مینیجر زریان ملک ہے۔ یہ رہی اس کی تصویر۔"

ذوالقرنین نے کہتے ساتھ ہی دراز سے ایک تصویر نکال کر اس کے آگے کھسکائی جسے دیکھ کر اردشیر کو چار سو چالیس والٹ کا جھٹکا لگا جہاں بہت سی گتھیاں سلجھی تھیں وہیں کچھ الجھ بھی گئی تھیں۔

"مائے گاڈ! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرا دشمن کوئی اور نہیں بلکہ زریان ملک ہو گا۔"

وہ لب بھینچے ناقابل یقین تاثرات لیے گویا ہوا۔

"کبھی کبھی وہ ہوتا ہے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔"

ذوالقرنین نے اطمینان بھرا جواب دیا۔

"تمہیں یقین ہے کہ یہی شخص ہے؟"

اردشیر نے گہری سنجیدگی سے تائید چاہی۔

"سو فیصد یقین ہے۔ جس فیکٹری میں زائشہ کو اغوا کر کے رکھا گیا تھا وہاں مجھے ایک مائیکرو کیمرہ ملا تھا۔ اس کی میموری لوسٹ ہو گئی تھی جسے ریکور کروانے کے لیے دیا ہوا تھا۔ اس کیمرے میں بھابھی کی ویڈیوز تھیں اور ساتھ ہی مجھے اس ویڈیو میں زریان ملک کی ہلکی سی جھلک نظر آئی۔ نقاب سے جھانکتی آنکھوں کے نیچے کی جلد جھلسی ہوئی تھی۔ گردن پر

الفابیٹ زیڈ کا سانپ نما بل کھاتا ٹیٹو بنا ہوا تھا۔ سیم یہی علامات میں نے تمہارے آفس سٹاف کے بندے میں بھی دیکھی تو مجھے شک ہو گیا۔

پھر جس دن بھابھی لوگ شاپنگ پر گئی تھیں اور تو نے مجھے دھمکی آمیز کال کا بتایا تھا اس دن میں بھی مال گیا تھا۔ وہاں بھابھی لوگوں کو ڈھونڈتے وقت میرا ایک شخص سے زوردار تصادم ہوا۔ وہ اتنا جلدی میں تھا کہ اس نے میری آواز ہی نہیں سنی۔ وہ جلدی میں اپنا سفید لفافہ بھول گیا تھا جو شاید اس کی پینٹ کی پاکٹ میں اٹکا ہوا تھا۔ اب تجھے پتا ہے پولیس والا ہوں۔ شک کا کیڑا دماغ میں ہر وقت گھومتا رہتا ہے بس تجسس کے ہاتھوں لفافہ چاک کیا تو اس میں زائشہ بھابھی کی تصویر تھی۔ میں فوراً سے پیشتر اس کے پیچھے بھاگا۔ تو پارکنگ سے گاڑی نکال رہا تھا۔ میں نے گن لوڈ کی اور اس قبل کے میں اس بندے کا نشانہ لیتا گاڑی میں بیٹھے بندے پر نظر پڑتے ہی میں شاکڈ رہ گیا۔ وہ زریان ملک تھا۔ بنا کسی نقاب کے۔ اپنے بندے پر برہم ہو رہا تھا۔ اس وقت میں اتنا بے بس تھا کہ دل چاہا خود کے بال نوچ لوں۔ مجرم میرے سامنے تھا اور میں اسے پکڑ نہیں سکتا تھا۔"

اس نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

"یہ کمینہ شخص مجھ سے اگر انتقام میں یہ سب کچھ کر رہا ہے تو سمجھ آتا ہے مگر زائشہ سے اس کی کیا دشمنی ہے۔ان کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے اور زائشہ کو کیسے جانتا ہے۔"

جبڑے بھینچے وہ بامشکل غصہ قابو کیے ہوئے تھا۔

"یہ تو زریان ملک خود ہی بتا سکتا یا پھر بھابھی۔کیونکہ آفاق صاحب اور زریان ملک ایک ہی جگہ اکٹھے کام کرتے تھے تو ہو سکتا ہے کہ ان کے کچھ فیملی ٹرمز ہوں یا رہ چکے ہوں۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ آفاق صاحب کی وجہ سے زائشہ بھابھی کو ٹارچر کر رہا ہو کیونکہ سچ پتا چلنے پر تو نے اسے اریسٹ کروا دیا تھا تو اسے یہی لگا ہو گا کہ اسے اریسٹ کروانے کے پیچھے آفاق حسن کا ہاتھ ہے جبکہ سچ تو یہ تھا کہ آفاق حسن کی موت کے دوسرے دن کسی دوسرے ایمپلائے نے تجھے سچ سے آگاہ کیا تھا۔"

زوالقرنین نے کہا تو اردشیر نے سمجھتے سر ہلایا۔

"تمہاری ٹیم اتنی ڈھیلی کیوں ہے۔اب تک تو اسے پکڑا جانا چاہیے تھا۔آج کی اس کی حرکت نے زائشہ کو اتنا خوفزدہ کر دیا تھا کہ وہ سانس تک لینا بھول گئی تھیں۔"

اردشیر نے سختی سے کہا۔

"ہماری ٹیم اپنی پوری کوشش کر رہی ہے جہاں

اس کے ٹھکانے کا پتا چلتا ہے وہیں ہم ریڈ ڈال دیتے ہیں مگر پتا نہیں ایسا کون سا مخبر ہے اس

کا جو اسے باخبر کر دیتا ہے اور وہ فرار ہو جاتا ہے۔"

زوالقرنین پریشانی سے ماتھا مسل کر گویا ہوا تو اردشیر کی نظر بینچ پر مستعدی سے بیٹھے

حولدار بشیر پر پڑی۔

"اس وقت میرا دماغ بہت گرم ہے۔ کچھ ٹھنڈا منگوا پھر کچھ سوچتے ہیں۔"

اردشیر نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر ٹانگ پر ٹانگ رکھے سنجیدگی سے کہا تو زوالقرنین

نے بشیرے کو چند لال نوٹ تھمائے اور اسے جانے کا اشارہ کیا۔

"مجھے تمہارے اس بشیرے پر شک ہے۔ یہ خریدا جا چکا ہے۔ میری مان تو اس دفعہ اس کو

اپنے پلان سے بے خبر رکھ اور ہو سکے تو کسی دوسرے سپاہی کو اس پر نظر رکھنے کا کہہ

دے۔"

زوالقرنین بری طرح کھٹکا۔

"اگر سچ میں مخبری میں اس کا ہاتھ ہوا تو اسے میرے شر سے کوئی مائی کا لعل نہیں بچا سکتا۔"

چٹانوں کی سی سختی چہرے پر سجائے وہ بولا تو اردشیر نے لب بھینچے جو سرا اتنے دنوں سے ہاتھ نہیں لگ رہا تھا آج پوری ڈور ہی ہتھے چڑھ گئ تھی۔

"آپ زوالقرنین انکل کو بابا کیوں کہتے ہیں؟"

حماس کو یونیفارم پہنا کر اب وہ اس کے بال بنا رہی تھی۔ماں کے سوال پر حماس سہم سا گیا۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں حماس۔"

شوز اور ساکس پہناتے وقت روشنی نے ناراضگی سے بیٹے کو دیکھا جواب رونے کی تیاری میں تھا۔

"کیونکہ وہ میرے بابا ہیں۔انہیں اللہ تعالی نے میرے لیے بھیجا ہے۔"

اس نے رٹا رٹایا سبق دہرا دیا۔

اسے سمیع کی بات یاد آئی کہ یہ خواہش رمیز کی تھی کہ حماس زوالقرنین کو بابا پکارے۔

"آپ کو بابا اچھے لگتے ہیں۔"

روشنی نے پیار سے پوچھا تو حماس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"بابا سے ملنا ہے حماس نے؟"

روشنی نے نرم مسکراہٹ لیے حماس سے پوچھا تو اس بار حماس حیران ہو گیا پھر خوشی سے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال لیں۔

ناشتے کی ٹیبل پر نوریز اور زائشہ میں جو نظروں کا تبادلہ ہو رہا تھا وہ اردشیر کی نظروں سے مخفی نہیں تھا۔اس نے گلہ کھنکار کر سب کو متوجہ کیا۔نوریز سیدھا ہو گیا۔

"تمہاری بہت شکایتیں موصول ہو رہی ہیں۔کب سدھرو گے نوریز؟"

وہ سنجیدگی سے ٹوکنے والے انداز میں بولا تو نوریز گڑبڑا گیا۔

"کیسی شکایتیں؟میں نے کیا کر دیا بھائی؟"

وہ انجان بنتا ہوا بولا۔

"شریف لڑکیوں کو تنگ کرنے کا شیوہ کب سے اپنالیا تم نے۔ شرم نہیں آتی تمہیں یوں پارس کو پریشان کرتے ہوئے۔ اتنا پریشان اگر ہمیں کیا ہوتا تو ہم کب کا تمہیں گھوڑی چڑھا دیتے۔"

وہ سخت لہجے میں اس سے باز پرس کرتا آخر میں مسکراہٹ دبا کر گویا ہوا تو نوریز جو پارس کے شکایت لگانے پر پیچ و تاب کھاتا اردشیر کی کھری کھوٹی سن کر ضبط کر رہا تھا اس کی آخری بات پر جھٹکے سے سر اٹھایا تو اردشیر ہنس رہا تھا۔ روشنی سب باتوں سے انجان حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ زائشہ نے آنکھیں سکیڑ کر اردشیر کو دیکھا جو رات کو زائشہ کے بتانے پر کیسے لاعلم بنا ہوا تھا۔

"اب کون سا دیر ہو گئی ہے۔ میں نے سوچا تھا پہلے لڑکی کو راضی کر لوں کیا پتا رشتے سے انکار ہی کر دیتی تو میرا ننھا منا سا دل ہرٹ ہو جاتا یار۔"

وہ مسکینی سی شکل بنا کر شرارتاً ہنس دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں اب اسے تنگ کرنے کی۔ہم باقائدہ تمہارا رشتہ لے کر جائیں گے۔دعا کرو لڑکی انکار نہ کر دے جتنا تم نے اسے ستایا ہے قوی امکان ہے کہ انکار ہو جائے۔"

اردشیر نے اسے ڈرایا تو وہ بے چارگی سے زائشہ کی طرف دیکھنے لگا جو کندھے اچکا گئ تھی۔

وہ دونوں آگے پیچھے آفس کے لیے نکلے۔

"یہ پارس والا کیا معاملہ ہے۔مجھے تو کان و کان بھنک نہ پڑنے دی۔"

وہ خفگی سے بولیں تو زائشہ نے نوریز کی پارس کے لیے پسندیدگی کا بتایا اور سارا قصہ بھی کہ کیسے وہ پارس کو فون کالز اور میسجز کے زریعے مناتا رہا تھا۔روشنی تو ہنسنے لگی تھیں۔

"چند دن گھر سے کیا چلی گئ لڑکے نے گل کھلا دیا۔"

روشنی کی بات پر زائشہ نے مسکراہٹ دبائی۔

اعجاز صاحب کی طبیعت ناساز تھی۔ سفیر ان کی مجاز پرسی کی خاطر کچھ دیر کے لیے ان کے پاس چلا آیا تھا۔ یوں بھی ان کے بہت احسانات تھے سفیر پر اور اپنے محسن کو وہ ان حالات میں تنہا بے یار و مددگار کیسے چھوڑ سکتا تھا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں؟ اچانک طبیعت کیسے خراب ہو گئی؟"

وہ بیڈ کروائون سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ سفیر کی باتوں پر نم آنکھوں سے مسکرا دیے۔

"جس کا جوان جہان بیٹا غلط کاموں میں ملوث ہو جائے عورتوں کی عصمتوں کو پامال کرے۔ ان کی عزتوں کا سودا کرے اس بیٹے کا باپ صحت مند کیسے ہو سکتا ہے۔"

وہ مغموم لہجے میں بولے تو سفیر نے لب بھینچ لیے۔

"جو طلباء دور سے دیکھ کر مجھے سلام کیا کرتے تھے اب وہی طعنہ دیتے ہیں کہ دیکھو یہ اس ریپیسٹ ابشام کرمانی کا باپ ہے۔"

ان کا دل غم سے پھٹا جا رہا تھا۔ شدت ضبط سے ان کا چہرہ سرخ ہڑ گیا۔

"وہ آپ کے اور آپ کے پیار کے قابل نہیں تھا۔ اسے قدر نہیں تھی آپ کی اور ایسے بے قدرے لوگوں کے لیے آنسو نہیں بہانے چاہیئں۔"

سفیر نے نرمی سے کہا اور پانی کا گلاس انہیں تھمایا۔

"آپ کی اور ابشام کی کوئی بھی عادت نہیں ملتی۔ جس طرح کی اس کی حرکتیں تھیں۔ مجھے تو وہ آپ کا بیٹا ہی نہیں لگتا تھا۔"

سفیر نے مٹھیاں بھینچتے کہا تو اعجاز صاحب نے پانی کا خالی گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

" صحیح پہچانا تم نے۔ ابشام میرا بیٹا نہیں ہے۔"

انہوں نے دکھتے سر کے ساتھ سفیر کے ششدر کر دیا۔

"اتنا حیران مت ہو۔ وہ میرا نہیں بلکہ میری بیوی کے سابقہ شوہر کا بیٹا تھا۔ میری بیوی کے مرنے کے بعد ابشام کو اس کے حقیقی باپ نے پہچاننے سے بھی انکار کر دیا تو اسے پالنا میری مجبوری بن گئی۔ وہ بھی تنہا تھا اور میں بھی سوچا تھا ہم دونوں ایک دوسرے کا سہارا بنیں گے مگر وہ نکلا اپنے باپ اور ماں جیسی فطرت کا مالک۔ وہ کہتے ہیں ناں کہ سانپ کو جتنا مرضی دودھ پلا لو آخر میں وہ ڈس کر ہی جاتا ہے۔ اس کی فطرت میں وفا نہیں ہوتی۔"

انہوں نے تلخی سے کہا تو سفیر نے لب دبائے۔

"آپ ٹینشن نہیں لیں۔ میں بھی تو آپ کا بیٹا ہوں۔"

سفیر نے عقیدت سے ان کا ہاتھ چوما تو وہ کتنی دیر تک اس کے چہرے میں کھوئے رہے۔یوں جیسے کسی عکس کو ڈھونڈتے ہوں۔

"نہ جانے کیوں تم اپنے اپنے سے لگتے ہو۔"

ان کی سوچ کو سفیر پڑھ نہ سکا مگر ان کے تاثرات اکثر اسے الجھن میں ڈال جاتے تھے۔

"آنٹی میں مارکیٹ تک ہو آؤں؟ کچھ چیزیں چاہیے تھیں۔"

مزینہ نے کچھ جھجھکتے ہوئے سروت بیگم سے اجازت طلب کی تو وہ مسکرا دیں۔

"خرم کے ساتھ چلی جانا۔اچھا ہے ساتھ ساتھ رہو گے تو رشتہ مضبوط ہو گا اور میری بات سنو زرا ادھر بیٹھو۔"

انہوں نے مزینہ کو تاکید کی پھر کچھ سوچتے ہوئے اسے اپنے پاس بلایا تو مزینہ گہرہ سانس خارج کرتی ان کے پاس ہی صوفے پر ٹک گئ۔

"میں جانتی ہوں تم دونوں کا رشتہ اب پہلے جیسا نہیں رہا۔اس میں تم دنوں ہی قصوروار نہیں ہو۔پتا نہیں تمہاری تائی جان نے کس جنم کا بدلہ نکالا ہے۔مجھے یہ بتاؤ کیا تم واقعی بلال سے منسوب تھیں اور اس سے محبت کرتی تھیں؟"

ان کے لہجے میں ان دونوں کے رشتے کو لے کر تفکرات واضح محسوس کیے جا سکتے تھے۔ان کے نرمی سے پوچھنے پر اس نے نم آنکھوں سے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ میرا بچپن کا منگیتر تھا۔آوارہ لوفر بد معاش غنڈہ ٹائپ کا انسان ہے۔کھاتا کماتا کچھ نہیں بس پورا دن آوارہ گردی کرتا ہے۔ایک لڑکی کے کتنے ارمان ہوتے ہیں شادی اس کے شوہر اور شادی شدہ زندگی کو لے کر۔ایک عورت کیا چاہتی ہے ایک خوشگوار پر سکون زندگی۔اس کی بہت سی خواہشیں ہوتی ہیں جو ظاہری بات ہے بغیر پیسے کے پوری نہیں ہو سکتی تھیں۔لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر جیسے تیسے زندگی گزار لیتی ہے۔اس کے دل میں کہیں خواہش ہوتی ہے کہ چلو اس گھر نہ سہی اپنے سسرال جا کر اپنے ارمان پورے کر لوں گی۔کیا ہوا جو باپ یہ خواہش پوری نہ کر سکا۔اپنے شوہر سے ناز نخرے اٹھوالوں گی مگر مجھے نہیں پتا تھا کہ میرے یہی ارمان میری زندگی اجیرن کر دیں گے۔آپ جانتی نہیں ہیں۔بلال کا رویہ ہمیشہ ہتک آمیز تحکم بھرا اور جلالی ہوتا تھا۔مجھے وہ شروع سے پسند نہیں تھا نہ ہی امی کو۔میں ہمیشہ سے اسائشات سے بھری زندگی کی خواہشمند رہی ہوں۔کیا میں نے گناہ کیا ہے۔بتائیں۔"

وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی تو سروت بیگم نے اسے سینے سے لگالیا۔

" بالکل بھی نہیں۔ خواب دیکھنا خواہشیں رکھنا تو زندہ دل لوگوں کی نشانی ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ تمہاری تائی کس قماش کی عورت ہے میں اچھے سے جان گئی ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ بس اپنے اور خرم کے بیچ بنے فاصلوں کو کم کرنے کی کوشش کرو۔ اپنا رشتہ مضبوط بناؤ۔ ایک بیوی ہار سکتی ہے مگر ایک ماں کبھی کمزور نہیں پڑ سکتی۔ "

مزینہ نے ان کی باتوں پر سر اٹھایا۔ وہ مسکرا دیں۔

" صحیح کہہ رہی ہوں۔ جلدی سے مجھے دادی بنانے کی تیاری کرو تاکہ اس گھر کی دیواروں پر چھائی وحشتیں رونق میں بدل جائیں۔ عہدہ بدلے گا تو خرم اپنے آپ موم ہو جائے گا اور پھر پہلی محبت میں کافی گنجائش ہوتی ہے۔ سمجھ رہی ہو ناں میری بات۔ "

ان کی باتوں پر حیا سے سرخ پڑتی وہ لرزتیں پلکیں لیے سر اثبات میں ہلاتی چادر سنبھالتی دھڑکتے دل کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔ سر سیٹ کی پشت سے ٹکائے کتنے ہی موتی بے مول کر دیے۔

تیس منٹ کی مسافت کے بعد ڈرائیور کی آواز پر وہ سیدھی ہوئی پرس کندھے پر ڈالتی گاڑی سے اتری اور ڈرائیور کو جانے کا اشارہ کیا۔ سامنے ہی اس کی جنت اس کا گھر تھا۔ ایک نگاہ اپنے گھر کے بند دروازے پر ڈالی۔ دل بری طرح کرلایا۔ کبھی اس دروازے سے ہمہ وقت خالدہ بیگم کی پاٹ دار آوازیں آیا کرتی تھیں۔ کبھی اسے کوستیں کبھی نیند سے جگاتیں تو کبھی زائشہ کے گھر سے آوازیں دیتیں۔ وہ درازے پہ ہاتھ پھیرتی سسک اٹھی۔

مائے نی میں کینوں اکھاں

درد وچھوڑے دا حال نیں

گھر کے دروازے کو چھو کر بامشکل اپنی سسکی کو روکتے وہ ستارہ جہاں کے گھر کی دہلیز پار کر گئ۔

"السلا علیکم تائی جان"!

وہ جو ٹی وی پر انہماک سے ساس بہو کا سیریل دیکھ رہی تھیں۔ مزینہ کہ آواز پر بری طرح چونکیں۔ قدرے تعجب سے انہوں نے اسے دیکھا اور پھر ٹی وی کا والیوم قدرے کم کر دیا۔

"کیا ہوا؟ خوشی نہیں ہوئی اپنے بیٹے کی محبت کو دیکھ کر جبکہ مائیں تو بیٹوں کی پسند پر صدقے واری جاتی ہیں میں تو پھر محبت ہوں بقول آپ کے۔"

مزینہ نے طنزیہ لہجے میں کہہ کر لب بھینچے اور سست روی سے چلتی ہوئی ان کے مقابل آئی۔ ان کے تاثرات سے لگ رہا تھا اس کی موجودگی کو وہ ہضم نہیں کر پا رہی تھیں۔

ستارہ جہاں کے چہرے پر اس کی باتوں پر ناگواری سی در آئی جس کو انہوں نے چھپانے کی غلطی نہیں کی۔

"کیا لینے آئی ہو یہاں؟ اب کوئی کسر رہ گئی ہے؟"

وہ کڑواہٹ گھلے انداز میں بولیں۔ ان کا بس چلتا تو وہ مزینہ کو اٹھا کر باہر پھینک دیتیں یا اس کا گلا ہی دبا دیتیں۔ کتنی کوششیں کی تھیں انہوں نے کہ اس کا رشتہ ٹوٹ جائے مگر یہاں وہی ڈھاک کے تین پات تھے۔ اسے سر سے لے کر پیر تک نخوت سے دیکھا جو سلیقے سے سر پر دوپٹہ جمائے کندھے پر پرس لٹکائے اور خود کو شال سے ڈھانپے ہوئے تھی۔ اس کے لباس اور ہاتھوں میں پہنے بیش قیمتی کنگن اور دلکش روپ کو دیکھ کر وہ جل کر راکھ ہو گئیں تھی۔

"کسر"!

وہ ڈرامائی انداز میں گویا ہوئی۔ چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ در آئی تھی۔

"کسر تو واقعی رہ گئی ہے جو آج میں پوری کرنے آئی ہوں۔ جس کام کو آپ اتنی دل جمعی سے پورا کرنا چاہ رہی تھیں وہ تو پورا ہوا ہی نہیں تو سوچا کیوں ناں میں اسے انجام تک پہنچا دوں۔ آفٹر آل آپ میری تائی جان جو ٹھہریں۔"

وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں طنز کر گئی تو ستارہ جہاں نے لب بھینچ لیے۔

"لینے کی بھی خوب کہی۔ بھلا ان سے کیا مانگوں جو خود دوسروں کی چیزوں پر رال ٹپکائے بیٹھے ہوئے ہیں۔"

اس کی اونچی ہوتی آواز پر مزینہ کے تایا بھی نیچے چلے آئے۔

ا"پنی حد میں رہو لڑکی۔ کیا بکواس کیے جا رہی ہو۔ ہوش میں تو ہو۔ میں بھلا کیوں دوسروں کی چیزوں پر نظر رکھوں گی۔ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔"

مزینہ نے تو جیسے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ غیض غضب لیے غصیلے لہجے میں بھڑک کر بولیں تو اس کا ضبط جواب دے گیا۔

"بس کر دیں مجھے فریب دینا۔ آپ کا یہ مکروہ چہرہ دنیا والوں سے چھپ سکتا ہے پر مزینہ سے نہیں۔ ارے آپ جیسی عورت میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ آپ نے ہر ممکن کوشش کی میرا رشتہ توڑنے کی اور شادی والے دن تو حد ہی کر دی۔ خدا کا خوف نہیں آیا آپ کو۔ میرا رشتہ خراب ہوا آپ کی وجہ سے میری ماں مری آپ کی وجہ سے میری ازدواجی زندگی کا سکون برباد ہوا صرف آپ کی وجہ سے۔ آپ کی کوئی بیٹی نہیں ہے ناں۔ بیٹی ہوتی تو اس کی تکلیف کا اندازہ ہوتا آپ کو۔"

وہ ضبط کھوتے ہوئے چیخی۔ آنسو قطار در قطار سرخ عارضوں پر بہتے جا رہے تھے۔ اس نے پرس کھول کر تیزی گھر اور گاڑی کے کاغذات نکالے اور ستارہ جہاں کے منہ پر اچھال دیے۔ بلال نے گھر میں قدم رکھا تو مزینہ کی چیختی چلاتی آواز پر وہ خاموشی سے لب دبائے لاؤنج میں آیا۔

"یہ گھر اور گاڑی کے کاغذات ہیں۔ گھر میرے باپ کے گھر اور کرائے پر دی گئی دُکانوں سے چار گنا بڑا ہے۔ میری جائیداد پر نظر تھی ناں آپ کی۔ اسی لیے بلال سے میری شادی کرنا چاہتی تھیں آپ۔ یہی سب چاہیے تھا ناں آپ کو۔ میں نے آپ کو آپ کی توقع سے

بہت بڑھ کر دیا ہے اتنا جتنی آپ کی اوقات نہیں ہے صرف اس لیے کہ میرا گھر میرے باپ کی نشانی ہے اور ہاں بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔ آپ کا حسد رنگ لے آیا۔ خرم مجھے طلاق دے رہا ہے۔ خوش ہو جائیں آپ۔"

وہ خود پر باندھے سارے بند توڑ بیٹھی تھی۔ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ پھر گلابی عارض رگڑتے ایک جھٹکے سے گھر کی دہلیز پھلانگ گئی۔ بلال کو اس کے جاتے ہی جیسے ہوش آیا تھا۔ اس نے ایک ملامتی نگاہ ماں پر ڈالی اور تیزی سے مزینہ کے پیچھے بھاگا۔ تایا جان نے زمین پر پڑے کاغذات اٹھا کر پڑھے اور سختی سے لب بھینچ لیے۔

"بدبخت عورت! شرم نہیں آئی تمہیں یہ سب کرتے ہوئے۔ جائیداد کے لالچ میں اتنی اندھی ہو گی کہ اس کا گھر برباد کر دیا۔ میری ایک بعد یاد رکھنا ستارہ بیگم اگر مزینہ کا گھر برباد ہوا تو آباد میں تمہیں بھی نہیں رہنے دوں گا۔"

وہ اتنی زور سے دھاڑے تھے کہ وہ خوف زدہ ہو گئی تھیں۔

وہ اگر مزینہ کے پیچھے نہ جاتا تو شاید اسے مزینہ کے چکرا کر گرنے کا علم بھی نہ ہوتا۔ وہ جانتا تھا کہ مزینہ جذباتی ہے اور جذبات کی رو میں بہک کر وہ اپنا ہی نقصان کر لیتی ہے اور اسی خیال کے تحت وہ اس کے پیچھے گیا تھا مگر وہ تھی کہ اس کی کوئی بات سننے کو تیار تھی نہ ہی اسے کچھ بتانے پر آمادہ تھی۔ اس کا سر اس قدر دکھ رہا تھا۔ ٹینشن اتنی تھی کہ وہ چند قدم ہی چل پائی تھی اور پھر وہ چکرا کر وہیں بلال کے بروقت سنبھالنے پر اس کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔

بلال نے کچھ دیر قبل کی سچویشن سوچتے ہی جھرجھری سی لی اور ایک نظر سر جھکا کر ہاسپٹل کے بیڈ پر روتی ہوئی مزینہ پر ڈالی جس کے آنسو سب کچھ اسے بتا دینے کے بعد تیزی اس کی جھولی میں ٹپ ٹپ کر کے گرتے اس کا دامن بھیگو رہے تھے۔

"اتنی محبت کرتی ہے اس سے تو سچ بتا کیوں نہیں دیتی۔"

بلال نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میاں بیوی کا رشتہ یقین اور بھروسے کا متقاضی ہوتا ہے بلال اور جس رشتے میں ان تقاضوں کو فراموش کر دیا جائے ان کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے جیسا میرے اور خرم کے رشتہ کا ہو رہا ہے۔"

وہ چاہ کر بھی آنسو روک نہیں پا رہی تھی۔

"کبھی کبھی بول دینے سے بگڑتی بات بن جاتی ہے۔"

بلال نے کہا۔

"تجھے لگتا ہے کہ میں نے کوشش نہیں کی ہو گی۔ بہت کوشش کی مگر شک کسی بھی رشتے کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے۔"

وہ زخمی انداز میں بول کر لب دبا گئی۔

"تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے مزینہ۔ اگرچہ غلطی خرم نے کی ہے مگر تو نے بھی تو سونے پر سہاگا والا کام کیا ہے۔ کیا ضرورت تھی یہ کاغذات تیار کرنے کی۔ اتنی ڈیمانڈ کرنے کی۔ اس کے شک کو یقین میں بدلنے کی۔ بھلا اندھے کو کیا چاہیے دو آنکھ۔ حد کرتی ہے تو

بھی۔ تجھے مجھ سے ایک بار ذکر تو کرنا چاہیے تھا مگر نہیں تو ازل کی ضدی بس غصے اور جوش میں اس کے شبہات کو یقین کا پیراہن دے گئی۔"

وہ ڈپٹنے والے انداز میں بولا۔ لہجے میں سختی سموے وہ ہرگز بھی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ اتنی آسانی سے کیسے اس کی قربانی رائیگا کرنے جارہی تھی۔ بلال کو افسوس ہوا۔ وہ مزینہ سے محبت کرتا تھا۔ وہ بچپن کی منگ تھی اس کی مگر جب اس نے مزینہ کی آنکھوں میں خرم کے لیے بے پناہ محبت کے روشن ہوتے چراغ دیکھے تو اس نے خاموشی سے قدم موڑ لیے کہ وہ ان چراغوں کو گل کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا بھلا محبت بھی چھیننے سے ملی ہے کبھی یوں بھی محبت تو نام ہے دینے کا سو اس نے اپنی محبت خرم کی جھولی میں ڈال دی مگر اس بات سے قطعی انجان تھا کہ اس کی اپنی ماں اس کی قربانی کو رائیگا کر رہی ہے۔

"مجھے لگا تو بھی تائی جان کے ساتھ شامل ہے۔ بخدا اگر مجھے علم ہوتا کہ تیری نیت صاف ہے تو میں تجھ سے ضرور شیئر کرتی۔"

وہ پھر سے سسک اٹھی۔

"غلطی میری ہے۔ باہر کے چکروں میں گھر اور گھر کے لوگوں پر نظر رکھنا بھول گیا۔ خیر بگڑا تو اب بھی کچھ نہیں ہے میں خرم سے بات کروں گا سب ٹھیک ہو جائے گا تو ٹینشن مت لے۔"

اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر وہ نرس کی طرف مڑا جو اسے کچھ ہدایات دینے آئی تھی۔ اسکی ہدایت سن کر مزینہ کو تاکید کرتا وہ ڈاکٹر سے اجازت لے کر مزینہ کو لیے باہر نکلا۔

وہ جو ڈاکٹر فیروز کاظمی کے ساتھ ایک میڈیکل کانفرنس اٹینڈ کرنے آیا تھا۔ ان کی معیت میں داخلی دروازے تک آکر ان سے بغل گیر ہو کر الوداعی کلمات ادا کرتے اس کی نظر اچانک لابی میں پڑی تو سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے اندر غصے کا ایک شدید الاؤ دہک اٹھا۔ نہ جانے کس احساس کے تحت مزینہ نے بھی بیک وقت نظریں اٹھائیں تو اس کی آنکھوں سے نکلتے شرارے اس کی روح فنا کر گ ئے۔ اسے اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔ بلال بھی خرم کو دیکھ چکا تھا۔ سچویشن ایسی تھی کہ پل بھر کو وہ بھی تذبذب کا شکار ہو گیا۔ خرم نے جلتی آنکھوں سے مزینہ کے کندھے پر دھرا بلال کا ہاتھ دیکھا تو اس نے

دھیرے سے اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹائے۔اس نے تو محض مزینہ کو سہارا دیا ہوا تھا۔خرم کے دماغ کی ابھری ہوئی رگیں اس کے شدید اشتعال کا پتا دے رہی تھیں۔مٹھیاں بھینچے خود پر ضبط کرتے وہ ڈاکٹر فیروز سے ایکسکیوز کرتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس تک پہنچا تھا۔مزینہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔اس کے تاثرات خطرناک حد تک بگڑے ہوئے تھے۔

ب"ے غیرت انسان تیری ہمت کیسے ہوئی میری بیوی کو ہاتھ لگانے کی۔بہت کرلیا برداشت۔آج میں تجھے وہ سبق سکھاؤں گا کہ اسے چھونا تو دور کی بات دیکھتے وقت بھی ہزار بار سوچے گا۔"

لب بھینچے اس نے بلال کو گریبان سے پکڑا اور الٹے ہاتھ کا مکا اسے رسید کیا۔اس کا پورا جبڑا ہل گیا۔اسے منہ میں خون کا زائقہ گھلتا محسوس ہوا۔مزینہ تو اس کے شدید رد عمل پر دنگ رہ گئی۔

"میری بات سنو خرم جیسا تم سمجھ رہے ہو ایسا کچھ نہیں۔تمہیں غلط فہمی۔۔۔"!

بلال نے چکراتا سر سنبھال کر اس کا دل صاف کرنا چاہا مگر خرم کے ہاتھ کے پڑنے والے دوسرے مکے نے اس کی بولتی بند کروادی۔ مزینہ کی برداشت بس یہیں تک تھی۔

"بند کرواپنا یہ تماشہ۔ جس وجہ کو بنیاد بنا کر تم اسے مار پیٹ رہے ہو وہ وجہ اب کھو کھلی ہو کر چند دنوں میں مسمار ہونے والی ہے سو کوئی ضرورت نہیں ہے اٹینشن کریئٹ کرنے کی۔"

لب بھینچے وہ خاصے نخوت بھرے لہجے میں اسے ٹوک گئی تھی۔

"تو چپ کر میں بات کر رہا ہوں ناں۔ کیوں بات بگاڑ رہی ہے۔"

بلال نے ناگواری سے کہا تو وہ سر جھٹک گئی۔

"تجھے اپنے کردار کی گواہی دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ جن کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہو انہیں ہر چیز سیاہ دکھتی ہے۔ ہم سفید پوش لوگوں کو پرکھنے کے لیے ان کی بینائی ناکافی ہے۔"

مزینہ کے تلخی سے کہنے پر خرم نے لب بھینچے اور ایک قہر آلود نظر زخمی ہوئے بلال پر ڈال کر سختی سے اس کی کلائی گرفت میں لیتے وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

اردشیر نے ساجدہ بیگم سے نوریز کے لیے پارس کا ہاتھ مانگا تھا چونکہ وہ اردشیر کے توسط سے نوریز کو جانتی تھیں اور دوسرا یہ کہ ان کی بیٹی اس گھر میں خوش تھی سو انہوں نے پارس کے لیے بھی بلا تکلف رضامندی دے دی۔ زائشہ بہت خوش اور مطمئن تھی۔

دوسری طرف سفیر جلد از جلد اپنی زمہ داری سے سبکدوش ہو جانا چاہتا تھا۔

"مجھے تو بہت خوشی ہو رہی ہے اور ساتھ میں ٹینشن بھی۔ اتنی جلدی اتنی ساری تیاریاں کیسے ہوں گی۔"

آج اردشیر لوگ نوریز اور پارس کی شادی کی تاریخ پکی کر گئے تھے۔ اس مہینے کی آخری تاریخوں میں شادی طے پائی تھی۔ اتنی جلد بازی پر اتنے سارے کاموں کی ایک لمبی فہرست دیکھ کر اس نے بے ساختہ جھرجھری لی۔ سفیر بے ساختہ مسکرایا۔

"ڈونٹ وری میں ملازمہ کا بندوبست کر دوں گا جو آپ کے ساتھ کام میں ہاتھ بٹا دے گی۔"

سفیر نے کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے سفیر ! میں کام سے جی تو نہیں چرا رہی دراصل شادی کی کچھ ذمہ داریاں اور کچھ رسم و مراسم مجھے سمجھ میں نہیں آتے۔ کیسے کروں گی سب۔ مجھے تو کوئی تجربہ نہیں ہے۔"

وہ ہاتھوں پر لوشن لگا کر اپنے بالوں کو سہلاتی ہوئی بیڈ پر آن بیٹھی اور سفیر کے کندھے پر سر رکھ کر پریشانی سے گویا ہوئی تو اس نے اس کے گرد حصار کھینچ کر اسے خود سے قریب کر لیا۔

"مجھے بھی کوئی تجربہ نہیں تھا آپ کو جھیلنے مگر میری ہمت دیکھیں جھیل رہا ہوں انفیکٹ اب تو عادی ہو گیا ہوں۔

مسکراہٹ دبا کر وہ شریر لہجے میں بول کر لب دبا گیا تو سحاب نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیوں جھیل رہے ہوں ؟ مت جھیلو۔"

وہ خفگی سے بولی پھر اس کا حصار توڑنے کی سعی کرنے لگی تھی کہ سفیر نے گرفت مزید مضبوط کر لی۔

"اب تو عادت سی ہو گئی ہے اور آپ جانتی ہیں محبت سے زیادہ عادتیں خطرناک ہوا کرتی ہیں۔"

اس کے ماتھے سے ماتھا ٹکائے وہ گھمبیر لہجے میں گویا ہوا۔

"مطلب تم مجھ سے محبت نہیں کرتے؟"

وہ بے یقینی سے بولی تو سفیر نے مسکراہٹ دبائی۔

"بالکل بھی نہیں۔"

سحاب نے ایک جھٹکے سے اس کا حصار توڑا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ کچھ دیر بعد بھی جب وہ کمرے میں نہ آئی تو سفیر اس کے پیچھے باہر آیا جو صحن میں لگے پودوں کے پاس بیٹھی تھی۔

"بزرگ کہتے ہیں کہ رات کے وقت پیڑ پودوں کے پاس نہیں بیٹھا کرتے خاص کر وہ لوگ جو خوبصورت ہوں اور خوشبوؤں میں رچے بسے ہوں۔ قوی امکان ہے کہ کوئی جن بھوت عاشق ہو جائے۔"

وہ اس کے عین سامنے بیٹھ کر سنجیدگی سے اس کی معلومات میں اضافہ کر رہا تھا۔

"اچھا ہے ہو جائے ورنہ انسانوں سے تو توقعہ ہی عبث ہے۔"

وہ ناراضگی سے کہہ کر اٹھنے لگی تو سفیر نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"میرے پاس آپ کے لیے دو خوشبریاں ہیں۔ سنیں گی نہیں۔"

سفیر نے ایک آئبرو اٹھا کر اس تائید چاہی۔

"جی نہیں! کچھ دیر قبل جو خوشبری سنائی ہے۔ابھی تک وہی ھضم نہیں ہوئی۔"

چڑنے والے انداز میں بول کر وہ روخ موڑ گئ۔

"مجھے کمپنی کی طرف سے گھر ملا ہے اور گاڑی بھی۔"

حیرت و بے یقینی سے سحاب کا منہ کھل گیا۔

"اومائے گاڈ! کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔ سفیر نے گھر اور گاڑی کی چابیاں نکال کر سحاب کی ہتھیلی پر رکھ دیں۔

"اٹس آمیریکل! میں نے صرف کتابوں اور کہانیوں میں پڑھا تھا معجزات کے بارے میں آج دیکھ بھی لیا۔ کانٹ بلیو دز سفیر۔ تم ایک معمولی سے مکینک تھے اور دیکھو اللہ نے

تمہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ تمہاری محنت تمہاری صاف نیت اور صبر اس قدر خوبصورت رنگ لایا ہے۔"

وہ چابیوں پر ایک نظر ڈال کر متاثر کن لہجے میں بولی تو سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"میری اس کامیابی کا کریڈٹ آپا کو جاتا ہے جنہوں نے مجھے ایجوکیشن کمپلیٹ کرنے کے لیے نہ صرف فورس کیا بلکہ بابا کے چلے جانے سے گھر میں جو کرائسس آئے تھے آپا نے ڈٹ کر ان حالات کا سامنا کیا اور مجھے بھی سپورٹ کیا۔ بہت کم لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جو اپنا آپ بھول کر دوسروں کے لیے جیتی ہیں۔"

گہری رات میں سفیر کی گھمبیر آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس کے لہجے میں بہن کے لیے محبت عزت مان کیا کچھ نہ تھا۔

"میں بہت متاثر ہوں آپا سے۔ شی از سچ آ ونڈر وومین۔ یو نو واٹ سفیر۔ آئی تھنک ان چابیوں کو تم امی کے ہاتھ میں دینا۔ پہلا حق ان کا ہے۔ آفٹر آل انہوں نے تمہیں یہاں تک پہنچانے کے لیے ڈھیر ساری دعائیں جو کی ہیں۔"

وہ چابیاں سفیر کو واپس کرتے ہوئے مسکرا کر بولی تو سفیر اس کی سوچ پر حیران ہوتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہر گزرتے دن کے ساتھ آپ مجھے حیران کر دیتی ہیں اور یوں دن بہ دن میری آپ کے لیے محبت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔"

سفیر نے اسکے چہرے پہ جھولتی لٹ کو کھینچا۔

"تم ناں ایک نمبر کے جھوٹے انسان ہو۔"

سحاب نے اس کے کندھے پر مکے برسائے اور خفگی سے گویا ہوتے ہوئے اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھ گئی تو سفیر ہنس دیا۔

"جب تک میرے نکاح میں ہو حیا کے دائرے میں رہو مزینہ! ورنہ میں تمہیں تو شاید کسی جذبے کے تحت بخش دوں مگر وہ کمینہ شخص ناحق مارا جائے گا۔"

وہ مشتعل انداز میں کف اڑا رہا تھا۔ پورے راستے وہ ایک لفظ نہیں بولا تھا اور گھر آ کر جیسے پھٹ پڑا تھا۔ مزینہ میں اس سے بحث کرنے کی ہمت نہیں تھی سو خاموشی سے آنکھیں

موند گئ۔اس کی تکلیف کو بے حسی کے زمرے میں لے کر وہ لب بھینچ گیا۔اپنا آپ نظر انداز کیے جانا اسے بے حد کھلا تھا۔اس کے وجود پر ایک پر شکوہ نظر ڈال کر وہ بھی لیٹ گیا۔

نیند تو مزینہ کی یوں بھی کچی تھی اوپر سے طبیعت خرابی کے باعث آنکھ بھی کھل گئ۔ عجیب بوجھل سی طبیعت تھی۔وہ اٹھ کر بیٹھ گئ۔اسے گھبراہٹ ہونے لگی تو اے سی کی کولنگ بڑھادی۔ سکون پھر بھی نہ ملا۔اس کا دل کافی دیر سے متلا رہا تھا۔یکایک اسے الٹی آئی تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر واشروم کی طرف بھاگی۔

مزینہ جاگ رہی تھی تو سویا خرم بھی نہیں تھا۔اس کی بے چین طبیعت اس سے مخفی نہیں تھی۔وہ تو کب سے اس کی خاطر جاگ رہا تھا کہ وہ اب سوئے اور تب سوئے مگر اسے واشروم کی طرف بھاگتے دیکھ کر وہ تیزی سے اٹھا اور سلیپر پہن کر اس کے پیچھے گیا۔واشروم کا دروازہ بند تھا۔اندر سے اس کے الٹیاں کرنے کی آوازیں مسلسل آرہی تھی۔

وہ بے چینی سے اس کے باہر آنے کا انتظار کرتا رہا۔ وہ نڈھال سی زرد چہرہ لیے باہر نکلی ہی تھی کے سامنے کھڑے خرم کا عکس اس کی آنکھوں میں دھندلا گیا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اسے زوردار چکر آیا اور وہ خرم کے بازوؤں میں لہرا گئی۔

"اوہ مائے گاڈ! مزینہ مزینہ! آنکھیں کھولو۔"

ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد گزار کر اسے سہارا دیتے وہ دوسرے ہاتھ سے اس کا گال تھپتھپا کر ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ پھر بھی ہوش میں نہ آئی تو وہ اسے بازوؤں میں اٹھائے تیزی سے باہر کی طرف بڑھا۔

"ڈرائیور گاڑی نکالو جلدی۔"

اس کی پر تکلیف چنگھاڑتی آواز پر ڈرائیور نے گاڑی نکالی تھی۔ شور کی آواز پر سروت بیگم اور عصمت صاحب بھی باہر آگ ئے۔

"یا خدا! خرم کک کیا ہوا ہے مزینہ کو۔"

اسے اس طرح خرم کے بازوؤں میں دیکھ کر وہ حقیقتاً گھبرا گئیں۔

"بیگم یہ سوال جواب کا وقت نہیں ہے۔آپ گاڑی میں بیٹھیں ہاسپٹل جا کر ہی کچھ پتا چلے گا۔"

عصمت صاحب نے گاڑی کا بیک ڈور کھول کر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے سنجید گی سے کہا۔

خرم نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی گاڑی فل سپیڈ پر ڈال دی تھی۔شہر کے مشہور و معروف ہاسپٹل کے پارکنگ میں گاڑی روکتے وہ مزینہ کو اپنے بازوؤں میں اٹھائے اندر بڑھ گیا تھا۔ڈاکٹرز کی ٹیم خرم کی ایک دھاڑ پر فوری حرکت میں آئی تھی۔

ایمر جنسی روم کے باہر عصمت صاحب سروت بیگم بینچ پر بیٹھے مزینہ کے لے دعا گو تھے جبکہ وہ اضطرابی حالت میں ادھر سے ادھر چکر کاٹتا ایمر جنسی روم کے دروازہ کھلنے کا منتظر تھا۔ٹھیک سات منٹ بعد دروازہ کھلا تھا اور خرم بیقرار سا ڈاکٹر کی طرف بڑھا تھا۔

"ڈاکٹر !از ایوری تھنک او کے ؟"

اس کا لہجہ کسی خدشے کے تحت کپکپا سا گیا۔مزینہ کی گری گری سی طبیعت وہ خود بھی چند دنوں سے نوٹ کر رہا تھا مگر آج تو جیسے مزینہ نے اس کی جان ہی نکال دی تھی۔

ڈاکٹر نے ایک نرم مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔

"یس مائی چائلڈ! ایوری تھنک ازاوکے۔یور وائف از ٹو ویکس پریگننٹ۔"

خوشدلی سے کہتی وہ آگے بڑھ گئیں تو خرم ان کی دی گئی خوشخبری پر کئی ثانیے تک یونہی لب باہم پیوست کیے کھڑا رہا پھر جیسے ہی بات سمجھ میں آئی تو خوشی سے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرے۔

"آپ نے سنا ڈاکٹر نے کیا کہا؟مزینہ اور میں مام اینڈ ڈیڈ بننے والے ہیں۔"

خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ سروت بیگم نے بیٹے کی پیشانی چوم لی۔ان کی خوشی کی انتہا نہیں تھی کہ وہ جو خدشوں میں گھری رہتی تھیں کہ جانے دونوں کا رشتہ کیا موڑ لے۔آج اوپر والے نے انہیں ایک اشارہ تو دے ہی دیا تھا۔خود عصمت صاحب بھی خدا کا شکر بجالائے تھے۔

سفیر نے گھر شفٹ کیا تھا۔سیٹنگ کرنے میں انہیں پورا ہفتہ لگ گیا تھا۔پارس اور سحاب نے مل کر اس پورے ہفتے میں اس خالی گھر کو اس قرینے سے سجایا تھا کہ دیکھنے والے کی نگاہ ٹھہر جاتی تھی۔ساجدہ بیگم سحاب کے صدقے واری جاتیں تو سفیر انہیں چھیڑتا۔پارس

بھی حظ اٹھاتی بھائی کے ساتھ مل جاتی تھی۔انہیں دنوں انہوں نے سفیر اور اردشیر سے پارس اور نوریز کی رسم کرنے کی بات کی۔سفیر منگنی جیسی خرافات کے سخت خلاف تھا۔دوسری طرف اردشیر کو بھی منگنی جیسے رسم خاصی فضول لگی تھی۔کافی سوچ بچار کے بعد یہ طے پایا کہ اس اتوار کو نکاح کی چھوٹی سی تقریب رکھ لی جائے۔سفیر اور زائشہ کے بعد وہ چاہتی تھیں کہ پارس کی خوشی بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔جب سے پارس کی بات نوریز سے پکی ہوئی تھی اس کے چہرے کی تابناکیاں اور آنکھوں کی چمک کتنی بڑھ گئی تھی۔ان کی بچیاں بہت صبر والی تھیں۔آج جو کچھ بھی انہیں ملا تھا وہ صبر کی بدولت تھا۔وہ خدا کا ڈھیروں شکر ادا کرتی تھیں۔

نئے گھر کی خوشی میں سحاب نکاح کی تقریب کے بعد چھوٹی سی پارٹی رکھنا چاہتی تھی مگر سفیر نے سختی سے اسے اس قسم کی خرافاتوں سے منع کر دیا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے فضول قسم کی پارٹیز کی۔"

سحاب نے کچھ شرمندہ ہو کر سر اثبات میں ہلایا تھا۔وہ دل مسوس کر کے وہاں سے اٹھنے لگی تو سفیر نے اس کلائی تھام لی۔

"مجھے پارٹی پر کوئی اعتراض نہیں ہے بشرطیکہ صرف ہم دونوں ہوں۔"

سحاب نے مسکراہٹ دبائی۔

"سوچوں گی اگر وقت ملا تو۔"

سفیر نے اس کی ہتھیلی کی پشت پر لب رکھے۔

"ضرور! یہ آفر محدود مدت کے لیے بالکل نہیں ہے۔"

سحاب ہنستی ہوئی باہر نکل گئ۔اسے پارس کے ساتھ مل کر مہمانوں کی لسٹ بنانی تھی۔تقریب کی تیاریاں بھی کرنی تھیں۔

"امی میں تو زیادہ کسی کو جانتی نہیں ہوں۔آپ یا پارس مجھے مہمانوں کے نام نوٹ کروادیں تاکہ انہیں اطلاع کر دوں۔"

بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹ کر وہ باہر لاؤنج میں آئی جہاں ساجدہ بیگم بیٹھ کر تصیح کر رہی تھیں۔انھوں نے اسے پاس بٹھایا اور لسٹ بنوانے میں اس کی مدد کی۔

"تم یوں کرو لسٹ مجھے دے دو۔ تم سفیر کے ساتھ جا کر ضرورت کا باقی سامان لے آؤ اور ہاں آتے ہوئے زائشہ کو لے آنا۔"

وہ محبت سے زائشہ کو یاد کرنے لگیں۔ کتنے دن ہو گئے تھے اسے دیکھے ہوئے۔

"آپ بے فکر رہیں میں آپا کو ساتھ لے کر ہی آؤں گا۔"

سفیر نے انہیں بانہوں کے گھیرے میں لے کر مسکرا کر کہا۔

"مما آپ تو مجھے بابا سے ملوانے والی تھیں ناں۔"

ننھے حماس نے پر شکوہ نظر ماں پر ڈالی۔ اب وہ کیسے بتاتیں کہ ذوالقرنین کو اتنا کچھ کہہ دینے کے بعد ان کے اندر اس کا سامنا کرنے کی ہمت مفقود تھی مگر حماس کو کسی طرح تو بہلانا ہی تھا۔

"میں ضرور ملواؤں گی بابا سے مگر وقت تو ملے۔ پہلے آپ کے پیپرز ہو رہے تھے اور اب صبح رزلٹ آؤٹ ڈے ہے۔ ہم ایسا کریں گے آپ کا رزلٹ آنے پر انہیں دکھانے چلیں گے اوکے۔"

انہوں نے حماس کے سامنے ہاتھ پھیلایا تو اس نے خوشی سے روشنی کے ہاتھ پر تالی ماری۔

"چلو اب میں ڈنر تیار کر لوں چاچو آتے ہی ہوں گے۔

حماس کا گال پیار سے کھینچ کر وہ نیچے کچن میں زائشہ کی ہیلپ کروانے چلی آئیں۔

اردشیر خلاف توقع گھر جلدی آ گیا تھا۔اس کے ساتھ زوالقرنین بھی تھا۔

"دو کپ سٹرونگ سی کافی بنا کر لائبریری میں پہنچا دیں۔

زائشہ کو اپنا کوٹ اور بریف کیس پکڑا کر وہ زوالقرنین کے ہمراہ سٹڈی کی طرف بڑھ گیا جبکہ زائشہ کی گہری نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔اردشیر کا سنجیدہ اور تھکا تھکا سا انداز اسے متفکر کر گیا تھا۔روشنی نے اسے یوں اردشیر کا کوٹ اور بریف کیس تھامے دیکھا تو مسکراہٹ دبائی۔

"اف اتنی بیقراری ہے کہ میرے دیور کا کوٹ بھی نہیں چھوڑ رہی ہو۔بیچارہ رات میں بذات خود میسر ہو گا تو پتا نہیں اسے سانس بھی لینے دو گی یا نہیں۔"

ان کے معنی خیزی سے کہنے پر زائشہ سرخ پڑتی جھینپتی ہوئی کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔واپس آ کر اس نے سٹرانگ سی کافی بنائی۔

"یہ دو مگ کس کے لیے ہیں تو گویا ہسبینڈ کے ساتھ کافی انجوائے کرنے کا ارادہ ہے پر میں تمہیں بتادوں یہ خرافات رات کے لیے بچار کھو۔ رومینس کا صحیح وقت ڈنر کے بعد کا ہوتا ہے۔"

دو مگوں میں اسے کافی ڈالتے دیکھ کر روشنی کی فراٹے بھرتی زبان پر زائشہ گلال سی ہو گئ۔

"زوالقرنین آئے ہوئے ہیں۔ انہیں کے لیے لے کر جارہی ہوں۔"

زائشہ نے مسکراہٹ دبا کر ٹرے اٹھائی۔ اس کے قدم سٹڈی کی طرف تھے۔

"کوئی اور پلان سوچو زوالقرنین میں زائشہ کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔"

تھکن زدہ انداز میں وہ صوفے کی ہتھی پر دونوں بازو پھیلائے آنکھیں موندے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوا اس کے اندر ہوتی جنگ سے وہ باخوبی واقف تھا مگر دوسرا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔

"زریان ملک کو اریسٹ کروانے میں اگر ہماری کوئی مدد کر سکتا ہے تو وہ زائشہ بھابھی ہیں۔ وہ زائشہ کے تعاقب میں ہے اور ہم زریان ملک کو یہ موقع دے کر اس کے گرد جال بن سکتے ہیں اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ بھابھی کو کھروچ تک نہیں آئے گی۔"

زائشہ کا دروازے پر دستک دیتا ہاتھ زوالقرنین کی باتیں سن کر ہوا میں ہی معلق رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خوف اتر آیا۔

"کوئی دوسرا راستہ ڈھونڈو زوالقرنین۔ تم پولیس میں ہو کوئی تو آپشن ہو گا۔ میں اس مقصد کے لیے زائشہ پر رسک نہیں لے سکتا۔ ٹرائے ٹو انڈرسٹینڈ۔"

وہ ماتھا مسلتا ہوا بے بسی سے گویا ہوا تو زوالقرنین نے زائشہ کی آمد پر کچھ کہتے کہتے لب بھینچ لیے۔

زریان ملک والا معمہ ابھی حل ہوا ہی کہاں تھا جو اسے سکون آتا۔ چند دن سکون سے گزرتے تھے پھر کوئی نہ کوئی مصیبت گھیر لیتی تھی۔ وہ خود بھی اس شخص کے خوف سے گھر میں قید ہو کر گھٹن محسوس کرنے لگی تھی۔ ہر وقت خطرے کی تلوار نہ صرف زائشہ پر بلکہ اردشیر پر بھی لٹکی رہتی تھی۔ زوالقرنین نے جو پلان ترتیب دیا تھا۔ وہ اتنا برا بھی نہیں

تھا۔ وہ اپنے خوف پر قابو پا کر یہ ٹھوس قدم اٹھانے کو تیار تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ زوالقرنین سے اس بارے میں بات ضرور کرے گی۔

کافی دے کر وہ واپس پلٹ آئی۔ نوریز بھی گھر آچکا تھا۔ فریش ہو کر جس وقت وہ لاؤنج میں آیا

سحاب اور سفیر کو آتے دیکھ کر خوشدلی سے ان کی طرف بڑھا۔

"السلام علیکم بھائی۔"

سحاب نے بلند آواز سے سب کو اجتماعی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! ہیلو کی جگہ سلام۔ اتنی جلدی ترقی کر لی۔"

اس نے داد دیتی نظروں سے سفیر کو دیکھا جو باقائیدہ ہنس رہا تھا۔ زائشہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر اردشیر سے بغلگیر ہوا جو زوالقرنین کے ساتھ ابھی نیچے آیا تھا۔

"چلو اچھا ہوا تم بھی ادھر ہی مل گ ئے ہو ورنہ تمہیں مدعو کرنے الگ سے جانا پڑتا۔"

زوالقرنین سے مل کر وہ لاؤنج میں رکھے صوفوں پر براجمان ہو گیا۔

"کیا کوئی دعوت رکھی ہے؟"

اس نے پوچھا۔ حماس زوالقرنین کو دیکھ کر خوشی سے چہکتا ہوا اس کی گود میں چڑھ گیا تھا۔

"اس اتوار کو نکاح کہ تقریب رکھی ہے اور تم نے بغیر کسی بہانے کے ہر حال میں شرکت کرنی ہے۔"

سفیر نے تنبیہہ کرتے اسے آگاہ کیا تو وہ ہنس پڑا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے نوشے میاں بھی کھونٹے سے بندھنے جا رہے ہیں۔ بھئی ویسے مجھے افسوس رہے گا تمہارے بیچلر نہ ہونے کا۔"

مسکراہٹ دبا کر اس نے نوریز کو دیکھا ہوں جیسے واقعی اس سے دلی ہمدردی ہو۔

"آپ کیا جانیں میرڈ لائف کتنی خوبصورت ہوتی ہے۔"

وہ بڑا مسرور نظر آ رہا تھا۔ زوالقرنین کی بات اس نے ناک سے مکھی کی طرح اڑائی تھی۔

"خاصا تجربہ ہے تمہیں۔ پارس سے بات کرنی پڑے گی۔ کہیں رانگ نمبر تو نہین مل گیا۔"

زوارلقرنین کی شوخیاں عروج پر تھیں۔ نوریز زچ ہو گیا۔

"پھپھا کٹنی والے کردار ادا مت کریں ورنہ مجبوراً مجھے دعوت نامہ واپس لینا پڑے گا۔"

وہ دھمکی آمیز لہجے میں گویا ہوا۔

"دعوت تو میں دے رہا ہوں۔"

سفیر نے ہنس دیا۔

"بھئ نکاح تو میرا ہے میری مرضی ہو گی تو ہی کوئی شامل ہو گا سن لیں سب۔"

وہ منہ پھلا کر بیٹھ گیا۔

"مرضیاں تو پارس کی چلیں گی۔ تمہیں دو دن میں سیدھا کر دے گی۔ وہ زائشہ بھابھی نہیں ہے۔ کیا سمجھے نوشے میاں۔"

سحاب نے اسے سلگایا۔

"تو کیا ہوا یہ بڑے بھائی کی طرح جورو کا غلام بن جائے گا۔"

روشنی کی ہنسی چھوٹ گئ۔ زائشہ نے انہیں آنکھیں دکھائی۔ اردشیر کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔

کافی ٹائم سے سب ساتھ مل کر بیٹھے تھے۔ اچھی خاصی رونق لگ گئ تھی۔

"آپا! امی بہت یاد کر رہی تھیں آپ کو۔ اگر اردشیر بھائی اجازت دیں تو میں آپ کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔ پھر اتوار کی رات کو بھائی کے ساتھ ہی آجایئے گا۔ کیا خیال ہے۔"

سفیر نے یاد آنے پر زائشہ سے کہا پھر اردشیر کو اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔ زائشہ بھی اردشیر کو دیکھ رہی تھی جو یک دم نظریں چرا گیا تھا۔

اکلوتی بہن کی پہلی خوشی تھی۔ وہ خود بھی میکے کی طرف سے شریک ہونا چاہتی تھی۔ سفیر نے تو گویا اس کی خواہش کو زباں دے دی تھی۔

"میں کل صبح آفس جاتے وقت زائشہ کو گھر چھوڑ دوں گا۔"

اردشیر نے سنجیدگی سے کہا۔ سفیر نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا پھر کچھ دیر بیٹھ کر گھر کی راہ لی۔ روشنی انہیں ڈنر پر رکنے کے لیے کہہ رہی تھیں پر وہ ماں اور بہن کے اکیلا ہونے کا خیال کرتے سرعت سے انکار گیا۔ اردشیر کے موبائل پر کال آرہی تھی۔ وہ کال سننے کی غرض سے کمرے میں چلا گیا جبکہ روشنی ڈنر لگوانے کی تیاری کرنے لگی تھیں۔ نوریز اور حماس کو آپس میں مستیاں کرتے دیکھ کر زائشہ نے زوالقرنین کی طرف دیکھا جو مسکرا کر نوریز اور حماس کو ہی دیکھ رہا تھا۔ نظروں کی تپش پر اس نے چہرے کا رخ موڑا تو زائشہ نے

اسے اشارے سے باہر لان کی طرف آنے کا کہا۔ وہ ٹھٹھک گیا پھر نظر بچا کر باہر لان میں نکل آیا۔

"خیریت بھابھی! آپ نے مجھے اس طرح بلایا۔"

اسے یوں لگا جیسے زائشہ اس سے کچھ کہنا چاہتی ہو۔

"آپ نے سٹڈی میں اردشیر سے جو بھی باتیں کی ہیں میں نے سب سن لی ہیں۔"

ذوالقرنین نے گہری سانس خارج کی۔

"کوئی فائدہ نہیں۔ اردشیر آپ کی بات بھی نہیں مانے گا۔ اس کا خوف اپنی جگہ درست ہے مگر یہ رسک لینا ہی پڑے گا بھابھی کیونکہ ایسے نہیں تو ویسے وہ ایک آخری وار کرنے سے باز نہیں آئے گا کیونکہ پتا اسے بھی چل گیا ہے کہ پولیس اس کے تعاقب میں ہے اور اسے پکڑنے کی سر توڑ کوشش کر رہی ہے۔ ایسے میں ایک آپ ہی ہیں۔ ہم آپ کے ذریعے زریان ملک کو اپنے جال میں ٹریپ کر سکتے ہیں مگر اردشیر ایسا نہیں چاہتا۔"

لان کی گھاس پر نظریں جمائے وہ گہری سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"مگر میں ایسا چاہتی ہوں۔ کل صبح وہ مجھے امی کے گھر چھوڑ دیں گے۔ میرے خیال میں وہاں یہ کام آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔"

زائشہ کی باتوں پر زوالقرنین ششدر رہ گیا۔ پھر سختی سے اس کی بات سے انحراف کر گیا۔

"یہ ممکن نہیں ہے بھابھی۔ اردشیر کے علم میں لائے بغیر میں اتنا بڑا قدم ہر گز نہیں اٹھاؤں گا۔ ایسا نہیں ہے کہ میرے زور بازو میں قوت نہیں ہے۔ میں اپنے عزیز دوست کو دھوکا نہیں دے سکتا۔"

وہ صاف انکار کر گیا۔ زائشہ نے لب بھینچ لیے۔

"روز روز جو یہ خطرے کی تلوار ان کے اور میرے سر پر لٹکتی رہتی ہے اس سے تو بہتر ہے کہ آر یا پار کا فیصلہ کر لیا جائے۔ میں اپنی وجہ سے اردشیر کو مزید پریشان ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ اب تک جتنے بھی حملے ہوئے ہیں۔ اس سے یہی اندازہ ہوا ہے کہ زریان ملک کو صرف مجھ سے غرض ہے۔"

زائشہ نے کہا۔

"میں اردشیر کو دھوکے میں رکھ کر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا بھابھی۔ وقت کی چال کا کسی کو نہیں پتا کب کہاں چل پڑے۔ اسے جب پتا چلے گا تو وہ بہت خفا ہو گا۔"

"ان کی خفگی میں سنبھال لوں گی آپ بس زریان ملک کے گرد گھیرا تنگ کرنے کی تیاری پکڑیں۔ اس شخص نے جتنا ہمیں ستانا تھا ستا لیا۔ اب اور نہیں۔"

وہ مضبوط لہجے میں عزم سے بولی تو ذوالقرنین نے سر اثبات میں ہلا کر اندر کی راہ لی جبکہ اوپر اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانکتے اردشیر کی نظروں میں ان دونوں کو دیکھ کر ڈھیروں سوال اتر آئے تھے۔

ذوالقرنین پورچ میں تھا۔ اپنی جیب سے کیز نکالنے لگا تو یاد آیا کہ وہ تو ڈائننگ ٹیبل پر ہی رکھ کر بھول گیا تھا۔ اس نے واپسی قدم موڑے تو روشنی کو دیکھ کر حیرت ہوئی جو حماس کی انگلی تھامے کھڑی تھیں۔ ذوالقرنین کی تعجب خیز نگاہوں پر شرمندہ ہو کر رہ گئیں۔

"وہ دراصل حماس آپ سے ملنے کی ضد کر رہا تھا۔"

اس کے طرز تخاطب پہ ذوالقرنین چکرا کر رہ گیا۔

"حماس سے میں آل ریڈی مل چکا ہوں بلکہ ہم نے بہت ساری باتیں بھی کی ہیں اور ایک ساتھ اچھا خاصا وقت گزارا ہے۔"

اس کی سنجیدہ آواز پر روشنی تذبذب کا شکار ہو گئیں پھر کچھ یاد آنے پر کار کی چابیاں اس کی طرف بڑھائیں۔

"یہ چابیاں آپ ڈائننگ ٹیبل پر بھول گ ئے تھے۔"

زوالقرنین نے چابیاں تھام لیں اس سے قبل کے وہ کار کی طرف پلٹتا حماس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کل سکول میں فنکشن ہے۔ میرا رزلٹ آؤٹ ہو گا۔ سب کے ممی ڈیڈی آئیں گے۔ مما میرے ساتھ جائیں گی سکول۔ آپ بھی آئیں ناں صبح۔ جب آپ آئیں گے ناں تو میں اپنے کلاس میٹس کو چڑاؤں گا جو مجھے ہمیشہ کہتے ہیں کہ تمہارے بابا کے پاس تمہارے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ تم سے پیار نہیں کرتے اور پتا ہے وہ لوگ میرا لنچ بھی چھین لیتے ہیں مجھے ڈراتے بھی ہیں۔ آپ آئیں گے ناں تو ان کی خوب پٹائی کرنا۔ ان کو بھی پتا چلے کہ

حماس کے بابا اس سے پیار کرتے ہیں اور اس لیے مصروف رہتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے کنٹری کو اینیمز سے پروٹیکٹ کرتے ہیں۔ آپ آئیں گے ناں بابا۔"

حماس کی آنکھوں میں ایک آس تھی۔ لہجے میں مان تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا اور اس کے ننھے ہاتھ تھام لیے۔

"بابا لو زیو آلوٹ اور بابا چاہے جتنے بھی مصروف ہوں وہ صبح حماس کے کلاس میٹس کو سبق سکھانے ضرور آئیں گے۔"

زوالقرنین نے ایک نظر خاموش کھڑی روشنی کو دیکھا اور جھک کر حماس کی پیشانی پر بوسہ دیا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

روشنی نے کچھ کہنے کے لیے الفاظ تلاش کرنا چاہے مگر تب تک اس کی گاڑی بیرونی دروازہ عبور کر چکی تھی۔

لان خالی پڑا تھا مگر وہ اب بھی وہیں نظریں جمائے کھڑا تھا جہاں کچھ دیر قبل زائشہ اور زوالقرنین کھڑے تھے۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ زائشہ جو کسی سے جلدی گھلتی ملتی نہیں ہے

اور تنہا ملنے کا تو سوال ہی ناپید تھا تو کونسی وجہ تھی جس نے زائشہ کو زوالقرنین سے یوں تنہا ملنے پر مجبور کیا۔

"کہیں میرے منع کرنے کے بعد زوالقرنین نے زائشہ سے نہیں کہہ دیا وہ سب۔"

ابھی وہ سب سوچ ہی رہا تھا کہ کمرے میں اسے زائشہ کی آمد کا احساس ہوا تو اس نے رخ موڑا۔اس کی سنجیدہ نظریں زائشہ پر تھیں۔

"زوالقرنین کیا کہہ رہا تھا آپ سے۔"

وہ چلتا ہوا اس کے نزدیک آیا تو زائشہ کو پہلی بار اردشیر سے جھوٹ بولنا بے حد برا لگا۔

"میں بس اس شخص کے بارے میں ہی پوچھ رہی تھی کہ وہ کب تک گرفتار ہو گا۔خوف کی وجہ سے میں باہر بھی نہیں نکل سکتی۔کسی سے ملنے نہیں جا سکتی۔ان فیکٹ آپ کے ساتھ لانگ ڈرائیو پر جانے کا اتنا دل کرتا ہے پر یہی سوچ کر خواہش دبا لیتی ہوں کہ کب وہ شخص کہاں سے حملہ کر دے۔"

مقصداگرچہ اردشیر سے جھوٹ بول کراس کادھیان ہٹاناتھامگر حقیقت تو یہ تھی کہ اب بھی سچ ہی کہہ رہی تھی۔زائشہ کی آنکھوں میں ابھرتی اذیت پر اردشیر نے لب بھینچ لیے پھراسے خود میں بھینچ لیا۔

"ڈونٹ فری زائشہ! میں آپ کے سارے خوف چرالوں گا۔بہت جلد آپ بے خوفی سے باہر نکلیں گی گھومیں گی پھریں گی سب سے ملیں گی بھی اور میں آپ کولانگ ڈرائیو پر بھی لے جاؤں گا۔

اس کے بالوں پر لب رکھتے وہ گھمبیر لہجے میں بولاتوزائشہ ندامت میں گھر گئ۔

"مجھے معاف کردیں اردشیر آپ سے جھوٹ بولنے کے لیےاور آپ سے سچ چھپانے کے لیے۔"

اس کے سینے میں منہ دیے وہ دل میں گویاہوئی۔

"آپامیں سوچ رہی تھی کہ روشنی بھابھی کی امی کو بھی تقریب میں انوائٹ کرلیتے ہیں یوں بھی اس شہر میں ان کاکوئی ہے نہیں۔"

سحاب نے زائشہ سے تائید چاہی جو منہمک سی پارس کے کپڑے استری کررہی تھی۔

"بالکل! بلالو۔اس بہانے ہم لوگ بھی ملاقات کرلیں گے۔"

وہ مسکراکر جواب دے گئ۔

"ٹھیک ہے پھر میں اور سفیرا نہیں کارڈ دے آتے ہیں۔آپ بور تو نہیں ہوں گی ناں۔"

سحاب مسکرائی۔

"نہیں میں بور بالکل بھی نہیں ہوں گی۔"

زائشہ دھیرے سے ہنس دی تو سحاب ساجدہ بیگم سے اجازت لے کر سفیر کے ہمراہ روشنی کی امی کے گھر روانہ ہو گئ۔

روشنی حماس کے ساتھ سکول کے رزلٹ ایونٹ میں شریک تھیں۔ سٹیج پر بچے مختلف قسم کے ٹیبلو اور دیگر پرفارمنس دے رہے تھے۔وہ بھی دیگر والدین کی طرح نیچے لگی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

گیارہ بجنے والے تھے اور انہوں نے ساڑھے نو بجے اسے حماس کی طرف سے یاد ہانی کال کی تھی۔ زوالقرنین ابھی تک نہیں آیا تھا۔ حماس کا روٹھا روٹھا سا چہرہ ان کی نظروں میں آ گیا۔

"پتا نہیں کہاں رہ گئے ہیں زوالقرنین! میرے حماس کا دل ٹوٹ جائے گا اگر وہ نہیں آیا تو۔"

عہ اداسی سے گویا ہوئیں۔

"زوالقرنین دل توڑنے کے ہنر سے ناواقف ہے۔"

وہ مضطرب سی انگلیاں مروڑتی ہوئی بڑبڑائی تھی۔ ان کی بڑبڑاہٹ اتنی اونچی ضرور تھی کہ پاس بیٹھتے زوالقرنین نے باآسانی سن لی اور خاصے گہرے اور گھمبیر لہجے میں جواب دیا تو روشنی چونک سی گئی پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

سٹیج پر کافی ٹائم تک بچے مختلف ٹیبلو پیش کرتے رہے۔ آخر کار رزلٹ کا لمحہ آیا تو روشنی دل تھام کر بیٹھ گئی۔ سامنے پرنسپل پوزیشن ہولڈر سٹوڈنٹس کا نام اناؤنس کر رہی تھیں اور ان

کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے پرنسپل کو مائیک میں کہتے سنا کہ حماس ازداٹاپ بوائے آف آور پرائمری سیکشن۔

حماس نے اپنا انعام وصول کیا چند ایک تصاویر کھنچوانے کے بعد اپنی کامیابی کے پیچھے کے راز بتاتے ایک چھوٹی سی سپیچ دی جس میں سب سے زیادہ ذکر روشنی کا تھا۔حماس کے آخری الفاظوں پر (آج میں جو کچھ بھی ہوں۔اس کے پیچھے میری بیوٹیفل اور چارمنگ مما کا ہاتھ ہے جو مجھے ٹائم پر ہوم ورک کرواتی ہیں اور میتھس ٹیوٹ کرتی ہیں سو اس انعام کی اصلی حقدار میری مما ہیں۔آلو ویو مما۔) وہ دلبرداشتہ ہو کر مارے خوشی کے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے رو پڑیں۔

تقریب ختم ہونے پر جہاں سب بچے اپنے والدین کی طرف بھاگے تھے تو حماس بھی ٹرافی لے کر روشنی کی طرف آیا اور ایک ساتھ دونوں کے گلے لگ گیا یوں کے اس کا ایک ہاتھ روشنی کے گرد تو دوسرا زوالقرنین کے گرد تھا۔روشنی اس افتاد پر بوکھلا گئی۔

"دیکھیں بابا۔مما روئی ہیں۔میں نے اپنی ٹرافی بھی مما کے نام کر دی پھر بھی۔پتا ہے مما ایسے ہی روتی رہتی ہیں بہانے بہانے سے۔آئی تھنک وہ آپ کو مس کرتی ہیں۔"

وہ اداسی سے گویا ہوا تو اس کی بات پر زوالقرنین کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔روشنی کی پلکیں لرز گئیں۔وہ پارکنگ میں آ چکے تھے۔روشنی خاموش تھیں۔زولقرنین اور حماس ہی باتیں کر رہے تھے۔

"بابا کیا اب آپ چلے جائیں گے؟"

اس کی آنکھوں میں اترتی اداسی روشنی کی آنکھوں میں بھی اداسی بھر گئی۔

زولقرنین نے گہری نگاہوں سے روشنی کو دیکھا جس کے انداز و اطوار بدلے بدلے سے تھے۔

"جانا ضروری ہے۔بابا کو بہت امپارٹینٹ کام ہے۔پھر ملیں گے چیمپ۔"

وہ مسکرا کر اس کے گال پر بوسہ دے کر گویا ہوا تو۔

"نو۔یو چیٹر! آپ ہمیشہ ایسے ہی کرتے ہیں۔مجھے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔آئی ہیٹ یو۔آئی ہیٹ ہو۔"

شدید اگریسو موڈ میں سارا غصہ نکا کر وہ دور جا کر دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔روشنی کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

"آپ نے حماس کا نہیں میرا دل توڑا ہے۔ ہمیشہ اسے بیٹا بیٹا کہتے رہتے ہیں۔ آج بیٹے کی خواہش نہیں پوری کر سکتے۔ حماس چاہتا تھا کہ اس کے بابا اس کی پوزیشن آنے پر پورا دن اس کے ساتھ باہر گزاریں۔"

وہ خفا ہو کر بولیں تو ذولقرنین جو پنجوں کے بل بیٹھا تھا کھڑا ہو گیا۔

"حماس کی مما کیا چاہتی ہیں۔ پہلے وہ بیٹے کے گرد منڈلانے تک نہیں دیتی تھیں اور اب بیٹے سے دور جانے پر مجھ سے خفا ہیں۔ میں اس کشمکش میں الجھ گیا ہوں۔ یہ یقین تو دلا دیں کہ حماس کے ساتھ اس کی مما بھی میرے ساتھ کی خواہشمند ہیں۔"

گھمبیر لہجے میں گہری نظروں سے گلابی لان کے پرنٹڈ سوٹ میں دمکتی روشنی کو دیکھتے وہ جب سوال کرنے پر آیا تو روشنی کی دھڑکنوں نے اعتدال پر آنا بند کر دیا۔ وہ حماس کو منا کر لے آیا تھا۔ اس کے چہرے پر پھوٹتی خوشی دیکھ کر وہ آسودگی سے مسکرا دیں۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

ذولقرنین نے گاڑی میں بیٹھ کر ایک بار پھر اس سے استفسار کیا

حماس پیچھے بیٹھا ہوا تھا جبکہ وہ خود اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

"حماس خوش ہے تو میں بھی خوش ہوں۔"

وہ مسکراہٹ دبا کر رخ موڑ گئیں تو زولقرنین نے خوشگوار لہجے میں اسے دیکھا اور پھر زور سے ہنس دیا۔ روشنی نے دل تھام لیا۔ اس کی ہنسی کتنی دلکش تھی۔

پہلے وہ انہیں لنچ کروانے پی سی لے گیا تھا پھر وہاں سے اس نے ہر وہ جگہ وزٹ کی جہاں کا حماس نے نام لیا۔ اس کے پوزیشن آنے کی خوشی میں اسے اچھی خاصی شاپنگ بھی کروائی۔

حماس اور روشنی نے پہلی بار کچھ مانگا تھا۔ وہ بھی اس کا ساتھ تو وہ کیسے انکار کرتا۔ آج کا پورا دن حماس اور روشنی کے نام کر کے جس وقت وہ ڈالمن مال کلفٹن سے نکلنے لگے تھے حماس زولقرنین کے کندھے سے سر ٹکائے اس کی گود میں لٹا کب کا سو چکا تھا۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ روشنی اس سے دل کی بات کہنا چاہ رہی تھیں مگر جھجک آڑے آ رہی تھی۔

زوالقرنین نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ اسے یونیورسٹی کے وقت سے جانتا تھا۔ اس کی ہر عادت ہر ادا سے واقف تھا۔ اب بھی جانتا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے سو خاموشی سے گاڑی دو دریا کی طرف موڑ دی۔

دو دریا پہنچتے ہی قریبی ریسٹورانٹ میں اس نے ریلنگ کے سائیڈ والی میز کا انتخاب کیا تھا۔ سوئے ہوئے حماس کو اپنی گود میں بٹھائے اس نے ویٹر کو مینو لکھوایا اور پھر روشنی کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں اور رمیز اکثر یہاں آتے تھے۔ یہ میری فیورٹ جگہوں میں سے ایک ہے۔" آنسوں پلکوں پر ٹھہرائے وہ بولیں۔

"روشنی آپ جانتی ہیں کہ اس دن رمیز۔۔۔! میں سب جانتی ہوں زوالقرنین۔ مجھے مزید شرمندہ مت کرو۔ یونیورسٹی میں پڑھتے پڑھتے کب دل رمیز کی چاہ کرنے لگا۔ مجھے خبر ہی نہ ہوئی۔ رمیز کے التفات اس کی بولتی نگاہیں اس کا انداز فکر اور پوزیسونیس نے مجھ پر اس طرح گھیرا ڈالا تھا کہ میں کبھی تمہاری آنکھوں میں لکھی محبت کی تحریر پڑھ ہی نہ سکی۔ اپنی برات والے دن تمہارے ہاتھ سے تحفہ وصول کرتے اگر میں تمہاری آنکھوں میں دیکھ نہ لیتی تو شاید ساری زندگی محبت کا وہ راز نہ پا سکتی تھی جو شاید تم نے دل کے نہاں خانوں میں چھپا دیا تھا۔ پتا ہے زوالقرنین! دل کو تم سے چڑ سی ہو گئ تھی۔ رمیز تم سے دوستی توڑ نہیں سکتا تھا اور میں اس دوستی کے حق میں نہیں تھی۔ اندر کہیں ضمیر کچوکے

لگاتا تھا جبکہ میری تو کوئی غلطی نہیں تھی۔ تمہارا گھر آنا۔ رمیز سے ملنا اور دیر تک قیام کرنا ڈنر پر رکنا مجھے کوفت میں مبتلا کر دیتا تھا۔ پھر رمیز کی ڈیوٹی ٹف ہو گئی تو مجھے تمہارا آنا غصہ دلانے لگا۔ تم سے نفرت سی محسوس ہونے لگی۔ مجھے لگتا تھا تم جان بوجھ کر یہ سب کر رہے ہو تاکہ میں اپنی ازدواجی زندگی میں خوش نہ رہ سکوں۔ میں انسیکیور فیل کرتی تھی مگر کبھی بھی یہ رمیز سے نہیں کہہ سکی۔ مجھے پتا تھا کہ وہ ہرٹ ہونگے۔ پھر تم سے میں نے دو ٹوک بات کی اور تم نے گھر آنا بند کر دیا مگر اب رمیز کا وہ وقت جو تمہارے ساتھ گھر میں گزرتا تھا وہ باہر گزرنے لگا۔ تمہارے ساتھ نفرت مزید گہری ہو گئی اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہی ہوتا رہا کمی نہیں آئی یہی وجہ رہی کہ رمیز کی شہادت کے بعد مجھے تم اس کے قاتل لگے مجھے لگا تم نے جان بوجھ کر اسے اپنی جگہ بھیجا۔ تم جانتے تھے کہ یہ مشن بہت خطرناک ہے۔ اسے تم نے رستے سے ہٹایا تاکہ تم مجھ تک آنے کے لیے راہ ہموار کر سکو۔ میں نے تم پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔ تم نے میری غلط فہمی دور نہیں کی تو میرا شک یقین میں بدل گیا۔ تمہاری محبت تو میں نے نفرت کی نذر کر دی تھی۔"

وہ جب بولنے پر آئیں تو بولتی چلی گئیں۔ ذوالقرنین گنگ رہ گیا۔

"رمیز کی زندگی میں جتنی محبت مجھے ان سے ملی میں لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ تم میری ذہنی ابتری حالت سے ناواقف ہو۔ جوانی کی دہلیز پر بیوگی کی چادر اوڑھنا کس قدر کٹھن ہوتا ہے یہ کوئی روشنی سے پوچھتا۔ دل اس شخص کو یاد کر کے لمحہ لمحہ تڑپتا تھا۔ اس قدر محبت کرنے والے شوہر کو کھو کر تو پاگل ہونا واجب ہو جاتا ہے زوالقرنین! شاید میں بھی دیوانوں جیسی حالت میں کسی مینٹل اسائلم میں پڑی رمیز کی نام کی مالا جپ رہی ہوتی اگر حماس میری آغوش میں نہ ہوتا تو۔ مجھے معاف کر دو زوالقرنین۔ میں تمہاری گناہ گار ہوں۔ تم پر الزامات لگائے۔ تمہارے ہر بڑھتے قدم کو دھتکارا۔ تمہاری میرے بیٹے کے لیے محبت پر بھی شک کیا۔

پلیز اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دو۔"

وہ میز پر سر ٹکائے شدت و گریاں سے رو پڑیں۔ زوالقرنین کے چہرے پر اس کے رونے سے تکلیف دہ اثرات نمایاں ہو گئے۔ اس نے حماس کو ساتھ والی چیئر پر بٹھایا اور روشنی کے نزدیک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

اسے اچھی طرح یاد تھا کہ روشنی نے گریجویٹ کے بعد رمیز سے شادی کرلی تھی۔ تعلیم بھی مکمل نہیں کی تھی۔ وہ محض بائیس سال کی تھی۔ اس کی شادی کو چوتھا سال تھا جب رمیز ایک مشن میں شہید ہوا۔ وہ چھبیس سال کی حسین و جوان دوشیزہ تھی۔ اتنی سی عمر میں جو دکھ اس نے جھیلے تھے۔ وہ اس کی جان پر بہت بھاری تھے۔ وہ اس کی تکلیف سمجھ سکتا تھا پر محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے روشنی کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"روشنی! میرے اور تمہارے درمیان یہ معافی کہاں سے آ گئی۔ تمہیں یاد ہے یونیورسٹی میں غلطی تمہاری ہوتی تھی اور کان پکڑ کر سوری میں کہتا تھا کہ تمہارا موڈ ٹھیک ہو جائے۔ یہ ڈیپارٹمنٹ تو خالصتاً میرا تھا۔"

روشنی نے چہرہ اٹھایا۔ رونے سے آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ لمحوں میں اس نے چہرے کا حشر کر لیا تھا۔ اسے شدید افسوس ہوا۔

"تم سوری کہتی ہوئی نہیں بلکہ کہلواتی ہوئی اچھی لگتی ہو۔ یو نو واٹ روشنی سوری مجھے کہنا چاہیے۔ شاید میری ہی نظر لگ گئی تمہارے ہستے بستے گھر کو۔"

وہ ندامت سے سر جھکائے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے پست لہجے میں بولا۔

"محبت کرنے والوں کی نظریں نہیں لگا کرتیں زوالقرنین! محبت تو محض ایک نظر کی ہی محتاج ہوتی ہے۔"

وہ آنسو صاف کرنے لگیں جو بار بار سرخ رخساروں پر بہتے جا رہے تھے۔

"کیا ہم آج معافی معافی کھیلتے رہیں گے۔"

خاموشی میں اس کی آواز گونجی۔

"میں کافی ٹائم سے آپ سے بات کرنا چاہ رہی تھی مگر۔۔۔! اٹس اوکے روشنی تم اور میں حالات و وقت کی گردش کی لپیٹ میں آئے ہیں۔ یہاں کسی کا کوئی قصور نہیں۔ ایوری تھنگ از اوکے۔"

زوالقرنین نے گویا پچھلا سارا قصہ ہی ختم کر دیا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر حماس بچہ ہے۔ وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتا۔ وہ آپ کو بابا سمجھتا ہے۔ میں چاہ کر بھی اسے منع نہیں کر سکتی ہوں۔ اس کی شکوہ کرتی آنکھیں اور باپ

کی محبت کے لیے تڑپ مجھے جیتے جی مار دیتی ہیں اور اب جبکہ وہ آپ سے اس قدر مانوس ہو گیا ہے تو مجھے سمجھ نہیں آتا کیا کروں میں۔ یہ معاشرہ ہے زوالقرنین۔ حماس کا آپ کو بابا بلانا مطلب میرے ساتھ نتھی کرنا۔ لوگ باتیں بنائیں گے۔ معاشرہ لعن تعن کرے گا۔ میں تب بھی جی نہیں پاؤں گی۔ وہ بچہ ان باتوں سے نابلد ہے۔ کیسے سمجھاؤں اسے۔"

وہ ایک بار پھر نمناک لہجے میں گویا ہوئیں۔

"آپ کے سب مسئلوں کا حل میرے پاس ہے۔"

وہ گھمبیر لہجے میں سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"وہ کیا؟"

وہ مستفسر ہوئیں۔

"ول یو میری می؟"

زوالقرنین نے ٹیبل پر پڑے گلاس واز سے ایک سرخ گلاب نکال کر لبوں پر دلکش مسکراہٹ سجائے اسے پرپوز کیا۔ روشنی ششدر رہ گئی۔

"یہ کیا کررہے ہیں آپ؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔میں آج بھی رمیز سے محبت کرتی ہوں اور دوسری شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ان کی روح کو کس قدر تکلیف ہو گی۔"

وہ سسک اٹھی۔

"ایک ماں کے لیے سب کچھ ممکن ہے روشنی۔حماس کی طرف دیکھو اگر ہمارے ایک فیصلے سے وہ مکمل ہوتا ہے تو اس میں کیا مضائکہ ہے۔مانتا ہوں یہ فیصلہ تمہارے لیے مشکل ہے مگر میرے لیے بھی آسان نہیں ہے کسی ایسی عورت کو اپنانا جس کے دل میں کسی اور شخص کی محبت کا بسیرا ہو۔"

وہ بہت ضبط سے گویا ہوا تھا۔روشنی دھک سے رہ گئی۔زندگی میں یہ پہلا طعنہ تھا جو ذوالقرنین نے دیا تھا۔نہ معلوم کیوں آنکھیں بھر آئیں۔غصہ کی ایک شدید ترین لہر اس کے پورے وجود میں سرایت کر گئی۔وہ تیزی سے آنسو رگڑ کر اٹھی اور حماس کو کندھے سے لگا کر تیزی سے ہوٹل کی سیڑھیاں اتر گئیں۔ذوالقرنین ششدر رہ گیا۔پھر اپنے

الفاظ کی سنگینی کا اندازہ ہوا تو پیمنٹ کر کے کار کی چابیاں اٹھا کر تیزی سے اس کے پیچھے بھاگا۔ وہ ٹیکسی رکوا کر ڈرائیور سے بات کر رہی تھیں

زوالقرنین نے ایک سرد نظر ڈرائیور پر ڈالی اور روشنی کو بازو سے تھام کر پیچھے کیا۔

"دوستی میں اتنی گنجائش تو ہونی چاہیے روشنی کہ ہم ستم کر کے ستم سہہ بھی سکیں۔ آپ نے جو میرے دل پر زخم لگائے ہیں اس مقابلے میں میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ میری ایک بات ہی اتنی بری لگ گی آپ کو کہ میرا ساتھ بھی گوارہ نہیں کیا۔ اتنا بے اعتبار سمجھتی ہیں مجھے۔"

وہ جیسے غصے کی انتہاؤں کو چھو رہا تھا۔

روشنی نرم پڑ کر اب نظریں جھکائے رو رہی تھی۔

"آپ نے مجھے طعنہ دیا ہے۔"

وہ جیسے چیخ پڑی۔

"آئے ایم سوری فار دیٹ۔"

وہ جیسے لمحوں میں ٹھنڈا پڑ گیا۔

"گاڑی میں بیٹھیں۔اردشیر کی کالز آرہی ہیں۔"

وہ سنجیدہ لہجے میں گویا ہوا۔روشنی گاڑی میں بیٹھ گئیں۔سفر یونہی خاموشی سے کٹا تھا۔

"میرا پرپوزل برقرار ہے۔کیا میں کوئی اچھی امید رکھ سکتا ہوں؟"

وہ اترنے لگی تو زوالقرنین کی بھاری آواز گونجی۔دل نے گویا رفتار پکڑ لی۔وہ بغیر کوئی جواب دیے تیزی سے اندر بڑھ گئیں۔زوالقرنین اس کی پشت پر نظریں جمائے کتنی دیر تک اسے تکتا رہا۔یہاں تک وہ نظروں سے اوجھل ہو گئ۔

مزینہ گھر آچکی تھی۔سروت بیگم نے اس کے صدقے اتارے۔کتنی ہی خیرات کیں۔نوافل ادا کیے۔خرم کا رویے میں قدرے لچک آئی تھی۔سروت بیگم نے شمائم اور دل افروز کو یہ خبر سنائی تو شمائم اتنا خوش ہوئی کہ بس چلتا تو اڑ کر چلی آتی۔دل افروز بھی بعد میں مزینہ کو مبارک باد دینے کا کہہ رہی تھی۔مزینہ اور خرم کے رشتے نے یہ جو نیا موڑ لیا تھا۔سب کو ہی امید سی ہو گئ تھی کہ اب ان کا رشتہ پہلے جیسا ضرور ہو جائے گا۔خود خرم بھی اپنی سی کوشش کر رہا تھا کہ مزینہ سے اس حوالے سے بات کرے کہ اس نے جو

ڈائیوارس پیپر زدیے تھے۔اب وہ فضول ہی تھے۔ہاں ڈلیوری کے بعد اگر وہ چاہتی تو مگر اب خرم طلاق کے حق میں نہیں تھا۔

ان سب کی سوچوں کے آگے مزینہ اس خبر پر ساکت جامد تھی۔نہ کوئی خوشی نہ کوئی غم۔چہرے پر ڈھونڈھنے سے بھی کوئی تاثر نہیں ملتا تھااور خرم کو یہی بات پریشان کررہی تھی۔

وہ اس کے نزدیک ہی بیڈ پر جگہ بنا کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

وہ لحاف ٹانگوں پر ڈالے نیم دراز تھی۔چونک کر خرم کو دیکھا۔

"تم خوش نہیں ہو مزینہ"!

وہ پوچھ رہا تھا یا بتا رہا تھا۔خود بھی سمجھ نہ سکا۔لہجہ کس قدر پستی لیے ہوئے تھا۔

"پتا نہیں۔کوئی جذبہ محسوس نہیں ہو رہا شاید اس لیے کہ یہ بچہ میرے راستے میں رکاوٹ بن گیا ہے۔مزید تمہیں نو ماہ جھیلنا پڑے گا اگر اس رات تم اپنے نفس کی تسکین کا سامان نہ کرتے تو آج میرے پیروں میں یہ بیڑی نہ ہوتی۔کس قدر دوغلے ہوتے ہو تم مرد۔کتنا

تضاد ہوتا ہے تم مردوں کی باتوں اور عمالوں میں۔ کہتے کچھ ہو کرتے کچھ ہو۔ تمہیں مجھے رکھنا ہی نہیں تھا تو برتا ہی کیوں۔ یہ سوال مجھے آج سمجھ آیا ہے۔"

وہ تلخی بھرے لہجے میں بولی۔ خرم نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"ری لیکس! اتنا غصہ تمہارے لیے ٹھیک نہیں۔"

وہ اس کے رخسار سے مس ہوتی لٹ کو کان کے پیچھے کرتا مدھم لہجے میں کہتا مسکرا کر اٹھ گیا۔ مزینہ اس کے پرسکون لہجے اور نارمل انداز پر سلگ کر رہ گئ۔

"اس موضوع پر ہم پھر بات کریں گے۔ ساری زندگی پڑی ہے۔"

الماری سے آرام دہ لباس نکالتے وہ بھرپور نظروں اسے دیکھ کر گویا ہوا تو مزینہ جیسے غصے سے پھٹ پڑی۔

"تم مجھے طلاق دینا چاہتے تھے محض اس بچے کی خاطر جھوٹ مت بولو۔ اب میری پریگنینسی کی خبر نے تمہارے ارادے بدل دیے ہیں۔ تم آخر چاہتے کیا ہو۔ کیوں میرا صبر آزماتے ہو۔ میں نے محض تم سے محبت کی تھی اور ایک پر آسائش زندگی کی خواہش میں تم تک آئی تھی۔ کم سے کم دوسری لڑکیوں کی طرح اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے کسی

طوائف کا روپ نہیں دھارا نہ جسم فروشی کی۔بس صرف اتنی غلطی تھی کہ باعزت طریقے سے سب کچھ حاصل کیا۔تم نے میری اس غلطی کو گناہ بنا دیا۔ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔جہاں اعتبار نہ ہو وہاں رشتہ قائم نہیں رہتا۔میں نے کتنی مشکل سے خود کو راضی کیا تھا تم سے علیحدگی اختیار کرنے پر۔تم کیوں مجھے تڑپا تڑپا کر مار رہے ہو مجھے ایک ہی دفعہ گلا گھونٹ کر یا زہر دے کر مار دو خدارا۔"

وہ چیختے چیختے سسک اٹھی۔ خرم تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اسے خود میں بھینچ کر اس کے گرد حصار مضبوط کر دیا۔

"مریں تمہارے دشمن۔ خبردار جو آئندہ الگ ہونے کی یا مرنے کی بات کی تو۔بیوقوف تھا میں جو تمہیں خود سے الگ کرنے چلا تھا۔ بھلا تمہارے بغیر میں زندہ رہ پاتا۔ قطعی نہیں۔یہ میرے دل سے پوچھو مزینہ کتنے ضبط سے وہ فیصلہ لیا تھا۔"

وہ بھی نم آنکھوں سے کہتا بار باراس کے بالوں پر لب رکھتا تھا۔

"کیوں کیا ایسا فیصلہ جس سے ہم دونوں ہی تکلیف سے گزرے۔"

وہ اس کے چوڑے سینے میں منہ دیے سسک اٹھی تھی۔ اس کے آنسو خرم کے کشادہ سینے پر گر رہے تھے۔ خرم کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا۔ آج صبح ہی اس کے پاس بلال کی کال آئی تھی جو اسے کہیں باہر ملنے کا کہہ رہا تھا مگر مزینہ ہاسپٹل میں تھی۔ اس نے صاف انکار کر دیا تو بلال اس کے بتانے پر اسے ہاسپٹل میں ہی ملنے آگیا تھا۔ اس نے خرم کی ساری غلط فہمی دور کر دی تھی۔ اسے امی کے کارنامے اور مزینہ کی بیوقوفیاں سب بتا دیں۔ خرم تو جیسے ششدر رہ گیا۔ اس پر گڑھوں پانی پڑ گیا۔ وہ تب سے ہی ضمیر کی عدالت میں کھڑا اپنا احتساب کر رہا تھا۔ شکر تھا کہ اللہ نے اسے ایک موقع دیا تھا ورنہ شاید وہ ہمیشہ پچھتاوں میں گھرا رہتا۔

"شک رشتوں کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ میں نے تم پر شک کر کے رکیک الزامات لگا کر خود کو ہی بے لباس کیا ہے کہ میاں بیوی ایک لباس ہی تو ہیں۔ میں تمہیں ذک پہنچاتا رہا تم سہتی رہیں بلکہ چند ایک بیوقوفیاں کر کے خود کو مزید میری نظروں میں گرا لیا۔ پاگل لڑکی مجھے ایک بار کلیئر تو کرتیں۔ میری غلطی فہمی دور کرتیں مگر تم نے ضد و جنون میں

ہمارا رشتہ داؤ پر لگا دیا۔ میں نے جو کیا سو کیا تم نے بھی کسر نہیں چھوڑی ہمارے رشتے کو انجام تک پہنچانے کے لیے۔"

وہ شدت سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے گزرے وقت کے ضیاں کا احساس دلانے لگا۔ پھر اس کی روئی روئی آنکھوں کو چوم لیا۔

"تو اور کیا کرتی۔ میں نے ہر بار بتانے کی کوشش کی مگر تم نے میری ایک بات نہیں سنی۔ شوہر ہو کر تم نے میری بات کا یقین نہیں کیا۔ وہ ستارہ جہاں ہمارے درمیان تیسری عورت کی بات کا آنکھ بند کر کے یقین کر لیا۔ میری امی بھی آپ دونوں کی وجہ سے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ مجھ میں ایک جنون سوار تھا کہ اگر تم مجھے ایسا سمجھتے ہو تو میں ایسا بن کر دکھاؤں گی۔ کیا خبر تھی کہ خود کا ہی نقصان کر رہی ہوں۔"

وہ اس کے دونوں ہاتھوں پر ہاتھ رکھتے آنکھیں میچ گئ۔ آنسوں سرخ عارضوں پر بہتے چلے گ ئے۔

خرم نے دھیرے سے اس کے کپکپاتے لبوں کو چھوا۔

"تم نے جو بیو قوفیاں کرنی تھیں کرلیں مزید میں تمہیں کرنے کی اجازت نہیں دوں گا اور وعدہ کرتا ہوں آج کے بعد کوئی تیسرہ ہمارے درمیان نہیں آئے گا۔"

اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر پر یقین لہجے میں بولا تو مزینہ پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

"تم مجھے چھوڑو گے نہیں۔ مطلب ہم ایک ساتھ ہیپی لائف گزاریں گے اپنے بچوں کے ساتھ۔"

وہ حسرت آمیز لہجے میں بولی تو خرم کے دل پر گھونسہ پڑا۔ وہ کیسے اس سے بے پرواہ رہا تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی حسرتیں حسرتیں ہی رہ گئی تھیں مگر اب نہیں۔

"ہاں! ہم ایک ساتھ رہیں گے۔ اپنے ڈھیر سارے بچوں کے ساتھ۔"

اس کے رخساروں پر پھول کھلاتے وہ شرارت سے بولا تو مزینہ جھینپ گئی۔

"بچے صرف دو ہی اچھے۔"

وہ سرخ پڑ کر مسکراہٹ روک گئی۔ خرم ہنس پڑا۔

"ارے ارے! ابھی سے پابندی یہ تو ظلم ہے۔"

مزینہ کو خود میں سموئے وہ بولا تو مزینہ سسک اٹھی۔

"مزینہ میری جان! سٹاپ کرائینگ۔اس طرح رو کر اپنی صحت خراب مت کرو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

اسے بیڈ پر لٹا کر اس پر لحاف درست کرتے وہ اس کے آنسو پوروں پر چن کر فکر مندی سے گویا ہوا۔

"یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ میرا دل چاہ رہا ہے میں زور زور سے روؤں۔"

وہ سوں سوں کرتی بولی تو اس کی عجیب منطق پر خرم نے اسے گھورا۔

"خوشی میں تم رونے کے بجائے ہنس بھی سکتی ہو۔ خوشی میں انسان پیار بھی تو کر سکتا ہے۔"

اسے دیکھ کر معنی خیزی سے کہتا وہ اس پر جھکا تو مزینہ نے اس کے گردن میں بانہیں ڈال لیں۔

"السلام علیکم! آنٹی"

"وعلیکم السلام! کیسی ہو کتنے عرصے بعد گھر آئی ہو۔ یہاں کیوں کھڑی ہو اندر آجاؤ۔"

ڈور بیل کی آواز پر ملازمہ نے داخلی دروازہ کھولا تو سحاب کا چہرہ نظر آتے ہی سروت بیگم مسکراہٹ چہرے پر سجائے اس کی طرف بڑھی تھیں۔

"بس آنٹی پہلے پڑھائی کے چکروں میں اور اب گھر داری میں وقت ہی نہیں ملتا۔"

لاؤنج میں رکھے صوفوں پر نشست سنبھالتے وہ مسکرا کر بولی۔

"اور تم سناؤ سفیر بیٹے کیسے ہو اور گھر میں سب خیریت ہے۔"

انہوں نے سفیر کی طرف دیکھ کر استفسار کیا۔

'الحمد اللہ اللہ کا کرم ہے۔ آپ سنائیں خرم اور مزینہ کیسے ہیں؟"

سفیر نے مسکرا کر حال احوال دریافت کیا۔

"وہ دونوں بھی ٹھیک ہیں۔ مزینہ کی زرا طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو خرم آج گھر پر ہی ہے۔ نوری جاؤ جا کر چھوٹی بی بی اور خرم کو بلا کر لاؤ۔"

انہوں نے احوال بتا کر کچن میں کام کرتی نوری کو حکم دیا تو وہ سارے کام چھوڑ کر اوپر آ گئ۔

دروازہ تھوڑا سا وا تھا۔

وہ مزینہ کے ساتھ بیڈ پر نیم دراز تھا۔ مزینہ کا ایک ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور اس کا سر خرم کے کندھے پر تھا۔

"مجھے لگتا ہے آج میرا کندھا ٹوٹ جائے گا۔"

اس نے مزینہ کے ہاتھ کی پشت سہلاتے اسے چھیڑا تو مزینہ نے ذرا سا سر اوپر کر کے اسے گھورا۔

"اگر تم سمجھ رہے ہو کے میں تمہارا کندھا بخش دوں گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔"
وہ تیکھے لہجے میں بولی تھی۔

"چھوٹی بی بی جی نیچے مہمان آئے ہیں۔ بڑی بیگم صاحبہ آپ کو اور خرم بھائی کو نیچے بلا رہی ہیں۔"

نوری نے اندر جانا مناسب نہیں سمجھا بلکہ دستک دے کر وہیں سے اپنے آنے کی توجیہ پیش کی۔

"اچھا ٹھیک ہے تم چلو ہم آرہے ہیں۔"

وہ سیدھی ہوتی ہوئی بولی اور اٹھ کر دوپٹہ درست کرتی خرم کے ساتھ نیچے چلی آئی۔

"السلام علیکم"!

سفیر اپنی جگہ سے اٹھ کر خرم سے بغلگیر ہوا تھا۔

"وعلیکم السلام اور بھئی سناؤ راستہ کیسے بھول گ ئے ادھر کا۔"

خرم نے اس کے پہلی بار ادھر آنے پر چوٹ کی۔

"اتوار کو پارس کا نکاح۔اسی سلسلے میں دعوت دینے نکلے تھے۔یہ کارڈ رکھو گو کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔تم بن بلائے مہمان ہو مگر پھر بھی دے رہا ہوں کہ کل کو شکوہ نہ کرو۔"

اس نے مسکراہٹ دبائی۔

"نکاح کی تقریب میں آپ سب نے شرکت کرنی ہے۔مجھے اور امی کو بے حد خوشی ہوگی۔"

سفیر نے کارڈ سروت بیگم کی طرف بڑھایا جسے انہوں نے تھام لیا۔

"بہت بہت مبارک ہو۔اللہ ہر بیٹی کے نصیب اچھے کرے۔مجھے اردشیر بتا رہا تھا کہ نوریز سے ہی رشتہ طے کیا ہے۔مجھے بہت خوشی ہوئی۔نوریز ماشاللہ بہت پیارا بچہ ہے۔"

سروت بیگم نے ایک نظر خوبصورت سے کارڈ پر ڈالی اور مسکرا کر کہا۔

"مزینہ کے بات کرنے پر کیا ٹیکس لگتا ہے۔"

اس کی خاموشی کو وہ زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکا تو چھیڑتے ہوئے بولا۔

"تم تو جیسے روز مجھ سے باتیں کرتے ہو۔ شادی کیا ہوئی تم سب مجھے بھول گئے۔ زائشہ کو تو میں ہرگز معاف نہیں کروں گی۔ تم سے بھی سخت ناراض ہوں۔ تم نے وہ محلہ چھوڑ دیا۔ نیا گھر خرید لیا۔ تمہاری نوکری لگ گئی مگر تم نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کر یا۔ لمحوں میں پرایا کر دیا۔ میں کون سا تمہاری سگی بہن ہوں بس پارس اور زائشہ تمہاری بہنیں ہے۔ میں کہاں کس حال میں ہوں کبھی پوچھا بھی نہیں تم نے اور زائشہ نے۔"

بولتے بولتے اس کا دل بھر اگیا۔ آنسو پلکوں پر آن ٹھہرے۔ زائشہ کے گھر سے اسے بہت انسیت تھی۔ ایک عرصہ اس کے گھر اٹھتے بیٹھتے گزرا تھا۔ وہ اس کا میکہ ہی تو تھا۔ سفیر اس کے بھائیوں جیسا تھا۔ اتنے دن کی لاتعلقی کے بعد یوں اس کا چلے آنے پر خفگی تھی تو وہ حق پر تھی۔

سروت بیگم نے اسے خود سے لگا لیا۔

"معاف کرنا سفیر۔اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ایسی حالت میں ایک لڑکی کو شدت سے اپنوں کی ضرورت ہوتی ہے۔بس یہ کل سے کسی نہ کسی بہانے سے رو رہی ہے۔خیر سے تخلیق کے مرحلے سے گزر رہی ہے۔اس کے لیے ٹینشن لینا اور رونا ٹھیک نہیں ہے۔بس تم لوگوں نے اس سے مزید بے پرواہی نہیں برتنی ورنہ میں اپنی بیٹی کا دکھ برداشت نہیں کروں گی اور خوب کان کھینچوں گی تمہارے۔"

وہ اسے چپ کرواتی ہوئیں خرم کو دیکھ کر مسکراہٹ دبا کر بولیں تو ان کے اس انکشاف پر جہاں مزینہ شرم و حیا سے سرخ پڑ گئی وہیں سفیر اور سحاب خوشگوار حیرت میں گھر گئے۔

"ہمیشہ خوش رہو۔اللہ تمہیں ہر خوشی نصیب کرے۔لاپرواہ تو میں واقعی ہو گیا تھا تمہاری طرف سے مگر اب مجھے تمہاری ساس نے کڑی دھمکی لگائی ہے۔مجھے اپنے کان بڑے نہیں کروانے۔"

وہ ہنس کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دیتے ہوئے گویا ہوا۔

"بہت بہت مبارک ہو خرم بھائی۔بس مٹھائی کھلائیں اب جلدی سے۔"

سحاب مزے سے اٹھ کر مزینہ کے پاس آکر اسے مبارک باد دے کر خرم سے بولی تو وہ ہنس دیا۔

"بالکل بھئی کیوں نہیں۔ نوری زرا مٹھائی لے کر آؤ۔"

خرم نے وہیں بیٹھے بیٹھے نوری کو آواز لگائی تو وہ اگلے ہی لمحے لوازمات سے بھری ٹرے ٹیبل پر رکھ گئی۔ سورت بیگم نے انہیں چائے پکڑائی اور کھانے کا اشارہ کیا۔ اسی دوران وہ ہلکی پھلکی گفتگو کرتے رہے۔ سفیر کو جونہی وقت گزرنے کا احساس ہوا تو اس نے ان سے معذرت کرلی۔

سعدیہ نکاح کا کارڈ کھول کر بیٹھی ہوئی تھیں۔

جب سے سحاب اپنے شوہر کے ساتھ یہ کارڈ دے کر گئی تھی تب سے وہ کھوئی کھوئی سی تھیں۔ سفیر کو دیکھ کر نہ معلوم کیوں انہیں کسی اپنے کے ہونے کا احساس ہوا تھا۔ سفیر کے نین نقش نے انہیں سجو آپا کی یاد دلا دی تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سوچ میں پڑ گئیں کہ

اتنے بڑے شہر میں بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ سجو آپا یہاں ہوتیں مگر کارڈ پر درج لڑکی کے والد کا نام چیخ چیخ کر سچائی بتا رہا تھا۔

"سجو آپا کے شوہر کا نام بھی تو آفاق حسین تھا۔ مگر دنیا میں پتا نہیں کتنے ہی آفاق حسین ہوں گے۔"

اپنے بات کی خود ہی نفی کرتیں وہ عجیب کشمکش میں تھیں۔

"یا اللہ تو تو بچھڑے ہوؤں کو ملانے والا ہے میرا جو دل کہہ رہا ہے خدا کرے وہ سچ ہو مرنے سے پہلے میں ایک دفعہ سجو آپا سے ملنا چاہتی ہوں۔ بس ایک دفعہ۔"

وہ کارڈ پر سر ٹکائے سسک اٹھیں۔

"زوالقرنین نے کل پورا دن مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔ کہیں اس کا ارادہ نہ بدل گیا ہو یا پھر کہیں اس نے اردشیر کو سب سچ تو نہیں بتا دیا۔"

وہ جب سے یہاں آئی تھی تب سے متفکر سی الجھی الجھی سی تھی۔

"آپا سب ٹھیک تو ہے۔ جب سے آئی ہیں تب سے دیکھ رہی ہوں پریشان ہیں۔"

پارس نے اسے پریشان دیکھ کر پوچھا۔

"میرے بھائی کے بغیر دل نہیں لگتا ان کا۔"

سحاب نے ٹکڑا جوڑا۔

"اردشیر بھائی کو کال لگاؤں؟"

پارس نے شرارت سے کہا تو زائشہ نے دونوں کو گھورا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے انہیں پریشان کرنے کی۔"

زائشہ نے دونوں کو ڈپٹا۔

"ایسے کیسے ضرورت نہیں۔"

سحاب نے چھوٹتے ہی اردشیر کو کال ملائی جو پہلی بیل پر اٹھالی گئ تھی۔

"ہیلو"!

ماؤتھ سپکیر میں اردشہر کی گھمبیر آواز ابھری۔

"ہیلو بھائی۔"

سحاب نے گلا کھنکارا۔

"تم دونوں پاگل ہو گئی ہو۔ عجیب خرافاتی دماغ پایا ہے۔"

زائشہ کی گھوریاں جاری تھیں۔اردشیر باقائیدہ اس کی آواز سن رہا تھا۔

"بھائی آپا آپ کو یاد کر رہی ہیں۔ان سے آپ کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں کٹ رہا۔"

سحاب نے مزے سے کہا جبکہ اردشیر دلچسپی سے سن رہا تھا۔فون پارس نے جھپٹ لیا۔

"شیر بھائی میری آپا بڑی کھوئی سی ہیں۔میرے کسی کام میں ان کی دلچسپی نہیں ہے۔"

پارس نے شوخی سے بھرپور شکوہ کیا۔

"انسان بن جاؤ پارس ورنہ نکاح والے دن خیر منانا۔دیورانی تو میری ہی بنو گی۔بالکل نہیں بخشوں گی تمہیں۔"

وہ خفگی سے دھمکی دے کر وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تو کمرے میں پارس اور سحاب کا قہقہہ گونجا۔

"تم دونوں مل کر میری زوجہ کو پریشان مت کرو۔ورنہ میں بہت برا پیش آؤں گا۔"

وہ بھی مسکراہٹ دبا کر تنبیہہ کرنے لگا تو دونوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"اب طبیعت کیسی ہے آپ کی؟"

وہ پروفیسر اعجاز صاحب سے ملنے آیا تھا جواب قدرے بہتر تھے۔

"اچھا ہوں اور تمہارے سامنے ہوں۔"

وہ دھیمے لہجے میں مسکرا کر گویا ہوئے۔

"اپنا خیال رکھا کریں۔ زندگی اللہ کی دی ہوئی بہت بڑی نعمت ہے اور ہمارے پاس اس کی امانت ہے۔"

سفیر نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو سفیر۔ زندگی بہت بڑی نعمت ہے اور اسے یوں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

وہ زخمی سا مسکرائے۔

"آپ باہر نکلا کریں لوگوں سے ملیں جلیں۔یونیورسٹی جاناشروع کریں بلکہ میں تو کہتا ہوں آپ میرے ساتھ میرے گھر میں رہیں۔پتا نہیں کیوں آپ کبھی پرائے لگے ہی نہیں۔"

وہ مسکرایا۔

"ارے نہیں بھئی یہ تو تمہارا بڑپن ہے۔"

وہ ہنسنے لگے۔

"اچھا یہ میری بہن کی نکاح سیرمنی کا کارڈ ہے۔آپ نے لازمی شرکت کرنی ہے۔مجھے انتظار رہے گا۔"

وہ ایک خوبصورت سا سبز اور سیاہ امتزاج کا سنہری حرفوں والا کارڈ ان کی اور بڑھاتا ہوا محبت سے بولا تو وہ آنے کا وعدہ کر گئے تو سفیر مسکرا دیا۔دھیرے دھیرے ہی صحیح وہ اپنی پرانی روٹین میں واپس آرہے تھے اور سفیر اب قدرے مطمئن تھا۔ان کی ناساز طبیعت نے اسے بھی بے چین کر دیا تھا۔نہ معلوم ان سے کون سا ان دیکھا سا رشتہ تھا یوں لگتا تھا کہ کسی ڈور سے بندھے ہوئے ہیں آپس میں۔

اتوار کا دن بے حد مصروفیات سمیٹ لایا تھا۔ زائشہ اور سحاب نے مل کر گھر کا سارا کام سنبھالا ہوا تھا جبکہ سفیر نے سجاوٹ کے سارے انتظامات کر لیے تھے۔ بقول زائشہ کہ اس کی شادی تو حالات اور سچویشن کی نذر ہو گئی تھی مگر پارس کی شادی کے اس کے بہت سارے ارمان ہیں۔ سفیر نے پورا گھر ان سب کی سوچ سے کہیں بڑھ کر سجایا تھا۔ باہر لان میں نکاح کی مناسبت سے بے حد خوبصورت ارینجمنٹس کی گئی تھیں۔ گھر کی سامنے کی بیرونی دیواروں پر رنگ برنگے برقی قمقموں کی لڑیاں جگنوؤں کی مانند چمک رہی تھیں۔ اس نے ایونٹ پلانر کے کہنے پر ایک تنقیدی جائزہ لیا اور جب سب کچھ پرفیکٹ لگا تو مسکرا دیا تو مینجر بھی مطمئن ہو گیا۔

سارے انتظامات مکمل کر کے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

وہ ماریہ بی کے چکن کاری کے ہلکے سبز رنگ کے لباس میں بغیر دوپٹے کے ڈریسنگ کے شیشے کے سامنے کھڑی بلش آن لگا رہی تھی۔ سفیر نے گہری نظروں سے اس کا سر سے پیک تک جائزہ لیا۔ بیک سائیڈ سے بالوں کا اونچا سا جوڑا بنا ہونے کے باعث پیچھے سے اس

کی دودھیاشفاف گردن نظر آرہی تھی۔ سفیر کی نظریں اس کی بے داغ گردن پر پڑیں تو دل زیر زبر ہو گیا۔ قدم بے اختیار اس کی جانب بڑھائے۔اس کے کندھے پر اپنا مہکتا لمس چھوڑ کر وہ اسے اپنے حصار میں قید کر گیا۔

"یہ بلش آن آپ ناحق ضائع کر رہی ہیں مسز سفیر! ان عارضوں پر لالی بکھیرنے کا حق صرف مجھے ہے۔"

اس کا رخ اپنی طرف موڑتے وہ بوجھل لہجے میں جزبات کی شدت سے کہتا اس کے لبوں پر جھکا تھا۔ سحاب نے بلش آن کٹ گھبرا کر میز پر پٹخی اور اس کی شرٹ کالر سے دبوچ لی۔اس کی بے بسی اور مدھم ہوتی سانسوں کا سوچ کر وہ پیچھے ہوا تو وہ قندھاری انار ہو رہی تھی۔

"یہ میری محبت کی سرخی ہے جو آپ کی مصنوعی لالیوں سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے کہ یہ میری قربت کا اعجاز ہے۔اب جب بھی کبھی بلش آن کی ضرورت محسوس کریں تو مجھ سے رابطہ کیجیے گا۔"

اس کا رخ دوبارہ شیشے کی طرف موڑ کر وہ گھمبیر لہجے میں بول کر آخر میں ذو معنی جملہ اچھالتا اسے سٹپٹانے پر مجبور کر گیا۔

"تمہیں تو تیار ہونا نہیں ہے تو برائے کرم میری تیاری تو خراب مت کرو۔ ساری لپ سٹک خراب کر دی۔"

وہ خفگی سے کہتی دوبارہ لائٹ پنک شیڈ کی لپ سٹک اٹھا چکی تھی۔ سفیر نے مسکراہٹ دبائی۔

"آپ کی تیاری خراب نہ کروں تو کیا کروں۔ فارغ شوہر تو بس یہی کام کر سکتا ہے۔ ویسے آپ کو کچھ ہوش ہے۔ میرے کپڑے کدھر ہیں۔ میری واچ سا کس شوز کچھ بھی تو ریڈی نہیں ہے۔"

وہ اسے نظروں کے حصار میں لیے اسے چھیڑتے ہوئے بولا تو وہ زچ ہو گئ۔

"سفیر! بندے کے پاس دو عدد جو آنکھیں ہیں اسے استعمال بھی کر لیا کرو۔ پیچھے دیکھو صوفے پر تمہاری کپڑوں سمیت ہر چیز ریڈی رکھی ہوئی ہے۔"

وہ جھنجھلا ہی تو گئ تھی۔ سفیر ہنس دیا۔

"استعمال ہی تو کر رہا ہوں آپ تو پابندیاں لگا رہی ہیں۔"

اس کی معنی خیزی پر وہ مسکراہٹ دبا گئی۔

"فالحال تیار ہو جاؤ۔ میرے بھائی اور تمہارے بہنوئی بمع مہمانوں کے کچھ ہی دیر میں پہنچنے والے ہیں۔"

سحاب نے اسے آنکھیں دکھائیں تو وہ لب دبا کر کپڑے لے کر واشروم میں گھس گیا۔

"امی کیا آپ کو پورا یقین ہے کہ سحاب کے ہسبینڈ کی والدہ ہی آپ کی بہن اور میری خالہ ہیں۔"

سمیع تیار ہو کر لاؤنج میں آیا تو سعدیہ بیگم کو پہلے کی نسبت اچھی طرح تیار ہوئے دیکھ کر چونک گیا۔ ان کا لباس دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی تھی کہ وہ کبھی بھی اس طرح کے گہرے رنگ اور کامدار سوٹ کا انتخاب نہیں کرتی تھیں۔ ان کا اپنی بڑی بہن سے لگاؤ ان کے لیے محبت اور ان کے ہجر میں گزرے دنوں سے وہ باخوبی واقف تھا اور اس کے ابو کی وفات کے بعد سے تو وہ جیسے زندگی کے سارے رنگ ہی بھول گئی تھیں اور آج انہیں آلیو

گرین رنگ کے ہلکے پھلکے کام والے لباس میں ملبوس دیکھ کر وہ حیرت میں گھر گیا تھا۔انہوں نے مسکرا کر سمیع کی طرف دیکھا۔

"خون ہی خون کو کھینچتا ہے بیٹا۔خون میں بڑی کشش ہوتی ہے۔پھر اس بچے کے نین نقش ہو باہو ساجدہ آپا جیسے تھے۔۔آئی ایم ہنڈریڈ پرسنٹ شیور کے وہ میری بہن کا خون ہے۔"

وہ بہت خوش تھیں۔آنکھوں کی چمک کی گناہ بڑھ گئ تھی۔سمیع نے ان کا چہرہ تھام کر ماتھے پر بوسہ دیا۔

"خدا کرے آپ کے یقین پر مہر لگ جائے۔میں اب مزید آپ کو یوں بے رنگ و نور نہیں دیکھ سکتا۔گھر کی وحشت و تنہائی دور کرنے کے لیے میں شادی کے بارے میں سوچ رہا تھا مگر اب مجھے لگتا ہے اس قید کی ضرورت نہیں۔"

انہیں خود سے لگاتے وہ محبت سے بولا تو اس کے شریر لہجے میں کہی گی آخری بات پر وہ تیزی سے الگ ہو کر بیٹے کو دیکھنے لگیں جو پورچ کی جانب بڑھ گیا تھا۔وہ بھی اس کے پیچھے

چلی آئیں۔ سمیع نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تو وہ بھی اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئیں۔

"کیوں ضرورت نہیں ہے۔ میں بوڑھی جان کب تک سنبھالوں اس گھر کو۔ مجھ سے نہیں اٹھائی جاتیں یہ ذمہ داریاں۔ بس اب جلدی سے کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر تیری زندگی میں بھی رنگ بھر دوں گی۔ تیرے جتنے لڑکوں کے دو دو بچے ہو گئے ہیں ایک تو ہے ابھی تک چھڑا چھانٹ۔ مجھے تو تقریب میں اگر کوئی لڑکی مل گئی ناں تو میں وہیں تیری بات پکی کر دوں گی۔ میرا اتنا ہینڈسم گبرو جوان بیٹا لوگ دیکھتے ہی اپنی بیٹی کے لیے پسند کر لیں گے۔"

ان کے لہجے میں بیٹے کے لیے محبت تھی۔ آنکھوں میں تفاخر تھا۔ سمیع نے انہیں بازو کے گھیرے میں لے کر چھوڑا۔

"سمیع یوں تو بڑی تعجب اور قدرے حیرت کی بات ہے۔ کیا کبھی تجھے کوئی لڑکی پسند نہیں آئی۔"

وہ اس کی طرف مڑ کر مسکراہٹ دبا کر مستفسر ہوئیں تو سمیع کی آنکھوں میں چھم سے مزنی کا چہرہ لہرا گیا۔ اس کی تیکھی نظریں۔ تپا تپا سا لہجہ۔ اس کے چہرے پر چھلکتا نسوانیت کا غرور اور وقار اور ہر کسی سے لیے دیے انداز میں ملنا۔ اس کی سوچ اور اس کی انداز واطوار سے چھلکتی اس کی اعلیٰ تربیت۔ وہ ہر لحاظ سے مکمل لڑکی تھی۔ بالکل ویسی ہی جیسا ایک مرد کی خواہش ہوتی ہے مگر نہ معلوم کیوں وہ اس کا نصیب نہیں تھی۔ دل میں ایک کسک سی تھی کہ کاش وہ مشن کمپلیٹ ہوتے ہی مزنی سے اپنے دل کی بات کہہ دیتا مگر یہ کاش! کاش بن کر اس کے لبوں پر ہی دم توڑ گیا۔

"یہ تو نہ انصافی ہے بھابھی کم از کم آج کے دن تو شیر بھائی کو تھوڑا کم ہینڈسم دکھنا چاہیے تھا۔ اب ان کے آگے تو میری پرسیلنٹی ہی دب گئی ہے۔"

وہ جھنجھلا کر بولا تو اردشیر نے کوٹ درست کر کیا اور اسے زبردست طریقے گھورا۔

"خوامخواہ ہی احساس کمتری کا شکار نہ ہو جایا کرو۔ اچھے لگ رہے ہو۔ تم تم لگ رہے اور میں میں۔ سمجھے۔"

اس کا شانہ تھپک کر وہ مدھم سا مسکرایا۔

"اردشیر جلدی نکلو۔ ساجدہ آنٹی کی دو بار کال آچکی ہے۔"

روشنی نے ان دونوں کو ٹوکا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا گھر لاک کر کے ان کو لیے باہر نکلا۔

"آپا بس بھی کریں۔ اس گرمی میں مجھے الجھن ہو رہی ہے ان لوازمات سے۔"

زائشہ نے اس کی کلائیوں میں لباس کے ہم رنگ چوڑیاں پہنائیں تو وہ زچ ہو گئی۔

"ہوتی ہے تو ہوتی رہے۔ تمہارا نکاح ہے آج۔ اپنے شوہر کے لیے سج رہی ہو۔ بہت ثواب ملتا ہے اس عورت کو جو اپنے شوہر کی خاطر خود کو بناتی سنوارتی ہے۔"

اس کا تنقیدی جائزہ لے کر زائشہ قدرے شریر لہجے میں بولی تو پارس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"مجھ سے نہیں ہوتے یہ چونچلے۔ میں سادی ہی اچھی ہوں اور سادگی اللہ کو پسند ہے۔"

وہ چڑ کو بولی تو اندر آتی سحاب نے اسے کندھے پر دھپ رسید کی۔

"میرے بھائی نے تو سجا سنورا ہی پسند کیا تھا اب جب دھلا ہوا منہ دیکھیں گے تو ہارٹ ہی فیل ہو جائے گا۔"

پارس کا منہ کھل گیا جبکہ زائشہ نے بے ساختہ امڈتی مسکراہٹ دبائی۔

"میں اتنی بھی خوفناک نہیں ہوں کے منہ دھونے کے بعد چڑیل لگوں اور خوف سے تمہارے بھائی کا ہارٹ فیل ہو جائے اور اچھی طرح جانتی ہوں میں تمہارے چہیتے بھائی کو اتنی جلدی پیچھا نہیں چھوڑنے والے۔"

وہ سر جھٹک کر کوفت سے بولی تو سحاب نے معنی خیزی سے اسے دیکھ کر گویا اس کی آخری بات پکڑ لی۔

"اتنا جانتی نوریز بھائی کو تو۔"

وہ معصومیت سے بولی تو پارس جھنجھلا گئی۔

"فار گاڈ سیک آپا اسے لے کر جائیں۔"

سرخ تمتماتے عارضوں پر پلکیں سجدہ ریز ہوئیں تو زائشہ ہنس پڑی۔

"ابھی سے بس ہو گئی۔ ابھی تو بہت سے امتحان باقی ہیں۔"

زائشہ نے نظروں ہی نظروں میں اس کا صدقہ اتارا۔ شرمائی لجائی سی وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

"السلام علیکم خالہ جان! کیسی ہیں؟ کیا آپ کو میری زرا بھی یاد نہیں آئی۔"

باہر سے مزینہ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ زائشہ کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ خود سحاب بھی زائشہ کے پیچھے لاؤنج میں چلی آئی تھی۔

"وعلیکم السلام میری جان میں ٹھیک ہوں اور بھلا کیوں تمہاری یاد نہیں آئے گی۔ میں ہر پل تمہیں یاد کرتی رہی ہوں۔"

وہ محبت سے اس کی پیشانی چوم کر بولیں۔

"واہ خالہ گھر تو بڑا پیو خریدا ہے۔ سفیر دیکھا بیگم کے قدم پڑتے ہی تمہاری قسمت بدل گئی۔"

وہ معنی خیزی سے سفیر کو دیکھ کر گویا ہوئی جبکہ سفیر سے بغل گیر ہوتے خرم نے ماتھا پیٹ لیا۔ وہ کچھ بھی کر لیتا مگر مزینہ کا طرز تخاطب بدل نہیں کر سکتا تھا۔

"یہ سب تو کہنے کی باتیں ہیں مزینہ سچ تو یہ ہے کہ یہ گھر اور سفیر کی ترقی و کامیابی کے پیچھے امی جان کی دعائیں اور آپا کی محنت کار فرما ہے۔"

وہ صدق دل سے گویا ہوئی تو ساجدہ بیگم مسکرا دیں جبکہ مزینہ شاکڈ رہ گئی۔

"تمہاری بیگم کی تو کایا ہی پلٹ گئی ہے۔ کون سی ڈوز دیتے ہو۔"

وہ تعجب سے اور قدرے شریر لہجے میں بولی۔ سحاب کی لوئیں سرخ پڑ گئیں جبکہ سفیر ہنس دیا۔

"تم زائشہ بھابھی سے ملنا بھول گئی ہو مزینہ۔"

خرم نے اس کی توجہ ہٹانی چاہی جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہا۔

"ارے ہاں پارس کدھر ہے سحاب۔ میں اس سے تو ملی ہی نہیں۔ پتا نہیں بل بتوڑی کیسی لگ رہی ہو گی۔"

وہ ماتھے پر ہاتھ مار کر تاسف زدہ لہجے میں بولی۔ سحاب نے ایک نظر بے بس زائشہ کو دیکھا۔

"اب بتا بھی دو میں کب سے سارے کمروں میں ڈھنڈو سے مار رہی ہوں۔"

وہ اپنا ہلکے جامنی رنگ کا شیفون کا دوپٹہ سنبھالتی ہوئی سحاب سے مخاطب ہوئی تو وہ اسے لے کر پارس کے کمرے کی طرف بڑھ گئ۔

"بیٹا امی اور ابو نہیں آئے آپ کے۔"

ساجدہ بیگم نے اسے تنہا مزینہ کے ساتھ دیکھا تو عجیب لگا تھا۔

"امی کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔ان کی طبیعت خراب تھی۔اسی لیے وہ آ نہیں سکیں۔بہت معذرت کر رہی تھیں۔"

خرم نے ان کے نہ آنے کی توجیہ پیش کی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا۔بیماری کوئی پوچھ کر یا بتا کر تھوڑی آتی ہے۔بس اللہ صحت و تندرستی دے۔"

انہوں نے خرم کی شرمندگی دور کرنی چاہی۔

پارس کے پاس بیٹھے اسے کافی دیر گزر گئ تھی۔وہ کبھی اسے چھیڑتی تو کبھی سحاب کو۔سحاب تو خیر مزینہ کا مقابلہ کر نہیں سکتی تھی جبکہ پارس برابر اس کی ہر بات کا منہ توڑ جواب دے رہی تھی۔زائشہ آنے والے مہمانوں کو ویلکم کرنے کے لیے باہر لان میں جا

چکی تھی۔ جانتی تھی اتنی آسانی سے مزینہ اس سے بات نہیں کرے گی۔ وہ اسے فرصت میں منانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

سحاب نے زائشہ کی غیر موجودگی کو باخوبی نوٹ کیا اور مزینہ سے مخاطب ہوئی۔

" تمہیں آپا سے بات کرنی چاہیے تھی ان سے ملنا چاہیے تھا مزینہ۔ کتنا دل دکھا ہو گا ان کا۔ تم کتنے دنوں بعد ملی ہو ان سے اور عجیب روکھا پھیکا سا رویہ ہے تمہارا۔ "

سحاب نے تاسف سے کہا۔

" ہاں تو اس نے بھی تو مجھ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اس سے سخت ناراض ہوں۔ وہ بہت بدل گئی ہے۔ "

مزینہ نے کہا۔

" ایسا نہیں ہے مزینہ ! کبھی کبھی ہم اپنے رویے سے ناحق اپنے عزیزوں کو دکھ دینے کا باعث بنتے ہیں جبکہ وہ قطعی اس رویے کے حقدار نہیں ہوتے۔

شیر بھائی آپا کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ ان کا کوئی حریف انہیں نقصان پہنچانے کے لیے آپا کو ٹارگٹ کر رہا ہے۔ شادی سے پہلے تمہیں یاد ہے وہ ایک بار اغواہ بھی ہو گئی تھیں

اور ایک بار ان پر اور شیر بھائی پر حملہ بھی ہوا تھا جب وہ روشنی سے ملنے گئی تھیں اور واپسی پر سفیر بھائی نے شیر بھائی کو کہا تھا کہ وہ انہیں گھر ڈراپ کر دیں۔"

پارس نے اس کا ہاتھ تھام کر رسان سے سمجھایا اور مزینہ کے اتنے دن رابطہ نہ کرنے کی توجیہ پیش کر کے اسے وہ حادثہ یاد دلانے لگی جب زائشہ رات دیر تک گھر نہیں لوٹی تھی بلکہ خرم نے انہیں زائشہ کے ہسپتال میں ہونے کی اطلاع دی تھی۔

مزینہ نے اثبات میں سر ہلایا۔اس کے چہرے سے پریشانی ہویدہ تھی۔

"کیا اب تک زائشہ محفوظ نہیں ہے۔اب تک تو پولیس کو اسے پکڑ لینا چاہیے تھا۔" وہ متفکر سی بولی۔

"نہیں! شیر بھائی کوشش کر رہے ہیں۔جب تک مجرم پکڑا نہیں جاتا تب تک وہ آپا کو باہر نہیں نکلنے دیں گے اور وہ تب سے لے کر اب تک جب بھی ہمارے گھر آئی ہیں شیر بھائی کے ساتھ دن کی روشنی میں آئی ہیں۔ تمہیں پتا ہے۔وہ بہت پریشان ہیں۔جب سے آئی ہیں تب سے ان کے چہرے پر خوشی دیکھنے سے بھی نہیں مل رہی۔ایک اچھا دوست بہت بڑی نعمت اسی لیے ہوتا ہے کہ وہ ہمارے سکھ دکھ کا بہترین ساتھی ہوتا ہے۔ہمیں حوصلہ

دیتا ہے۔ ہماری ہمت بندھاتا ہے۔اس کی سنگت میں ہم سارے غم بھول جاتے ہیں اور مسکرانا سیکھ جاتے ہیں۔ اگر وہ پیچھے ہٹ گئی ہیں کسی وجہ سے تو تم قدم بڑھا لو۔"

پارس نے مدھم مسکان لیے اسے سمجھایا تو مزینہ دوپٹہ سنبھال کر اٹھ کر باہر آ گئی۔

سفیر انٹیر ینس پر مہمانوں کو ویلکم کر رہا تھا۔ ساجدہ خالہ مہمان خواتین کا حال احوال دریافت کر رہی تھیں۔اس نے لان میں نظر دوڑائی زائشہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔

وہ دبے پاؤں میکسی سنبھالتی اس کے پیچھے آئی اور بھاؤ کیا تو وہ جو ذوالقرنین کو کال کرنے لگی تھی بری طرح سے ڈر گئی۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو مزینہ سینے پر ہاتھ رکھے اس کی حالت سے حظ اٹھاتی دل کھول کر ہنس رہی تھی۔ زائشہ نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔

"ساری زندگی تمیز نہیں آئے گی تمہیں۔"

وہ تاسف زدہ ہوئی۔

"ساری تمیز تم نے جو سیکھ لی ہے جبھی تو شیر بھائی سے بات کرنے کے لیے نایاب کونہ ڈھونڈا ہے کہیں رومان پرور باتیں ہوائیں ہی نہ سن لیں۔"

وہ شوخی سے بولی توزائشہ نے اس دھپ رسید کی۔

"ایسی بھی بات نہیں ہے۔"

وہ جھینپ گئی۔

"شادی کے بعد زندگی کتنی بدل گئی ہے۔ تم اور میں اتنے مصروف ہوگ ہئے کہ حال احوال بھی دریافت کرنے کی فرصت بھی نہیں۔"

وہ مدھم سا مسکرائی۔

"زندگی ٹھہرے رہنے کا نام نہیں ہے مزینہ! ہر دن ایک سا نہیں رہتا خیر چھوڑو یہ بتاؤ کہ تمہارے اور خرم کے درمیان سب سورٹ آؤٹ ہو گیا۔"

زائشہ نے پوچھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ہمارے درمیان سب کچھ اس قدر سورٹ آؤٹ ہو گیا ہے کہ بس آنے والے وقت میں ہم دو سے تین ہو جائیں گے۔"

پر مسرت لہجے میں کہتی وہ زائشہ کو حیران کر گئی۔

"تم ایک نمبر کی بدتمیز لڑکی ہو مزینہ۔دل تو کر رہا ہے کہ تم سے ہمیشہ کے لیے ناراض ہو جاؤں۔اتنی بڑی اور خوشی کی خبر تمہیں آتے ہی سنانی چاہیے تھی۔"

وہ خوشی سے اس کے گلے لگ کر خفگی کا اظہار کرنے لگی تو مزینہ مسکرا دی۔

"مجھے خود پرسوں پتا چلا ہے۔"

اس نے بتایا اور زائشہ کے ساتھ چلتی ہوئی لان میں بچھی ہوئی کرسیوں پر آکر بیٹھ گئ۔

"تم بیٹھو میں مہمانوں سے مل لوں۔"

وہ اسے تاکید کرتی ہوئی انٹیرنس پر چلی آئی جہاں اردشیر لوگ آچکے تھے۔ساجدہ بیگم نے آگے بڑھ کر نوریز کے سر پر ہاتھ رکھا اور سفیر اردشیر اور نوریز سے ملنے کے بعد انہیں سٹیج پر لے گیا جبکہ روشنی حماس کو لیے مزینہ کی طرف بڑھ گئیں جہاں سحاب پہلے سے موجود تھی۔

اردشیر زائشہ کو روکنا چاہتا تھا مگر وہ تو ہوا کے جھونکے کی مانند چلی گئ۔وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔آنکھیں ٹھیک سے سیراب بھی نہ ہو پائی تھیں کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو کر نہ

جانے کہاں گم ہو گئ۔ اردشیر خرم کی آواز پر مڑا اور ایک نرم مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس کے ہمراہ سٹیج پر چلا آیا۔

سحاب کی نظریں انٹیرنس پر تھیں۔ وہ اپنی دوستوں کو انوائٹ کرنا ہرگز نہیں بھولی تھی اور انہیں کی راہ دیکھ رہی تھی۔ اس کی دوستیں تو نہ آئیں مگر سمیع اور سعدیہ بیگم دکھائی دیے تو وہ سفیر کے ہمراہ ان کی اور بڑھ گئ۔ حماس بھی ساجدہ بیگم کی گود سے نانو نانو کی گردان کرتا جا کر سعدیہ بیگم کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ ساجدہ بیگم نے حماس کے تعاقب میں دیکھا تو گویا پتھر کی ہو گئیں۔ سعدیہ بیگم کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔ سمیع نے حماس کو گود میں اٹھا لیا۔

دونوں سکتے سے باہر نکلیں تو آنکھیں نم ہو گئیں۔ ایک دوسرے کی اور بڑھتے وقت وہ ہر شے فراموش کر گئیں۔

"سجو آپا۔"

سعدیہ بیگم کے کپکپاتے بھیگے سے لہجے میں برسوں کی تھکن تھی۔ نظروں میں صدیوں کا انتظار رقم تھا۔ وہ اپنی ماں جائی سے لپٹ لپٹ کر روئیں۔ ساجدہ بیگم بھی خود پر مزید ضبط نہ کر سکیں اور زار و زار رو پڑیں۔

اس انوکھے ملن پر جہاں سمیع خوش تھا وہیں باقی سب حیران پریشان اور قدرے متعجب ہو رہے تھے۔

"اللہ گواہ ہے آپا۔ روئے زمین کا کوئی کونہ میرے سمیع نے نہیں چھوڑا مگر آپ ملی بھی تو کہاں جہاں سے گمان بھی نہیں تھا۔ آپ نہیں جانتیں آپا میں نے آپ کو اور اجو بھائی کو کتنا ڈھونڈا۔ ہر لمحہ آپ دونوں کی خیر خیریت کی دعا کرتی رہی۔ میرا دل کہتا تھا کہ آپ اور اجو بھائی زندہ ہیں۔ کاش کہ ہماری زندگی میں دریہ نامی آفت نہ آئی ہوتی۔"

سعدیہ بیگم کا لہجہ کرلا یا۔ ساجدہ بیگم نے دکھ سے چھوٹی بہن کو دیکھا جس کی جوانی ڈھل چکی تھی۔ دکھوں نے ان دونوں کو ہی نہ بخشا تھا۔

"ماضی کا ذکر تکلیف کے سوا کچھ نہیں دیتا سعدی۔ جو گزر گیا اسے ہم بدل نہیں سکتے مگر آنے والے وقت کو بدلنا ہمارے ہاتھ میں ہے۔'

وہ تکلیف دہ ماضی یاد کر کے آنسو پونچھنے لگیں۔

زائشہ اور سفیر حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ روشنی بھی الجھن کا شکار تھیں۔

"آپا اجو بھائی کا کچھ اتا پتا ہے۔ کیا آپ ان سے ملی ہیں۔"

بھائی کے لیے ان کے لہجے کی بیقراریاں دیکھ کر ساجدہ بیگم پھر اشکبار ہوئیں اور نفی میں سر ہلایا۔

"بیس سال ہوئے اجو کو دیکھے۔ اسلام آباد سے نکلنے کے بعد تو کبھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ ہر پل دھڑ کا لگا رہتا تھا کہ کہیں وہ دریہ نامی عفریت مجھ تک نہ پہنچ جائے۔"

گرد آلود ماضی کو یاد کرتے وہ اشکبار ہوئیں تو سعدیہ بیگم نے محبت سے انہیں تھام لیا۔

"بس آپا آپ مل گئیں ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اجو بھائی بھی ضرور مل جائیں گے۔"

وہ آنسو صاف کر کے مسکرائیں اور ایک نظر سب پر ڈالی تو ان کے تعاقب میں ساجدہ بیگم نے بھی دیکھا اور گہرا سانس لیا کہ ان کے بچے کہاں ان کے ماضی سے واقف تھے۔

"ممی یہ سب کیا ہے۔ کیا آپ اور ساجدہ خالہ بہنیں ہیں۔"

روشنی نے تحیر سے نکل کر تعاجب سے پوچھا تو ساجدہ بیگم مسکرا دیں۔

"یہ تمہاری بیٹی ہے سعدی! پتا ہے جب پہلی بار اسے دیکھا تھا تو تمہارا ہی خیال آیا تھا۔ آج سمجھ آ رہا ہے کہ خون ہی خون کو کھینچتا ہے۔ روشنی کے نین نقش مجھے بار بار احساس دلاتے رہے کہ وہ میری سعدی کی نشانی ہے مگر میں سمجھ کر بھی نہ سمجھ سکی۔"

وہ بولیں۔

"میں تو سفیر کو دیکھ کر پہچان گئی تھی آپا۔ ہو بہو آفاق بھائی کے نین نقش سے میل کھاتا ہے۔ ویسے آفاق بھائی کہاں ہیں نظر نہیں آ رہے۔"

وہ سفیر کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر محبت سے اس کی پیشانی چوم کر بولیں پھر یاد آنے پر جو سوال انہوں نے پوچھا وہ وہاں سب کے چہروں پر تکلیف رقم کر گیا۔

"سعدی جیون کے اس کٹھن سفر میں وہ مجھے اور بچوں کو تنہا چھوڑ کر داغ مفارقت دے گئے۔"

وہ تکلیف سے گویا ہوئیں تو سعدیہ بیگم کا دھچکا سا لگا۔

"آہ! آفاق بھائی بڑے بے وفا نکلے۔"

ایک آنسو ان کی آنکھ سے نکلا اور دوپٹے میں کہیں جذب ہو گیا۔

"زائشہ اور سفیر یہ تمہاری خالہ ہیں۔"

انہوں نے خوشی سے نم آنکھیں لیے بہن کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ زائشہ ہے اپنی زیشو۔"

انہوں نے حیران کن نظروں سے زائشہ کو دیکھا جسے وہ ان گنت بار روشنی کے موبائل میں اردشیر کے ساتھ بطور اس کی بیوی دیکھ چکی تھیں۔

"کتنی بڑی ہو گئی ہے۔ ماشااللہ۔"

وہ زائشہ کو خود سے لپٹا کر پیار کرنے لگیں۔

کئی سالوں کا غبار آنکھوں کے رستے باہر نکلا تو سب کچھ شفاف ہو گیا۔ ساجدہ بیگم تو بہن کے ساتھ بیٹھ کر گزری باتیں دہرانے لگیں۔ حال احوال پوچھنے لگیں تو باقی بچے بھی ان کے پاس بیٹھ کر دلچسپی سے سننے لگے۔

زوالقرنین آ چکا تھا۔ اردشیر پر نظر پڑتے ہی ادھر چلا آیا۔

"بڑی دیر کر دی مہرباں آتے آتے۔"

اردشیر نے میٹھا سا طنز کیا اور اسے سٹیج پر لے گیا۔

سفیر کے موبائل پر اعجاز صاحب کی کال آ رہی تھی چونکہ شور زیادہ تھا اور آواز ٹھیک سے سنائی نہیں دے رہی تھی تو وہ کال ریسیو کر کے ایک طرف ہو گیا۔

"السلام علیکم سر! آپ آئے نہیں اب تک۔"

سفیر نے چھوٹتے ہی شکوہ کیا تو وہ مسکرا دیے۔

"میں تمہارے گھر کے باہر کھڑا ہوں۔"

انہوں کہا تو وہ چونک گیا۔

"او کے میں آتا ہوں۔"

عجلت میں موبائل جیب میں ڈال کر وہ مین گیٹ تک آیا اور انہیں دیکھ کر مسکرا کر بغل گیر ہوا پھر انہیں اندر لے آیا۔

ساجدہ بیگم اور سعدیہ بیگم ایک ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں جبکہ سامنے کی کرسیوں پر مزینہ زائشہ اور روشنی سمیع کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔

سحاب سمیع کو دیکھ کر شاکڈ ضرور ہوئی تھی مگر جلد ہی حیرت پر قابو پا گئی۔

اب بس اسے مزنی کا انتظار تھا۔ وہ اسے شاکڈ کرنا چاہتی تھی۔ اس کی نظر انٹیرینس پر ہی تھی۔ اس نے مزنی رینا اور حرا کو متلاشی نظروں سے ادھر ادھر خود ڈھونڈتے دیکھا تو وہ انہیں دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑی۔

"آپا میری دوستیں آگئی ہیں میں انہیں لے کر آتی ہوں۔"

خوشی سے تمتماتا چہرہ لیے وہ زائشہ کو آگاہ کر کے ان کی طرف بڑھی تو مزنی حرا اور رینا اسے دیکھ کر مسکرا دیں۔

"مجھے تو لگا تھا تم لوگ نہیں آؤ گی۔"

سحاب مزنی سے الگ ہو کر اب حرا اور رینا سے مل رہی تھی۔

"تم نے اتنے پیار سے بلایا تھا بھلا کیسے نہ آتے۔"

رینا مسکرائی۔

"مفت کی دعوت کوئی احمق ہی چھوڑ سکتا ہے۔"

حرا نے ناک چڑھائی تو وہ تینوں ہنس دیں۔

"اپنے اس دو کوڑی کے کار میکینک سے نہیں ملواؤ گی۔"

مزنی کی شوخی بھری آواز پر سحاب نے بھنویں سکیڑیں۔

"مائنڈاٹ۔ وہ میرا ہزبینڈ ہے اور اسے دو کوڑی کے کار میکینک بلانے کا حق صرف مجھے ہے سمجھیں۔"

وہ آنکھیں دکھا کر بولی تو مزنی حرا اور رینا میں معنی خیز نظروں کا تبادلہ ہوا۔

"چلو تمہیں اپنی فیملی سے ملواؤں ویسے میرے پاس تمہارے لیے ایک سرپرائز بھی ہے۔"

سحاب نے مسکراہٹ دبائی تو مزنی چونک گئی۔

"کون سا سرپرائز؟"

"حارث کو جانتی ہو؟"

سحاب نے پوچھا تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

"ہاں جانتی ہوں بھلا اس ابشام کے چمچے کو کیسے بھول سکتی ہوں۔"

وہ کڑوے لہجے میں بول کر سر جھٹک گئی۔

"پتا ہے ابشام کرمانی کا کیس اے ایس پی سمیع حیدر کے سپرد تھا۔ جو اس کی پل پل کی خبر اور اس کی سرگرمیاں نوٹ کرنے کے لیے ہر لمحہ اس کے ساتھ رہے۔ وہ تو ابشام کرمانی کر گردن کے گرد شکنجہ مضبوط کر چکے تھے مگر میری ایک حماقت سے وہ شکنجہ ان کے اپنے گلے میں آ گیا۔ وہ تو بروقت سفیر اور ذوالقرنین بھائی نے اس کیس کو ہینڈل کیا اور اسے اے ایس پی سمیع حیدر کے سپرد کر دیا۔ سارے ثبوت اور گواہ ان کے پاس تھے۔ عدالت میں اس کے خلاف کاروائی کرنے اور فرد جرم عائد کرنے میں وقت نہیں لگا اور اسے عمر قید کی سزا سنا دی گئی۔"

سحاب اپنے ماضی کا تلخ باب بیان کرتے مزنی سے مخاطب تھی۔

"آؤ تمہیں ایس پی سمیع حیدر اور ان کی فیملی سے ملواؤں"

وہ مزنی کو اس ٹیبل پر لے آئی جہاں روشنی زائشہ مزینہ ساجدہ بیگم اور سعدیہ بیگم ایک ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔ مزنی تو حارث کو دیکھ کر ششدر رہ گئی جسے سحاب اے ایس پی سمیع حیدر بتا رہی تھی۔ سحاب تو سب سے اس کا تعارف کروا رہی تھی مگر وہ اتنی شاکڈ تھی

کہ یک ٹک سمیع کو دیکھے گئ۔ سعدیہ بیگم نے مزنی کا یوں دیکھنا اور سمیع کا اضطرابی انداز میں پہلو بدلنا باخوبی نوٹ کیا تھا۔

"کیا تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو۔"

وہ دل کی بات زبان پر لے آئیں۔ مزنی تو سٹپٹائی ہی ساتھ ہی سمیع بھی گڑبڑا گیا۔

"جی خالہ ہم جس یونیورسٹی میں پڑھتے تھے ناں۔ وہاں سمیع بھائی اپنے کسی مشن کے تحت بطور سٹوڈنٹ ہمارے ساتھ ہی پڑھتے تھے۔"

سحاب نے مزے سے بتایا تو مزنی نے اسے گھورا جبکہ سعدیہ بیگم مسکرا کر مزنی کو دیکھنے لگیں تو وہ گھبرا کر سحاب کے ساتھ دوسری کرسیوں پر بیٹھ گئ۔

سفیر اعجاز صاحب کو سٹیج پر سب سے متعارف کروا رہا تھا۔ سٹیج پر اردشیر خرم زوالقرنین اور نوریز بیٹھے ہوئے تھے۔ سر اعجاز بہت ہی نفیس طبیعت کے انسان تھے اور بہت ہی دلدہ تھے۔ جلد ہی ان میں گھل مل گ ئے۔

"اچھا بھئ تم لوگ یہاں شغل لگاؤ۔ میں اب نیچے اپنے ہم عمر لوگوں میں بیٹھوں گا۔"

وہ مسکراہٹ لبوں پر سجا کر اٹھ گ ئے تو سفیر بھی کھڑا ہو گیا۔

"آپ کے ساتھ اگلی نشست کا انتظار رہے گا۔"

اردشیر نے مسکرا کر کہا۔ وہ ان کی کمپنی انجوائے کر رہا تھا۔

" کبھی فرصت میں بیٹھیں گے۔"

سر اعجاز بھی مسکرا کر سٹیج سے نیچے اترنے لگے تو ان کی نظر ایک طرف بیٹھی خواتین پر گئی۔ وہ ساکت رہ گئے۔ اجو اور سعدی کو یوں اتنے عرصے بعد نظروں کے سامنے دیکھ کر لب مارے خوشی کے کچھ کہتے کہتے پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔

سفیر ان کے رکنے پر رک گیا اور ان کے تعاقب میں دیکھا تو مسکرایا۔

" یہ دونوں خواتین کون ہیں بیٹا؟"

سر اعجاز نے کسی احساس کے تحت سفیر کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

" بڑی والی میری امی جان ہیں اور چھوٹی والی خالہ جان۔"

سفیر کے انکشاف پر وہ خوشی سے نمدیدہ ہو گئے پھر یکایک انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔

"تم نہیں جانتے سفیر تم نے مجھے یہاں بلا کر مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ مجھے میرے اپنے مل گ ۓ۔ میں تمہارا اماموں ہوں۔ تمہاری امی اور خالہ کا بھائی۔ مجھے ان کے پاس لے چلو سفیر۔"

وہ نم آنکھوں سے لرزتے لہجے میں فریاد کناں ہوۓ تو ان کی بات سن کر سفیر ششدر رہ گیا۔ پھر انہیں ساجدہ بیگم کے پاس لے آیا۔ وہ جو روشنی کی کسی بات پر ہنس کر جواب دینے لگی تھیں۔ سفیر کو وہاں آتے دیکھ اور اس کے ساتھ موجود ہستی پر نظر پڑتے ہی گویا ان پر شادی مرگ کی سی کیفیت تاری ہو گئ۔ کچھ یہی حال سعدیہ بیگم کا بھی تھا۔

"اعجاز تم! تم یہاں۔"

وہ کھڑی ہوئیں اور حسرت سے بھائی کے چہرے کو چھوا۔

"ہاں آپا میں بدنصیب آپ لوگوں کے قریب رہ کر بھی دور رہا۔ شاید اسے ہی قسمت کہتے ہیں۔"

وہ لہجے میں برسوں کی تھکن سموۓ گویا ہوۓ۔

"اجو بھائی میں نے آپ کو بہت ڈھونڈا تھا۔ آپ کی تلاش میں میرے سمیع نے کوئی کونہ نہیں چھوڑا۔ کہاں تھے آپ؟"

سعدیہ بیگم نے سسک کر پوچھا اور بھائی کے کندھے سے لگ گئیں۔

"زندگی کے بھنور ادھر لے آئے تھے۔ اس بھنور میں ایسا الجھا کہ کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ یہ جو مجھے اتنا اپنا سا لگتا ہے یہ میرا خون بھی ہو سکتا ہے۔ قدرت نے بڑے اشارے دیے آپا مگر میں ہی نادان تھا۔"

انہوں نے سعدیہ بیگم کو چپ کروایا اور سفیر کی طرف دیکھ کو تاسف سے گویا ہوئے۔

"آج تو بچھڑے ہوئے مل رہے ہیں۔ ناظریں وحاضرین میری سب سے درخواست ہے کہ یہاں موجود سب لوگ ایک دوسرے کو غور سے دیکھیں شاید کوئی بچھڑا ہوا عزیز مل جائے۔"

خرم نے جس انداز میں کہا تھا وہاں موجود سب لوگ ہنس دیے تھے۔ ماحول پر چھائی کثافت دور ہوئی تھی۔

"میرا نکاح اس قدر مبارک ہے مجھے گر پتا ہوتا تو پہلے ہی کر لیتا۔"

نوریز بھی اٹھ کر سٹیج سے نیچے آگیا تھا۔اس کی شوخی پر جہاں ماحول ایک بار پھر زعفران زار ہوا تھا وہیں اردشیر نے اس کے کان کھینچے تھے اور ہنستے ہوئے اسے سٹیج پر لے گیا تھا۔

"سفیر قاضی صاحب کو اعجاز بھائی کے ساتھ اندر لے چلو۔میری بیٹی کے سر پر اس کے ماموں کا ہاتھ ہے۔"

وہ پرنم آنکھوں سے نمی پونچھتے ہوئے بولیں۔ سفیر اثبات میں سر ہلاتا ہوا قاضی صاحب کو لیے اعجاز صاحب کے ہمراہ پارس کے کمرے میں آیا جہاں زائشہ موجود اس کی ہمت بندھا رہی تھی اور اسے اعجاز صاحب کے بارے میں بتا چکی تھی۔

نکاح خواں کی رضامندی لیتے ہی پارس سفیر کے گلے لگ کر جی بھر کر روئی تھی۔اعجاز صاحب نے اسے سینے سے لگا کر اپنے ہونے کا احساس دلایا تو پارس کی رگ رگ میں سکون دوڑ گیا.

نوریز سے بھی رضامندی لے لی گئ تھی۔ نکاح ہوتے ہی فضا مبارکباد کے شور سے گونج اٹھی۔زائشہ نے پارس کو دیکھا جو مزینہ کے کندھے سے لگ کر رو رہی تھی اور ایک نظر اپنے موبائل کو جہاں زوالقرنین کی کالز آرہی تھیں۔وہ چپکے سے لاؤنج میں نکل آئی۔

"ہاں بھائی بولیں۔"

زائشہ نے ادھر دھر نظریں دوڑا کر کسی کے بھی نہ ہونے کا۔ جان جانا نکاح کے بعد کھانا کھول دیا گیا تھا۔ اردشیر نے پورے لان میں نظریں دوڑائیں۔ زائشہ کہیں بھی نہیں تھی۔ پھر موبائل جیب سے نکال کر اسے کال ملائی مگر نمبر مصروف جا رہا تھا۔ اب اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ نہ معلوم اسے ایسا کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ زائشہ جان بوجھ کر اس سے فاصلہ قائم کیے ہوئے ہے۔ وہ مہمانوں سے معذرت کرتا ہوا لان سے نکل کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

زائشہ فون پر زوالقرنین سے مخاطب تھی جو اسے پلان سمجھا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے آپ فکر نہ کریں میں پچھلی سائیڈ سے نکل جاؤں گی آپ بس گارڈ کو کسی بھی طرح وہاں سے ہٹا دیں ورنہ وہ پہلی فرصت میں سفیر یا اردشیر کو مطلع کر دیگا۔"

زائشہ نے اس کا سارہ پلان بغور سنا اور گہری سانس خارج کرتی اسے گارڈ کے حوالے سے آگاہ کرتی تاکید کرنے لگی۔

"ڈونٹ وری بھابھی! بس آپ وہاں سے نکلنے کی کریں۔"

ذوالقرنین نے سنجیدگی سے کہا اور اسے ہدایت دیتا کال کاٹ گیا۔ وہ فون ہاتھ میں لے

جونہی مڑی اردشیر کو سامنے دیکھ کر اس کا فون ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ چہرے کا

رنگ لمحوں میں متغیر ہوا تھا۔ ماتھے پہ آئی ننھی ننھی پسینے کے قطروں کو دیکھتے ہوئے

اردشیر نے جیب سے رومال نکال کر اس کے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔

"ایوری تھنگ از اوکے! اتنا گھبرائی ہوئی کیوں ہیں۔ اندر ایئر کنڈیشن چل رہے ہیں اور پھر

بھی آپ کو پسینے آرہے ہیں۔"

اس کی اندر تک اترتی نظروں نے زائشہ کے چھکے چھڑا دیے تھے۔ اس کا لہجہ کس قدر

سنجیدہ تھا۔ زائشہ نے خشک ہوتا حلق تر کیا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں کیوں گھبراؤں گی بس ابھی باہر سے آئی ہوں تو پسینے آرہا

تھا اب باڈی ٹیمپریچر مین ٹین ہونے میں وقت تو لگتا ہے ناں۔"

اس نے بات بنائی تو اردشیر نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر قریب کیا اور گہری تولتی

نظروں ڈے اسے دیکھا۔

"جھوٹ مجھ بولیں زائشہ۔ آپ نکاح سے پہلے سے اندر ہیں۔ میں نے خود آپ کو سفیر سے پہلے اندر آتے دیکھا تھا۔ اب تک تو پسینہ خشک ہو جانا چاہیے تھا۔ مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں بلکہ نہیں آپ تو خود مجھ سے چھپتی پھر رہی ہیں اور اب تو مجھے لگتا ہے کہ آپ دو دن پہلے یہاں آئی بھی اسی لیے تھیں کہ میری نظروں سے دور رہ سکیں۔"

وہ سرد لہجے میں چٹختے اعصاب لیے زائشہ پر برس پڑا تو وہ اس کے اس قدر صحیح اندازوں پر جہاں ششدر رہ گئی وہیں اس کی آخری بات پر تڑپ کر نفی میں سر ہلایا۔

"آپ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں۔ میں آپ سے دور جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی اور جس لمحے میں ایسا سوچوں تو خدا کرے وہ روئے زمین پر میرا آخری لمحہ ہو۔"

اردشیر کی بات نے اسے تکلیف پہنچائی تھی۔ وہ دوہری اذیت میں تھی ایک طرف وہ فیصلہ کیے بیٹھی تھی تو دوسری طرف اردشیر کی بازپرس اور اس کا رویہ اسے دکھ پہنچا رہا تھا۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے شدت سے سسک اٹھی تھی۔

"جسٹ سٹاپ اٹ زائشہ"!

وہ شدت سے دھڑکتے دل کو سنبھالے زائشہ کی بات پر بھڑکا تھا۔اس نے تیزی سے کسی قیمتی متاع کی طرح اسے بازو سے پکڑ کھینچا اور خود میں بھینچ کر اس کے بالوں پر لب رکھے۔لمحے بھر کو اس کا دل رک سا گیا تھا۔

"آئندہ اس قسم کی بکواس نہ سنوں میں۔"

وہ سرد لہجے میں تنبیہہ کر رہا تھا۔اسے خود سے الگ کر کے محبت سے اس کی آنکھوں پر لب رکھے اور پلکوں پہ ٹھہرے سارے آنسو لبوں پر چن لیے۔زائشہ سرخ پڑ گئ۔دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ہتھیلیاں نم ہو گئیں۔اس کی ذرا سی قربت پر وہ پگھل سی گئ تھی۔اردشیر نے دلچسپی سے اس کے چہرے پر بکھرے حیا کے رنگ ملاحظہ کیے جو نظریں جھکائے ہاتھوں کو آپس میں مسل رہی تھی۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔مگر ایک کمی ہے۔"

اردشیر نے گہری بے باک نظروں سے اسے تکتے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر پر سوچ انداز میں کہا تو زائشہ نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ان ہاتھوں میں گجرے نہیں ہیں۔"

اردشیر نے خفگی سے کہا اور جھک کر مہندی لگی ہتھیلیوں پر بوسہ دیا۔ زائشہ کی مسکراہٹ اس لمحے کتنی خوبصورت تھی۔ کوئی اردشیر سے پوچھتا۔

"آپ نے لا کر ہی نہیں دیے۔"

اس نے مسکراہٹ دبائی۔

"اُف مجھے یاد ہی نہیں رہے۔ آپ مجھے ایک کال کر کے یاد دلا دیتی زائشہ! مگر ابھی بھی دیر نہیں ہوئی ہے۔ میں لے کر آتا ہوں آپ یہیں رکیں۔"

وہ تاسف سے سر پر ہاتھ مار کر گویا ہوا پھر چہرے پر مسکراہٹ سجائے بہ عجلت کہتا وہاں سے نکل گیا۔ زائشہ اس کے ساتھ گزارے لمحوں کو طول دینا چاہتی تھی۔ وہ اس کا بازو تھام کر روک بھی لیتی مگر ذوالقرنین باہر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ گہرا سانس لیتی باہر نکلی اور لان میں لگے شامیانے کے پیچھے سے ہوتی ہوئی بیرونی دروازے کے پاس پہنچ کر گارڈ کی غیر موجودگی کا اطمینان کر لینے کے بعد وہ دہلیز عبور کر گئی۔ سامنے ہی ذوالقرنین کی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا اس کا منتظر تھا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ تیزی سے آ کر اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ سفیر جو باہر کسی مہمان کو رخصت کرنے آیا تھا اسے گاڑی میں بیٹھتے دیکھ کر اس

کے لبوں پر گہری مسکراہٹ در آئی۔ کچھ دیر قبل اردشیر اس سے معذرت کر کے کچھ دیر کا کہہ کر باہر گیا تھا اور اب اس نے زائشہ کو بھی گاڑی میں بیٹھتے دیکھا تو ان دونوں کی پلان ڈیٹ پر اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا کہ اس نے زوالقرنین کو وہیں دیکھا تھا۔ وہ یہی سمجھا تھا کہ زائشہ اردشیر کے ساتھ گئی ہے۔

روشنی زوالقرنین کو ڈھونڈ رہی تھیں پھر حماس کے ضد کرنے پر اسے سٹیج پر بیٹھے نوریز کے پاس لے آئیں۔

"ناٹ فیئر بھابھی! میری زوجہ سے ایک ملاقات ہی فکس کروا دیں۔ اب تو باقائدہ پرمٹ ہے میرے پاس انہیں پریشان کرنے کا۔"

وہ مسکراہٹ دبا کر شوخی سے بولا۔ روشنی ہنس دیں پھر اسے اندر لے آئیں اور پارس کے کمرے کی طرف اشارہ کر کے باہر نکل گئیں۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

"زیادہ فارمیلیٹی نبھانے کی ضرورت نہیں ہے۔شرافت سے کھانااندر لے آؤ پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔"

مزینہ نکاح کے بعد سے اس کے ساتھ ہی تھی۔پارس نے اسے کھانا لینے بھیجا تھا مگر وہ تو جیسے جا کر بیٹھ ہی گئ تھی۔اب اس طرح دروازے پر دستک سے وہ بری طرح چڑ گئ۔اسے یہی لگا کہ مزینہ اسے چڑا رہی ہے۔تبھی جھنجھلا کر گویا ہوئی مگر اس کا دل اچھل کر حلق میں اس وقت آیا جب وہ مڑی اور سامنے ہینڈسم اور ڈیشنگ سے نوریز کو کھڑے دیکھا جو سفید کڑکڑاتے وار سوٹ میں دونوں بازو سینے پر لپیٹے پر شوق نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔پارس کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔فون پر تڑاخ تڑاخ کر کے زبان چلانا اور جواب دینا الگ بات تھی اور سامنے الگ۔اب تو اس شخص سے باقائیدہ رشتہ جڑ چکا تھا۔ایک فطری جھجھک اور حیا مانع تھی۔پلکیں خود بخود جھک گئیں اور زبان تو گویا حلق میں ہی کہیں گم ہو گئ تھی۔

"آج کسی لقب سے نہیں پکاریں گی۔بدتمیز لوفر فلرٹی وغیرہ وغیرہ۔"

پارس کی گزری باتوں کا حوالہ دے کر وہ شریر لہجے میں آئبر واچکا کر استفسار کرنے لگا تو پارس گڑبڑا گئ۔

"آپ یہاں کیوں آئیں ہیں۔ پلیز جائیں یہاں سے۔ مزینہ آتی ہی ہو گی۔ کیا سوچے گی وہ۔"

وہ گھبرا کر کہنے لگی تو وہ ہنس دیا۔

"کتنی بیوقوف ہیں آپ۔ وہ اتنی سمجھدار تو ہیں کہ مجھے وہاں نہ پا کر سمجھ جائیں کہ محترم اپنی محترمہ سے ملاقات کر رہے ہوں گے۔"

وہ قریب آیا۔

"مجھے شدت سے انتظار ہے کہ آپ مجھ کوئی حسین سا لقب دیں۔"

وہ اب بھی شرارت پر آمادہ تھا۔

"بغیر کسی رشتے کے مجھے یوں کسی سے بھی فری ہونا پسند نہیں ہے۔ میرا رویہ فطری تھا۔ وہ سب القابات آپ کی حرکتوں کو دیکھ کر ہی دیے تھے۔ اب جبکہ آپ میرے محرم بن چکے ہیں تو صرف ایک ہی لقب ہے میرے پاس آپ کو دینے کے لیے مسٹر شوہر۔"

وہ نظریں جھکائے اپنے مہندی لگے ہاتھوں نظریں جمائے مسکراہٹ لبوں میں دبائے گویا ہوئی تو نوریز نے اس کے انداز و اطوار پر ستائشی نظروں سے نوازہ اور آگے بڑھ کر اس کا چوڑیوں سے بھرا حنائی ہاتھ تھام لیا۔

"مسٹر شوہر کا لقب دل کو ٹھا کر کے لگا ہے۔"

دوسرا ہاتھ اپنے دل کے مقام پر رکھ کر وہ ترنگ میں گویا ہوا۔

"مہندی آپ پر بہت سوٹ کر رہی ہے اور یہ چوڑیاں! یہ تو بہت سج رہی ہیں ان کلائیوں میں۔ آپ ہمیشہ میرے لیے اسی طرح خود کو سجا سنوار کر رکھیے گا۔ مجھے ان ہاتھوں پر مہندی بہت خوبصورت لگتی ہے اور ان چوڑیوں کی کھن کھن کی آواز بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔"

وہ گہرے بے باک لہجے میں کہتا اس کی دونوں ہتھیلیوں پر دہکتے لب رکھ کر اپنے جذبات و احساسات اس کی سماعتوں میں انڈیل رہا تھا۔ پارس سانس روکے کھڑی تھی۔ قندھاری انار جیسی دہکتی رنگت لیے لرزتی پلکوں کی چلمن اٹھا کر اس نے شانداز سے نوریز کو دیکھا جو آنکھوں میں خمار لیے چند انچ کا فاصلہ بھی عبور کر گیا۔ اس کا چہرہ تھام کر اس کی بے داغ

صبیح پیشانی پر دہکتا خوشبودار لمس چھوڑتے وہ پیچھے ہٹا۔ پارس کپکپا کر رہ گئی۔ اس کی ٹانگوں میں جان باقی نہ رہی۔ قبل اس سے کہ وہ لڑکھڑا کر گر جاتی نوریز نے پھرتی سے اسے تھاما۔

"ارے رے! آپ تو ابھی سے حواس کھو رہی ہیں۔ میں نے تو ابھی کچھ کیا ہی نہیں۔"

وہ ہنس کر گویا ہوا تو پارس کی ہتھیلیوں میں پسینہ پھوٹ پڑا۔ نوریز کو اس کی حالت پر رحم آگیا۔ جیب سے ایک مخملی ڈبیا نکال کر اس نے پارس کو تھمائی۔

"یہ نکاح کا تحفہ آپ کے لیے خریدا تھا۔ امید کرتا ہوں پسند آئے گا۔"

وہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے ایک الوداعی نظر اس کے حسین و دلکش سراپے پہ ڈالتا کمرے سے نکل گیا تو پارس نے پر سکون سانس خارج کی۔

وہ آتو گئی تھی مگر دل سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ ذوالقرنین نے پلان کے مطابق گاڑی کی نمبر پلیٹ اردشیر کی گاڑی کی نمبر پلیٹ جیسی لگوالی تھی۔ گاڑی پر بلائینڈ چڑھے ہوئے تھے۔ گاڑی اس نے اردشیر کے گھر کے قریب سے لی تھی تاکہ اردشیر اور زائشہ پر نظر رکھنے والوں کو یہی لگے کہ گاڑی میں اردشیر اور زائشہ موجود ہیں۔

ذوالقرنین نے بیک ویو مرر پر نظر ڈالی اور لب بھینچ لیے۔زائشہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔"

زائشہ نے لب کشائی کی۔

"یہی پلان تھا بھابھی کہ یہ لوگ ہمارا پیچھا کریں۔اردشیر کے گھر سے نکلنے والی سڑک سے گاڑی نکالنے اور نمبر پلیٹ تبدیل کرنے کا یہی مقصد تھا۔"

اس نے زائشہ کی بات کا جواب دیا۔

"آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں؟اتنی رات گئے کوئی اور بھی تو ہو سکتا ہے۔"

زائشہ نے خدشہ بیان کیا۔

"مجھے ابھی ابھی میری ٹیم کے بندے کا میسج موصول ہوا ہے۔یہ اسی کے آدمی ہیں جو اس نے آپ کی جاسوسی اور اغواکاری کے لیے چھوڑ رکھے ہیں کہ کب آپ باہر نکلیں اور یہ آپ کو اغوا کریں۔"

وہ سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔زائشہ نے سمجھتے سر ہلایا۔دو گاڑیاں مسلسل ان کا پیچھا کر رہی تھیں۔

میں گاڑی اگلی سڑک پر روک دوں گا۔ وہاں بائیں طرف روڈ کراس کر کے ایک چھوٹی سی دکان ہے۔ میں فون کان سے لگائے بظاہر گفتگو کرتا ہوا آپ کے لیے کوئی کھانے پینے کی چیز لینے دکان تک جاؤں گا۔ ان لوگوں کو یہ موقع دینے کہ وہ آپ کو اغوا کر لیں اور میرے گاڑی سے نکلنے کے بعد وہ لوگ ایسا ہی کریں گے۔ آپ کو ہمت سے کام لینا ہو گا بھابھی۔ یہ چین گلے میں ڈال لیں۔ اس میں مائیکرو چپ ہے۔ جس سے ہم آپ کو ٹریس کر سکتے ہیں اور یہ رنگ پہن لیں اس کے نگ میں مائیکرو کیمرہ فٹ ہے۔"

ذوالقرنین نے چلتی گاڑی میں اسے ہدایات کیں اور جیب سے چین اور انگوٹھی نکال اس کے حوالے کی۔ زائشہ نے چین اور انگوٹھی دونوں پہن لیں۔

"میں خدا کو حاضر ناظر جان کر یہ عہد کرتا ہوں کہ اس شخص کی گردن تک ضرور پہنچوں گا اور آپ کو اس کے چنگل سے نکالنے کے لیے جان کی بازی بھی لگانی پڑے تو دریغ نہیں کروں گا۔ بس آپ نے ہمت نہیں ہارنی۔ اس کے چنگل میں رہ کر کوئی بھی ایسی بات نہیں کرنی جو اسے یہ اشارہ دے کہ یہ سب سوچی سمجھی سازش ہے اسے پکڑنے کے لیے۔ ورنہ

ہم سب کو بہت بھاری نقصان اٹھانا پڑ جائے گا اور اس نقصان کے لیے اردشیر مجھے آخری سانس تک معاف نہیں کرے گا۔ آپ سمجھ رہی ہیں ناں۔"

زوالقرنین نے موبائل پر بلنک کرتے روشنی کے نمبر کو ضبط سے نظرانداز کیا تھا اور پوری توجہ سے زائشہ کی برین واشنگ کر رہا تھا جو سر اثبات میں ہلا رہی تھی۔

"اور ہاں کوشش کیجیے گا کہ یہ رنگ سیدھی رہے تاکہ ویڈیو میں اس خبیث کا مکروہ چہرہ آ سکے۔"

سنجیدگی سے کہتا ہوا وہ موڑ کاٹ چکا تھا اور کچھ آگے جا کر اس نے زائشہ کو بیسٹ آف لک کہہ کر گاڑی روکی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ زوالقرنین کی پشت ان کی طرف تھی تو وہ اندازہ نہیں لگا سکے کہ اردشیر کی جگہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ وہ اسی انداز میں دکان تک چلا گیا۔ زائشہ کا دل بری طرح کانپ رہا تھا

آنے والے لمحات کے لیے گرچہ وہ خود کو پہلے سے تیار کر چکی تھی مگر ایک خوف اب بھی دل میں کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

گاڑی میں سوار نقاب پوش بندوقیں ہاتھ میں لیے تیزی سے کار تک آئے دھاڑ سے زائشہ کی طرف کا دروازہ کھولا اور ایک نے بندوق کا دستہ زائشہ کے سر پر زور سے مارا۔ سیاہ رات میں سنسنان سڑک پر زائشہ کی دل خراش چیخیں نکلی تھیں۔ زوالقرنین نے کھولتے دماغ سے اس کی چیخیں سنی تھیں۔ اس کے سر سے خون بہتا ہوا رخسار اور تھوڑی تک بہہ کر چہرہ سرخ کر گیا تھا۔ وہ چند ہی لمحوں میں ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی تھی۔ وہ اسے گھسیٹتے ہوئے گاڑی تک لے گئے اور پچھلی سیٹوں پر پٹخ کر گاڑی زن سے بھگا دی تھی۔

زوالقرنین گاڑی کے پہیوں کے چرچرانے کی آواز پر پلٹا تھا اور تیزی سے موبائل کان سے لگائے گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ وہ اس گاڑی کا پیچھا نہیں کر سکتا۔ اس کے پلان میں پیچھا کرنا شامل تھا مگر اسے صرف زائشہ کی فکر تھی۔ اس کے کسی بھی انداز سے اگر ان پر عیاں ہو جاتا کہ وہ محض ان کو جال میں پھنسانے کے لیے زائشہ کو ان کے حوالے کرنے پر آمادہ ہوا ہے تو زروان ملک زائشہ کے ساتھ کسی بھی قسم کا سلوک کرنے سے دریغ نہ کرتا۔

اس کا ارادہ خاموشی سے اپنی پوری ٹیم تک وہاں پہنچنے کا تھا اور وہ اسی پلان پر عمل کرنے والا تھا جبکہ نہیں جانتا تھا کا اس کا یہ پلان تبدیل کرنا کس قدر خطرناک ثابت ہونے والا ہے۔

وہ سفیر سے معذرت کر کے قریبی فلاور شاپ سے زائشہ کے لیے گجرے لینے گیا تھا مگر رات زیادہ ہونے کے باعث قریبی سب ہی دکانیں بند ہو چکی تھیں۔اسے مجبوراً دور جانا پڑا۔بد قسمتی سے بیچ میں اس کی گاڑی بھی پنکچر ہو گئ جسے ٹھیک کروانے میں اچھا خاصا وقت لگ گیا تھا۔

وہ زائشہ کا خفا چہرہ تصور کر کے مسکراہٹ دبا گیا تھا۔گھر واپسی پر اسے کافی ٹائم ہو گیا تھا۔وہ جو نہی گاڑی سے نکلا گجرے اٹھا کر جیب میں ڈالنے لگا تو گجرے میں پروے ہوئے سارے گلاب پتی پتی ہو کر بکھر گ ئے۔وہ ششدر رہ گیا۔سٹیل کی تار میں صرف پھول کی سبز ڈوڈیاں اور ڈوڈیوں سے جڑے چند ایک پھول کے پتے رہ گ ئے تھے۔وہ پنجوں کے بل بیٹھا اور بکھری پتیوں کو مٹھی میں لیا تو دل خوف سے لبریز ہو گیا۔نہ معلوم کیوں دل کسی انہونی کے احساس سے گہرائیوں میں ڈوب کر ابھرا تھا۔پتیوں کا یوں ٹوٹ کر بکھرنا کوئی اچھا شگون نہیں دے رہا تھا۔اردشیر دھڑکتے دل کے ساتھ اٹھا اور خیر کی دعا لبوں پر سجائے اندر بڑھ گیا۔

مزنی کی ممی کی کال تھی۔ وہ اس کے لیے از حد پریشان تھیں۔ وہ جلدی آنے کی تاکید کر رہیں تھیں۔ وہ انہیں تسلی دے کر فون کال کاٹ کر مڑی تو سمیع کو دیکھ کر چونک گئ جو پوری تقریب میں اسے گہری نظروں سے دیکھتا رہا تھا۔ اس کی بولتی پر شوق اور پیام دیتیں نرم گرم سی نگاہوں نے پورے وقت اسے اپنے حصار میں لیے رکھا تھا۔ رینا اور سحاب تو باقائیدہ اسے معنی خیز نظروں سے دیکھ رہی تھیں مگر وہ تھی کہ جان کر بھی انجان بنی رہی۔ حتی کہ سمیع کی والدہ کے محبت بھرے انداز پر بھی وہ کان لپیٹے سب سنتی اور دیکھتی رہی تھی۔ وہ یہاں صرف تقریب میں شامل ہونے آئی تھی نہ کہ کوئی سکینڈل کھڑا کرنے۔ اس کے گھر کا ماحول اس قدر آزادانہ نہیں تھا۔ اس کی ممی کو بھنک بھی پڑ جاتی تو اس کے خوب لتے لیتیں سو بہتری اسی میں تھی کہ وہ خا۔وش تماشائی بنی رہتی محض چند گھنٹوں کی ہی تو بات تھی۔

"آپ مجھے اس قدر ناپسند کیوں کرتی ہیں مزنی۔ کیا کوئی خاص وجہ ہے؟ پہلے مجھے لگا تھا کہ میرا ابشام کرمانی کے ساتھ رہنا اور اس کا دوست ہونا ہی شاید عظیم جرم ہے مگر اب تو سب واضح ہے پھر بھی مجھے آپ کے وریے میں لچک نظر نہیں آ رہی۔"

وہ پشت پر ہاتھ باندھے اسے گہری نظروں سے دیکھتا دل میں آئی بات زبان پر شکوے کی صورت لے آیا تھا۔

"کیوں رکھوں میں اپنے رویے میں آپ کے لیے لچک۔ کیا لگتے ہیں آپ میرے۔ کیا رشتہ ہے آپ کا مجھ سے۔ مجھ سے اس قسم کے شکوے شکایات کا کوئی حق نہیں رکھتے آپ سمجھے اور ایک اور بات کسی بھی شریف مرد کو یہ زیب نہیں دیتا کے وہ بھرے مجمعے میں ایک باحیا اور باکردار لڑکی کو بے باک اور گندی نظروں سے دیکھے نہیں بلکہ گھورے۔"

وہ پھٹ ہی تو پڑی تھی۔ کب سے دوستوں کی اور ارد گرد کے لوگوں کی عجیب نظریں اسے غیر آرامدہ محسوس کروا رہی تھیں۔ سمیع نے لب بھینچے اور لہو رنگ آنکھوں سے مزنی کو دیکھا۔

"مس مزنی! نظروں کو پڑھنا اور پرکھنا سیکھیں۔ ہر اٹھنے والی نظر گندی اور بے باک نہیں ہوا کرتی۔ نظروں میں احساسات اور جذبات بھی ہوتے ہیں جنہیں مقابل تک پہنچانا ہی مقصد ہوتا ہے مگر آپ جیسی سرد مزاج جذبات سے عاری لڑکی ان خرافات کو کہاں سمجھے گی۔"

وہ سنجیدگی سے بولا تو مزنی کے ماتھے میں بل پڑ گئے۔

"کسی کے دل تک جذبات اور احساسات پہنچانے کا ایک یہی طریقہ اور یہی وقت باقی نہیں رہ گیا۔ دنیا میں اور بھی کئی طریقے اور موقع ہیں کہ جن وقتوں میں ہر اٹھتی نظر استحقاق بھری اور جائز ہوتی ہے اور پھر طور طریقوں پر بھی کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی۔"

مزنی ایک سنجیدہ اور سرسری سی نظر سمیع کی شاندار پرسنالیٹی پر ڈال کر ایک طرف سے نکل گئی تھی جبکہ سمیع حیرت سے ساکت مزنی کے لفظوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اور جب اس کی سمجھ میں آیا تو ایک گہری مسکراہٹ اسکے لبوں پر در آئی۔ جس وقت وہ لان میں واپس آیا مہمان آدھے سے زیادہ جا چکے تھے۔ کچھ رخصت لے کر جا رہے تھے۔ مزنی بھی شاید جا چکی تھی۔

روشنی بھی گھر چلنے کا سوچ رہی تھیں مگر اردشیر کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا نا ں ہی فون اٹھا رہا تھا۔

آہستہ آہستہ کر کے سارے مہمان رخصت ہو گ ئے۔

خرم اور مزینہ بس سب سے مل کر گھر جا رہے تھے۔ساجدہ بیگم تو اسے یہیں روکنا چاہ رہی تھیں مگر وہ خود خرم کی وجہ سے رکنا نہیں چاہتی تھی۔ان دونوں کے جانے کے بعد سعدیہ بیگم اور اعجاز صاحب نے بھی جانے کی ٹھانی تو ساجدہ بیگم اور سفیر نے انہیں سختی سے وہیں روک کیا۔

نوریز بھی اردشیر کو کال کر رہا تھا مگر وہ کال نہیں اٹھا رہا تھا۔ سفیر نے اس کے پریشان چہرے پر نظر ڈالی تو مسکرا دیا۔

موصوف بیگم کو لے کر ڈرائیو پر نکلے ہوئے ہیں۔اب تک تو کافی دیر ہو چکی ہے۔وہ شاید گھر پہنچ گ ئے ہوں گے۔"

سفیر نے اسے مطلع کیا تو نوریز نے چونک کر اسے دیکھا۔

"بھائی اتنے غیر ذمہ دار نہیں ہیں۔ وہ ایک میسج یا کال ضرور کرتے ہیں۔ اگر وہ لیٹ ہو جائیں تو اس صورت میں بھی وہ اطلاع کر دیتے ہیں اگر تو گھر پہنچ چکے ہوں تو تب بھی کال کر دیتے مجھے یا بھابھی کو۔"

وہ پریشان و متفکر لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے آپا کی موجودگی میں کچھ یاد ہی نہ رہا ہو۔"

سحاب نے شریر لہجے میں چٹکلہ چھوڑا۔

"میں لینڈ لائن پر کال کرتا ہوں اگر وہ گھر پہ ہوئے تو ملازمہ بتا دے گی۔"

نوریز نے کال ملا کر موبائل کان سے لگایا۔ کچھ دیر بجتے رہنے کے بعد کال اٹھالی گئی تھی اور ملازمہ نے اسے یہی بتایا تھا کہ گھر میں کوئی بھی نہیں ہے۔ جسے سن کر اس کی پریشانی مزید دوچند ہو گئی تھی جبکہ داخلی دروازے سے اندر آتے اردشیر کو دیکھ کر سفیر ہلکے پھلکے انداز میں مسکرا دیا۔

"لو آگئے صاحب بہادر تم تو خوامخواہ پریشان ہو رہے تھے۔"

سفیر کے کہنے پر نوریز سمیت سب نے اردشیر کو دیکھ کر سکون کی سانس لی جبکہ وہ جو پہلے ہی اندیشوں کا شکار تھا سب کی موجودگی میں زائشہ کو نہ پا کر عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا۔

"شیر رات بہت ہو گئی ہے گھر چلتے ہیں۔"

روشنی نے حماس کو کندھے سے لگا کر تھپکا۔ وہ کچی پکی نیند میں تھا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ زائشہ کو بلا لیں۔ میں باہر ویٹ کر رہا ہوں۔"

وہ سفیر سے مل کر اب اعجاز صاحب کی طرف بڑھا تھا مگر اس کے لفظوں پر سفیر ہی نہیں وہاں بیٹھے سب لوگوں کو شدید ترین جھٹکا لگا۔

"کیا مطلب! آپا تو آپ کے ساتھ گئی تھیں ناں۔"

تشویش بھرے لہجے میں سفیر نے استفسار کیا تو اب کی بار جھٹکا لگنے کی باری اردشیر کی تھی۔

"نہیں میرے ساتھ کیوں جائیں گی۔ میں تو اکیلا ہی گیا تھا کسی کام سے باہر اور تمہیں بتا کر تو گیا تھا۔ پھر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ زائشہ میرے ساتھ گئی تھیں۔"

ماتھے میں بے شمار بل لیے وہ ناگواری سے بولا۔

"مگر میں نے خود انہیں گاڑی میں بیٹھتے دیکھا ہے۔"

سفیر کی پریشانی گہری ہوئی۔

اردشیر کا غم وغصے سے براحال تھا۔اس نے متعدد بار زائشہ کا نمبر ڈائل کیا جو بند جارہا تھا۔

"سلام بی بی جی۔یہ گھڑی مجھے وہاں باہر گھاس پر پڑی ہوئی ملی ہے شاید کسی مہمان کی گر گئ ہے۔"

ملازمہ نے سلور کلر کی راڈو کی گھڑی لاکر سحاب کی طرف بڑھائی تواس نے خاموشی سے تھام کر اسے جانے کا اشارہ کیااور غور سے اس گھڑی کو دیکھا۔

"یہ توزوالقرنین بھائی کی گھڑی ہے۔"

سحاب نے گو کے بڑبڑانے والے انداز میں خود کلامی کی تھی مگر ٹینشن زدہ خاموش ماحول میں اس کی آوازاردشیر کے سماعتوں سے ہرگز محروم نہ رہی تھی۔وہ زوالقرنین کے نام پر بری طرح چونکا۔پھراس نے زوالقرنین کا نمبر ڈائل کرناچاہاتوموبائل چارج نہ ہونے کے باعث بند ہوگیا۔

"بھابھی زوالقرنین کا نمبر ملائیں۔"

اس نے سنجیدگی سے کہا تو روشنی نے حماس کو ساجدہ بیگم کی گود میں دیا اور نمبر ڈائل کرنے لگی۔ متعدد بار ڈائل کرنے کے بعد بھی کال جا رہی تھی مگر وہ اٹھا نہیں رہا۔

زائشہ کا نمبر بند تھا زوالقرنین کال نہیں اٹھا رہا تھا۔ تقریب سے زائشہ غائب تھی تو زوالقرنین بھی بغیر کسی کو بتائے بغیر کسی سے ملے چلا گیا تھا۔ اس رات زائشہ کا زوالقرنین سے بات کرنا۔ پوری تقریب میں اس سے چھپتے پھرنا پھر اسے دیکھ کر جس طرح زائشہ گھبرائی تھی۔ اس کے ماتھے پر اے سی کے باوجود پسینہ پھوٹ پڑا تھا اور پھر یوں گلابوں کا بکھر جانا۔ کوئی اچھا شگون نہیں تھا۔

"کہیں زوالقرنین زائشہ کو تو بہلا پھسلا کر زروان ملک کو پکڑنے کے لیے اپنے پلان میں شامل نہیں کر چکا اور وہ بیوقوف لڑکی مہرہ بن گئی۔۔۔۔۔ !اوہ شٹ۔۔۔۔"!

اردشیر کے حواسوں پر گویا بلاسٹ ہوا تھا۔ چوڑی پیشانی پر بے شمار بل نمایاں ہوئے تھے۔ اسے کھونے کے احساس سے اردشیر کو اپنی جان جاتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ زوالقرنین کی اس حرکت پر اس کا خون کھول اٹھا تھا۔ کنپٹی کی رگیں پھڑک اٹھی

تھی۔لب سختی سے باہم پیوست کیے اس نے مٹھیاں اتنی زور سے بھینچ لی تھیں کہ ہاتھوں میں نیلی رگیں واضح ہونے لگیں۔

سفیر نے جانچتی نظروں سے اردشیر کو دیکھا۔

"آپ کدھر ہیں شیر بھائی؟"

سفیر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"یہی جاننے کے لیے میں زوالقرنین کو کال ملا رہا تھا جو زروان ملک کو پکڑنے کے لیے زائشہ کو مہرا بنا کر اپنے ساتھ لے گیا ہے۔دعا کرو زائشہ زوالقرنین کے ساتھ ہو اور خیر و عافیت سے ہو ورنہ میں اپنا آپا کھو بیٹھوں گا۔"

اس کے لہجے میں سانپ کی سی پھنکار تھی۔وہ غیض و غضب لیے دھاڑا تو سفیر کے حواس جھنجھنا اٹھے۔

مسلسل سب کے نمبرز سے آتی کالز سے اسے اتنا تو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہاں سب کو زائشہ کی گمشدگی کی وجہ معلوم ہو چکی ہے سو کالز نظر انداز کرنا حماقت کے سوا کچھ ناں تھا۔

"میری بیوی کدھر ہے زوالقرنین۔ایک بات یادرکھنا زائشہ کو اگر ایک کھروچ بھی آئی تو میں تیری جان لے لوں گا۔"

اس کے فون کان سے لگاتے ہی وہ غیض وغضب لیے دھاڑا تھا۔

"اردشیر زائشہ بھابھی زروان ملک کے پاس ہیں اور میں اپنی پوری ٹیم کے ساتھ زروان ملک کے ٹھکانے پر جارہا ہوں۔یو ڈونٹ وری جس طرح انہیں صحیح سلامت وہاں سے لے کر گیا تھا۔اسی طرح صحیح سلامت انہیں چھوڑ کر بھی جاؤں گا۔"

زوالقرنین نے کہا۔چونکہ زائشہ کو دیے گ ئے لاکٹ میں ٹریکر موجود تھا تو وہ اسے با آسانی ٹریس کر چکا تھا اور اب اپنے عملے کے ساتھ ہتھیاروں سے لیس ہو کر زروان ملک کے ٹھکانے ہر پہنچنے والا تھا۔

"میں اپنی بیوی کی حفاظت کرنا اچھی طرح جانتا ہوں۔تو بس یہ بتا کہ اس وقت کہاں ہے۔"

اردشیر سرخ چہرہ لیے ضبط کے باوجود غصہ کنٹرول نہیں کر پا رہا تھا۔سر کو دو انگلیوں سے ٹھونکتے وہ ادھر سے ادھر چکر کاٹتا حالت اضطراب میں تھا۔زوالقرنین نے اسے اپنی

لوکیشن سینڈ کی تو وہ موبائل جیب میں ڈال کر شدید ٹینش کے عالم میں وہاں سے نکلنے لگا تھا کہ سفیر اور نوریز نے اسے روک لیا۔

"بھائی میں اور سفیر ساتھ چلتے ہیں۔یوں اکیلے جانا ٹھیک نہیں ہے۔"

"نوریز ٹھیک کہہ رہا ہے شیر۔"

سفیر نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ میری جنگ ہے اور اسے میں تنہا ہی لڑوں گا۔رہ گئ بات زائشہ کی تو وہ میری ذمہ داری ہیں۔انہیں صحیح سلامت گھر لے کر آؤں سفیر یو ڈونٹ وری۔"

وہ اس کے کندھے کو تھپک کر سرخ آنکھیں لیے وہاں سے نکل گیا۔پیچھے سب ہی ان دونوں کے لیے دعا گو تھے۔ساجدہ بیگم کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔پارس ان کا خیال رکھ رہی تھی تو سحاب باقی سب کی ہمت بندھا رہی تھی۔

وہ طوفان کی طرح گاڑی بھگاتا ہوا ذوالقرنین کے بتائے گے پتے پر پہنچ کر اسے جوائن کر چکا تھا۔اسے دیکھ کر دل تو کیا تھا کہ گریبان سے پکڑ کر اسے اتنا مارے کہ وہ اپنی شکل شیشے

میں پہچان نہ پائے کہ جب وہ منع کر چکا تھا کہ زائشہ کو بیچ میں نہیں لانا تو وہ کیوں انتہائی قدم اٹھانے سے باز نہ آیا تھا۔

"میں نے زائشہ بھابھی کو ایک لاکٹ دیا تھا پہننے کے لیے۔اس میں ایک مائیکرو چپ ہے جس میں ٹریکر لگا ہوا ہے۔اس ٹریکر کے زریعے ہم نے انہیں ٹریس کر لیے لیا۔بس پہنچنے ہی والے ہیں۔"

وہ اپنی ہی دھن میں کن نظروں سے اردشیر کے سرد و سپاٹ تاثرات کو دیکھ کر اسے بتا رہا تھا۔

"ٹریس تو تم کر چکے ہو۔زروان ملک تک پہنچ کر روبرو بھی ہو جاؤ گے مگر تم نے سوچا ہے کہ اس کے بعد کیا ہو گیا۔تم پولیس میں ہو۔طاقتور ہو تو وہ بھی چوڑیاں پہنے نہیں بیٹھا ہو گا۔تمہیں کیا لگتا ہے تم ہیرو بن کر اس پر ریوالور تان کر اسے کہو گے کہ زائشہ کو چھوڑ دو تو وہ اسے چھوڑ دے گا۔"

اردشیر نے ایک چبھتی نظر اس پر ڈالی اور کٹیلے سرد لہجے میں پھنکارا تو ذوالقرنین نے لب بھینچ لیے۔

"اس کا حل بھی ہے میرے پاس۔ تمہیں وہ لڑکی یاد ہے سحاب کی دوست مزنی۔"

ذوالقرنین نے سنجیدگی سے کہتے اسے کچھ یاد دلانا چاہا۔

"ہاں مگر یہاں اس کا کیا ذکر ہے۔"

اردشیر چیخ گیا۔

"مزنی عرف زینب ملک زروان ملک کی بہن ہے۔ چھوٹی اور بے حد لاڈلی۔ وہ اپنی بہن سے بہت محبت کرتا ہے۔ بچپن میں ہی ان دونوں بہن بھائیوں کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا تھا۔ زروان ملک محنتی اور غریب باپ کی اولاد تھا مگر اس کے دوست رائیس خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو اٹھتے بیٹھتے اسے اس کی زندگی میں محرومیوں کا احساس دلاتے تھے۔ یہی احساس آگے جاکر اس کے اندر زور پکڑ گ ئے۔ اس کی بہن مزنی کی خواہشات۔ اعلی تعلیم اور بہترین طرز زندگی کی آرزوؤں نے اسے غلط راہ چننے پر مجبور کر دیا۔ تمہارے آفس میں بھی وہ کئی سالوں سے ہیر پھیر کر کے اپنا بینک اکاؤنٹ بھر رہا تھا تو وجہ اس کی لاڈلی بہن کو پر آسائش زندگی دینا اور اس کا مستقبل سنوارنا تھا مگر اس کام میں رکاوٹ بنے آفاق حسین صاحب یعنی سفیر کے بابا جو کہ ابتداء میں اس کی خصلت سے

واقف نہیں تھے بس ظاہری صورت سے مار کھا کر اپنی بیٹی کا رشتہ زروان سے طے کر گئے تھے کہ ان کی نظر میں وہ بہت سلجھا ہوا اچھا اخلاق ذہین اور قابل انسان تھا مگر جلد ہی ان پر زروان کی حقیقت کھل گئی۔اپنی اس رکاوٹ کو بھی اس نے بے خوفی سے رستے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہٹا دیا مگر وہ زائشہ سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تھا مگر تم نے اسے جلد ہی سچ پتا لگنے پر پکڑوا دیا اور تمہاری بھابھی کی شادی کے بعد اس کا انتقام تم سے دوہرا ہو گیا۔اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے زروان کی ماں آسیہ ملک مزنی کو زروان سے ملنے سے سختی سے منع کرتی ہیں بلکہ وہ تو بیٹی کے گھر سے باہر نکلنے تعلیم حاصل کرنے اور کسی بھی قسم کے شوق پالنے کے حق میں نہیں ہیں کیونکہ انہیں خوف ہے کہ جس طرح کے اس کے بیٹے کے کارنامے ہیں کہیں دشمنی میں کوئی ان کی بیٹی کو نقصان نہ پہنچا دے۔"

زوالقرنین کی بات پر اردشیر ششدر رہ گیا۔کتنی دیر تک وہ یقین نہ کر سکا۔وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ زروان ملک محض دو چھوٹی باتوں پر اتنے بڑے انتقام پر اتر آئے گا۔

"تمہیں یہ بات کب سے پتا ہے؟"

اردشیر نے سوال کیا۔

"آج ہی پارٹی میں پتا چلی ہے۔میں نے اتفاق سے اس کی فون کال سن لی تھی۔میں یقین نہیں کرنا چاہتا تھا کہ دنیا میں زروان نام تو بہت سوں کے ہو سکتے ہیں مگر مزنی کا چہرہ اس کے نین نقش زروان ملک سے اس قدر مشابہہ تھے کہ میں بھونچکارہ گیا۔پھر یہ کہ میں نے سحاب کے زریعے ان سے باتوں باتوں میں سب اگلوالیا۔سحاب نے جب ساری باتیں مجھے بتائیں تو اس سے میں نے یہی اندازہ لگایا کہ مزنی اپنے بھائی کے گھٹیا کارناموں سے نابلد ہے۔زروان ملک کو ہر صورت ماننا پڑے گا۔مزنی ہمارے لیے تابوت میں آخری کیل ثابت ہو گی۔میں نے سمیع کو میسج کر دیا ہے۔اب تک تو وہ مزنی کو اپنی تحویل میں لے چکا ہو گا۔"

اردشیر نے گہری سانس خارج کی۔اسے اس وقت صرف زائشہ کی فکر تھی جو ایک بھیڑیے کے چنگل میں تھی۔وہ اس تک پہنچ کر اسے مزنی کے زریعے بلیک میل کرتے وہ تو بعد کی بات تھی اس کا دل تو ابھی کے لیے خوف زدہ تھا۔

چکراتے سر کے ساتھ اس نے مندی مندی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی جو نشے کے باعث بار بار پلکوں کے بوجھ سے بند ہوئی جا رہی تھیں۔ سر اس قدر بھاری ہو رہا تھا کہ جیسے سر پر اینٹیں رکھ دی ہوں۔ بامشکل آنکھیں کھول کر اس نے ارد گرد کا جائزہ لیا تو خود کو وسیع عریض خوبصورت سے بیڈ روم میں پا کر وہ سرعت سے دکھتا سر تھام کر اٹھی۔ دل میں کئی اندیشوں نے سر اٹھایا تھا۔ تیزی سے جہازی سائز بیڈ سے اتر کر اس نے کمرے کا دروازہ کھولنا چاہا جو شاید نہیں یقین باہر سے لاک تھا۔ کمرے میں کوئی کھڑکی یا پھر روشن دان موجود نہ تھا۔ وہ یہاں سے فرار ہونا چاہتی تھی مگر کمرے کے باہر قدموں کی چاپ سن کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

کلک کی آواز سے دروازہ کھلا اور زروان ملک اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے اس کے نزدیک آیا تو وہ سرعت سے کئی قدم پیچھے ہوئی اور دوپٹہ خود پر اچھے سے لپیٹا۔ ایک خوف اس کے پورے وجود میں سرایت کر گیا۔

"کسی ہو ڈیئر زائشہ ! بہت وقت لگا تم تک پہنچنے میں۔ جب جب تم تک پہنچنا چاہا تمہارا وہ سو کالڈ مجنوں شوہر تمہیں مجھ سے دور لے گیا مگر دیکھو وہ کہتے ہیں ناں کہ جب لگن سچی ہو تو منزل مل ہی جاتی ہے۔ میری منزل تم ہو مجھے تو تم تک آنا ہی تھا۔"

وہ مکروہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے تالی بجاتا ہوا نزدیک آیا تو زائشہ نے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑا کانچ کا جگ ہاتھ مار کر نیچے گرا دیا۔ ایک چھناکے کی آواز سے وہ کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر فرش پر بکھر گیا۔

"دور رہو مجھ سے۔ پاس آنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ تمہیں لگتا ہے کہ زائشہ اردشیر اتنی ارزاں ہے کہ اتنی آسانی سے تمہارے ہاتھ لگ جائے گی تو یہ تمہاری بہت بڑی بھول ہے۔"

وہ نفرت سے پھنکاری تھی۔ لہجہ حد درجہ کڑواہٹ لیے ہوئے تھا۔ زروان کا خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ شدید طیش کے عالم میں اس نے زائشہ کی کلائی اپنی مضبوط گرفت میں بے دردی سے جکڑی تو تکلیف سے اس کے لبوں سے سسکاری نکلی۔

"دور جانے کی بات مت کرو ڈیئر زائشہ۔ یہ جو اتنی دشمنی میں نے اردشیر سے پالی ہے تو وجہ صرف تم ہو اور میں اتنی آسانی سے تم سے دستبردار ہونے والا نہیں ہوں۔ تم میرے چنگل میں آئی تو خود ہو مگر جاؤ گی میری مرضی سے اور میں تمہیں اپنی قید سے رہائی دے دوں گا یہ سوچ تم ذہن سے نکال دو۔ پلان اچھا تھا تمہارا اور اس انسپیکٹر کا مگر وہ کیا ہے ناں کہ جہاں اس اے ایس پی کی سوچ ختم ہوتی ہے وہاں سے زروان ملک کی سوچ شروع ہوتی ہے۔"

اس کو بالوں سے جکڑ کر وہ جب بولا تو لہجے میں شرارے پھوٹ پڑے تھے۔ زائشہ کا رواں رواں کانپ گیا۔ مطلب اسے سب پتا چل گیا تھا۔

"مجھ تک پہنچنا اتنا آسان نہیں ہے ڈیئر۔ کچھ ہی دیر میں میں تمہیں لے کر اس ملک سے فرار ہو جاؤں گا اور اردشیر کو تمہیں طلاق دینی پڑے گی بصورت دیگر تم میرے قبضے میں ہو اور میں تمہارے ساتھ کیا کر سکتا ہوں اس کا اندازہ تو تمہیں باخوبی ہے۔ یاد ہے وہ رات جب تم گھر پر تنہا تھیں۔ چہ اگر اردشیر بیچ میں ناں آتا تو میں تمہیں اس کے قابل نہ چھوڑتا مگر وہ تو اسی رات تمہیں اپنے نام لکھوا کر میری ہار کا جشن منانے بیٹھ گیا تھا۔"

اس کے ارادوں سے زائشہ کو اپنے حواس جھنجھناتے محسوس ہوئے۔خوف سے دل سکڑ گیا۔

وہ زائشہ کو ایک جھٹکے سے چھوڑ کر کمرے کا دروازہ دھاڑ سے بند کر کے نکل گیا۔زائشہ بیڈ پر اوندھے میں لیٹ کر تکیہ دبوچے بری طرح سسک اٹھی۔

"پلیز ہیلپ می اردشیر مجھے بچالیں۔میں آپ کے بنا نہیں رہ سکتی۔اس شخص کے عزائم اچھے نہیں ہیں۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔رات قطرہ قطرہ سرک رہی تھی۔ادھر وہ اذیت میں تھی تو دوسری طرف اردشیر دوہری اذیت میں تھا۔

زروان نے اپنے بندوں کو یہاں سے فرار ہونے کا الٹی میٹم جاری کر دیا تھا۔ہوائی رستے سے چونکہ خطرہ زیادہ تھا اسی لیے اس نے فرار کے لیے بحری راستے کا انتخاب کیا تھا۔

پورٹ قاسم سے اس کی روانگی تھی۔شپ ریڈی تھا جس میں اس نے زائشہ کو لے کر فرار ہونا تھا۔اس کی ساری تیاریاں مکمل تھیں۔اس نے اپنے بندوں کے زریعے اپنا سارا قیمتی سامان شپ میں پہلے ہی رکھوا دیا تھا۔اب صرف اسے زائشہ کو یہاں سے لے کر فرار ہونا

تھا جو کہ اتنا آسان نہیں تھا۔ جگہ جگہ چیک پوسٹ اور ناکہ بندی کی خبریں اس تک پہنچ گئی تھیں۔ وہ پیچ وتاب کھا کر رہ گیا تھا۔

اس نے دوبارہ زائشہ کے کمرے میں قدم رکھا تو وہ جو تکیے میں منہ دیے اوپر والے سے اپنی عزت و جان کی سلامتی کے لیے دعا گو تھی۔ قدموں کی چاپ اور دروازہ کھلنے کی آواز پر سیدھی ہوئی اور زروان ملک کو دیکھ کر آنسوں رخساروں سے بے دردی سے رگڑے۔ خوف سے پتلیاں سکڑ گئیں۔ نہ معلوم اب وہ کیا کرنے والا تھا۔

"تم! کیوں آئے ہو یہاں۔ خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ جانے دو مجھے۔ میں کسی کی بہن ہوں۔ کیا تمہاری کوئی بہن نہیں ہے۔ سوچو اگر کوئی اسے یوں اغوا کر لے تو کیسا لگے گا تمہیں۔"

وہ تڑپ تڑپ کر دہائی دینے لگی تو اسکی باتوں پر لمحے پل بھر کو زروان ملک کی آنکھوں میں مزنی کا چہرہ لہرا گیا۔

"چپ! ایک دم چپ"!

وہ اتنی زور سے دھاڑا تھا کہ زائشہ سہم کر کئی قدم پیچھے ہوئی تھی۔

زروان ملک نے جیب سے بیہوشی کا انجیکشن نکالا۔زائشہ کی آنکھیں پھٹ گئیں۔اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی یا مزاحمت کرتی۔اس نے چیتے کی تیزی سے اسے قابو کر کے انجکیشن اس کے بازو میں پیوست کر دیا تھا۔چند لمحوں میں وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر لہرا کر بیڈ پر گری تھی۔زروان ملک نے اسے اچھی طرح چادر میں لپیٹا اور فرنٹ سیٹ پر بٹھا دیا۔

چیک پوسٹ پر گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔پولیس کی بھاری نفری گاڑیوں کو بھرپور طریقے سے چیک کر رہی تھی۔وہ کوس رہا تھا اس وقت کو جب اس نے اس شاہراہ کی راہ لی۔وہ اتنی آسانی سے منزل کے نزدیک پہنچ کر شکست نہیں پا سکتا تھا۔اس نے منصوبہ بنا لیا تھا کہ جیسے ہی اس کی گاڑی کو چیک کرنے کے لیے روکا جائے گا۔وہ ناکے پر رکنے کے بجائے گاڑی فل سپیڈ میں بھگا دے گا اور ہوا بھی ایسے ہی جیسے ہی حولدار نے سٹک سے اس کا شیشہ بجا کر نیچے کرنے کو کہا تو اس نے لب سختی سے بھینچے اور ناکے کو دیکھا جو اس وقت دوسری طرف سے موٹر سائیکل سوار کو چیک کرنے کے بعد کھول دیا گیا

تھا۔اس نے موقع کا فائدہ اٹھا کر گاڑی فل سپیڈ پر ڈال دی۔پوری پولیس فورس الرٹ ہو گئی اور عجیب دھکم پیل مچ گئی۔کئی گاڑیاں اس کے تعاقب میں نکلی تھیں۔

"اوہ شٹ"!

زوالقرنین پوری قوت سے چیخا تھا۔

"کیا ہوا زوالقرنین۔بتاؤ مجھے۔"

اردشیر نے اس کا بازو سختی سے دبوچا۔

"بھابھی کی لوکیشن تبدیل ہو گئی ہے۔وہ پورٹ قاسم کی طرف بڑھ رہی ہیں۔"

اس نے گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے ہی ٹرن لیا اور گاڑی زروان ملک کے پیچھے لگادی۔وہ اس کے بے حد قریب تھے۔وہ اس بات سے لاعلم تھا۔

پورٹ پہنچتے ہی وہ تیزی سے زائشہ کی طرف بڑھا جو دھیرے دھیرے ہوش میں آرہی تھی۔

ایک ہاتھ سے اس کا بازو دبوچے وہ دوسرے ہاتھ سے چوکنا انداز میں ریوالر ہاتھ میں لیے تیزی سے پورٹ پر لگی شپ کی جانب بڑھ رہا تھا جب عین اس کی گاڑی کے پیچھے زوالقرنین نے جیپ روکی۔ وہ اور اردشیر جمپ لگا کر جیپ سے اترے اور گن ہاتھ میں لیے سرعت سے اس کے پیچھے لپکے تھے۔

"یو آر انڈر اریسٹ زروان ملک۔ خاموشی سے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو۔"

زوالقرنین کی بھاری سرد آواز پر زروان ملک کے قدم تھمے تھے۔ زائشہ پر گن تانے وہ اس پر اپنی گرفت مضبوط کرتے پلٹا۔ اس کی گرفت میں پھڑپھڑاتی زائشہ کو دیکھ اردشیر نے مٹھیاں بھینچیں۔ اس کی سوجھی آنکھوں اور بکھرے بالوں اور سراپے پر نگاہ کرتے اس کی شریانیں پھٹنے لگی تھیں۔ وہ سرعت سے زائشہ کی جانب لپکنے کو تھا جب زروان ملک نے ہوائی فائر کر کے اس کے قدموں کو زنجیر کیا تھا۔ زائشہ کی فلک شگاف چیخ نکلی تھی۔

"اپنے قدم وہیں روک لو اردشیر! ورنہ تمہاری یہ حسین چڑیا جس میں تمہاری جان بستی ہے اس کا بھیجا اڑانے میں سیکنڈ کی بھی تاخیر نہیں کروں گا۔"

شیطانی قہقہہ لگاتے وہ آخر میں خطرناک حد تک سنجیدہ ہوا تھا۔

"زائشہ کو چھوڑ دو زروان کہ اگر اسے کھروچ بھی آئی تو بدلے میں تجھے بہت بھاری تاوان دینا پڑے گا۔"

وہ ضبط کھوتے دھاڑا۔

"بیوقوف سمجھا ہوا ہے جو منزل پر آکر پلٹ جاؤں۔اب تو اس کے زندہ رہنے کی ایک ہی شرط ہے کہ تو ابھی اسی وقت اسے طلاق دے تاکہ میں اس کی جان بخش دوں بصورت دیگر یا تو یہ چھ کی چھ گولیاں اس کے دماغ کے آر پار ہوں گی یا پھر یہ اس سیاہ رات میں یہ گہرہ سمندر تیری محبوبہ کو نگل لے گا۔ویسا کیسا لگے گا اگر میں تیری بیوی کو یہاں سے دھکا دے دوں تو۔"

وہ اردشیر کو خبردار کرتا زائشہ کو پکڑ کر ریلنگ کے پاس لے آیا اور اسے پیچھے دھکیل کر زرا سا ٹریلر دکھایا تو۔خوف سے زائشہ کے رونے میں اضافہ ہوا وہیں اردشیر غصہ و اشتعال میں چیخا تھا۔

"یو باسٹرڈ!چھوڑ زائشہ کو۔"

"آں آں آں! قدم وہیں روک لو اردشیر۔ ورنہ یہ تو محض ٹریلر تھا فلم تو ابھی باقی ہے۔ تم شرافت سے میرا پیچھا چھوڑ دو اور مجھے یہاں سے جانے دو ورنہ میں اسے اڑا کر رکھ دوں گا۔"

زائشہ کو اپنی گرفت میں لیتے وہ خوفناک ترین لہجے میں تنبیہہ کرنے لگا۔ وہ بری طرح سسک رہی تھی۔ اردشیر نے کربناک انداز میں بے بسی سے مٹھیاں بھینچ کر گن پر گرفت مضبوط کی۔

"پولیس نے تمہیں چاروں اور سے گھیر رکھا ہے۔ فرار اب ممکن نہیں ہے۔ بہتری اسی میں ہے کہ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو ورنہ شطرنج کی اس بساط کو پلٹنے میں مجھے سیکنڈ بھی نہیں لگے گا۔"

زوالقرنین نے اسے وارن کیا۔

زائشہ کی نظریں اردشیر پر تھیں جس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ساری دنیا کو آگ لگا دے۔ اس کی آنکھوں میں شعلوں کی سی لپک تھی۔ وہ بری طرح رو پڑی۔

"ان گیدڑ بھبھکیوں سے نہیں ڈرنے والا میں۔ میرا اور اپنا وقت ضائع مت کرو اور مجھے جانے دو۔"

زروان نے گدی سے زائشہ کے بال دبوچ کر ریوالور کارخ اس کی طرف کیا۔اردشیر کی رگ رگ میں شعلے دہک اٹھے۔

"زروان ملک تمہاری بہن اس وقت پولیس کی حراست میں ہے۔خود کو سرنڈر کر کے میری بہن کو میرے حوالے کر دو ورنہ مجھے بھی زینب کو اس گہرے سمندر میں دھکا دینے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔"

سمیع کی جیپ دھول اڑاتی ہوئی ادھر پہنچی تھی اور وہ جمپ لگا کر چیتے کی تیزی سے نیچے اترا اور پچھلی سیٹ پر غم سے نڈھال مزنی کی ہتھکڑی تھام کر اسے زبردستی گھسیٹتا ہوا وہاں لایا تھا اور اس کی چنگھاڑتی سرد آواز پر زروان ملک زلزلوں کی زد میں آگیا تھا۔سمیع نے مزنی کو کنارے پر کھڑا کیا ہوا تھا اور سختی سے اس کی ہتھکڑی تھامی ہوئی تھی کہ اس طرف ریلنگ یا کوئی سہارا نہیں تھا ذرا سا توازن بگڑتا تو وہ سیدھا نیچے سمندر میں جا گرتی۔

"تم! تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری بہن تک پہنچنے کی۔ چھوڑو اسے۔اس سب میں اسے انوالو مت کرو وہ بے قصور اور معصوم ہے۔"

وہ بے بسی سے چیخا۔ مزنی کا رو یا رو یا چہرہ غم سے نڈھال وجود بکھرے بال اور شکوہ کرتی آنکھوں نے اسے پورے قد سے زمین بوس کر دیا تھا۔

"تم میری بہن میرے حوالے کر دو زروان ملک میں تمہاری بہن تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

اس وقت سب سے اہم زائشہ کی جان اور عزت بچانا تھا سو سمیع نے ضبط سے کہا کہ اسے پکڑنا تو دایاں ہاتھ کا کھیل تھا بس ایک دفعہ زائشہ اس کے چنگل سے نکل جاتی۔

"ٹھیک ہے۔ میں یہاں سے زئشہ کو روانہ کر رہا ہوں تم لوگ وہاں سے زینب کو روانہ کرو مگر یاد رہے کوئی ہوشیاری نہیں۔"

چہرے پر سختی سجائے اس نے زائشہ کو آزاد کیا تو سمیع نے بھی مزنی کی ہتھکڑی کھول دی۔ زائشہ اردشیر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ زینب اس کے بالکل پاس سے گزر کر جونہی زروان کے قریب پہنچی تو اس نے پھرتی سے مزنی کو کھینچ کر اپنے پیچھے کیا اور فائر کھول دیا۔ اردشیر اس کے اتنی آسانی سے مان جانے پر مشکوک نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی ہر جنبش پر اردشیر کی نظر تھی۔ جیسے ہی اس نے لوڈڈ گن کا ٹریگر دبا کر زائشہ کو

نشانہ لیا۔وہ برق رفتاری سے زائشہ کو گرفت میں لے کر نیچے جھکا تھا مگر اس کے باوجود اسے سینے میں ایک گولی لگی تھی۔زائشہ کی بے ساختی چیخیں نکلی تھیں۔اس کے ہاتھ اردشیر کے خون سے سرخ ہوتے چلے گ ئے تھے۔زوالقرنین برق رفتاری سے اس کی طرف بڑھا اور اسے اٹھا کر جیپ مین ڈالا اور زائشہ کو لیے ہاسپٹل کا رخ کیا۔

مزنی نے پھرتی سے زروان کے ہاتھ سے گن اچک لی۔وہ اس حملے کے لیے قطعی تیار نہیں تھا یا شاید اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایسا کرے گی۔

"خبردار اگر اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی تو۔بہت ہوا آپ کا یہ کھیل تماشہ۔شرم نہیں آئی ایک بہن کے ہوتے ہوئے دوسروں کی بہنوں کی عزتوں کو پامال کرتے ہوئے۔چھی۔گھن آتی ہے مجھے یہ سوچتے ہوئے کہ میں آپ کی بہن ہوں۔ایک کرمنل کی بہن۔ایک لٹیرے کی بہن جو دوسروں کی بہنوں کو دن دھاڑے اٹھوا لیتا ہے۔کبھی سوچا ہے کہ جو سلوک آپ زائشہ کے ساتھ کرتے رہے ہیں اور وہی سلوک کوئی میرے ساتھ کرتا تو۔انسپیکٹر سمیع نے مجھے محض آپ کی حقیقت بتا کر آپ کو دکھانے کے لیے

مجھے ہتھکڑی لگائی تھی آپ کے گھٹیا پلان کی طرح مجھے زک پہنچا کر حراس نہیں کیا نہ ہی میرے سر سے میری چادر کھینچی۔اس پر آپ کا یہ حال ہے۔"

مزنی نے غصے سے اس کی لہو رنگ آنکھوں اور بھینچی مٹھیوں پر چوٹ کی تھی جو مزنی کو دیکھ کر بپھرا تھا۔

"سوچیں سفیر بھائی کی کیا حالت ہو گی اس وقت۔"

وہ چیخ ہی تو پڑی تھی۔زروان ملک نے لب بھینچے۔

"انسپیکٹر صاحب گرفتار کر لیں اس کرمنل کو اس سے پہلے کے میں اپنے ارادوں میں ناکام ہو جاؤں۔"

وہ ضبط کے مارے چیخی۔

زروان ملک یک دم ہی کمزور پڑ گیا۔اس کی اپنی بہن نے اسے دھوکے سے پکڑوا دیا تھا۔اتنا بڑا صدمہ تھا کہ وہ لاشعوری طور پر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھا تھا۔اس نے سرنڈر کر دیا تھا اور جیسے ہی اسے پولیس نے ہتھکڑی لگا کر وین میں بٹھایا۔وہ وہیں گھٹنوں کے بل گر کر چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ہاسپٹل کی راہداری میں اس وقت ذوالقرنین سفیر نوریز زائشہ اور روشنی موجود تھیں۔آئی سی یو کے اندر اردشیر مشینوں اور پٹیوں میں جکڑا زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا تو زائشہ بھی جیسے پل پل مر رہی تھی۔

"شش!زائشہ روتے نہیں ہیں۔تم تو بہت ہمت والی ہو۔حوصلہ رکھو۔اردشیر کو کچھ نہیں ہوگا۔"

روشنی کے سینے سے لگی وہ سسکیاں بھر رہی تھی۔اس وقت وہاں سب کی ہی کچھ ایسی حالت تھی مگر زائشہ تو جیسے ہاتھ پیر چھوڑے بیٹھی تھی۔اس کا غم سب کے غم سے کہیں زیادہ بڑا تھا۔دل تھا کہ پھٹا جا رہا تھا۔

"آپا!آپ اس طرح مت روئیں۔شیر بھائی ٹھیک ہو جائیں گے۔"

ضبط سے سرخ پڑتی آنکھوں سے نمی پونچھتے وہ زائشہ کو حوصلہ دے رہا تھا۔

ڈاکٹر روم سے باہر نکلے تو وہ اور نوریز تیزی سے ڈاکٹر کی طرف بڑھے۔

"ڈاکٹر میرے بھائی کیسے ہیں؟"

نوریز کے لہجے میں تفکرات کی امیزش تھی۔

"فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔زخم زیادہ گہرہ نہیں تھا۔بروقت احتیاط سے خون بھی ضائع ہونے سے بچ گیا ہے اگرانہیں لانے میں زرا بھی دیر ہو جاتی تو کنڈیشن کریٹیکل ہو سکتی تھی بٹ ناؤ ہی از آؤٹ آف ڈینجر۔"

"کیا ہم ان سے مل سکتے ہیں۔"

زائشہ کی حالت کے پیش نظر اس نے استفسار کیا۔

"کچھ ہی دیر میں انہیں روم میں شفٹ کر دیا جائے گا. جیسے ہی انہیں ہوش آ جائے تو آپ لوگ ان سے ایک ایک کر کے مل سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر نرس کے ہمراہ آگے بڑھ گئے تھے۔کچھ ہی دیر میں اردشیر کو دوسرے روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔زائشہ شکرانے کے نوافل ادا کر رہی تھی۔اگلے دو گھنٹوں بعد اردشیر کو ہوش آ گیا تھا اور اس وقت روم میں اس کے اور زائشہ کے گھر والے موجود تھے۔سفیر کے اطلاع کرنے پر وہ لوگ بنا کسی دیری کے ہاسپٹل پہنچے تھے۔

"نظر لگ گئی ہے میرے ہنستے کھیلتے بچے کو۔"

ساجدہ بیگم نے محبت بھرے لہجے میں کہتے اس کی نظر اتاری۔

"جبکہ یہ تو اس کے بچے کھلانے کے دن ہیں۔"

خرم نے ٹکڑا لگایا تو محفل زعفران ہو گئ۔ اردشیر نے مسکراہٹ دبائی اور ایک نظر صوفے میں دھنسی زائشہ کو دیکھا جو اس کے علم میں لائے بغیر ایک انتہائی قدم اٹھا چکی تھی۔ یک لخت اس کی مسکراہٹ سمٹی۔

"کیوں نہیں بچے بھی کھلائے گا۔ بس اللہ خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔"

ساجدہ بیگم صدق دل سے گویا ہوئیں۔ زائشہ نے ایک چور نظر اردشیر پر ڈالی جس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔ کچھ دیر رکنے کے بعد وہ لوگ تو جا چکے تھے۔ ہاسپٹل میں صرف زائشہ رکی تھی۔ سب کے جانے کے بعد وہاں دبیز خاموشی چھا گئ۔

زائشہ آہستہ سے اٹھی اور ہمت مجتمع کرتی ہوئی اس کے نزدیک آئی۔ بیڈ پر اس کے پاس جگہ بنا کر جس لمحے وہ بیٹھی۔ اردشیر نے آنکھیں بے ساختہ وا کیں۔

"اب طبیعت کیسی ہے؟ آپ ٹھیک تو ہیں ناں۔ تکلیف زیادہ تو نہیں ہو رہی۔؟"

وہ اردشیر کا ہاتھ تھام کر بیقراری سے مستفسر ہوئی تو اردشیر نے ایک جھٹکے سے اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔

"آپ کو فکر ہے؟ میں جیوں یا مروں۔اپنی طرف سے تو آپ نے مجھے مارنے کا بندوبست کر ہی لیا تھا۔زروان ملک کی گولی سے تو میں بچ گیا زائشہ لیکن اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو اردشیر اگلی سانس بھی نہیں لے پاتا۔"

وہ اس قدر سرد و اجنبی لہجے میں بولا تھا کہ زائشہ پتھرا گئی۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔مجھے فکر ہے۔مریں آپ کے دشمن۔"

وہ بے اختیار رو پڑی۔

"ڈونٹ زائشہ! آپ اتنی آسانی سے بری الذمہ نہیں ہو سکتیں۔جو آپ نے کیا ہے ناں۔میں ہرگز نہیں بھولوں گا۔آپ نے میری اجازت کے بنا اتنا بڑا قدم اٹھایا بھی کیسے۔یو ہیو ٹو پے فار دز۔"

وہ درشتی سے کہتا سختی سے لب بھینچ گیا۔اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔اردشیر اب تک وہ لمحے نہیں بھلا پایا تھا کہ جن لمحوں میں وہ زروان ملک کی قید میں بے بسی سے پھڑ پھڑا رہی تھی۔اس کا دوپٹہ سر سے اتر کر کندھوں پر ڈھلک گیا تھا۔اس

کے سر سے تو کبھی اردشیر نے دوپٹہ اترے نہیں دیکھا تھا۔ وہ لمحہ قیامت خیز تھا۔ اس کا بس چلتا تو چھ کی چھ گولیاں زروان ملک کے سینے میں اتار کر ریوالور کا میگزین خالی کر دیتا۔ اس کے پتھریلے لہجے اور اور برفیلے لفظوں پر وہ منجمند ہی تو ہو گئی تھی۔ ششدر ہوتی وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے سسک اٹھی اور اس شدت سے روئی تھی کہ اردشیر کا سارہ غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا

"زائشہ۔۔۔۔"!

اس نے مدھم گھمبیر لہجے میں اسے پکارا پر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ رونے کا شغل یونہی جاری وساری رکھا۔

"آپ کے آنسو مجھے اچھا خاصا ڈسٹرب کر چکے ہیں زائشہ۔ آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ آپ انہیں صاف کر لیں اور رونا بند کریں ورنہ میرا طریقہ آپ کو گراں گزرے گا۔" وہ معنی خیزی سے گویا ہوا۔

"آپ۔۔۔! آپ! پیار سے بات نہیں کرتے سکتے۔ بیوی سے اس طرح کا سلوک کون کرتا ہے۔"

وہ ناراضگی بھرے لہجے میں نم آنکھیں لیے شکوہ زبان پر لائی تو اردشیر کا دل شدت سے اس کی طرف ہمکنے لگا۔اس کے کپکپاتے شنگرفی لب اور بھیگے عارض اور لرزتی پلکوں نے اردشیر کا سارہ ضبط ختم کر دیا۔

اس نے زائشہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو وہ ہلکی سی چیخ کے ساتھ اس کے اوپر گری۔اس کے سینے پر دونوں ہاتھ جما کر اس نے کوئی بھی گستاخی ہونے سے اپنے تئیں حفاظتی اقدام کیا تھا مگر اردشیر نے اس کی بکھری زلفوں کو ایک طرف کرتے اس کے بھیگے رخساروں کو نرمی سے چھوا تو اس کا دل سینے میں پھڑ پھڑا کر رہ گیا۔ ہتھیلیاں اے سی میں بھی پسینے سے تر ہو گئیں۔اردشیر نے بے ساختہ اس کی نم پلکوں کو چوما۔زائشہ کی ہمت جواب دے چکی تھی۔۔اس کے سینے پر دباؤ ڈال کر وہ اٹھنے لگی تو اردشیر نے اس کے گرد بازو حمائل کر کے اس کی ساری کوششیں ناکام بنا دیں۔

"کیا کر رہے ہیں آپ۔ چھوڑیں۔یہ ہمارا گھر نہیں ہے ہاسپٹل کا روم ہے۔"

سرخ عارضوں پر پلکیں گرائے وہ شرم و غصے کے ملے جلے تاثرات لیے بھیگے لہجے میں قدرے جھنجھلا کر بولی تو اردشیر ہنس دیا۔

"آپ کو شکوہ تھا ناں کہ بیوی کے ساتھ اس طرح کا سلوک کون کرتا ہے تو بس آپ کے شکوے دور کر رہا تھا۔"

وہ بے باک لہجے میں گرفت نرم کرتا ہوا بولا تو زائشہ تیزی پیچھے ہوئی۔

"شکوے دور کرنے کے لیے آپ کو ہاسپیٹل ہی ملا تھا۔"

اس سے نظر ملائے بغیر وہ خفگی سے گویا ہوئی تھی۔

"یہ تو صرف جھلک تھی۔ باقی آپ سے دو دو ہاتھ تو گھر جا کر کرنے ہیں۔ آپ جو مجھ سے اتنے دن سے چھپتی پھر رہی ہیں ناں اب یہ چھپن چھپائی کا کھیل بند کریں۔ صرف آپ کی وجہ سے جونیر زائشہ کو آنے میں اتنا وقت لگ رہا ہے۔"

بے باک سے لہجے میں کہہ کر وہ قدرے سنجیدگی سے سارا ملبہ زائشہ پر ڈال گیا تھا جبکہ وہ تو شرم وحیا سے کٹ کے رہ گئی تھی۔ پلکیں لرز سی گئیں تھیں۔ سرخ تمتماتے عارض پر حیا کے رنگ اس قدر خوشنما تھے کہ اردشیر بے ساختہ مسکراہٹ دبا گیا۔ زائشہ اس کی پر تپش نظروں اور بے باک جملوں سے بچنے کے لیے روم سے باہر چلی گئی تھی جبکہ اردشیر سکون سے آنکھیں موند گیا تھا۔

دو دن بعد وہ ڈسچارج ہو کر گھر آیا تو ملنے والوں کا تانتا سا بندھ گیا۔ روشنی اس کے اگلے دن ہی مصروفیات ختم ہوتے ہی ان دونوں کو جان بوجھ کر تنہائی میسر کر آئی تھیں کہ وہ چاہتی تھیں دونوں اپنے اس رشتے کو مضبوط کریں اور اسے آگے بڑھائیں۔

سحاب اور سفیر مزنی کو گھر لے آئے تھے۔ جس رات زروان ملک کی گرفتاری کی خبر ملی تھی۔ اسی دن آسیہ ملک اس خبر کی تاب نہ لاتے ہوئے حرکت قلب بند ہونے سے اس جہان فانی سے کوچ کر گئی تھیں۔ پہلے بھائی گرفتار ہوا جسے اس نے خود پکڑوایا تھا اور پھر اس کی ماں ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ کر چلی گئی۔ پے در پے ہونے والے حادثات واقعات اور انکشافات کا نتیجہ اس کے نروس بریک ڈاؤن کی صورت نکلا تھا۔ ادھر آسیہ بیگم کا جنازہ اٹھا تھا اور ادھر وہ لہرا کر فرش پر بکھرتی چلی گئی تھی۔ سفیر سحاب سمیت سب گھر والے وہاں موجود تھے۔ سمیع تھانے کے معاملات سنبھالنے میں اس قدر مصروف تھا کے جنازے میں شرکت نہ کر سکا۔ کچھ یہی حال ذوالقرنین کا بھی تھا۔

کل ہی وہ ہاسپیٹل سے آئی تھی۔ سحاب اسے گھر لانا چاہتی تھی مگر اس کی ایک ہی ضد تھی کہ اس کے اپنے گھر میں اس کی ماں کی یادی تھیں۔ وہ اس وقت جس ذہنی کرب سے گزر رہی تھی۔اس کا اکیلے رہنا ٹھیک نہیں تھا مگر صرف ایک رات کے لیے سحاب مان گئ تھی۔

گھر میں اس قدر وحشت و تنہائی تھی۔ ہر سو اس کی ماں کی ڈانٹ پھٹکار کی آوازیں اسے سنائی دیتیں۔اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔وہ مزید یہاں رکنے متحمل نہ تھی۔اس نے سحاب سے ملنے کا فیصلہ کیا اور دکھتے سر کو سنبھالتے آنسو پونچھ کر اٹھ کھڑی ہوئی

اردشیر اب پہلے سے بہتر تھا اور آفس کا بھی ایک آدھ چکر لگالیا کرتا تھا۔اس نے اپنے اور زائشہ کے لیے ہنی مون پلان کر رکھا تھا۔وہ خود بھی اب اپنی ازدواجی زندگی شروع کرنا چاہتا۔اپنی زندگی میں سکون آور لمحے اور خوبصورت سی فیملی بنانے کی چاہ نے سر اٹھایا تھا اب وہ تاخیر کا خواہاں نہیں تھا مگر اس کے ساتھ ہی وہ روشنی کے لیے بھی فکر مند تھا۔رمیز کی آخری خواہش وہ پوری کرنا چاہتا تھا مگر اس سلسلے میں سعدیہ بیگم کا تعاون درکار تھا اور

سب سی بڑی بات روشنی کی رضامندی اور انہیں صرف زائشہ قائل کر سکتی تھی اور زائشہ نے اردشیر کے کہنے پر ہی نہیں بلکہ روشنی کی خوشیوں اور حماس کے بہتر مستقبل کے لیے اس سے بات کرنے کی ٹھانی تھی۔

"زائشہ آپ شام میں تیار رہیے گا۔ سعدیہ آنٹی کی طرف چلنا ہے۔"

خود پر پرفیوم سپرے کرتے ہوئے وہ مصروف انداز میں اسے باخبر کر رہا تھا۔

"اور کوئی حکم؟"

وہ چلتی ہوئی اس کے نزدیک آئی اور پرفیوم کی شیشی اس سے لے کر ٹیبل پر رکھ کر اس کی ٹائی کی ناٹ درست کرتے ہوئے مسکراہٹ دبا گئی۔

"جونیئر زائشہ کو لانے کے لیے میرے ساتھ تعاون کریں۔"

اس کے گرد گرفت مضبوط کرتے وہ محبت بھرے لہجے میں بے شرمی سے ببانگ دہل اگلا حکم صادر کر گیا تو اس کی ایک ہی گردان پر زائشہ کی جھنپی جھینپی سی ہنسی چھوٹ گئی۔

"جب میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تھا تو لگا نہیں تھا آپ اتنے بے شرم ہو نگے۔"

زائشہ نے آنکھیں دکھائیں۔

"مگر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ آپ خاصی شرمیلی ہیں تو مجھے ہی بے شرم بننا پڑے گا ورنہ معاملات کافی خراب ہو جائیں گے۔"

وہ اس کے عارضوں کو ہولے سے چھو کر گھمبیر لہجے میں کہتا بیڈ پہ پڑے اپنے بریف کیس کی جانب بڑھا اور کار کی چابیاں موبائل سنبھال کر اسے بازو کے حصار میں لیے نیچے آ گیا۔

نوریز پورچ میں پچھلے آدھے گھنٹے سے اس کا منتظر تھا۔ ہارن پہ ہارن دینے کے بعد بھی موصوف اتنی دیر بعد آئے تھے۔

"اپنا خیال رکھیے گا اور وقت پر اچھا سا تیار ہو جایئے گا۔"

اس کی صبیح پیشانی پر پھول کھلاتے وہ پیچھے ہٹا اور الوداعی نظر اس پر ڈالتے گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

"اتنی جلدی آنے کی کیا ضرورت تھی۔ کچھ دیر اور لگا آتے بھائی۔"

نوریز چڑ کر گویا ہوا۔

"تیری شادی ہو جانے دے پھر پوچھوں گا۔"

طنز آمیز نظر اس پر اچھالتے وہ بیرونی دروازہ عبور کر گیا۔

"بریانی تیار ہے۔شامی کباب بھی تل چکی ہوں۔سلاد میں نے پہلے ہی بنا کر رکھ دی تھی۔رائتہ بھی ریڈی ہے۔بس اب روٹیاں بنانی رہ گئی ہیں۔"

وہ کچن سمیٹتے ہوئے خود سے ہمکلام تھیں۔

"اکیلے ہی سارا کام کر لیا۔مجھے بلا لیا ہوتا۔"

پارس نے آنکھیں دکھائیں۔

"تم مجھے اپنے گھر میں کسی کام کو ہاتھ لگانے دیتی ہو جو میں تمہیں کام کے لیے بلا لیتی۔"

روشنی بھی پھر روشنی تھیں۔مزے سے پارس کو جواب دیا تو ان کے اس انداز پر پارس ہنس دی۔

"ارے بھئی ایسے کیوں ہنس رہی ہو کوئی لطیفہ تھوڑی سنایا ہے۔"

وہ حیران ہوئیں۔

"آپ بہت بدل گئیں ہیں روشی آپا اور پتا ہے یہ بدلاؤ بہت اچھا اور بھلا سا معلوم ہو رہا ہے۔"

پارس بولی تو روشنی اس کے سر پر پیار بھری چپت لگا کر باہر لاونج میں آ گئیں۔

شام کے سائے ڈھل چکے تھے۔ زائشہ نے دوپہر بارہ بجے اسے کال کر کے شام تک آنے کی اطلاع دی تھی۔ اتفاق سے ظہر کے بعد ساجدہ بیگم بھی پارس کے ساتھ چلی آئی تھیں تو روشنی نے کھانے پکانے کا ٹھیک ٹھاک انتظام کر لیا تھا پھر وہ جو عصر کے بعد جانے کا سوچ کر بیٹھی تھیں روشنی کے اتنے پیار سے روکنے اور زائشہ کی آمد کا سن کر رک گئیں۔ سعدیہ بیگم نے تو اعجاز صاحب کو بھی شام میں ڈنر پر انوائٹ کر لیا تھا۔

"سحاب کو بھی لے آتیں خالہ جانی۔ اس کی کمی بہت محسوس ہو رہی ہے۔ کتنا عجیب لگے گا سب ہوں گے بس سحاب نہیں ہو گی۔"

روشنی نے کہا۔

"اس کی دوست ہے ناں وہ کیا بھلا سا نام ہے اس بھلی سی لڑکی کا۔"

وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"زینب نام ہے۔ پیار سے اسے مزنی کہتے ہیں۔"

روشنی نے ان کی مشکل آسان کر دی کہ وہ مزنی کو اچھی طرح جانتی تھیں۔ایک وہی تو واحد دوست تھی سحاب کی جو اس کے دل کے قریب تھی۔وہ اسے جانتی تھیں۔یونیورسٹی پڑھتے وقت اکثر کمبائن سٹڈی وغیرہ کے لیے وہ گھر آجایا کرتی تھی تو یوں روشنی کی ملاقات بھی ہو جاتی تھی۔

"ہاں وہی !مزنی کو کل ہاسپٹل سے لائے تھے مگر بچی کو اپنے گھر کی یاد آرہی تھی تو وہ ایک رات وہاں رک گئی مگر آج صبح وہ گھر آگئی تھی۔اب اچھا نہیں لگتا کوئی گھر پر آئے اور اسے چھوڑ کر سحاب ادھر آجائے۔"

انہوں نے رسان سے کہا تو روشنی نے سمجھتے سر ہلایا۔

"خالہ جانی سمیع بھائی کو فون کر دیں کہ وہ شام میں سحاب کو لیتے ہوئے آجائیں کیونکہ سفیر بھائی تو آج لیٹ نائٹ آئیں گے۔"

پارس کو اچانک صبح جاتے وقت سفیر کی کہی بات یاد آئی تو وہ سعدیہ بیگم سے مخاطب ہوئی۔

"ہاں میری جان کیوں نہیں۔روشنی زرا بھائی کو فون کر کے کہو کہ آتے ہوئے سحاب کو بھی ساتھ لے آئے۔بھلا وہ بچی اکیلی گھر میں کیا کرے گی۔"

انہوں نے روشنی سے کہا تو روشنی نے سمیع کو کال ملائی مگر شاید وہ کہیں مصروف تھا تو وہ میسج چھوڑ کر مطمئن ہو گئ۔

"مجھے تو یہ سمجھ نہیں آرہا کہ وہ بچی اب کہاں رہے گی۔اکیلے تو میں اسے رہنے نہیں دوں گی۔زمانہ بڑا خراب ہے سعدی۔کسی کا کیا بھروسہ۔کل کو کوئی اونچ نیچ ہو جائے۔پھر۔" ساجدہ بیگم نے مغموم و متفکر لہجے میں کہا۔

"آپا میں تو اسے اپنے سمیع کے لیے پسند کر چکی ہوں۔بس سوچ رہی ہوں کچھ وقت گزر جائے تو بچی سے بات کروں۔یوں اچھا نہیں لگتا۔ابھی اس کی ماں کے دنیا سے گ ئے وقت ہی کتنا ہوا ہے۔ارادہ تو اس کی ماں سے بات کرنے کا تھا مگر شاید وقت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔"

وہ رنجور سے لہجے میں بولنے لگیں۔

"سعدی برا نہ مانو تو سادگی سے مزنی اور سمیع کا نکاح کر دو تا کہ بچی غیر تحفظات کا شکار نہ ہو۔ وہ تو آج کل احساس کمتری کا شکار رہنے لگی ہے۔ کسی رشتے میں بندھے گی تو اعتماد بحال ہو گا اور وہ زندگی کی طرف لوٹ آئے گی۔"

ساجدہ بیگم نے سنجیدگی سے مزنی کے متعلق بات چھیڑی۔

"یہ سرار حماقت ہے مزنی اور کم از کم میں تمھیں یہ حماقت نہیں کرنے دوں گی۔"

سحاب سنجیدگی نے سے اسے ٹوکا۔

"یہ حماقت نہیں حقیقت ہے۔ میں ایک کرمنل کی بہن ہوں۔ مجھ جیسی لڑکی سے آخر وہ کیوں شادی کرنا چاہے گا۔ میں بس اس کے لیے ایک مہرہ تھی۔ جسے اس نے استعمال کر کے ایک ملزم کو اریسٹ کر لیا اور اس سے زیادہ میری کوئی اہمیت نہیں ہے سحاب۔"

وہ شدید احساس کمتری کا شکار تھی۔ سحاب تو اس کے رویے لہجے اور لفظوں پر بھونچکا رہ گئی۔ کہاں پر اعتماد سی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے والی مزنی کسی کو خاطر میں

نہیں لاتی تھی۔ وہ آج اپنا اعتماد کھو بیٹھی تھی۔نہ صرف اعتماد شاید سب کچھ گنواں بیٹھی تھی۔

وہ پچھلے دو گھنٹے سے اس کے ساتھ مغزماری کر رہی تھی۔ سمیع سے ڈھکے چھپے لفظوں میں مزنی کے لیے پسندیدگی کا اظہار وہ سن چکی تھی۔ پھر سعدیہ بیگم کا نکاح والے دن اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنا اسے بغیر کچھ کہے بھی بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔ وہ تو اس کے لیے بہت خوش تھی اور شاید مزنی بھی اس رات خوش تھی اگر وہ حادثہ نہ ہوا ہوتا۔

"سمیع بھائی تمہاری حقیقت سے بے خبر تھے مزنی۔ تم ان پر اتنا بڑا الزام کیسے لگا سکتی ہو۔ انہوں نے صرف زائشہ آپا کو بچانے کے لیے تم سے ایک فیور مانگی تھی۔"

"فیور نہیں مانگی تھی بلکہ میری مرضی پوچھے بغیر مجھے میرے گھر سے گھسیٹ کر لے گ ئے تھے تمہارے سمیع بھائی۔"

اس کی بات کاٹ کر وہ زخمی لہجے میں بولی۔

"تو تمہارا کہنا ہے کہ اس وقت وہ بیٹھ کر تمہارے ساتھ مذاکرات کرتے۔ حد ہے مزنی۔ اس وقت جو سمیع بھائی نے کیا۔ وہ حالات کا تقاضہ تھا۔"

سحاب نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تمہیں کس بات پر اعتراض ہے۔ تمہیں بتائے بغیر تم سے فیور لینے پر یا پھر تمہارے اس شخص کی بہن ہونے پر۔"

سحاب نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"پتا نہیں سحاب۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے کہ میں کیا چاہتی ہوں کیا نہیں چاہتی۔ زندگی ایک ایسے موڑ پر لے آئی ہے جس کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔"

تھکن زندہ لہجے میں کہتے وہ سر جھکا کر اپنے آنسو چھپانے لگی تھی۔

"تصور تو میں نے بھی نہیں کیا تھا کہ آپ میرے بارے میں ایسی رائے قائم کریں گی۔"

سمیع کی سنجیدہ آواز پر مزنی نے چونک کر سر اٹھایا۔

"السلام علیکم سمیع بھائی۔"

سحاب نے خوشگوار لہجے میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو؟"

اس کی نظریں مزنی پر تھیں۔

"بالکل ٹھیک ہوں اور آپ کے سامنے ہوں۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ کو فرصت مل گئی۔ بندہ تھوڑا سا وقت ہی نکال لیتا ہے۔ کبھی کبھی مصروفیات بہت سی غلط فہمیوں کو جنم دے دیتی ہے۔"

سحاب نے ایک نظر مزنی کو دیکھ کر سمیع سے سنجیدہ لہجے میں کہا تو وہ ہنس دیا۔

"کوئی اگر پکارتا تو ضرور وقت نکال لیتا پھر چاہے میں کتنا ہی مصروف ہوتا۔"

وہ دلکش لہجے میں گویا ہوا۔

مزنی نے پلکیں جھپک کر آنسو اندر اتارے۔ یہ شخص جو اپنی مصروفیت کا رونا رو رہا تھا۔ جس وقت اسے اس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی وہ تب بھی تو اسے پکار رہی تھی مگر وہ تب نہیں آیا اور اب کیسے مکاری سے کہہ رہا تھا کہ کوئی پکارتا تو مصروفیات ترک کر کے آجاتا۔ اس دوغلے پنے پر اس کا اندر باہر ایک ان دیکھی آگ میں جلنے لگا۔ وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی قبل اس سے کہ وہ ضبط کھو بیٹھتی۔ وہ تیزی سے کرسی گھسیٹ کر

کھڑی ہوئی تو سمیع چونکا اور اس کا ارادہ بھانپ کر سرعت سے اس کی مومی کلائی اپنی گرفت میں لی۔

"اچھی سی چائے بناؤ سحاب۔تب تک میں تمہاری دوست کا دماغ ذرا درست کر دوں۔"

سحاب نے لب دبائے اور وہاں سے اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئ۔

اب وہاں وہ دونوں تنہا تھے۔

"شکوے جن سے ہوتے ہیں انہیں سے کیے جاتے ہیں اور بندہ انہیں سے شکوہ کرتا اچھا لگتا ہے۔بخدا میں نہیں جانتا تھا کہ آپ زروان ملک کی بہن ہیں کیونکہ میرا ٹارگٹ آپ نہیں ابشام کرمانی تھا۔آپ سے بعد میں بات چیت کرنے کا سوچ کر میرا فوکس اپنے مشن پر رہا مگر اس کے بعد مجھے امی کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے اسلام آباد واپس جانا پڑا تو آپ کا اور میرا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔یہاں شفٹ ہونے کے بعد اور پارس کے نکاح والی رات تک مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ آپ زروان ملک کی بہن ہیں۔مجھے تو ذوالقرنین نے فون کر کے اطلاع دی تھی۔کچھ وقت کے لیے مجھے بے یقینی ہوئی تھی مگر وہ وقت ان سب سوچوں کے لیے نہیں تھا۔میری بہن کی عزت اور جان داؤ پر لگی ہوئی

تھی۔ مجھے لگا تھا کہ ہمارے درمیان محبت نہ صحیح اعتبار کا رشتہ تو ہے مگر آپ کی بے اعتباری اور قیاس آرائیوں نے میرا یہ بھرم بھی توڑ دیا۔"

وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے رکا۔ مزنی سر جھکائے سن رہی تھی۔

"ویل میں آپ کے احساسات سمجھ سکتا ہوں۔ آپ پر بیتنے والی قیامت کا اندازہ ہے مجھے۔ آپ کی امی کے جانے کا بے حد افسوس ہے۔

میں کیس میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ تسلی کے دو بول بولنے کے لیے بھی وقت نہیں نکال سکا۔ کل رات ہی پنڈی سے میری واپسی ہوئی ہے تو آج صبح آپ کے سامنے ہوں۔"

مزنی کے آنسو رخساروں پر بہہ گ ئے۔

"یہ میرا جواب شکوہ تھا۔"

کچھ دیر کے توقف کے بعد وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"میں اپنے گھر میں اکیلی نہیں رہ سکتی۔ آپ مجھے اید ھی ہوم بھجوادیں۔ میں یتیم ہوں۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میں اپنی باقی کی زندگی وہیں گزار لوں گی۔ مجھے کسی پر بوجھ نہیں بننا۔ نہ ہی مجھے کسی کی ہمدردی میں لپٹی محبت چاہیے۔"

وہ ایک ہی سانس میں بول کر چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

سحاب نے چائے کی ٹرے میز پر رکھی اور حیرت سے سمیع کو دیکھا جو کچھ دیر تک تو اس کا یہ شغل برداشت کرتا رہا پھر ایک جھٹکے سے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا۔ مزنی کے ان لفظوں نے اس کا دماغ گھما دیا تھا۔ وہ حد سے زیادہ بیوقوف تھی۔ اس کی اس حرکت پہ مزنی نے اپنی کلائی اس کی گرفت سے چھڑوانے کی سعی کی مگر وہ گرفت مزید مضبوط کر گیا۔

"اپنی چادر لے آؤ سحاب۔ ہم گھر جا رہے ہیں۔"

وہ سرد لہجے میں بولا۔

"میرا ہاتھ چھوڑیں۔ مجھے کہیں نہیں جانا۔"

وہ نم لہجے میں چیخی۔

"مگر مزنی۔۔۔۔؟"

سحاب کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"یہ احمق ترین خاتون بھی ہمارے ساتھ جائیں گی۔"

سمیع نے مطلع کیا۔

"میں نے کہاناں مجھے کہیں نہیں جانا۔لیو مائے ہینڈ۔"

مزنی چیخ کر گویا ہوئی تو اس کی سب مزاحمتیں نظرانداز کرتا وہ غصہ ضبط کیے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بول کر مزنی کو گھسیٹتا ہوا گاڑی تک لے گیا تو سحاب بھی سٹپٹا کر کمرے سے چادر لے کر گاڑی میں آ گئی۔

ہلکے سبز رنگ کے ہلکے پھلکے کام والا لباس پہنے اور اس کی ہم رنگ آویزے کانوں میں ڈالے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔اس نے برش اٹھا کر اپنے لمبے ریشم جیسے بالوں میں پھیرا جن کو اس نے کچھ دیر قبل ہی سٹریٹ کیا تھا۔ہلکے سے نیچرل میک اپ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ٹی پنک کلر کی لپ اسٹک ہونٹوں پر سجائے وہ برش رکھ کر پلٹی۔ارادہ بیڈ سے دوپٹہ اٹھا کر سینڈلز پہننے کا تھا مگر کمرے کے دروازہ میں ایستادہ اردشیر پر اچانک نظر پڑی تو مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"آپ کب آئے؟"

زائشہ نے استفسار کیا۔

"جب کوئی میرے لیے سج رہا تھا۔"

اس کے نزدیک آ کر اس کے چہرے پر جھولتی واحد لٹ کو کان کے پیچھے اڑستے وہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے جواب دے گیا۔

"آپ تیار ہو جائیں میں آپ کے کپڑے نکال دیتی ہوں۔"

اس کی لو دیتی نظروں سے گریز پا ہو کر وہ ایک طرف سے نکلنے لگی تو ارد شیر نے اس کے کندھوں پر دباؤ ڈال کر گویا اس کے قدم زنجیر کر دیے۔

"یہ اتنا اہتمام کس کے لیے ہے زائشہ۔ کس کے لیے اتنا سجی سنوری ہیں؟"

گھمبیر پر تپش لہجے میں سراپہ سوال بنا وہ اس کی جان مشکل میں ڈال گیا۔

"آ۔۔۔آپ۔۔۔آپ کے لیے۔"

نظریں جھکائے وہ مدھم لہجے میں اقرار کے لمحے عبور کر گئی تھی۔ دل کی دھڑکنیں بے ساختہ سر پکڑنے لگی تھیں۔

"جب کوئی آپ کے لیے اتنا اہتمام کرتا ہے تو اسے سراہا جاتا ہے ناں اور بے شک سراہے جانا آپ کا حق ہے۔"

گہری نظریں اس کے سراپے پر ڈال کر وہ درمیانی فاصلہ عبور کرتا اس کے نزدیک ہوتا زائشہ کے چاند چہرے پر جھکا تو وہ بے اختیار اس کی گرفت سے نکل کر بیڈ کی طرف لپکی۔

"یہ فرار آپ کو مہنگا پڑ سکتا ہے۔"

گہرے و معنی خیزی سے متبسم لہجے میں کہہ کر اس نے قدم زائشہ کی طرف بڑھائے تو وہ بے ساختہ قدم پیچھے لینے لگی۔ اردشیر اس کے نزدیک ہوا۔ پیچھے جگہ نہ ہونے کے باعث وہ بیڈ پر گری تھی۔ اردشیر اس کے دائیں بائیں اپنا حصار قائم کرتا اس پر چھا سا گیا۔

"شیر ہم لیٹ ہو جائیں گے۔ میں نے روشنی کو ٹائم دیا ہوا ہے۔ کیا سوچیں گی خالہ جانی۔"

وہ اس کے ارادے بھانپ کر اسے باز رکھنے کے لیے تیزی سے بولی۔ لہجے میں کسی حد تک بیچارگی و بے بسی کی رمق بھی واضح تھی۔

"ہوتے ہیں تو ہو جائیں۔ یہ سب آپ کو اتنا اہتمام کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ آپ نے تو بندے کو بہکانے کے سارے انتظام کیے ہوئے ہیں۔ اب تو بس بہک جانے کو جی چاہتا ہے۔"

اس کی نیک بون پر لب رکھتے وہ مخمور لہجے میں گویا ہوا تو زائشہ کی جان مشکل میں آ گئی۔

"مگر شیر۔۔۔۔۔۔"!

"شششش"!

اردشیر نے اس کے لبوں پر انگوٹھا پھیرتے اس کے سارے لفظ چرا لیے۔اس کی سانسوں پر تسلط جما کر وہ اسے بے بس کرتا اس کے ہاتھوں کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں پھنسائے اس کی مزاحمت کو ترک کرتا جا بجا اس کے چہرے کو مہکا گیا۔زائشہ قندھاری انار کی طرح سرخ پڑ گئی۔سرخ تمتماتے عارضوں پر پلکیں سایہ فگن ہو گئیں۔بھیگے سے کپکپاتے ہونٹوں کو دیکھ کر اردشیر کا دل ایک بار پھر ان کی سرخی چرانے کو مچلا تو زائشہ نے اس کے سینے پر اپنے نازک ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر اسے پرے دھکیلنے کی کوشش کی۔

"شیر پلیز۔میری تیاری خراب مت کریں۔میں بہت محنت سے اتنا وقت لگا کر تیار ہوئی ہوں۔"

وہ بیچارگی سے گویا ہوئی تو اردشیر لمحوں میں سنجیدہ ہوا اور پیچھے ہٹ گیا۔زائشہ گہرے سانس لیتی ہوئی اٹھی اور الماری سے اس کے کپڑے نکال کر اسے تھمائے۔وہ خاموشی سے کپڑے لے کر واشروم میں گھس گیا۔زائشہ نے دوپٹہ کندھے پر لیا اور سینڈل کے

سٹریپ باندھے۔ اردشیر تولیہ سے بال رگڑتا ہوا باہر نکلا اور ڈریسنگ میز کے سامنے جا کھڑا ہو گیا۔ زائشہ اسے تیار ہوتا دیکھتی رہی۔ اس کی خاموشی زائشہ کو بے چین کر چکی تھی۔ بے شک نہیں یقینی طور پر وہ ناراض ہو چکا تھا۔

"آپ ناراض ہیں؟"

زائشہ اس کے پاس چلی آئی۔

"آپ کو فرق نہیں پڑنا چاہیے۔"

وہ سنجیدگی سے گویا ہوا تو زائشہ روہانسی ہو گئی۔

"کیوں نہیں پڑنا چاہیے۔ آپ کی ناراضگی تو میری جان پر بن آئی ہے۔ آپ ایک لمحے کے لیے بھی مجھ سے ناراض ہوتے ہیں تو دنیا اندھیر لگنے لگتی ہے۔ مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

وہ اردشیر کی آستین مٹھی میں دبوچ کر بچوں کی سی معصومیت لیے بولی۔

"ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔ روشنی بھابھی ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

وہ گھڑی پر نگاہ کرتا اسے باور کروا کر دروازے کی طرف بڑھا تو زائشہ نے اپنے آویزے کانوں سے نکال کر زور سے میز کی طرف اچھال دیے۔ جن کی آواز پر اردشیر مڑا۔ اب وہ

چوڑیاں اتار کر پھینک رہی تھی۔ اردشیر چونکا اور تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اس کا ہاتھ تھام کر چوڑیاں واپس پہنائیں۔ پھر اس کے آویزے اسے واپس پہنائے۔

"کیا کر رہیں آپ؟ ہم آلریڈی لیٹ ہو چکے ہیں زائشہ۔ بچوں جیسی حرکتیں مت کریں۔"

وہ لہجے میں نرمی سموئے ٹوک گیا۔

"لیٹ تو تب ہوں گی جب جاؤں گی۔"

وہ سوں سوں کرتی ہوئی بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

"اور آپ کیوں نہیں جائیں گی؟"

وہ گہری نظروں سے اس کی بھیگی نم پلکوں پر نظر کرتے مستفسر ہوا۔

"آپ جانتے ہیں۔"

زائشہ نے سارا ملبہ اس پر ڈال دیا۔

"گویا مجھے ناراض ہونے کا بھی حق نہیں۔"

اس کی نیک بون پر لب رکھتے وہ شکایتی لہجے میں مستفسر ہوا تو زائشہ اس کے لمس پر سمٹتی اس کے چوڑے سینے پر سر رکھے اس کے گرد بازو حمائل کر گئی۔

"جب ہمسفر ناراض ہو تو سفر اچھا لگتا ہے نہ منزل پر پہنچنے کی چاہ باقی رہتی ہے۔"

زائشہ نے اس کا قمیض پیچھے سے دونوں مٹھیوں میں بھینچ لی۔

اردشیر نے اس کے بالوں پر لب رکھے۔

"میں تو بس مذاق کر رہا تھا اور آپ سیریس ہو گئیں۔"

اس نے مسکراہٹ دبائی جبکہ زائشہ کا منہ کھل گیا۔

"شرم نہیں آتی آپ کو اس طرح کا مذاق کرتے ہوئے۔بیوی کو یوں ناراض کون کرتا ہے۔"

وہ خفگی سے کہہ کر اس کے بازو میں بازو ڈالے نیچے پورچ میں کھڑی گاڑی تک آئی تھی۔اردشیر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔زائشہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکی تھی اور اب سیٹ بیلٹ لگا رہی تھی۔

"ڈونٹ وری میں اپنی بیوی کو اپنے طریقے سے منالوں گا۔بس بیوی نے ہمت و حوصلے سے کام لینا ہے۔بی پی لو نہیں کروالینا کیونکہ اس بار میں جان خلاصی نہیں ہو گی۔" ہنس کر کہتے ہوئے اس نے گاڑی مین روڈ پر ڈالی۔زائشہ سرخ پڑتی جھینپ سی گئ۔

"کتنی دیر کر دی تم لوگوں نے آنے میں۔روشنی اور پارس کب سے انتظار کر رہی ہیں۔" سعدیہ بیگم نے زائشہ کے ماتھے پر پیار کیا اور محبت بھرا شکوہ کرتیں ایک نظر روشنی اور پارس پر ڈالی جواب زائشہ کی طرف ملنے کی غرض سے بڑھی تھیں۔اردشیر سعدیہ بیگم اور ساجدہ بیگم سے سر پر پیار لے کر صوفے پر سکون سے بیٹھ چکا تھا۔اس کی نظریں بھٹک بھٹک کر سبز کپڑوں میں ملبوس مہکتی مسکراتی سی زائشہ پر سٹھر رہی تھیں۔

"سچ بتاؤ اردشیر نے دیر کروائی ہے ناں۔"

روشنی کی سرگوشی پر وہ سرخ پڑ گئ پھر نفی میں سر ہلایا۔

"بس وہ آفس سے زرا لیٹ آئے تھے۔"

اس نے عذر تراشہ۔

"تمہاری لپ اسٹک پھیلی ہوئی ہے۔"

روشنی نے مسکراہٹ دبائی تو زائشہ کے حیا سے پلکیں لرزا گئی۔ وہ پریشان سی رخ موڑ کر اپنے لبوں کو چھو گئی۔

"ایسے کیسے پھیلی رہ گئی۔ میں نے خود ٹھیک کی تھی۔"

اس کا شرمایا گھبرایا قدرے پریشان سا چہرہ سارے راز افشاں کر گیا تھا۔ روشنی کے ہنسنے پر وہ اس کی شرارت سمجھ گئی۔ تیکھی نگاہ سے دونوں کو دیکھتے وہ ساجدہ بیگم کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"روشنی سمیع کو فون لگاؤ۔ پوچھو زرا کہاں رہ گیا یہ لڑکا۔"

سعدیہ بیگم نے کہا تو روشنی فون میں نمبر ڈائل کرنے لگیں۔ اتنے میں باہر سے سمیع کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا اور اگلے دو منٹ بعد اس کا چہرہ داخلی دروازے کے فریم میں ابھرا۔ اس کے ساتھ سحاب تھی جو سلام کی غرض سے اندر آ گئی تھی جبکہ مزنی بھی ساتھ تھی جس کا ہاتھ سمیع کی مضبوط گرفت میں تھا۔ وہ بگڑے تاثرات لیے اندر آیا تھا اور لاؤنج میں سب کی موجودگی کو محسوس کرتے ہی وہ مزنی کا ہاتھ چھوڑ چکا تھا۔ سعدیہ بیگم تو اس کو

دیکھ کر اس قدر خوش ہوئی تھیں کہ جھٹ اسے تھام کر اپنے پاس بٹھالیا۔ اس کا ماتھا چوم کر حال احوال پوچھنے لگیں تو ان کے التفات پر وہ گھبرا اٹھی جبکہ سمیع مسکراہٹ ضبط کر کے اردشیر کی طرف بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ سمیع کے نگاہوں کی لپک محسوس کرتی وہاں سے اٹھ کر ڈائننگ روم کی طرف چلی گئی۔ سفیر بھی کچھ دیر بعد اعجاز صاحب کے ہمراہ آچکا تھا۔ خاصی رونق لگ گئی تھی۔

کھانا لگ چکا تھا۔ پر سکون ماحول میں کھانا تناول فرمایا گیا۔ اس کے بعد چائے اور قہوے کا دور چلا۔ جسے چائے پینی تھی اس کے لیے چائے اور اعجاز صاحب کے لیے قہوہ بنا کر روشنی زائشہ سحاب اور مزنی باہر لان میں چلی آئیں۔ پورا لان چاندنی میں ڈوبا ہوا تھا۔ روشنی چونکہ تھک چکی تھیں۔ اسی لیے کین کی کرسیوں پر ڈھیر ہو گئیں۔ زائشہ بھی اس کے ساتھ ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی جبکہ سحاب اپنے فگر کو لے کر خاصی کانشس تھی اور آج کا ڈنر بھی کافی ہیوی تھا تو اس نے واک کرنے کو ترجیح دی تھی۔ مزنی بھی اس کے ساتھ ہی ٹہل رہی تھی۔

"تم آج یہیں رک جاؤ ناں۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

روشنی نے زائشہ سے کہا۔

"باتیں تو مجھے بھی تم سے بہت ساری کرنی ہیں۔"

وہ مبہم سے لہجے میں مسکرا کر بولی۔

"پتا ہے روشنی سب کچھ سورٹ آؤٹ ہو گیا ہے۔ بچھڑے ہوئے مل گ ئے۔ دشمن کیفر کردار تک پہنچ گیا۔ ساری سچائیاں سامنے آ گئیں۔ میں نے اور اردشیر نے سوچا ہے کہ ہم اپنی ازدواجی زندگی ن ئے سرے سے شروع کریں گے مگر اس سے پہلے میں اور اردشیر تمہیں ہنستا بستا دیکھنا چاہتے ہیں۔ خالہ تمہارے لیے فکرمند رہتی ہیں۔ حماس کو ایک عدد بابا کی ضرورت ہے۔ وہ بہت چھوٹا ہے روشنی۔ اسے باپ کے پیار سے مت ترساؤ۔ زندگی آگے بڑھنے کا نام ہے نہ کہ کسی ایک کے نام پر جوگ لے لینے کا اور پھر ہم خود غرض نہیں ہو سکتے کہ ہمارے ساتھ بہت سے لوگوں کا سکون جڑا ہوا ہے۔ تمہیں تمہارے گھر کا کر دینے کے بعد جہاں خالہ مطمئن ہو جائیں گی وہیں سمیع بھائی بھی اپنی زندگی میں خوش رہ پائیں گے۔ یقین کرو روشنی کوئی بھائی اپنی بہن کو بیوگی کی چادر اوڑھے نہیں دیکھ سکتا۔ اتنی

سنگدل مت بنو۔ خالہ کو ہاں کہہ دو۔ ننھے حماس کو بابا مل جائیں گے اور تمہیں دکھ سکھ کا ساتھی اور پھر رمیز بھائی کی بھی تو یہی خواہش تھی ناں۔"

زائشہ نے لجاجت سے اس کے ہاتھ تھام کر اسے سمجھانا چاہا۔

"یہ سب اتنا آسان نہیں ہے زائشہ۔ جانے والا تو مجھے اس سے منسوب کر گیا یہ سوچے سمجھے بغیر کہ یہ خاردار سفر بہت کٹھن ہے۔ میں اسے اپنا آپ کیسے سونپ دوں زائشہ۔"

رندھی ہوئی آواز میں اپنی ہتھیلیوں پر نظریں جمائے روشنی رنجور سی ہو گئی تھی۔

"کس کی بات کر رہی ہو روشنی۔"

زائشہ نے الجھ کر استفسار کیا۔

"زوالقرنین کی۔ جسے حماس بابا کہتا ہے۔ رمیز کی خواہش تھی۔ بستر مرگ پر انہوں نے زوالقرنین سے میری اور حماس کی ذمہ داری اٹھانے کا وعدہ لیا تھا۔"

اور پھر وہ اسے سب بتاتی چلی گئی۔ زائشہ خاموشی سے سنتی رہی پھر مسکرا دی۔

"حماس کے رزلٹ والے دن وہ حماس کی خواہش پر ہمیں آؤٹنگ پر لے گئے تھے۔ پتا ہے زائشہ۔ انہوں نے مجھے پرپوز بھی کیا تھا مگر میں نے۔۔"!

"کہیں تم نے انکار تو نہیں کر دیا۔"

زائشہ نے اس کی بات درمیان سے کاٹ کر تیزی سے پوچھا تو روشنی نے نفی میں گردن ہلائی۔

"شکر ہے۔ تم نے کوئی بیوقوفی نہیں کی۔ اتنے اچھے لوگ مشکل سے ملتے ہیں۔ زوالقرنین بھائی بہت اچھے ہیں۔ پڑھے لکھے باشعور و بااخلاق انسان ہے۔ ویلڈ سیٹل ہوم اینڈ جاب ہیں اور کیا چاہیے۔ پلس پوائنٹ یہ ہے کہ وہ تم سے آج بھی اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی یونیورسٹی کے دور میں کرتے تھے۔ ان کے جذبات اور احساسات تمہارے اور حماس کے لیے بہت خالص ہیں۔"

زائشہ نے چمکتی آنکھوں سے روشنے کے چہرے کو دیکھا جہاں کوئی ملال کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ اطمینان ہی اطمینان تھا۔ وہ جس کام سے یہاں آئی تھی وہ پورا ہو گیا تھا۔ روشنی کی رضامندی ملتے ہی اس نے سعدیہ خالہ کو عندیہ دیا تو وہ خوشی سے نہال ہو گئیں۔

اس وقت وہاں سب موجود تھے۔ انہوں نے روشنی کی طرف سے طمانیت کا احساس ملتے ہی سمیع اور مزنی کا رشتہ پکا کر کے باقائیدہ اسے انگوٹھی بھی پہنادی تھی۔

"آپا بس آج سے مزنی میری ہوئی۔ میرا تو بس نہیں چلتا کہ اپنے گھر کی ویرانیاں دور کرنے کے لیے آج ہی اپنے سمیع کا نکاح کر دوں۔"

وہ بے انتہا خوش تھیں۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے سعدی۔ مزنی میری بیٹی ہے اور بیٹیوں کے لیے تو ماؤں کے کتنے ارمان ہوتے ہیں۔ میری بیٹی بھی پورے رسم و رواج اور سارے ارمان پورے کر کے تمہارے گھر کی دہلیز پار کرے گی۔"

ساجدہ بیگم نے سرخ پڑتی مزنی کو خود سے لگا کر محبت سے کہا۔ وہ لوگ اس وقت ڈرائنگ روم میں تھے جہاں سمیع کے علاوہ باقی سب موجود تھے۔ اپنی اس بے قدری پر وہ بلبلا ہی اٹھا تھا۔

"آپا میں اور اجو بھائی کل زوالقرنین کی طرف جائیں گے۔ خیر کی دعا کیجیے گا۔"

اپنی ذات کو موضوع گفتگو بنتے دیکھ کر وہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئیں۔ اس کے اس عمل کو شرم و حیا سے تعبیر کیا گیا تھا مگر زائشہ جانتی تھی وہ کس دور سے گزر رہی ہے۔ اس وقت

اس کے لیے تنہائی بہتر تھی تا کہ وہ اپنے لیے بہتر سوچ سکے کہ جو فیصلہ اس نے کیا ہے وہ ہر گز بھی غلط نہیں ہے۔

زوالقرنین زروان ملک والے کیس میں اتنی بری طرح الجھا ہوا تھا کہ اسے سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں تھی۔اس وقت وہ کسی کیس کی فائل سٹڈی کر رہا تھا۔موبائل کی میسج ٹون پر وہ متوجہ ہوا۔ سکرین پر روشنی کا نمبر دیکھ کر وہ چونکا۔اس رات کے بعد دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔وہ روشنی کے جواب کا شدت سے منتظر تھا مگر دوسری جانب ہنوز خاموشی چھائی ہوئی تھی۔گہری سانس لے کر اس نے میسج کھولا۔

کوئی شام مجھ میں قیام کر

میرا رنگ روپ سنوار دے

جو گزر گئی سو گزر گئی

میری باقی عمر سنوار دے

کئی ثانیے تک وہ اس میسج کو تکتا رہا اور ان اشعار سے مطلب اخذ کرتا رہا۔ ایک بار دو کئی بار اس نے یہ سطریں پڑھیں۔ اس کی بے یقینی تھی کہ ختم نہیں ہوتی تھی۔ اتنے دن سے اس کی طرف جو خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ تو جیسے بھول ہی بیٹھا تھا کہ اس نے روشنی سے کچھ پوچھا بھی ہے مگر آج کے اس کے جواب میں کیے گئے انوکھے اقرار نے اسے سرتاپا سرشار کر دیا تھا۔ وہ بے انتہا خوش تھا۔ لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔ وہ سارے کام پس پشت ڈال کر گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔ کچھ دیر وہ تنہائی میں روشنی سے ہمکلام ہونا چاہتا تھا۔ یہ اقرار اس کے لبوں سے سننے کا متمنی تھا۔ گھر پہنچ کر پورچ میں کھڑی سمیع کی گاڑی دیکھ کر وہ چونکا پھر اندر بڑھ گیا۔ ملازمہ نے اسے بتایا کہ مہمانوں کو ہال کمرے میں بٹھایا ہے تو وہ فریش ہو کر ہال کمرے کی میں آگیا۔

"السلام علیکم۔"

سمیع سے بغل گیر ہو کر اس نے سب کو سلام کیا۔

"خیریت آج میرے غریب خانے کا راستہ کیسے بھول گئیں سعدی آنٹی۔"

گو کہ کچھ کچھ اندازہ اسے ہو گیا تھا۔ روشنی کا اقرار بھرا میسج اور اب یہاں ان سب کی موجودگی واضح کر رہی تھی کہ وہ پرپوزل کے متعلق بات چیت کرنے ہی آئیں ہیں۔

"ہم یہاں تمہاری اور روشنی کی شادی کے متعلق بات کرنے آئیں ہیں۔ گو کہ تمہارے پرپوزل کا علم تو پچھلے دو سالوں سے ہے مگر جب خدا کو منظور ہو۔ روشنی رضامند ہے۔ اب ہمیں جاننا ہے کہ کیا تم راضی ہو اس رشتے پر۔ پوچھ اس لیے رہی ہوں کہ روشنی کے بار بار انکار نے کہیں تمہارا ارادہ بدل نہ دیا ہوا۔"

انہیں معلوم تھا مگر پھر بھی پوچھنا مقصود تھا۔

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میری طرف سے کل بھی ہاں تھی اور آج بھی ہاں ہے۔"

ذوالقرنین نے دونوں ہاتھوں کو باہم ملا کر سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا بیٹا۔ شادی بیاہ کے معاملات آسان نہیں ہوتے۔ کیا روشنی سے شادی صرف ایک وعدے کا پاس ہے یا پھر کوئی دلی وابستگی بھی ہے۔ کیونکہ سمجھوتے کے تحت زندگی گزارنا بہت کٹھن ہوتا ہے۔"

اعجاز صاحب نے ماضی کے تجربوں کو پرکھتے اسے آگاہ کیا تو ذوالقرنین مسکرادیا۔

"ڈونٹ وری انکل! روشنی سے شادی میں پوری دلی رضامندی سے کر رہا ہوں۔"

وہ مسکرایا تو سعدیہ بیگم ہلکی پھلکی ہو گئیں۔ ذوالقرنین سے مناسب تاریخ لے کر وہ مطمئن ہو گئیں تھیں۔ جن تاریخوں میں روشنی کی شادی طے پائی تھی۔ انہیں تاریخوں میں سمیع اور مزنی کی شادی بھی رکھی گئی تھی۔

"امی پلیز۔ مجھے شادی وادی کے جھنجھٹ میں مت ڈالیں۔ میں پڑھنا چاہتی ہوں۔ سفیر بھائی نے بھی اپنی تعلیم مکمل کرلی ہے۔ میں بھی اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتی ہوں۔ پہلے کی بات اور تھی مگر اب تو ہمارے حالات الحمد اللہ اچھے ہیں۔"

ساجدہ بیگم چاہتی تھیں۔ مزنی اور روشنی کے ساتھ ہی پارس بھی نمٹ جاتی اور وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتیں۔ اسی سلسلے میں انہوں نے پارس سے بات کی تو وہ جھنجھلا اٹھی۔

"شادی کے بعد تعلیم مکمل کر لینا۔ میں نوریز سے بات کر لوں گی۔ وہ اچھا لڑکا ہے۔ تمہاری خواہشوں کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔"

وہ بردباری سے گویا ہوئیں۔

"شادی کے بعد پڑھائی میں شوہر رکاوٹ بنیں نہ بنیں مگر دو چار بچے ضرور رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ پھر تو پڑھ لیا میں نے۔"

وہ منہ کے زاویے بگاڑ کر بولی تو سحاب کی ہنسی چھوٹ گئ۔ ساجدہ بیگم نے اسے گھورا جس کی زبان فراٹے بھر رہی تھی۔

"تم سے تو بات کرنا ہی بیکار ہے۔ سفیر کو آنے دو۔ اس سے بات کروں گی میں۔"

وہ غصے سے بولیں۔

"شادی تو جیسے سفیر بھائی کو ہی کرنی ہے۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے میں چلی گئ۔ ساجدہ بیگم نے سر جھٹکا اور وہی ہوا۔ شام ہوتے ہی سفیر کی آمد پر انہوں نے پارس کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا اور ساتھ ہی اس کی خواہش بھی۔ سفیر کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بلکہ وہ پارس کی سوچ سے متفق تھا۔ خود وہ بھی اس

سے اگے پڑھائی کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا مگر مصروفیات کے باعث کر نہیں پایا تھا۔

"اسے تعلیم مکمل کرنے دیں امی۔ شادی کے لیے عمر پڑی ہے اور پھر اس کی کون سا عمر نکلی جا رہی ہے۔ ابھی وہ چھوٹی ہے۔ آپ دباؤ مت ڈالیں۔ یوں تو وہ متنفر ہو جائے گی اس رشتے سے۔"

سفیر نے انہیں رسان سے سمجھایا تو وہ قائل ہو گئیں۔

"السلام علیکم"!

پارس نے کال رسیو ہوتے ہی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! زہے نصیب آج زوجہ محترمہ نے پہلی بار خود سے فون کیا ہے۔ دیکھیں کہیں ہم خوشی سے مر ہی نہ جائیں۔"

نوریز تکیے پر سر رکھے ایک ہاتھ سر کے نیچے رکھے پیروں کی قینچی بنائے انہیں مسلسل ہلا رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے فون کان سے لگایا ہوا تھا۔ لبوں پر شریر سی مسکان تھی۔ اس کی

بات پر پارس کا دل لمحے بھر کو رک سا گیا پھر وہ باخوبی اس کی شوخیاں سمجھ گئی۔ وہ اتنی جلدی دام میں آنے والی نہیں تھی۔

"زرا حوصلہ رکھیں۔ ہمت سے کام لیں۔ اتنی جلدی مت مریے گا۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔ پہلے وہ کرلوں۔ پھر بے شک۔۔۔۔"!

پارس نے سنجیدگی سے بولتے اخر میں شریر لہجے میں کہہ کر بات ادھوری چھوڑ کر لب دبائے۔

"ہاں ہاں کہہ دیں کہ پھر بے شک مر جایئے گا۔"

وہ خفا ہوا تو پارس مسکرا دی۔

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ یہ کہنا ہوتا تو کہہ دیتی۔ ڈرتی نہیں ہوں میں کسی سے۔"

وہ ایک ادا سے بولی تو نوریز ہنس دیا۔

"خیر۔۔۔! آپ کو مجھ سے کیا بات کرنی تھی وہ بھی رات کے وقت۔ کہیں مجھے مس تو نہیں کر رہیں۔ راتیں گزارنا مشکل ہو رہی ہوں گی۔ میں سمجھ سکتا ہوں زوجہ

صاحبہ۔پہلے تو کوئی رشتہ نہیں تھا تو خیر تھی۔اب نکاح ہو گیا ہے تو لازمی بات ہے کچھ تو کرنا دل بھی چاہتا ہو گا۔یہاں بھی یہی حال ہے۔"

وہ بے باک لہجے میں معنی خیز تبسم لبوں پر سجائے شریر ہوا اور پھر آخر میں آہ بھرنے لگا۔پارس خفت سے سرخ پڑ کر دانت پیسنے لگی۔

"ایک تو اس بندے کو چھیچھوری حرکتوں کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔"

وہ خود سے ہی کوفت سے ہمکلام ہوئی۔

"کچھ کہا کیا آپ نے؟"

نوریز اس کی بڑبڑاہٹ سن نہیں سکا تھا۔

"نہیں! آپ کے کان بج رہے ہیں۔"

وہ سیخ پا ہو گئی۔

"ارے آپ تو غصہ ہو گئیں۔چلیں میں کل آپ کو ایک اچھا سا ڈنر کرواتا ہوں تا کہ آپ کا موڈ اچھا ہو جائے۔آپ کو مجھ سے جو بات کرنی ہے وہ بھی کر لیجیے گا۔"

نوریز اس بار سنجیدگی سے گویا ہوا۔ جانتا تھا کہ کوئی ضروری بات ہے تب ہی اس نے خود سے پہل کی تھی ورنہ اکثر نوریز ہی فون کرتا تھا۔ ابتدا میں وہ اسے یوں تنگ کر رہا تھا کہ پارس اس کے مزاج سے ہم آہنگ ہو جائے۔ اس کے ساتھ تھوڑی سی فرینک ہو جائے تا کہ شادی کے بعد اجنبیت قائم نہ رہے۔

"ہاں مگر یوں باہر ملنا ضروری ہے کیا۔"

وہ جھجھک کر مستفسر ہوئی کہ اسے ان التفات کی عادت نہیں تھی۔ وہ کم و بیش ہی باہر نکلتی تھی۔ وہ بھی بس شادی سے پہلے مزینہ کے ساتھ مارکیٹ تک۔ شاپنگ سے تھک ہار کر وہ ٹھیلے والے چاٹ لیتیں اور کھا پی کر واپس گھر۔

" بالکل ضروری ہے! زوجہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اور میں ایک دوسرے کو جان لیں سمجھ لیں۔ ہمارے درمیاں اجنبیت کی یہ جو دیوار قائم ہے یہ گر جائے۔ کچھ آپ سے حال دل بھی بیان کرنا ہے۔ یوں تو آپ ہاتھ لگتی ہی نہیں پھر ایسے ہی صحیح۔"

وہ مسکراہٹ دبا کر گویا ہوا۔

"ٹھیک ہے آپ امی اور بھائی سے اجازت لے لیجیے گا۔"

وہ اختتامی الفاظ ادا کر کے کال منقطع کر گئی تو نوریز مسکرا دیا۔

وہ مزے سے اس کے لیپ ٹاپ پر ٹام اینڈ جیری دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے جب وہ فیری ٹیل اینیمیشن موویز دیکھ رہی تھی۔ تب تو وہ حوصلے سے اس کا ساتھ دیتا رہا تھا کہ مووی میں کچھ سینز اس کی پسند کے بھی تھے مگر پھر اچانک اسے نہ معلوم کیا سوجھی اس نے ٹام اینڈ جیری کی فرمائش کر دی۔ خرم جی بھر کر بدمزہ ہوا تھا۔

کتنا رومان پرور ماحول تھا۔ کمرے میں لیمپ کی پیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ رات کے وقت پرفسوں ماحول میں دونوں تنہا ایک دوسرے کے بے حد قریب بیٹھے تھے۔ خرم مزینہ کو اپنے حصار میں لیے دونوں بازو اس کے گرد باندھے بیٹھا ہوا تھا۔ مزینہ کی پشت خرم کے چوڑے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ اس کے بال چٹیا میں مقید اس کے قندھے پر پڑے تھے۔ جن سے وہ چھیڑ چھاڑ کرتا تو وہ جھنجھلا کر غصے سے اٹھنا چاہتی تو خرم اس کے سرخ عارضوں کو چھو کر سوری کر کے اسے منا لیتا مگر تب اس کی سارے رومانس کی ایسی کی تیسی ہو گئی جب مزینہ نے ٹام اینڈ جیری شو لگایا۔ وہ خود کو بولنے سے باز نہیں رکھ پایا تھا۔

"بندہ کوئی رومانٹک مووی ہی لگالیتا ہے مزینہ۔ تم نے تو میرے دماغ کی دہی کر دی ہے۔"

مزینہ نے اسے زرا گردن ترچھی کر کے گھورا۔

"میں اپنے بے بی کو رومانس دکھاؤں۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"یار وہ ابھی دنیا میں آیا ہی کہاں ہے جو یہ سب دیکھے گا۔"

خرم نے بیچارگی سے سر پھری بیوی کو دیکھا جو اسے آج کل ناک وچنے چبواتی تھی اور آج تو حد ہی ہو گئ تھی۔

"وہ سب محسوس کرتا ہے۔ آپ کو کیا پتا۔ آپ کون سا پریگننٹ ہیں۔"

وہ مزے سے تیکھے لہجے میں بولی تو خرم سٹپٹا کر لاحول پڑھنے لگا۔

"بس میرے بے بی کو ٹام اینڈ جیری پسند ہیں۔ میں یہی دیکھوں گی۔ ویسے بھی رومانٹک موویز میں بہت گند ہوتا ہے اور گندی چیزیں دیکھنے سے گناہ ملتا ہے۔"

وہ جتاتی ہوئی بولی۔

"ہاں شوہر کی بات نہ ماننے سے تو بڑا ثواب ملتا ہے جیسے۔"

وہ تپ کر گویا ہوا جبکہ مزینہ کے کان پر جوں بھی نہیں رینگی۔ کچھ دیر بعد خرم کو نیند کے جھونکے آنے لگے تو وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند گیا۔ اگلے ہی لمحے مزینہ کی چیخ نہ اس کی ساری نیند بھگ سے اڑا دی جو درد سے دوہری ہوتی اب چیخ رہی تھی۔

خرم نے تیزی سے اسے سائیڈ پر کر کے اسے لٹایا۔

"کتنی بار کہا ہے۔ اتنی دیر تک مت بیٹھی رہا کرو۔ ایسی حالت میں زیادہ بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے۔ تھوڑی دیر کروٹ کے بل لیٹ جایا کرو۔"

اسے ڈاکٹر کی تجویز کردہ درد کی دوائی دے کر وہ مصنوعی ڈانٹ پلاتے گویا ہوا۔

"کروٹ کے بل لیٹ کر کیسے دیکھو گی۔"

وہ روہانسی ہو گئ۔ اس کے موڈ سوئنگس کے بارے میں سوچ کر وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ پھر مزینہ کے سامنے لیپ ٹاپ کھول کر رکھ دیا اور ساتھ ہی کارٹون مووی پلے کر دی۔ وہ کروٹ کے بل لیٹی ہوئی تھی۔ سامنے لیپ ٹاپ تھا اور خرم کہنی کے بل لیٹا ہوا تھا جبکہ وہ دوسرے بازو سے اس کے سر میں انگلیاں چلا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس کی سانسوں کی مدھم آواز پر وہ چونکا اور جھک کر دیکھا تو وہ سو چکی تھی۔ اس نے لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کیا اور جھک کر اس کی صبیح پیشانی پر لب رکھے اور اس پر کمفرٹر درست کرتے اس کے ساتھ ہی دراز ہو گیا۔

کلفٹن چوپال میں اس وقت خاصی رونق لگی ہوئی تھی۔ لہروں کے شور اور سمندر کے پر لطف منظر سے سیراب ہوتے لوگ اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مزین رنگ برنگے کھانے تناول کر رہے تھے۔

وہیں ایک شیشے کی دیوار والی میز نوریز نے اپنے اور پارس کے لیے بک کروائی تھی۔ وہ ساجدہ بیگم سے اجازت لے کر کچھ دیر پہلے ہی اس خوبصورت ہوٹل میں پہنچا تھا۔ اپنی پسند اور پارس سے اس کی پسند پوچھ کر اس نے آرڈر لکھوا دیا تھا۔ جب تک ان کا آرڈر تیار ہوتا تب تک وہ پارس سے اپنی اور اس کی آنے والی زندگی اور اپنے درمیان اس خوبصورت سے رشتے کے متعلق بات کرنے کا خواہشمند تھا۔

"یہ ریسٹورینٹ بہت خوبصورت ہے۔ سمندر کنارے اس کی موجوں کو دیکھ کر کھانا کھانے کی کبھی شدید خواہش تھی۔"

وہ چمکتی آنکھوں سے ریستورانت کی جگمگ کرتی روشنیاں سجاوٹ اور یہاں کا نظام دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے شیشے کے پار سمندر کو دیکھ کر کہا۔

"دیکھ لیں۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔"

نوریز نے مسکراہٹ دبائی۔ پارس نے سر جھٹکا۔ نہ معلوم وہ کیوں پل بھر کو ان روشنیوں میں گم ہو گئ تھی جبکہ یہاں آنے کا مقصد تو صرف بات کرنا تھا کہ کل رات ہی ساجدہ بیگم نے اسے الٹیمیٹم جاری کر دیا تھا کہ اب وہ نوریز کے نکاح میں ہے تو جو بھی کام کرے گی اس کی اجازت سے کرے گی۔ اب آگے پڑھنا ہے تو پہلے نوریز کی اجازت لو۔ مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق اسے نوریز کے ساتھ آنا پڑا تھا۔

"مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

وہ قدرے جھجھک کر گویا ہوئی۔

"میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

نوریز نے کہا۔

"میں آگے پڑھنا چاہتی ہوں۔ اپنی تعلیم مکمل کرنا صرف میرا ہی نہیں بلکہ میرے بابا کا بھی خواب تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم تینوں بہن بھائی اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ ابتدا میں مالی حالات ڈاؤن ہونے کی وجہ سے میں نے خود ہی قدم پیچھے لے لیے تھے مگر اب الحمداللہ سے سب ٹھیک ہے تو میں بابا کی یہ خواہش پوری کرنا چاہتی ہوں۔ وہ روز رات کو میرے خواب میں آتے ہیں۔ کچھ بھی نہیں کہتے بس خاموشی سے میری طرف ایک قلم پکڑا کر غائب ہو جاتے ہیں۔"

پارس نے اپنی خواہش بیان کرتے ہوئے اسی خواہش کا مزید حوالہ دیا تو اس کے لہجے کی رنجیدگی میں جہاں اضافہ ہوا وہیں اس کے چہرے کی جوت بھی بجھ گئی۔ وہ افسردگی سے آفاق حسین کا ذکر کرتے ہوئے نہ صرف نمدیدہ ہوئی بلکہ انہیں یاد کرتے وقت اس کی آواز بھی رندھ گئی۔ نوریز کے چہرے کا رنگ لمحوں میں متغیر ہوا تھا۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ آفاق حسین کا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا مگر وہ بھول گیا تھا کہ انسان مرتے ہیں۔ ان کے اعمال نہیں۔ اس کا چہرہ سپید پڑ گیا۔

"اگر اس لڑکی کو حقیقت پتا چل جائے تو یہ جو میرے سامنے بیٹھ کر اپنے بابا کا خواب پورا کرنے کی مجھ سے اجازت مانگ رہی ہے کبھی نہ مانگے بلکہ مجھ سے رشتہ ہی ختم کر دے یا شاید میری شکل بھی دیکھنا گوارہ نہ کرے۔ ممکن ہے کہ مجھے کبھی معاف نہ کرے مگر کیا میں اس لڑکی کے بغیر زندگی گزار سکتا ہوں۔ کیا میں اسے تکلیف میں دیکھ سکتا ہوں۔ ایک تکلیف تو بہت پہلے انجانے میں دے چکا ہوں کیا اسے خود سے علیحدہ کر کے معاشرے کی نظروں میں اس کی ذات کو سوالیہ نشان بنا کر ایک اور تکلیف دینے کا باعث بن سکتا ہوں۔"

ایک بہت بڑا سوالیہ نشان اس کے سامنے تھا اور یقیناً اس کا جواب نفی میں تھا۔ وہ اس کے لیے سب کچھ کر سکتا تھا مگر اسے حقیقت بتا کر اتنے سارے دکھ نہیں دے سکتا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ پارس کو کبھی بھی سچ نہیں بتائے گا۔ یہی اس کی خوشحال زندگی کی ضمانت تھی مگر کیا سچ زیادہ دن تک چھپ سکتا ہے یا پھر جھوٹ کو چھپا کر بنائے گ ئے رشتے پائیدار ہوتے ہیں۔ یہ وہ سوالات تھے جن کے جواب جانتے بوجھتے بھی وہ انجان بن چکا تھا۔

اس نے اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیر کر کسی حد تک خود کو نارمل کیا۔

"آپ کو اپنے سارے خواب پورے کرنے ہیں پارس اور میں اس سفر میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔اپ کے سارے خوابوں کو پورا کرنے کی ذمہ داری نوریز کی ہے مگر شرط یہ ہے کہ میری ہمسفری میں سفر کریں گی۔بولیں شرط منظور ہے۔"

وہ جو اس سے شادی آگے بڑھانے کی بات کرنا چاہتی تھی۔نوریز کی خواہش سن کر تذبذب کا شکار ہو گئی۔بھلا شادی کے بعد بچوں میں مصروف ہو کر کہاں پڑھا جاتا تھا۔وہ یہ بات نوریز کو کیسے سمجھاتی۔شرم وحیا آڑے آ رہی تھی۔

"ڈونٹ وری ہمارے چیاؤں میاؤں آپ کے خوابوں کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔میں ان کے لیے اپنی دونوں بھابیوں کو زحمت دینا پسند کروں گا۔"

وہ جو اس کی خاموشی اور چہرے پر چھائے الجھن آمیز تاثرات جانچ رہا تھا۔اس کی سوچ تک رسائی پاتے ہی لبوں کو دبائے شوخی سے گویا ہوا تو پارس خفت سے سرخ پڑ گئی۔جھینپ کر سر جھکا یا پھر دھیرے سے اس کے پھیلے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔نوریز نے اس کا ہاتھ تھام کر

لبوں سے لگایا تو اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں اس کی اس بے باک حرکت پر وہ سٹپٹا کر ہاتھ کھینچ گئی تھی جبکہ نوریز ہنس دیا۔

"سب اپنی فیملیز کے ساتھ مصروف ہیں۔ کسی کی بھی توجہ ہم پر نہیں ہے۔"

وہ ویٹر کے آنے پر سیدھا ہوا۔ ویٹر کھانا پیش کر کے چلا گیا تو پارس اسے گھور کر رہ گئی۔

"اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ آپ جامے میں نہ رہیں۔"

وہ تڑخ کر بولی تو نوریز کا زندگی سے بھرپور قہقہہ لگا جبکہ پارس کھانے کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ چٹ پٹے اور نت نئے کھانوں کی وہ شروع سے دیوانی تھی مگر نوریز کو یہ بات اب پتا لگی تھی۔ یہ رات ان کی ایک دوسرے کو جاننے میں اور سمجھنے میں بہت خوبصورت گزری تھی۔

"مزنی سعدیہ کا فون آیا تھا۔ کہہ رہی تھی کہ شام کو سمیع آئے گا۔ اس کے ساتھ جا کر شادی کی شاپنگ اپنی پسند سے کر آنا۔"

دوپہر کے کھانے کے بعد ساجدہ بیگم نے اسے آگاہ کیا جو لنچ کے بعد زیادہ تر وقت ان کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھ کر گزارتی تھی۔ سحاب بھی ان کے ساتھ ہی کبھی ٹی وی دیکھ رہی ہوتی تھی تو کبھی کوئی میگزین پڑھتی ہوئی پائی جاتی تھی۔ آج بھی وہ میگزین پڑھ رہی تھی جب ساجدہ بیگم نے اطلاع دی۔ اس نے میگزین نیچے کیا۔ اس کے چہرے پر بڑی ذومعنی مسکراہٹ کا پہرہ تھا۔ مزنی نے نظر انداز کیا۔

"خالہ میں جا کر کیا کروں گی۔ آپ سعدی خالہ کو فون کر کے کہہ دیں کہ وہ اپنی پسند سے لے آئیں جو بھی لانا ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔ دراصل سمیع کے ساتھ اکیلے رہنے کا مطلب تھا اس کے سوالوں کا جواب دینا جو کہ اس کے پاس نہیں تھے۔

"اوہو! ابھی سے تعبیدار بہو بننا چاہتی ہو۔ دیکھیں تو امی جان ہماری مزنی خاصی عقل مند ہو گئی ہے۔"

وہ چھیڑتے ہوئے مصنوعی طنز کر گئی تھی۔ مزنی نے اسے گھورا۔

"ہاں تو ساس کی تعبیدار بہو بننے میں کیا قباحت ہے۔ تم مبھی تو میری تعبیدار اور فرمانبردار بہو ہو مگر مزنی بیٹا میں چاہتی ہوں تم سمیع کے ساتھ جا کر اپنی خوشی کے مطابق اپنی پسند ناپسند کو مدنظر رکھ کر خریداری کرو کہ یہ دن ہر لڑکی کے لیے کسی حسین خواب سے کم نہیں ہوتا۔ میری زائشہ کے لیے میرے بہت ارمان تھے مگر اس کی دفعہ میں تو اللہ کی مرضی سمجھ کر صبر کے گھونٹ پی گئی مگر تم بھی میری زائشہ کی طرح ہو۔ میں تمہارے لیے بھی ویسا ہی سوچتی ہوں۔ تم اپنے لیے نہ صحیح مگر میری خواہش کا مان رکھ کر ہی چلی جانا۔"

وہ بہت محبت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ مزنی کا دل بھر اگیا۔ اسے اپنی ماں شدت سے یاد آئی تھی۔ اللہ نے اس سے اس کا ہر رشتہ لے لیا تھا مگر بدلے میں اتنے رشتے دے دیے تھے کہ سنبھالے نہیں سنبھلتے تھے۔ وہ کفران نعمت نہیں ہونا چاہتی تھی۔ ان کے ہاتھ پر تسلی آمیز انداز میں دباؤ بڑھاتی وہ رضامندی کا عندیہ دے گئی تو وہ سرشار ہو گئیں۔

"سدا خوش رہو۔ اللہ تمہارے بھاگ جگائے رکھے۔"

اس کا ماتھا چوم کر وہ اسے تیار ہونے کی تاکید کرتیں عصر پڑھنے کی غرض سے کمرے کی طرف بڑھ گئیں جبکہ سحاب اس کے ساتھ ہی کمرے میں چلی گئ تھی۔مزنی کو پتا تھا۔اب جب تک سمیع آ نہیں جاتا وہ ایسے ہی اسے تیار ہوتے دیکھ چھیڑتی رہے گی مگر وہ خوش تھی کہ ایسے دوست بھی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں سو وہ اپنے خوش نصیب ہونے پر نازاں تھی۔

"آپ نے خالہ جان کو سمیع بھائی اور مزنی کے ایک ساتھ شاپنگ کرنے کا عندیہ دیا ہے ناں خدارا میرے لیے ایسا کچھ بھی مت سوچیئے گا ممی۔میں ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہوں۔میں نے بہت مشکل سے خود کو اس نئے بننے والے رشتے کے لیے راضی کیا ہے۔"

حماس کو ہوم ورک کروا کر اب وہ فارغ تھیں۔ملازمہ کو رات کے کھانے کا مینیو سمجھا کر وہ اپنی اور سعدیہ بیگم کی چائے باہر لان میں لے آئی تھیں۔جہاں سعدیہ بیگم کین کی کرسیوں پر بیٹھی چڑیوں کو دانہ ڈال رہی تھیں۔انہوں نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے ہی

تھے کہ روشنی نے ان کے سامنے چائے کا کپ رکھ کر نرمی سے انہیں خواہش کرنے سے پہلے ہی انکار کر دیا۔ وہ جانتی تھیں کہ اب وہ سمیع کے بعد اسی سے بات کریں گی سو حفظ ما تقدم کے طور پر وہ پہل کر چکی تھیں۔

"مگر روشنی اس میں حرج ہی کیا ہے۔ اپنے نا صحیح مگر زوالقرنین کے جذبات واحساسات کا ہی خیال کرو میری جان۔ اتنا تو مت آزماؤ اسے۔"

وہ بے حد محبت سے بولی تھیں۔

"آزمائش تو میری ہے ممی۔ زوالقرنین کے احساسات و جذبات کا امتحان تو اسی دن ختم ہو گیا تھا جس دن آپ نے زائشہ کو میری برین واشنگ کرنے لیے لیے رات کے کھانے پر مدعو کیا تھا۔"

انہیں لگا تھا وہ جان نہیں سکے گی مگر زائشہ کی اچانک دعوت اور یوں اس کا اس موضوع پر بات کرنا اسے سب سمجھا گیا تھا پھر دوسرے ہی دن آنا فانا ان کا زوالقرنین کے گھر چلے جانا۔ شک کی تصدیق کر گیا۔ اسے بے حد رنج ہوا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے جذبات نہیں سمجھ سکی تھیں۔

روشنی کا لہجہ نم ہوا تھا تو سعدیہ بیگم کا کلیجہ منہ کو آگیا انہوں نے دانہ واپس کٹورے میں ڈالا اور اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"میری جان تو کیا غلط کیا میں نے۔ میں ماں ہوں تمہاری۔ تمہارا اچھا برا سمجھ سکتی ہوں۔ ابھی تمہیں یہ سب اچھا نہیں لگ رہا اور میں بھی تمہیں شاید غلط لگ رہی ہوں مگر کچھ وقت زوالقرنین کی سنگت میں گزارو گی تو اپنے آپ سمجھ جاؤ گی کہ میرے اس فیصلے میں کیا حکمت چھپی ہوئی تھی۔ میری جان! میری زندگی کب تک ہے۔ کچھ پتا نہیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ مزنی اچھی نہیں ہے مگر بیٹا بھابھیوں کے آنے سے بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ تمہاری وہ حیثیت کبھی نہیں رہے گی جو تم چاہتی ہو۔ میں نہیں چاہتی تم اپنی کسی بھی خواہش کو حالات کے مظر کر کے دبا دو یا حماس کسی چیز سے محروم رہے۔ زوالقرنین سے شادی کے بعد ٹھاٹ سے آیا کرو گی جایا کرو گی۔ وہ تمہارا شوہر ہو گا۔ تمہاری ہر ضرورت ہی نہیں خواہش کا احترام کرے گا۔ لوگوں کی نظروں میں تم ہمیشہ سر اٹھا کر چل سکو گی۔ میں اپنی روشنی کو کم ہمت اور پست حوصلوں کے ساتھ نہیں دیکھ سکتی۔ تم تو ماں ہو روشنی سوچو حماس ساری زندگی باپ کے پیار کو ترسے اور ہر اس شے کو جو اسے زندگی

گزارنے کے لیے چاہیے ہو یا اس کی خواہشات اپنے آپ ہی دم توڑ جائیں تو کیسا لگے گا تمہیں۔خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو۔"

وہ رسان سے اسے محبت بھرے لہجے میں اسے سمجھا رہی تھیں۔

"میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں ممی مگر حماس کو کسی چیز کی کمی ہو یا اس کی کوئی بھی خواہش پوری نہ ہو تو اس کی آنکھوں کی چمک جسے دیکھ کر روشنی اب تک روشن ہے بجھ جائے گی ممی۔میں حماس کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔"

وہ پست لہجے میں آنکھوں میں آئی نمی صاف کرنے لگیں۔اسی اثناء میں اس طرف آتے زوالقرنین کو دیکھ نہیں سکیں۔زوالقرنین کے قدم روشنی کی آخری بات پر تھم سے گ ئے تھے۔

"میں حماس کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں روشنی کی کچھ دیر قبل کہی بات اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"تو کیا یہ شادی بھی حماس کی خوشی کے لیے ایک سمجھوتہ ہے اگر واقعی ایسا ہے تو پھر اس میسج کا کیا مطلب اخذ کروں میں روشنی۔"

وہ جیسے خود سے ہمکلام تھا۔ گہری سوچ میں ڈوبے زوالقرنین پر جب فٹبال کھیلتے حماس کی نظر پڑی تو وہ خوشی سے چیختا ہوا فٹال بغل میں دبائے بھاگتا ہوا اس تک آیا تھا۔ اس کی چہکار میں جہاں زوالقرنین چونکا وہیں روشنی نے بھی اچھنبے سے اس کی موجودگی کا نوٹس لیا اور ایک خفگی بھری نظر ماں پر ڈالی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ زوالقرنین کو میں نے نہیں بلایا۔ اچھی طرح معلوم ہے تمہارے مزاج کا مجھے۔"

وہ ناراضگی سے بول کر چائے کی چسکی لینے لگیں۔

"ہے مائے لٹل چیمپ۔ کیسے ہو۔ کیا فٹبال کھیلا جا رہا ہے اور وہ بھی بابا کے بغیر۔ ناٹ فیئر یار۔"

زوالقرنین اسے گود میں اٹھا کر اس کے سرخ پھولے پھولے گالوں پر بوسہ دیتے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر مسکرایا۔

"آئی ایم فائن بابا۔ جی میں فٹبال کھیل کر آپ کا انتظار کر رہا تھا۔"

اس نے فٹبال کھیلنے کی اصل وجہ بتائی۔روشنی کی نظریں ان دونوں پر ہی ٹکی ہوئی تھیں۔وہ کافی دور تھے۔کیا راز و نیاز ہو رہے تھے۔وہ قطعی لاعلم تھی مگر اتنا اسے علم ہو گیا تھا کہ زوالقرنین کو حماس نے ہی بلایا تھا۔

"یعنی آپ نے بابا کو فٹبال کھیلنے کے لیے نہیں بلایا۔"

اس نے تائید چاہی تو وہ مسکرا کر نفی میں سر ہلانے لگا۔

"تو پھر کس لیے بلایا ہے حماس نے بابا کو۔"

"آپ کو پتا ہے سمیع ماموں اپنی برائیڈ کے ساتھ شادی کی شاپنگ کرنے گ ئے ہیں۔نانو بتا رہی تھیں کہ وہ سب کچھ دلہن ممانی کی پسند کا لیں گے۔مجھے بھی شادی کی شاپنگ کرنی ہے اپنی پسند سے۔افٹر آل میری بابا اور مما کی شادی ہے۔حماس پرنس جیسا دکھنا چاہتا ہے۔"

اس نے جھک کر زوالقرنین کے کان میں بتایا تو روشنی نے آنکھیں سکیڑ کر اپنے لاڈلے کو دیکھا جو آج کل صرف باپ کا ہو کر رہ گیا تھا۔بیٹے کی دغا بازی پر ان کا دل کڑھ کر رہ گیا تھا۔

"یہ تو کوئی بڑی بات ہی نہیں۔ بابا اور حماس ابھی شاپنگ کرنے چلتے ہیں اور ایسی شاپنگ کریں گے کہ لوگ میرے بیٹے کو دیکھتے رہ جائیں گے۔"

محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے زوالقرنین نے چٹکی بجاتے کہا۔

"مما بھی ہمارے ساتھ جائیں گی۔"

اب کے حماس نے سب سے مشکل خواہش کی تھی۔ وہ اسے لیے ان دونوں کے قریب آ گیا۔

"السلام علیکم آنٹی۔"

"وعلیکم السلام! آؤ بیٹھو۔"

انہوں اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"ارے نہیں۔ دراصل حماس کے لیے شادی کی شاپنگ کرنی ہے اسی بہانے میں اپنے لیے بھی کر لوں گا۔ یہاں رکا تو دیر ہو جائے گی۔ روشنی آپ بھی ہمیں جوائن کریں۔ حماس کی خواہش ہے کہ وہ آپ کے ساتھ شاپنگ کرے۔"

زوالقرنین نے سہولت سے ان سے معذرت کی اور اچانک روشنی کو مخاطب کرتے حماس کی خواہش بتائی تو وہ مخمصے میں پڑ گئیں۔

"کم آن مما جلدی کریں۔ ہم لیٹ ہو رہے ہیں اور پھر مجھے سب سے بیسٹ شاپنگ کرنی ہے جس میں دیر لگے گی۔"

حماس نے جوش سے کہتے روشنی کو اکسایا تو انہوں نے حماس کی خوبصورت آنکھیں دیکھیں جہاں زوالقرنین کا پیار و شفقت پاتے ہی ڈھیروں جگنو روشن ہو گ ئے تھے۔ بھلا وہ بیٹے کی آنکھوں کی جوت کیسے بجھا دیتیں۔

"اوکے مما ریڈی ہیں۔ چلیں۔"

وہ چائے کا کپ میز پر رکھ کر اٹھیں تو اس کے فیصلے پر سعدیہ بیگم خوشگوار حیرت میں ڈوب گئیں جبکہ زوالقرنین کو بھی خاصی حیرانی ہوئی۔ اسے امید نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی مان جانے گی۔

"یاہو مما بابا ہم مل کر بہت مزے کریں گے۔ پہلے حماس کی شاپنگ پھر مما کی اور آپ کی اور اس کے بعد ہم آئس کریم کھائیں گے۔ پتا ہے مما کو گول گپے بہت پسند ہیں۔ ہم۔ دونوں آئس کریم کھائیں گے اور مما کو گول گپے لے کر دیں گے۔"

گاڑی میں بیٹھ کر حماس کی نان سٹاپ باتیں شروع ہو چکی تھیں۔ اس کے ترتیب دیے پلان پر زوالقرنین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گی ایک زخمی مسکراہٹ۔ اسے یاد تھا روشنی نے آخری بار گول گپے پریگنینسی میں ڈیلوری سے ایک دو ماہ قبل کھائے تھے۔ اسے وہ رات آج تک یاد تھی۔ جب اس نے رمیز کو کسی کیس کے متعلق بات چیت کرنے کے لیے فون کیا تھا مگر وہ آگے سے اپنی ہی پریشانیوں کا راگ الاپ رہا تھا۔

"یار یہ خواتین بھی عجیب ہوتی ہیں۔ ایسی ایسی خواہشیں کرتی ہیں کہ بندہ حیران کم پریشان زیادہ ہو جاتا ہے۔ اب بتاؤ بھلا رات کے دو بجے میں گول گپے کہاں سے پیدا کروں۔ روشنی بھی قسم سے آج کل مجھے نچا کر رکھتی ہے۔ اس کی کریونگس نے میری مت مار دی یار۔"

وہ اپنے دکھڑے رو رہا تھا جبکہ زوالقرنین کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔

"ہنس لے بیٹا ہنس لے۔ تیرے پہ جب یہ وقت آئے گا تو پوچھوں گا۔"

رمیز تپ ہی تو گیا تھا۔

"میری فکر مت کر۔ اکیلا رہنے کے بڑے فائدے ہیں۔ تیرا دوست کوکنگ میں ایکسپرٹ ہے۔ گول گپے بنانا تو دائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اگر شاپ کھول لوں ناں تو اتنی کمائی ہو گی کہ تیری سوچ ہے۔ ہماری خواتین پلس لڑکیاں اس ڈش کی دیوانی ہے۔ ایک دو تین نہیں ان گنت پلیٹیں چٹ کر جاتی ہیں۔"

دل کا درد چھپائے وہ ہنس کر بولا تو رمیز کو حیرت ہوئی۔

"سچ کہہ رہا ہے تو پھر یار میرا تو مسئلہ ہی حل ہو گیا۔ بس تو جلدی سے چوبیس پچیس گول گپے بنا کر رکھ میں یوں آیا۔"

وہ ماضی کے یادوں میں کھویا ہوا تھا۔ حماس کی آواز پر ہوش میں آیا۔

کراچی کے مشہور علاقے طارق روڈ ڈالمن مال کے پارکنگ میں گاڑی روکتے وہ حماس اور روشنی کو لیے مال میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے کڈز کلیکشن سے حماس کے لیے ہر تقریب کے مناسب سے کپڑے خریدے پھر اس کے شوز، بیلٹس اور دیگر بہت سی چیزیں

خریدنے کے بعد جب اس کا کوٹہ مکمل ہوا تو شاپنگ میں اس کی دلچسپی ختم ہو گئ۔اب بس اسے آئس کریم کھانی تھی۔

"آپ شاپنگ کریں گی یا بعد میں سعدیہ آنٹی کے ساتھ آنے کا ارادہ ہے۔"

سنجیدگی سے اس نے روشنی سے پوچھا تو وہ چونک سی گئ۔اس کا لہجہ بے حد اجنبیت لیے ہوئے تھا مگر کیوں وہ وجہ جاننے سے قاصر تھی۔کیا واقعی اس نے دیر کر دی تھی۔وہ سوچ کر رہ گئیں مگر اب انہیں ہار نہیں ماننی تھی۔اپنی اور اپنے بیٹے کے حصے کی خوشیاں کشید کرنی تھیں۔پہلے ہی وہ بہت وقت گنوا چکی تھی مزید کی متمنی نہیں تھیں۔

"میرے خیال سے اب آ ہی گ ئے ہیں تو شاپنگ کر لینی چاہیے یوں بھی ممی کی یہی خواہش تھی کہ سمیع بھائی اور مزنی کی طرح میں اور آپ اپنی پسند سے شاپنگ کریں۔"

وہ نرم لہجے میں گویا ہوئیں۔

"اور آپ !آپ کیا چاہتی ہیں۔"

زوالقرنین نے گھمبیر لو دیتے لہجے میں استفسار کیا۔

"میں۔۔۔! میں بھی وہی چاہتی ہوں جو آپ چاہتے ہیں۔ تنہائی کی چاہت کرتے اور تنہائیوں میں رہ کر تھک سی گئی ہوں۔ آج اتنے عرصے بعد یوں آپ کے ساتھ باہر نکلنا اور شاپنگ کرنا اچھا لگ رہا ہے۔ میں خوش ہوں یا نہیں۔ میں نہیں جانتی مگر میں بے حد مطمئن ہوں اپنے فیصلے سے۔"

روشنی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اقرار کا ایک سرا اسے تھمایا تھا۔ زوالقرنین تو حیرت زدہ رہ گیا۔ اسے یقین کرنے میں کئی لمحے گزر گئے۔ اس کے چہرے پر خوشگوار تاثرات تھے۔

"آپ کا اطمینان بہت جلد خوشی میں بدل جائے گا روشنی۔ آپ میرے ساتھ پر فخر محسوس کریں گی۔ خود پر نازاں ہوں گی۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔"

وہ پر مسرت لہجے میں اسے یقین دہانی کروا رہا تھا۔

"مجھے کبھی آپ سے محبت ہو گی یا نہیں۔ میں یہ تو نہیں جانتی۔ ہاں مگر مرتے دم تک آپ کی وفادار اور آپ کے ساتھ مخلص رہوں گی۔ آپ روشنی کو کبھی بھی کم ہمت نہیں پائیں گے۔ اس رشتے کو نبھانے کی میں پوری کوشش کروں گی۔ میرا دل اس وقت جذبات و

احساسات سے خالی ہے مگر ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں بھر جائے۔اپنے دل کا میں کچھ کہہ نہیں سکتی زوالقرنین مگر آپ کے جذبات کی قدر کروں گی کہ جو لوگ قیمتی شے گنوا دیتے ہیں وہ بہت قدر دان ہوتے ہیں۔اس بات کا احساس آپ کو تو زیادہ ہوگا ناں۔"

ناچاہتے ہوئے بھی آنکھ کو گوشہ بھیگ گیا تھا۔

"کیا ہی خوب جمے کی جب مل بیٹھیں گے قدر دان دو۔"

زوالقرنین کے کہنے پر وہ نم آنکھوں سے ہنس دیں۔

"میں آپ کو ایسا ہی ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتا ہوں روشنی۔بہت سے قیمتی لمحے ضائع ہو گ ئے ہیں مگر میں آنے والے لمحات کو گنوانا نہیں چاہتا۔میں ہماری شادی انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ بھاری لہجے میں کہہ کر خاموش ہوا تو روشنی نے اثبات میں سر ہلایا۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ایک کوشش ضرور کر کے دیکھے گی۔زندگی اگر آگے بڑھنے کا نام ہے تو وہ آگے بڑھنے کو تیار تھیں کہ ان کے اس سفر میں ہم راہی ساتھ تھا تو منزل آسان تھی۔

"آپ اس شادی سے خوش ہیں؟"

سمیع حیدر نے کن انکھیوں سے اسے دیکھتے دوران ڈرائیونگ استفسار کیا۔

"میں ناخوش نہیں ہوں۔"

مزنی اس شہر کی روشنیوں میں گم مصروف انداز میں جواب دے گئی جبکہ سمیع حیدر نے لب بھینچے۔

"مجھے جلیبی کی طرح گول مول جواب نہیں چاہیے۔سیدھا اور صاف جوادیں۔"

وہ زچ ہو کر اپنی بات پر زور دیتے بھاری لہجے میں گویا ہوا تو مزنی نے قدرے جھنجھلا کر کوفت سے اسے دیکھا۔

"آپ کیا سننا چاہتے ہیں میرے منہ سے یہی کہ کہ مجھے آپ سے شدید پاگل پن کی حد تک محبت ہے اور آپ سے شادی نا ہوئی تو میں مر جاؤں گی وغیرہ وغیرہ۔اس کے قسم کے جواب سن کر تسکین ملے گی آپ کو۔میں اگر اس شادی پر راضی ہوں تو ڈیٹس مین کے

میری رضااور میری خوشی شامل ہے ورنہ کسی میں اتنادم نہیں کہ میری مرضی کے بغیر میرے متعلق کوئی فیصلہ لے سکے۔"

وہ واپس اپنی پہلے والی جون میں آچکی تھی۔ سمیع کو خوشی ہوئی۔وہ تیکھے لہجے میں تپ کر ٹکا ساجواب دے کر نظروں کازاویہ موڑ گئی جبکہ سمیع حیدراس کا قفل ٹوٹنے پر حیرت زدہ رہ گیا تھا پھراس کے ہونٹوں پراس کی پہلی بات نے تبسم بکھیر دیا۔

"کہتے ہیں ایک چپ سو سکھ مگر سچ کہوں توآپ کی چپ نے میرا سارا سکھ چین چھین لیا تھا۔میں چاہتاہوں آپ یونہی بولتی رہیں۔"

سمیع حیدر نے اسکانازک ہاتھ تھاماتومزنی کادل اچھل کر حلق میں آگیا۔اس نے مزنی کا ہاتھ دھیرے سے چھوڑااور کارپارکنگ میں لگا کراسے لیے مال کے اندر بڑھ گیا۔سب سے پہلے انہوں نے بوتیک کارخ کیا تھا۔ایک شاپ پر گلاس ڈور دھکیل کر وہ لوگ اندر آئے توسیلز مین نے چہرے پر خیر مقدمی مسکراہٹ چہرے پر سجا کرانہیں ویلکم کیا۔

"کہیے میم کس طرح کاڈریس چاہیے آپ کو۔کس رنگ میں پسند کریں گی اور کس تقریب کے لیے چاہیے۔"

چند ضروری سوالات کر کے سیلز مین نے مزنی سے استفسار کیا۔

"مہندی مایوں برات اور ولیمے کے حساب سے ڈریس دکھائیں۔"

سمیع حیدر نے سیلز مین کی مشکل آسان کر دی۔

"میم یہ دیکھیں یہ لیٹیسٹ ڈیزائن ہے۔مایوں کے حساب سے آپ پر بہت سوٹ کرے گا۔"

اس سیلز مین نے زرد رنگ کی گوٹے والی میکسی اسے دکھائی۔ سمیع حیدر کے ماتھے میں بے شمار بل پڑ گئے۔

"تم سے مشورہ نہیں مانگا۔ان پر کیا سوٹ کرے گا اور کیا نہیں۔مجھے بہتر پتا ہے۔ چلو یہاں سے۔ کہیں اور ٹرائے کرتے ہیں۔"

وہ غصہ ضبط کر کے میکسی ایک طرف کر کے مزنی کا ہاتھ تھامے شاپ سے باہر نکل گیا۔ سیلز مین حقابقارہ گیا جبکہ مزنی نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ بہت ٹھنڈے مزاج کا بندہ تھا۔ پھر اسے ساری بات سمجھ آ گئی۔ سیلز مین کی توجہ اپنے کام پر کم اور اس پر

زیادہ تھی جو سمیع حیدر کو قطعی اچھی نہیں لگی تھی۔بے اختیار اس کے لبوں پر محظوظ کن مسکراہٹ دوڑ گئی اور آنکھوں میں اطمینان در آیا۔

ایک شاپ کے پاس سے گزرتے اس کی نظر راجھستانی کام والے لہنگے اور چولی پر پڑی جو ڈمی پر لگا ہوا دیدہ زیب لگ رہا تھا۔ سمیع نے اس کے تعاقب میں دیکھا۔اسے بھی ڈریس پسند آیا تھا۔

"جو چیز دل کو بھا جائے اسے حاصل کر لینا چاہیے۔ قبل اس سے کہ اسے کوئی اور اپنی دسترس میں لے لے۔ قسمت ہر بار ایسی چیزوں کے متبادل کا آپشن نہیں دیتی۔"

گہرے لہجے میں لو دیتی نظروں سے اسے دیکھتے وہ بولا تو مزنی چونک گئی۔

"تو پھر مجھے یہ ڈریس لے کر دیں۔مجھے یہ چاہیے اس سے قبل کہ اسے کوئی لے جائے۔"

مزنی کے کہنے پر وہ اسے شاپ میں لایا اور سیلز مین سے کہہ کر ڈریس پیک کروایا۔اس کے بعد اس نے خود ہی مزنی کے لیے بارات اور ولیمے کی تقریب کے حساب سے ڈریسز لیے۔مزنی کو اس کی پسند پر اعتراض نہیں تھا۔جب ساری زندگی اس شخص کے ساتھ گزارنی تھی تو کیا مضائکہ تھا کہ اس کی پسند میں ڈھل کر گزاری جاتی۔

دوران شاپنگ اس کی ٹانگیں جواب دے گئی تھیں مگر سمیع حیدر لگتا تھا پورا مال آج ہی خریدنے کا خواہش مند تھا۔

"سمیع پلیز بس کریں! میں تھک چکی ہوں۔ باقی کی بعد میں کر لیں گے۔ آپ مجھے گھر ڈراپ کر دیں۔ سب پریشان ہو رہے ہوں گے۔ خاصی دیر بھی ہو گئی ہے۔"

اسے بس نہ کرتے دیکھ کر اسے ٹوکنا پڑا۔ سمیع نے اس کے چہرے پر تھکن کے اثرات دیکھے تو گہری سانس خارج کی۔

"اوکے! ہم کچھ کھا لیتے ہیں پھر میں آپ کو گھر ڈراپ کر دوں گا۔"

فوڈ کورٹ کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے شاپنگ بیگ دوسرے ہاتھ میں منتقل کیے۔ مزنی کو بھی شدید بھوک نے گھیرا تھا۔ سو وہ بھی بنا چوں چراں کیے مان گئی۔

حماس اور زوالقرنین نے اپنی آئسکریم ختم کرنے میں لگے ہوئے تھے جبکہ روشنی کی آئسکریم ہنوز ویسی ہی تھی۔ بس پگھل کر پانی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ باپ بیٹا مستیوں میں اتنے مگن تھے کہ روشنی کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔

"مجھے چاکلیٹ فلیور پسند ہے رمیز۔"

رمیز نے اپنی آئس کریم روشنی کی طرف بڑھائی تو وہ جھنجھلا کر گویا ہوئی۔

"یار آج تم میری پسند کی کھاؤ اور میں تمہاری پسند کی کھاتا ہوں۔"

آئسکریم کی کون ہاتھ میں پکڑے دونوں گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔

"مگر مجھے پائن ایپل فلیور نہیں پسند۔"

روشنی نے ناک چڑھائی۔

"اوکے یہ لو پکڑو اپنی آئسکریم کیا یاد کرو گی۔ کس سخی سے سے پالا پڑا ہے۔"

آدھی سے زیادہ کون کھا کر اس کا نچلہ حصہ بچا کر اس نے روشنی کی طرف بڑھایا تو وہ صدمے سے چیخ اٹھی۔

"یو چیٹر! دھوکے سے میری ساری آئسکریم کھا لی مجھے آپ سے بات نہیں کرنی۔"

وہ چہرہ چھپا کر دونوں ہاتھوں میں رو پڑی۔ رمیز کو لینے کے دینے پڑ گ ئے تھے۔

ماضی سے جڑی اس یاد نے روشنی کے آنکھوں کے گوشے نم کر دیے تھے۔ گو کہ وہ تہیہ کر چکی تھیں مگر ماضی بھولنا اتنا بھی آسان نہیں ہوتا۔ وہ بھی تب جب ہمسفر من چاہا ہو اور اس کی ہمراہی میں زندگی خوبصورت گزری ہو۔ وہ کوشش کر رہی تھیں۔

ذوالقرنین کی اچانک نظر پڑی تو یک لخت اس کی مسکراہٹ سمٹی۔ اس کی نم آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ اس وقت ماضی کو یاد کر رہی تھی مگر ذوالقرنین نے بھی خود سے عہد کیا تھا کہ اسے رونے نہیں دے گا۔

"حماس جلدی فنش کرو بیٹے پھر مما کو گول گپے بھی کھلانے ہیں۔ دیکھو مما نے آئسکریم بھی نہیں کھائی۔ اتنا تیکھا کھاتی ہیں تمہاری مما جبھی ہر وقت غصہ میں رہتی ہیں۔"

ذوالقرنین نے مسکراہٹ دبائی۔ روشنی نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"جی نہیں ایسا نہیں ہے۔ میں نے یہ سب عرصہ ہوا کھانا چھوڑ دیا ہے۔"

وہ نرمی سے بولیں۔

"ہاں تب سے جب علم ہوا تھا کہ اس رات گول گپے میں نے بنا کر بھیجیں تھے۔ پھر تو آپ نے اس ڈش کو دیکھنا بھی حرام سمجھ لیا۔"

زوالقرنین کی زبان سے بے اختیار شکوہ پھسلا۔

"اس کے باوجود کہ گول گپے بہت اچھے مزیدار بنے تھے۔"

روشنی کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔ زوالقرنین ہنس دیا۔

"تو کیا آپ میرے ہاتھ کے مزیدار چٹخارے دار بنے گول گپے کھانا چاہیں گی۔"

زوالقرنین نے لب دبائے سوال کیا تو روشنی نے اثبات میں سر ہلایا جبکہ حماس کی نظر سامنے والی ٹیبل پر بیٹھے سمیع پر پڑی تو وہ چہکتا ہوا اس کی طرف بڑھ گیا۔

"سمیع ماموں۔"

زنگر برگر اور کولڈ رنگ سے انصاف کرتے ہوئے سمیع نے چونک کر اسے دیکھا پھر بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ اسے اٹھا کر گود میں بٹھا لیا۔

"چیمپ تم یہاں؟"

سمیع نے سوال کیا۔ مزنی نے اس کے پھولے پھولے گال کھینچے۔

"مما بابا کے ساتھ شاپنگ کرنے آیا ہوں اور پتا ہے بابا نے مجھے بہت ساری شاپنگ کروائی ہے۔"

اس نے فخریہ بتایا۔

زوالقرنین اور روشنی اب اٹھ کران کی طرف آگ ۓ تھے۔

"سوری حماس نے ڈسٹرب کر دیا۔"

روشنی نے شرمندگی سے کہا۔

"اٹس اوکے ہم بس گھر کے لیے نکل رہے تھے۔اچھا ہوا تم مل گئیں۔ساتھ ہی چکو ہمارے۔۔"

سمیع نے نیپکن سے لبوں کو تھپتھپا کر پے منٹ کی اور اٹھ کھڑا ہوا۔پارکنگ میں پہنچ کر زوالقرنین نے سارے شاپنگ بیگز سمیع کی گاڑی میں رکھوائے۔اس نے جھک کر حماس کو پیار کیا اور اپنا وائبریٹ ہوتا موبائل جیب سے نکالا۔

"گول گپوں کی پریکٹس کر لیجیے گا۔اتنے عرصے میں کہیں بھول نہ گ ۓ ہوں۔میں اپ کے گھر میں اور آپ کی زندگی میں شامل ہونے کی خوشی میں منہ میٹھا کرنے کے بجائے تیکھا کرنا پسند کروں گی۔"

روشنی کی دھیمی اور مسکراتی آواز پر وہ مسرور سا ہوا تھا۔بے اختیار لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

دونوں تینوں گھروں میں شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ سمیع اور مزنی کی شاپنگ مکمل ہوتے سعدیہ بیگم نے پہلے مزنی کی بری تیار کروائی پھر روشنی کے جہیز میں رکھے جانے والے جوڑے چپلیں میک اپ اور زیورات کے دو بیگ تیار کیے۔

کل دوپہر کو روشنی اور زوالقرنین کا نکاح ہونا تھااور شام میں مہندی مایوں کی تقریب تھی۔

ادھر ساجدہ بیگم اور سحاب نے بھی مزنی کے کے جہیز کی فہرست بنا کر سفیر کے حوالے کر دی تھی اور فہرست کا سارا سامان دیکھ کر سمیع حیدر نے کچھ بھی لینے سے قطعی انکار کر دیا تھا مگر ساجدہ بیگم اسے خالی ہاتھ رخصت کرنے کی خواہشمند نہ تھیں سو اس کے بینک اکاؤنٹ میں جہیز کے سامان کی رقم منتقل کروادی کہ اسے جب ضرورت محسوس ہو تو استعمال کرلے۔انہوں نے پارس کے لیے بھی نوریز کے ساتھ جا کر خود اس کی شادی کی ساری شاپنگ کی تھی کہ آج کل اس پر آگے داخلہ لینے کا بھوت سوار تھا۔

آج بھی جب سحاب سفیر کے ساتھ مزینہ کی طرف شادی کی دعوت دینے کی غرض سے جا رہی تھی تو سحاب بھی اپنے کورس کی کتابیں لینے کے لیے ہمراہ چلی گی کہ واپسی پر اردو بازار سے کتابیں خرید لے گی۔

شام گ ئے وہ لوگ واپس آئے تو ساجدہ بیگم نے اسے خوب ڈانٹا۔ کل انہیں دوپہر میں روشنی کے نکاح میں تھوڑی دیر کے لیے شرکت کرنی تھی پھر شام میں مزنی اور سمیع کے نکاح کے ساتھ ہی دونوں کی رسم حنا بھی تھی اور اس کی کوئی تیاری ہی نہیں تھی۔

ادھر زائشہ بھی بے حد مصروف تھی۔ نوریز کی شادی کی تیاریوں کے چکر میں وہ پھر کی بنی ہوئی تھی۔ شاپنگ اور پارس کی بری کے بعد گھر کی سجاوٹ اور نوریز کے کمرے کی کچھ تبدلیاں کرنی تھیں جو بعد ازاں اردشیر کروا چکا تھا۔

ان سب کی رسم حنا اور نکاح کے اگلی رات مزنی اور پارس کی رخصتی تھی۔

صبح اپنے ساتھ نئ امنگیں اور روشنی کی پر امید کرنیں لے کر نمودار ہوئی تھی۔ ساجدہ بیگم نے آج سب کو جلدی بیدار کر دیا تھا۔ خواتین نے گھر کے اندر کے معاملات سنبھال رکھے تھے جبکہ باہر کے انتظامات سفیر اور خرم دیکھ رہے تھے۔

سحاب نے رینا اور حرا کو بھی مدد کے لیے بلوالیا تھا جو دوستی کا حق نبھانے بلا چوں چراں کیے چلی آئی تھیں۔ رینا اور حرا دونوں مہندی لگانے میں ایکسپرٹ تھیں۔ سحاب نے مزنی اور پارس کے دونوں ہاتھوں پاؤں پر مہندی لگانے کا کام ان دونوں کو سونپ دیا۔

مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ اس نے ملازمہ کو چائے پانی کا انتظام کرنے کی تاکید کی اور سب کے کپڑے استری کرنے کی ذمہ داری ایک دوسری ملازمہ کے سپرد کر دی۔

"سحاب بیٹا ان دونوں کے جوڑے یاد سے استری کروا دینا اور سفیر کہہ رہا تھا کہ اس کے سفید کلف والے کپڑے نکال دینا۔"

ساجدہ بیگم جو مہمانوں سے مل رہیں تھیں۔ اسے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے دیکھ کر تاکید کرنے لگیں تو وہ اثبات میں سر ہلا کر پارس اور مزنی کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گئ۔

روشنی اکیلے ہونے کے باعث پچھلے کئی دنوں سے کاموں میں مصروف تھی۔ حالانکہ وہ خود بھی ہونے والی دلہن تھی مگر بھائی کی شادی کی خوشی نے اسے یہ بات بھلا ہی دی تھی مگر سمیع نے تین دن پہلے اپنی ایک قابل اعتبار دوست سے کہہ کر ملازمہ کا بندوبست کر لیا تھا جو سعدیہ بیگم کے کاموں میں مدد کر رہی تھی۔ سعدیہ بیگم نے روشنی کو صبح ہی سمیع کے ساتھ پارلر بھیج دیا تھا۔ دوپہر کی تقریب کے حوالے سے مہمان جمع ہونا شروع ہو چکے تھے۔ ان کے سسرال سے روشنی کی پھپھیاں اور چچا تایا لوگ بھی فیملی سمیت آ چکے تھے۔ گھر میں خاصی رونق ہو گئی تھی۔ زائشہ کو اردشیر کچھ دیر پہلے ہی یہاں چھوڑ گیا تھا کیونکہ اسے نوریز کو ذوالقرنین کی طرف سے شرکت کرنی تھی رات میں نوریز اور پارس کی مشترکہ تقریب کے لیے ساجدہ بیگم کی طرف بھی جانا تھا۔

زائشہ کے آنے سے انہیں اطمینان ہوا تھا۔

سمیع روشنی کو پارلر سے لے آیا تھا اور اس وقت وہ اپنے کمرے میں تھی۔

"زائشہ تم زرا روشنی کے پاس جاؤ۔ اس وقت اسے تمہاری ضرورت ہے۔"

انہوں نے نرمی سے کہا تو زائشہ مسکرا کر انہیں تسلی دیتی ہوئی اپنا شرارہ سنبھالتی دوپٹہ کندھے پر درست کرتی ہوئی روشنی کے کمرے میں داخل ہوئی جو ٹشو سے غالباً آنکھوں میں آئی نمی پونچھ رہی تھی چونکہ آج ان دونوں کا مایوں بھی تھا اسی لیے روشنی کا ڈریس بھی اسی مناسبت سے تھا۔ زرد رنگ کے گھیر والے شرارے پر آتشی رنگ کی شرٹ جس پر گوٹے کناری کا کام ہوا تھا۔ کرنکل جارجٹ کے جامنی رنگ کے دوپٹے پر چار انچ چوڑی پٹی گوٹے کے کام کی بنی ہوئی تھی جس کے چاروں کونوں پر جھومر لٹکے ہوئے تھے۔ جب وہ حرکت کرتی تو خوب شور مچاتے۔ اسے اس روپ میں دیکھ کر زائشہ خوشگوار حیرت میں گھر گئی تھی۔

"ماشاءاللہ ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو روشنی۔"

اس کی آواز پر وہ چونک گئی پھر اسے دیکھ کر بے اختیار مسکرائیں۔

"نروس ہو؟

زائشہ نے اس کے پاس بیٹھ کر پوچھا۔

"ہاں تھوڑی بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔"

ایک فطری حیا اور نئے بننے والے رشتے کا خوف اسے کنفیوز کر رہا تھا۔

"تو لگاؤں زوالقرنین کو فون کہ جلدی آجاؤ تمہاری دلہن کا دل گھبرا رہا ہے۔"

زائشہ نے شرارت سے کہا تو وہ جھنیپ گئی۔ پھر اسے ویڈیو کال ملاتے دیکھ کر سچ میں اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"زائشہ کال ڈراپ کرو ورنہ میں تمہیں بخشوں گی نہیں۔"

دانت کچکچا کر وہ بولی تو زائشہ نے موبائل اس کی پہنچ سے دور کیا اور چند منٹ بعد کال رسیو کرلی گئی تھی اور زائشہ نے سکرین کا رخ روشنی کی طرف کیا جہاں پارس اور مزنی ہاتھوں پر مہندی لگائے بیٹھی تھیں۔

روشنی نے خفگی سے اسے دیکھا تو زائشہ ہنس دی۔

"ہائے روشنی کتنی پیاری لگ رہی ہو۔ کاش گھر والے زبردستی میری شادی نہ کرتے تو میں آج تمہارے نکاح پلس مایوں میں شامل ہوتی۔"

پارس کی ٹھنڈی آہ پر انہوں نے ہنسی ضبط کی۔

"ویسے چہرے پر کچھ دیر پہلے خفگی کیوں تھی۔"

مزنی کی نظریں بڑی تیز تھیں۔

"موصوفہ کو گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ میں نے کہا کیوں نہ دلہے میاں کو کال ملائی جائے مگر میں نے کال تمہیں ملادی۔ روشنی کو لگا سچ میں ذوالقرنین کو ویڈیو کال کی ہے۔ بس اسی بات پر خفا تھی۔"

وہ ہنس ہنس کر بتا رہی تھی۔

"ہنس لو میرے بغیر ہی۔ ظالم لڑکیوں۔"

مزینہ مسکراتی ہوئی اندر آئی۔

"تم لوگ کب آئے؟"

زائشہ اسے ملی۔

"ابھی پہنچے ہیں۔ خرم نیچے مردانے میں رک گئے تو میں سعدیہ خالہ سے مل کر ادھر آ گئی۔ ویسے کوئی بڑا چمک رہا ہے آج۔"

ممتا کا روپ لیے وہ اپنے بھرے بھرے جسم کو کامدار شال سے کوور کیے خاصی گریس فل لگ رہی تھی۔ زائشہ کو بتاتی وہ اچانک روشنی کو مخاطب کر گئی تو وہ ہنس کر اس سے ملنے لگیں۔ موبائل مزینہ نے اچک کر روشنی کے برابر سیٹ سنبھالی۔

"چلو پارس بیگم تمہاری آزادی بھی صلب ہونے کو ہے۔ بڑا قرار آئے گا مجھے۔ تمہیں یوں بے فکری سے گھومتے کلیجہ جلتا تھا میرا۔ اب پتا لگے بچو جب میاں کے کام کرنے پڑیں گے۔ وہ کہے تو دن وہ کہے تو رات۔"

پارس کے مہندی والے ہاتھ دیکھ کر وہ مزے سے بولی تھی۔ پیچھے رینا اور حرا کا قہقہہ لگا تھا جبکہ اس کا منہ بن گیا۔

"تم تو ہو ہی جل ککڑی۔"

وہ کہہ کر کال کاٹ گئی۔ مزینہ کا بھلا کوئی مقابلہ تھا۔ اب اس کی توپوں کا رخ روشنی کی طرف تھا۔

ساجدہ بیگم کا ارادہ تو بہن کی طرف جانے کا تھا مگر وہ کچھ سوچ کر سحاب اور سفیر کے ساتھ زوالقرنین کی طرف آ گئیں کہ ان کی طرف بھی کوئی بزرگ ہونا چاہیے تھا۔

سفید شلوار قمیض میں گلے میں رنگ برنگا پٹکا ڈالے پیروں میں کھیڑی پہنے وہ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔ آج اس کی چھب ہی نرالی تھی۔ چہرے پر سکون کا وہ عالم تھا کہ دیکھنے والی آنکھ رشک کرتی۔

"بابا یو لک لائک اے کنگ۔"

حماس نے فلائنگ کس اس کی طرف اچھالی۔ زوالقرنین نے اسے گود میں اٹھا کر اس کے دونوں گال چوم لیے۔ سمیع اس کی ضد پر اسے صبح ہی روشنی کے ہاتھوں تیار کروا کر زوالقرنین کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ بقول اس کے کہ اسے بابا کے ساتھ رہنا تھا۔

"میرا بیٹا بھی پرنس لگ رہا ہے۔"

زوالقرنین نے اسے پیار کیا۔

"مما بھی کوئین لگ رہی ہوں گی؟"

حماس نے گال پر انگلی رکھ کر سوچا کم پوچھا زیادہ تھا۔

"جواب دیں ناں بھائی۔"

سحاب نے مسکراہٹ دبائی۔

اس کا جواب تو دیکھنے کے بعد ہی دے سکتے ہیں۔

وہ لب دبا کر گویا ہوا۔ کناروں پر مسکراہٹ مچل رہی تھی مگر وہ ضبط کر گیا۔

"کھل کر ہنس لے۔ ٹیکس نہیں لگتا۔"

اردشیر نے ہنس کر اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"چلو بیٹا نکلو دوپہر چڑھ آئی ہے۔"

ساجدہ بیگم نے انہیں باتوں میں لگے دیکھ کر ٹوکا تو وہ سب اپنی اپنی گاڑیوں میں روانہ ہو گئے۔

ڈیڑھ بجے کے قریب وہ لوگ سعدیہ بیگم کے ہاں پہنچے تھے۔ مہمان اگرچہ زیادہ نہیں تھے مگر گھر اور خاندان کے لوگوں نے ہی خاصی رونق لگا دی تھی۔ سٹیج پر ذوالقرنین کے ہمراہ حماس بیٹھا تھا ارد گرد ملنے ملانے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ سعدیہ بیگم نے آگے بڑھ کا اس

کا ماتھا چوما اور اس کی نظر اتاری۔ بڑے عرصے بعد انہیں بیٹی کی خوشیاں دیکھنا نصیب ہوئی تھیں۔

"اس وقت تو بالکل قربانی کا بکرا لگ رہا۔ قربانی کے بکرے کی بھی ایسی ہی آؤ بھگت کی جاتی ہے۔"

خرم نے سنجیدگی سے ماحول میں پھلجھڑی چھوڑی۔

"تیرا تجربہ کیسا رہا قربان ہونے کے بعد؟"

زوالقرنین نے ابرو اچکا کر الٹا سوال داغا۔

"بڑا برا تجربہ رہا۔ یہ قربانی تو آج تک ناک و چنے چبوا رہی ہے۔"

خرم نے سرد آہ خارج کی۔

اور تم باخوشی چبا رہے ہو۔"

سفیر نے طنز کیا۔

"اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں میرے دوست۔ شادی وہ لڈو ہے جو کھائے پچھتائے جو نہ کھائے وہ پچھتائے۔"

خرم نے تاسف زدہ لہجے میں ملال سے کہا۔ سفیر نے مزینہ کو دیکھا جو سٹیج کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں شرارت چمک اٹھی۔

"یعنی تم بھی پچھتا رہے ہو؟"

سفیر نے پوچھا۔اردشیر آنے والے لمحات کا سوچ کر مسکراہٹ ضبط کرنے میں سرخ پڑ رہا تھا۔

"اب پچھتاوے کیا جب چڑیاں چگ گئی کھیت۔"

خرم کا رنجور لہجہ اور اس کے الفاظ مزینہ کو سر تا پا سلگا گئے۔

"تو آپ جناب مجھ سے شادی کر کے پچھتا رہے ہیں۔"

اس کی پاٹ دار آواز پر خرم کے طوطے اڑ گئے تھے۔وہ خونخوار نظروں سے سفیر کو دیکھ رہا تھا جو مسکراہٹ دبا گیا تھا۔

"ارے میں کیوں پچھتاؤں گا۔پچھتائیں میرے دشمن۔وہ تو بس کچھ ٹپس دے رہا تھا دلہے میاں کو۔"

دانت کچکچا کر سفیر کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اس نے بڑی مشکل سے مزینہ کو رام کیا تھا جو شک بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ماموں آپ کو خالہ بلا رہی ہیں روشنی کے کمرے میں۔ نکاح خواں آ چکے ہیں۔"

وہ اعجاز صاحب کو اطلاع دے کر واپس چلی گئی۔ وہ بھی مہمانوں سے معذرت کرتے اوپر آگ ۓ۔

جہاں گھر کی تمام خواتین موجود تھیں۔ مردوں میں صرف سمیع اور اعجاز صاحب موجود تھے۔

زائشہ روشنی کے برابر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ دوسری طرف سعدیہ بیگم تھیں جبکہ سامنے صوفے پر سحاب اور ساجدہ بیگم کے ساتھ مزینہ نے نشست سنبھالی ہوئی تھی۔

نکاح خواں نے نکاح پڑھانا شروع کیا تو روشنی کا پورا وجود لرز گیا۔

"روشنی! بی ریلکیس۔ خود کو پرسکون رکھو۔"

زائشہ نے نرمی سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑا جبکہ وہ آنے والے لمحات کا سوچ کر ضبط کے کڑے مراحل طے کر رہی تھی۔ نکاح ہوتے ہی ضبط کے سارے بند ٹوٹ گ ۓ۔ سمیع

کے کندھے سے لگ کر وہ بے طرح سسک اٹھی۔ اس کا سر تھپک کر وہ اسے ماں کی آغوش میں دے کر نیچے آگیا۔ نکاح خواں نے زوالقرنین سے رضامندی لی پھر نکاح کے بعد دعائے خیر کے لیے ہاتھ اٹھائے گ ئے۔ اس کے بعد ہر جانب مبارک سلامت کا شور اٹھ گیا۔

سفیر خرم اور اردشیر نے اسے کھڑے ہو کر نکاح کی مبارک باد دی۔

"نئی زندگی مبارک ہو یار۔"

سمیع مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس سے بغل گیر ہوا تھا۔

"خیر مبارک۔"

ایک نرم مسکراہٹ کے ساتھ اس نے مبارک باد وصول کی تھی۔

روشنی قدرے بہل گئی تو وہ مہمانوں کے بیچ آگئیں۔ کچھ دیر بعد انہوں نے زائشہ اور سحاب کو رسم حنا ادا کرنے کے لیے روشنی کو نیچے لانے کی تاکید کی۔

روشنی شیشے کے سامنے کھڑی اپنی آنکھیں صاف کر رہی تھی جہاں سے کاجل زرا پھیل گیا تھا۔

"اوئے ہوئے۔ دلہا بھائی کے پاس جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔"

مزینہ نے اسے چھیڑا۔

"زیادہ بکو مت۔"

وہ مڑ کر مصنوعی غصے سے بولی۔

"اونہوں! بھئی ڈسٹرب مت کرو۔ تیار ہونے دو کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اخر کو دیدار جو کروانا ہے۔"

سحاب کی شوخیاں بھی عروج پر تھی۔

روشنی سرخ پڑ کر بری طرح جھینپ گئی۔

"جی نہیں! میں نیچے گھونگھٹ کر کے جاؤں گی۔"

وہ مزے سے گویا ہوئیں تو سب کا مشترکہ قہقہہ لگا۔

"بھئی پھر تو خوب مزہ آئے گا ذوالقرنین بھائی کو بے چین و بیقرار ہوتے دیکھ کر۔ بیچارے تمہیں گھونگھٹ میں دیکھ کر پہلو بدل بدل کر رہ جائیں گے۔"

زائشہ نے اس کے کندھے سے تھوڑی ٹکا کر دلچسپی سے کہا۔

"اور پھر رخصتی تک تو ان کا صبر جواب دے جائے گا۔ ویسے بڑا مزہ آئے گا انہیں اس طرح دیکھ کر۔"

سحاب نے خیالوں میں زوالقرنین کے تاثرات سوچ کر کہا۔

"کس قدر ظالم لڑکیاں ہو تم لوگ۔"

روشنی انہیں گھور کر رہ گئیں۔ شرم و حیا کی سرخی کے ساتھ عارضوں پر خفگی بھی چھلکنے لگی۔

"ہائے میں صدقے! آگ دونوں طرف برابر لگی ہوئی ہے۔"

ذو معنی لہجے میں کہتے اس نے روشنی کی رخساروں کو چھوا تو وہ مزینہ کی بے باکی پر حیا سے رخ موڑ گئی۔ زائشہ نے مسکراہٹ دبائی۔

"چلو بی بنو تمہارا بلاوہ آیا ہے۔"

زائشہ نے آگے بڑھ کر اس کا گھونگھٹ گرا دیا۔

لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ سجائے وہ اپنے دوستوں کی گل افشانیاں سن رہا تھا۔ کوئی اسے بیوی کے عتاب سے بچنے کے نسخے بتا رہا تھا تو کوئی آنے والی زندگی کو خوبصورت بنانے کے وظائف۔ خرم نے تو اس قدر برا نقشہ کھینچا تھا کہ وہ جھرجھری لے کر رہ گیا تھا جبکہ اردشیر نفی میں سر ہلاتا ان سب کو ذوالقرنین کی درگت بناتے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"ایسے دوستوں سے تو الامان الحفیظ۔"

ذوالقرنین کے کانوں کے ہاتھ لگائے اور جونہی نظر زینہ اتری روشنی پر پڑی۔ وہ دنگ رہ گیا۔ زرد رنگ شرارے اور گہرے جامنی رنگ کی کرتی پہنے سبز اور سرخ امتزاج کے دوپٹہ میں چہرہ چھپائے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ گھونگٹ نے گرچہ چہرہ چھپا دیا تھا مگر وہ محسوس کر سکتا تھا کہ اس کا رعنائیاں بکھیرتا وجود اور سرور بخشتا روپ کس قدر دلکش لگ رہا ہو گا۔

اسے یوں گہری نظروں سے روشنی کو دیکھتے پا کر خرم بری طرح کھانسا تھا۔ اس کے لبوں کے گوشوں پر بے ساختہ شریر مسکان در آئی تھی۔ ذوالقرنین نے سر جھکا کر اپنے جذبات

پر قابو پایا۔ سعدیہ بیگم اور زائشہ نے اسے بیٹھنے میں مدد دی تھی۔ گھونگھٹ کی آڑ میں بھی زوالقرنین کی نزدیکیاں اس کا ماتھا نم کرنے کا باعث بنی تھیں۔

بیٹھتے وقت بلاارادہ ہی اس کا کندھا زوالقرنین کے کندھے سے مس ہوا تھا۔ اس کی دھڑکیں بے ساختہ سر پکڑنے لگی تھیں۔ بامشکل دھڑکنوں کو سنبھالے وہ لب سیے اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی۔

مہندی کی رسم کے لیے باری باری سب سٹیج پر آتے گ ئے اور اسے مہندی اور ابٹن کے خوش رنگ اور خوشبو لگاتے نئی زندگی کی ڈھیر ساری دعائیں دیتے جا رہے تھے۔

بیک گراؤنڈ پر مہندی کی تقریب کی مناسبت سے گیت لگے ہوئے تھے جو ماحول کو رومان پرور بنا رہے تھے۔ ساجدہ بیگم سحاب اور سفیر کے ہمراہ واپس چلی گئی تھیں کہ ابھی ان کی بھی کئی تیاریاں کرنا باقی تھیں۔

ادھر خرم اور مزینہ نے اچھی خاصی رونق لگائی ہوئی تھی۔ اپنی حالت کے پیش نظر وہ ڈانس نہیں کر سکتی تھی مگر پھر بھی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ روشنی یہ سب بہت انجوائے کر رہی تھی۔

"نکاح مبارک ہو مسز زوالقرنین۔"

زوالقرنین نے سب کو اپنی مستیوں میں مگن دیکھتے ہی موقع پا کر روشنی کا حنائی ہاتھ تھاما تھا جس پر اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں۔ پیٹ میں تتلیاں سی اڑنے لگی تھیں۔

"خیر مبارک۔"

روشنی نے مدھم سروں میں جواب دیا۔

"اس گھونگھٹ کی کوئی خاص وجہ؟"

اس کے لہجے کی خفگی نے روشنی کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

"کہیں تاب نہ لاتے ہوئے آپ بیہوش نہ ہو جائیں۔"

روشنی نے لب دبائے۔

"ہم مضبوط اعصاب کے مالک ہیں۔"

زوالقرنین نے کہا۔

"فالحال آپ کی خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔"

اس کے لہجے کی حسرتوں نے روشنی کی ہتھیلیاں نم کردی تھیں۔ زوالقرنین مسکراہٹ دبا گیا۔

"پولیس والا ہوں۔ چیلنج مت کریں۔ یوں بھی ناممکن کو ممکن کرنے کا مزہ ہی اور ہے۔"

وہ اس کی اور جھک کر گھمبیر بھاری لہجے میں گویا ہوا تو روشنی کی پلکیں لرز گئیں۔

"تھک تو نہیں گئیں۔"

زائشہ سٹیج پر آئی اور اس کے قریب بیٹھ کر استفسار کیا تو روشنی نے اثبات میں سر ہلایا کہ اتنی دیر بیٹھے رہنے سے کمر سچ میں تختہ بن گئ تھی۔ اس نے مزینہ کو اشارے سے بلایا اور سعدیہ بیگم کو مطلع کر کے اسے کمرے میں لے گئیں۔ شام ہوتے ہی محفل بھی اختتام کو پہنچی تھی۔

"تم کچھ دیر آرام کرو! کوشش کریں گے کہ جلدی آجائیں۔ ویسے تمہاری شائنہ پھپھو گھر پر ہی رک رہی ہیں تمہاری وجہ سے توڈرنے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے۔"

زائشہ نے اسے اگاہ کیا

وہ روشنی کے کمرے میں میک اپ ٹھیک کرنے کی غرض سے آئی تھی اور اسے مزنی کے لیے پھولوں کا زیور بھی چاہیے تھا جو اسی کے کمرے میں رکھا تھا۔

"حماس کو مجھے دے جاؤ۔ وہ تنگ کرے گا رات کو کسی کے پاس بھی نہیں رہتا۔"

روشنی نے خود کو زیوارت اور دوپٹے کے بوجھ سے آزاد کیا۔

"اچھا میں دیکھتی ہوں کہیں دکھتا ہے تو بھجواتی ہوں۔"

وہ مسکرا کر کہتی نیچے آ گئی جہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے کہا بھی تھا کہ اس کا انتظار کریں مگر وہ سب اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ ہارن کی آواز پر وہ مطمئن ہوتی پورچ میں آئی جہاں اردشیر لبوں پر مسکراہٹ سجائے اسے سہج سہج کر قدم اٹھاتے اپنی طرف آتے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے پتا تھا آپ میرے لیے ضرور رکیں گے۔"

زائشہ نے گاڑی میں بیٹھ کر سیٹ بیلٹ لگایا اور مسکرا کر کہا۔

"مادام ہم آپ کو چھوڑ کر جا بھی کہاں سکتے ہیں۔"

اردشیر نے اسے خود سے قریب کیا اور گھمبیر لہجے میں کہہ کر اس کے لبوں کی سرخی چرا گیا۔ اس نے سختی سے اس کے کندھے دبوچ لیے۔

لبوں سے سرکتے ہوئے اس کی گستاخیاں گردن تک پہنچیں تو وہ بیہوش ہونے والی ہو گئی۔ لرزتی پلکوں اور کپکپاتے ہاتھوں سے اس پر دباؤ ڈالا تو وہ خود پر ضبط کے پہرے بٹھا گیا۔

"کنٹرول کیا کریں شیر۔ کہیں بھی شروع ہو جاتے ہیں۔"

وہ چہرے پہ چھائی سرخی لیے خفت سے ناراضگی بھرے لہجے میں ٹوک گئی۔

"آپ بھی زرا ہاتھ ہولا رکھا کریں۔ اتنا بن سنور کر میرے بہکنے کا ساماں بھی کرتی ہیں اور پھر مجھے نشہ چڑھتا ہے تو میری شدتوں سے گھبرا بھی بہت جلدی جاتی ہیں۔"

وہ ایک گہری بے باک سی نظر اس پر ڈال گیا جو لب سیے سن رہی تھی۔

"اب بندہ شادی میں ڈھنگ سے تیار بھی نہ ہو۔"

وہ خفگی سے گویا ہوئی۔

"تیار ہو مگر ذہنی طور پر میری شدتوں کے لیے بھی تیار رہا کریں۔"

وہ اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے کر نرمی سے سہلا رہا تھا۔

"میرے لیے سجتی سنورتی ہیں تو کیا فائدہ جب میں ہی آپ کو خراج تحسین پیش نہ کروں۔آپ زرا گلوکوز کا استعمال شروع کر دیں تا کہ اپ کی بیہوشی کا سلسلہ ختم ہو۔"

وہ بے باکی سے کہنے لگا تو زائشہ نے اس کے کندھے پہ مکا رسید کیا۔

"آپ بہت بگڑتے جا رہے ہیں۔"

"کیا کریں آپ ہیں ہی اتنی حسین۔بگڑنا تو جائز ہے۔"

وہ مسکراہٹ دبا گیا۔

"ماشاءاللہ دونوں بہت پیاری لگ رہی ہیں۔اللہ نظر بد سے بچائے۔سحاب ایسا کرو مزنی کو نکاح کا دوپٹہ اوڑھاؤ۔سفیر اور تمہارے ماموں نکاح خواں کو لے کر آرہے ہیں۔"

سعدیہ بیگم مہمانوں سمیت کچھ دیر قبل ہی پہنچی تھی۔مہمانوں کا استقبال مزینہ اور باقی دوستوں کے ساتھ مل کر بہت شاندار طریقے سے کیا تھا۔ساجدہ بیگم ان سب سے ملنے کے بعد مزنی اور سحاب کو دیکھنے آئی تھیں جو بے حد پیاری لگ رہی تھیں۔ساتھ ہی انہوں نے سحاب کو چند اور تاکید کیں تو سمجھتے ہوئے سر ہلا گئی۔

وہ نیچے آئیں تو زائشہ کو دیکھ کر طمینان ہوا۔

"کہاں رہ گئی تھیں؟"

انہوں متفکر لہجے میں پوچھا۔

زائشہ نے مسکراہٹ دبا کر اپنے برابر میں کھڑے اردشیر پر نظر ڈالی جو بے نیازی سے کندھے اچکا کر سٹیج کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"روشنی کے پاس تھی۔نکلتے نکلتے دیر ہو گئی۔"

زائشہ نے تسلی کروائی۔

"اچھا تم اوپر پہنچو۔نکاح بس شروع ہونے والا ہے۔"

وہ جلدی میں کہہ کر مہمانوں کی طرف بڑھ گئیں۔

وہ درواشے سے اندر داخل ہوئی ہی تھی جب مزنی کی کپکپاتی نم آواز سنائی دی۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔امی بہت یاد آ رہی ہیں۔کاش وہ اس وقت میرے پاس ہوتیں۔"

مزنی کے ہاتھ یخ ٹھنڈے پڑگ ئے تھے۔"

وہ نمدیدہ لہجے میں حسرت سے گویا ہوئی۔

"ڈرنے کی کیا بات ہے۔ہم سب تمہارے اپنے ہیں۔امی بس مہمانوں میں تھوڑا مصروف ہیں۔نکاح کے وہ تمہارے ساتھ ہوں گی۔وہ بھی تو تمہاری ماں جیسی ہیں۔"

زائشہ نے اسے تسلی دی اوراس خود سے لگایا۔

"تھینک گاڈ آپا آپ آگئیں۔اصولاتو پہلا حق میرا ہے مگر وہ تو روشنی لے گئیں۔"

وہ خفگی سے کہہ کر زائشہ کے کندھے سے لٹکی۔

"مجھے تو آنا ہی تھا۔میری بہن کی شادی ہو اور میں نہ آؤں بھلا یہ ممکن ہے۔"

وہ کھل کر مسکرائی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔"

زائشہ کی تعریف پر وہ کھل گئ تھی پھر دروازے میں کھڑے سفیر کو دیکھ کر صوفے پر ٹک گئ۔

"السلام علیکم"!

ایک بھرپور نگاہ سحاب کے سراپے پر ڈالتے وہ سلام کرتا مزنی کی طرف بڑھ گیا۔ ساجدہ بیگم بھی آ گئی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد وہ زینب ملک سے زینب سمیع حیدر بن گئی تھی۔ ساجدہ بیگم نے اسے اپنے حصار میں کیا جو بڑی شدت سے روئی تھی۔

"بس میری جان! دنیا کی یہی ریت ہے۔ ہر لڑکی کو پرایا ہونا ہوتا ہے۔ اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔"

وہ اس کا سر چوم کر اٹھیں۔

سفیر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو اسے یوں لگا جیسے وہ درخت کی ٹھنڈی چھاؤں تلے آ گئی ہو۔ کس قدر خوبصورت احساس تھا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

نیچے سمیع حیدر کے نکاح قبول کرتے ہی مبارک باد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا جو تھوڑی بعد ختم ہوا تو مزنی اور سحاب کو رسم کے لیے نیچے لایا گیا۔ مزنی کو سمیع کے برابر میں جبکہ پارس کو نوریز کے ساتھ بٹھایا گیا۔

دونوں نے گھونگھٹ کیا ہوا تھا۔ نوریز تو سخت بدمزہ ہوا تھا۔

"ویسے یہ تو زیادتی ہے۔ نکاح کے بعد تو یہ پردہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

وہ سٹیج پر موجود اپنی بھابھی سے مخاطب تھا۔زائشہ ہنس پڑی۔

"یہ رسم ہے۔"

مزینہ نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"بڑی فضول رسم ہے۔"

وہ چڑ سا گیا۔

"اتاولے نہ ہوں میاں۔ساری عمر گھونگھٹ کے پیچھے چھپی شکل ہی دیکھنی ہے۔"

خرم اطمینان سے بولا تو سب کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔وہ سب سٹیج سے اتر گئے تھے کہ رسم و مراسم کا دور شروع ہو چکا تھا۔

"اس پردے کی مدت کل تک ہے۔پھر تو آپ کے اور میرے درمیان سارے پردے چاک ہو جائیں گے۔"

نوریز کی سرگوشی پر سارے جسم کا خون اس کے چہرے پر سمٹ گیا۔چہرہ حیا کی سرخی چھلکانے لگا۔نوریز اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ دیکھ کر نرمی سے اس کا ہاتھ تھام گیا۔

"بی ریلیکس پارس"!

اس کے تسلی آمیز جملے پر پارس نے گہری سانس خارج کی تھی۔

"کیسا محسوس کر رہی ہیں مسز سمیع حیدر بننے کے بعد۔"

سمیع نے اس کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کرتے مدھم مگر دلکش لہجے میں پوچھا تھا۔

"آپ کسی ٹاک شو کے اینکر پرسن کی طرح یہ سوال کریں گے تو میں یہی جواب دوں گی کہ اپنا سوال درست کریں۔ یہ کوئی انرجی ڈرنک نہیں تھی کہ جسے پینے کے بعد سارے احساسات نہ صرف جاگ جائیں بلکہ بجلی کی رفتار سے دوڑنے لگیں۔ نکاح ہوا ہے۔ ابھی رشتہ بنا ہے۔ فالحال کچھ بھی محسوس نہیں کر پا رہی۔ ہاں! ساتھ رہوں گی تو ہر احساس سے آشنا ہو جاوں گی۔"

وہ پر اعتماد لہجے میں بولی تھی۔ سمیع حیدر خوشگوار حیرت میں گھر گیا کہ وہ جو کچھ دن پہلے اسے خود ترسی اور قنوتیت کا دورہ پڑا ہوا تھا۔ اب وہ بالکل پہلے والی مزنی بن گئی تھی۔

"یہ تبدیلی کیسے آئی؟"

وہ مسکراہٹ دبا گیا۔

"کسی مہرباں نے آ کے میری زندگی بنا دی۔"

مزنی کی نحیف مگر کھنکتی آواز پر وہ ہنس دیا تھا۔

اس کی متلاشی نگاہیں مزینہ کو ڈھونڈ رہی تھیں جو اسے یہاں تو کہیں دکھائی نہیں دی۔

"خرم بھائی مزینہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں اسے اپنے کمرے میں چھوڑ کر آئی ہوں۔ آپ جلدی سے اسے جا کر دیکھیں۔"

سحاب جو سفیر کے ہمراہ سٹیج پر رسم کی غرض سے جا رہی تھی۔ خرم پر نظر پڑتے ہی متفکر لہجے میں اسے مطلاع کرنے لگی۔

"آپ کو مجھے پہلے بتانا چاہیے تھا۔"

وہ سحاب کا جواب سنے بغیر ہی تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

مزینہ بیڈ پر آنکھیں موندے لیٹی ہوئی تھی۔ کسی کی موجودگی کے احساس سے اس نے آنکھیں وا کیں۔ خرم تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

"تمہاری طبیعت کی خبریں دوسروں سے مل رہی ہیں۔ فون نہیں ہے تمہارے پاس۔ زرا سی بھی طبیعت بگڑا کرے تو فورا کال کیا کرو مجھے۔"

وہ سنجیدگی سے اسے ٹوک گیا تھا۔ کیسی زرد پڑ گئ تھی لمحوں میں۔

"ایک تو پہلے ہی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اوپر سے مجھے ڈانٹے جا رہے ہیں۔"

انکھیں یکایک بھیگ گئیں۔ وہ نڈھال لہجے میں بول کر آنسو صاف کرنے لگی۔ خرم نے جی بھر کر خود کو ملامت کیا۔

"آر یو اوکے۔"

وہ بے حد محبت سے پوچھ رہا تھا۔ اسے سہارا دے کر بٹھایا تو مزینہ نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔

"متلی ہو رہی ہے۔ چکر آرہے ہیں۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ اس شور شرابے سے میرا دل گھبرا رہا ہے۔ مجھے گھر جانا ہے۔"

اس کے سینے پر سر رکھ کر آنسو بہاتی وہ اپنی کیفیت بیان کر رہی تھی۔ خرم نے اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں چلائیں۔ اور اس کے بالوں پر لب رکھے۔

چلو اٹھو گھر چلتے ہیں۔

وہ فوراً مان گیا۔ اسے سہارہ دے کر کھڑا کیا تو وہ خود پر شال درست کرتی اس کے سہارے چلنے لگی تھی۔ خرم ساجدہ بیگم اور سفیر سے معذرت کر کے اسے گھر لے گیا تھا۔

حماس ضد کر کے اس کے رک تو گیا تھا مگر جوں جوں اسے نیند آ رہی تھی وہ روشنی کو پکار رہا تھا۔ ذوالقرنین نے اسے بہلانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر وہ بچہ تھا اور بچہ دن میں سب کے پاس رہ لیتا ہے مگر اڈے رات کو ہر حال میں اپنی ماں چاہیے ہوتی ہے۔ حماس کو بھی روشنی کی ضرورت تھی۔

مجھے مما کے پاس جانا ہے۔

اس نے رو رو کر آنکھیں سرخ کر لی تھیں۔

حماس آئس کریم کھائے گا۔ بابا اسے اس کی فیورٹ آئسکریم کھلائیں گے۔

ذوالقرنین نے اسے گود میں بٹھا لیا۔

نو! مجھے ائسکریم نہیں مما چاہیے۔

وہ شدت سے رو پڑا۔ زوالقرنین کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ سب لوگ شادی میں گئے ہوئے تھے۔ وہ حماس کو روشنی کے پاس بھجواتا بھی تو کس کے ہاتھ۔ کسی سوچ کر اس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ در آئی۔

" چلیں آپ کی مما کے پاس چلتے ہیں۔ اسی بہانے ان سے ملاقات بھی ہو جائیگی۔"

اس نے حماس کو اٹھایا اور رخ سمیع حیدر کے گھر کی طرف کیا۔ کھلی کھڑکی سے اتی ٹھنڈی ہوا اور کچھ نیند کا خمار تھا کہ حماس چند منٹوں میں ہی نیند کی آغوش میں جا چکا تھا۔

اسے ہمیشہ حماس کے ساتھ سونے کی عادت تھی۔ وہ رات کو اسے اپنی اغوش میں لیے اطمینان سے سوتی تھی مگر آج حماس کے بنا وہ خود کو ادھورا سا محسوس کر رہی تھی۔ نیند الگ روٹھ سی گئی تھی۔ وہ اب تک اپنے انہیں تقریب والے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ میک اپ بھی جوں کا توں تھا۔ بس جیولری اتار دی تھی۔ تھکن کے مارے ہاتھ منہ نہیں دھویا تھا جبکہ جوڑق اس نے سعدیہ بیگم کی تاکید پر پہن رکھا تھا کہ مسیوں کا جوڑا تب ہی اترتا ہے جب بارات کا جوڑا پہننا ہو۔

وہ یونہی انکھوں پر ہاتھ رکھ کر سو رہی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک پر چونک گئ۔

شاید شائنہ پھپھو کو کچھ چاہیے ہو۔

وہ پر سوچ انداز میں چپلیں پیروں میں اڑس کر دوپٹہ شانوں پر درست کرتی اٹھی اور دھیرے سے دروازہ کھولا مگراس لی سوچ کے برعکس وہاں زوالقرنین تھا جسے دیکھ کر وہ متفکر ہو گئ۔زولاقرنین نے کچھ بھی کہنے سے قبل سوئے ہوے حماس کو اندر اکر اس کے بیڈ پر لٹادیا۔اس پر لحاف درست کر کے وہ مڑا اور فرصت سے اسے دیکھنے لگا جس کا چہرہ تقریب میں گھونگھٹ ہونے کے باعث وہ دیکھ نہ سکا تھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ پھپھو دیکھ لیں گی۔"

وہ دونوں ہاتھوں کو مسلتی پریشانی سے گویا ہوئی۔

"حماس کو اس کی مما کے پاس جانا تھا اور مجھے اپ کا یہ روپ سروپ دیکھنا تھا۔بس اپنی خواہش پوری کرنے آیا ہوں۔"

وہ بھاری قدم اٹھاتا اس کے نزدیک ان رکا تو روشنی کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے لگا۔اس نے لب دبا کر اپنی لرزتی کیفیت پر قابو پایا۔

"پلیز زوالقرنین۔"

روشنی کی آواز کپکپاسی گئ تھی۔

زوالقرنین نے اسے دونوں شانوں سے تھام کر قریب کیااور اس کی مشک بار زلفوں کو ہاتھوں پر لپیٹ کران کی خوشبو سانسوں میں اتارنے لگا۔روشنی کادل بے طرح دھڑک رہا تھا۔

"اپ کو یہاں اس طرح نہیں آنا چاہیے تھا۔"

اپنی کیفیت کو چھپانے اور زوالقرنین کے جذباتوں پر بند باندھنے کے لیے وہ خفگی سے گویا ہوئی مگراس کی خفگی پر زوالقرنین مزید پھیل گیا۔جھک کراس کے لبوں پر کو چھواتوروشنی چکرا کر رہ گئ۔چہرہ لمحوں میں کندھاری انار ہو گیا۔لب کپکپاسے گ ئے۔وہ رخ موڑ گئ۔فضامیں اسکے دوپٹے میں لگے جھوم روں کی اواز سر بکھیر گئ۔

"توپھر کس طرح آنا چاہیے تھا۔"

اس کارخ موڑ کر وہ لبوں پر مسکراہٹ سجاے اس کی تھوڑی تلے دوانگلیاں رکھ کر چہرہ اونچا کیے سراپہ سوال بناتوروشنی کی جان پہ بن آئی۔

"مم مجھے نیند آ رہی ہے۔"

نظریں چرائے وہ قدرے فاصلے پر ہو کر بے قابو ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالنے کے در پے تھی۔

"آج رات اپنی نیندیں پوری کر لیں۔ کل آپ کی نیند پرائی ہے۔ زوالقرنین کل آپ کا چین سکون حتی کہ نیند تک اڑا دے گا۔ سو بی کیئر فل"!

وہ گھمبیر لہجے میں اس کے کان میں سرگوشی کرتا اسے سر تا پا سن کر گیا۔ اپنی گردن اور کندھے پر اس کی سانسوں کی تپش محسوس کر کے وہ دل مٹھی میں لے گئی تھی جو بے طرح دھڑک رہا تھا۔

"الوداع جاناں۔"

اس کے ماتھے کو مہکا کر وہ ہوا کے جھونکے کی طرح چلا گیا تھا جبکہ روشنی کتنی ہی دیر تک اس کی خوشبو اپنے ارد گرد محسوس کرتی رہی اور اس کا لمس جیسے اب تک ماتھے اور کبوں پر تر و تازہ تھا۔ لب اس کی کچھ دیر قبل کی گئی گستاخی پر مسکراہٹ میں ڈھلے تھے تو عارضوں پر حیا کی سرخی پھیل گئی تھی۔

مزنی اور پارس پارلر جا چکی تھیں۔ گھر کے کام نمٹا کر اور ملازمہ کی نگرانی میں سفیر اور ساجدہ بیگم کے کپڑے استری کروانے کے بعد وہ بھی سفیر کے ساتھ پارلر روانہ ہو گئی تھی۔ اسے وہاں ڈراپ کر کے وہ اپنے چند ایک کام نمٹانے کے بعد گھر جا کر پہلے تیار ہوا اور اس کے بعد سب مہمانوں کے ہمراہ بینکوئیٹ پہنچا۔

"سفیر دونوں کے اٹیچی کیس رکھوا لیے تھے ناں؟"

ساجدہ بیگم نے یاد آنے پر پوچھا۔

"جی امی جان رکھوا لیے تھے اور بارات کے لیے بھی سارے انتظامات ہو گئے ہیں۔ آپ فکر مت کریں۔"

وہ انہیں مطمئن کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔

مزنی اور پارس تیار ہو چکی تھیں۔ سحاب نے دونوں کو بیگ سے چادر نکال کر اوڑھائی اور موبائل پر سفیر کا نمبر ڈائل کرنے کے بعد ایک طرف آ گئی جہاں شور کی آوازیں پہنچنے سے قاصر تھیں۔

رنگ ٹون مسلسل بج رہی تھی اور پھر کچھ ہی دیر بعد کال رسیو کر لی گئی تھی۔

"جی کہیے مادام! کیا حکم ہے؟"

سفیر کی مسکراتی آواز پر سحاب ہنس دی۔

"حکم یہ ہے کہ ہم تینوں تیار ہو چکی ہیں ہمیں لینے آ جاؤ۔"

وہ اپنے لمبے سٹریٹ ہوئے بالوں کو آگے کرتی اترا کر بولی۔

"ٹھیک ہے بس پندرہ منٹ دیں۔ میں ابھی کسی کو بھیجتا ہوں۔"

وہ کہہ کر کال بند کرنے لگا تھا کہ سحاب جھلا گئی۔

"کسی کو کیا مطلب تم خود لینے آ رہے ہو سمجھے۔"

وہ تپ کر حکمیہ لہجے میں بولی تو سفیر کھل کر ہنس دیا۔

"یہ جو کبھی کبھی میرے والا ڈپارٹمنٹ آپ سنبھالنے لگتی ہیں ناں۔ یقین کریں ٹوٹ کر پیار آتا ہے۔"

وہ اس کے حکمیہ لہجے پر چوٹ کرتا مسکراہٹ دبا گیا۔

"ساری باتیں فون پر کر لو گے تو میرے سامنے کیا کرو گے۔"

وہ آئینے میں اپنے سراپے کو دیکھ کر مستفسر ہوئی۔

"میں لینے آرہا ہوں اپنا جو بھی سامان ہے پیک کر کے رکھیں۔"

وہ کہتا ہوا کال ڈراپ کر گیا۔پندرہ منٹ انتظار کے بعد اسے گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ساتھ ہی اس کے موبائک پر سفیر کا میسج موصول ہوا تو وہ پہلے پارس کو لیے باہر آئی۔ سفیر نے ایک گہری نگاہ سرخ رنگ کی نجٹ کی کامدار ساڑھی میں ملبوس سحاب پر ڈالی جو میک اور جیولری سے لیس کھلے بالوں میں کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔ سحاب اس کی گہری بے باک نظریں خود میں گڑھتی محسوس کر کے بری طرح جھینپ گئ تھی۔

وہ پارس کو بٹھانے کے بعد مزنی کو بھی لے ائی تھی۔دونوں کے پچھلی سیٹوں پر بٹھا کر اس نے فرنٹ سیٹ سنبھالی تھی۔ سفیر نے سحاب کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگایا۔اس کی خاموش پیام دیتی نظریں اسے خود میں سمٹنے پر مجبور کر گئیں تھیں۔

"گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔وہ ملازمہ کے ذمے چند کام لگا کر خود تیار ہونے کی غرض سے کمرے میں چلی آئی۔پارلر جانے کی خرافات تو وہ پال ہی نہیں سکتی تھی کہ ساس ہوتی

تو وہ بے فکری سے چلی بھی جاتی اب ساری ذمہ داری اس کے کندھوں پر تھی اور وہ کبھی بھی اپنی ذمہ داریوں سے منہ موڑنے والی لڑکی نہیں تھی۔

واشروم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ اردشیر شاور لے رہا تھا۔ اس نے اپنا لباس اٹھایا اور ڈریسنگ روم میں بند ہو گئی۔

کپڑے تبدیل کر کے وہ باہر آئی۔ دوپٹہ اتار کر بیڈ پر رکھا اور خود تیار ہونے بیٹھ گئی۔

اردشیر تولیے سے بال رگڑتا ہوا باہر نکلا تو پہلی نظر بے فکری سے تیار ہوتی زائشہ پر ٹھہر گئی۔ جو اب اپنے نرم گداز لبوں پر گہری سرخ لپ سٹک لگا رہی تھی۔

اردشیر نے تولیہ صوفے پر اچھالا اور بیڈ پر پڑی اپنی سفید شرٹ زیب تن کی اس کے بٹن بند کرتے وقت بے اختیار اسے شرارت سوجھی۔

"زائشہ کیا کرتی ہیں۔ دیکھ کر پریس کروایا کریں شرٹ۔ بٹن ٹوٹا ہوا ہے اس کا۔"

بٹن ایک جھٹکے سے کھینچ کر وہ چہرے پر جھلاہٹ سجائے بولا تو زائشہ چونک گئی۔

"میں نے خود ملازمہ سے اپنی نگرانی میں پریس کروائی ہے۔ ایسے کیسے ٹوٹ گیا۔ تب تو سلامت تھے سارے بٹن۔"

وہ پریشانی لیے لپ سٹک وہیں چھوڑ کر دراز سے باکس نکالنے لگی۔

"ہاں تو پھر میں نے توڑا ہو گا۔"

اردشیر کی ناراضگی سے لبریز آواز پر زائشہ لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔"

وہ لب دبائے سوئی میں دھاگا ڈال کر اس کے نزدیک آئی۔

"بٹن دیں مجھے۔"

زائشہ نے اسے آنکھیں دکھائیں تو اردشیر نے لبوں پر مسکراہٹ سجائے ہتھیلی کھول کر اس کے سامنے کر دی۔

"شادی والا گھر ہے۔ابھی مجھے خود تیار ہونا ہے۔پھر دیور کو بھی دیکھنا ہے کہ موصوف تیار ہوئے کہ نہیں۔کوئی ایک کام نہیں ہیں میرے۔اوپر سے آپ میرے لیے کام بڑھا دیتے ہیں۔سیریسلی شیر آپ کب سدھریں گے۔"

وہ خفگی سے بٹن ٹانگ کر پیچھے ہٹنے لگی تو اردشیر نے بازو اس کی کمر میں ڈال کر اسے خود سے نزدیک کر لیا۔

"میں چاہتا ہوں۔آپ میرے آس پاس رہیں۔ صبح سے آپ کی پیاری سی من موہنی سی صورت دیکھنے کو ترس گیا ہوں۔ شوہر ہوں۔اتنا تو حق بنتا ہے میرا۔"

وہ اس کی شرٹ کندھے سے درست کرتا اس کی کالر بون پہ جھکا تو زائشہ کی دھڑکنوں میں تلاطم برپا ہو گیا۔

وہ جس لمحے اسے آزاد کر کے دور ہوا وہ چہرے پر حیا کی سرخی لیے بے حد دلکش لگ رہی تھی۔

"جائیں تیار ہو جائیں قبل اس سے کہ میرا دل بے ایمانی پر اتر آئے۔ پھر شکوہ بھی آپ ہی کو ہو گا۔"

وہ گھمبیر لہجے میں اس کے کندھوں پر دباؤ ڈال کر پیچھے ہٹ گیا جبکہ زائشہ کی جان خلاصی ہوئی تھی۔اسے اپنی تیاری میں مصروف دیکھ کر وہ خود بھی اطمینان سے تیار ہونے لگی تھی۔

حرا اور رینا اپنی فیملی کے ہمراہ کچھ دیر پہلے ہی پہنچی تھیں۔ مزنی اور پارس سے بھی ان کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ لوگ ساجدہ بیگم کے بتانے پر بینکوئیٹ میں موجود برائڈل روم کی طرف آ گئیں۔ سحاب ان دونوں کی چادریں اتار کر بیگ میں رکھ رہی تھی۔

"ہیلو ایوری ون۔"

ان دونوں کی کھنکتی آواز پر وہ بے ساختی مڑی اور باری باری دونوں سے گلے ملی۔

"اتنی بد تمیز دوستیں میں نے آج تک نہیں دیکھیں۔ بندہ تھوڑی دیر پہلے آ کر مدد ہی کروا دے۔ پتا ہے اکلوتی بہو ہونے کے فائدے کے ساتھ خاصے نقصانات بھی ہیں۔"

وہ خفگی سے گویا ہوئی۔

"یار فیملی کے ساتھ آئی ہوں۔ صبح سے کیسے آ جاتی۔ ہمارے گھر بھی اچانک مہمان آ گئے تھے۔"

رینا نے اس کا شکوہ دور کرنا چاہا۔

"ماشااللہ چشم بدور۔"

"دونوں پر جم کے روپ چڑھا ہے۔"

حرا نے کہا۔

"رات بھر پیا کے خواب دیکھتی رہی ہیں دونوں۔ روپ تو چڑھنا ہی تھا۔"

رینا نے ذو معنی لہجے میں ٹکڑا جوڑا تو مزنی اور پارس جھینپ گئیں۔

"ویسے وہ کہاوت آج سچ ہو گئ۔ جہاں نفرت شدید ہوتی ہے۔ وہیں محبت وارد ہوتی ہے کیوں حرا۔ پہلے ہماری سحاب سفیر بھائی کو دو ٹکے کا کار مکینک کہتی کہتی اسے سیاں بنا بیٹھی پھر ہماری مزنی سمیع حیدر کو ہر بات کا کاٹ دار جواب دیتی دیتی دل ہی دے بیٹھی۔ دونوں گھنی میسنی ہیں۔"

رینا نے مصنوعی طنز کیا۔ سحاب کا قہقہہ لگا تھا جبکہ مزنی کے سرخ لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔

"ویسے یہ آخری بار تھا۔ اب اگر تم میں سے کسی نے اسے دو ٹکے کا کار مکینک کہا تو میں اس کا سر پھاڑ دوں گی۔ وہ صرف میرا دو ٹکے کا کار مکینک ہے۔ سمجھیں۔"

وہ دھمکی آمیز لہجے میں کہتی آنکھیں دکھا کر باہر نکل گی تو پیچھے ان سب کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔

"ایک تو میرا یہ دو ٹکے کا کارمکینک پتا نہیں کہاں چلا جاتا ہے۔اسے میری کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ صبح سے کاموں میں ہلکان ہو رہی ہوں مگر مجال ہے جو مجھے پوچھا ہو۔"

وہ خفا ہوتی مسلسل بڑبڑاتی ہوئی اسے متلاشی نگاہوں سے ڈھونڈ رہی تھی۔

"سحاب آپ یہاں ہیں اور میں آپ کو پتا نہیں کہاں کہاں ڈھونڈ رہا ہوں۔"

وہ نزدیک آتے ہوئے عجلت میں گویا ہوا۔

"میں بھی آپ ہی کی تلاش میں ہوں۔"

سحاب نے طنز کیا۔

"یہ تو کافی حسین اتفاق ہے۔دیکھیں ہم دونوں کی تلاش پوری ہوئی۔مجھے آپ اور آپ کو میں مل گیا۔"

وہ اس کے سراپے کو نظروں کے حصار میں رکھتا گویا ہوا۔

مجھے تم باتوں میں مت الجھاو۔مجھے سب پتا ہے۔تمہارے پاس میرے لیے دو لمحے بھی نہیں ہیں۔میں جب بھی تمہارے پاس آتی ہوں۔یا تو تمہیں کوئی کام پڑ جاتا ہے یا

مجھے۔میری تو قسمت ہی خراب ہے۔شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی شوہر مسیر نہیں ہے۔بندہ کچھ بھی ہو پر گھر کی اکلوتی بہو نہ ہو۔"

وہ بگڑے موڈ میں کہہ کر بڑبڑاتی ہوئی دونوں بازو سینے پہ باندھ کر رخ موڑ گئی۔

سفیر نے خوشگوار حیرت سے اسے شانوں سے تھام کر رخ روشن اپنی سمت کیا۔

"یہ میری سماعتیں کیا سن رہی ہیں۔"

وہ بے یقین سا تھا۔

"وہی جو میں کہہ رہی ہوں اور سنو میرے دو ٹکے کے کارمکینک اگر تم نے مجھے مزید نظر انداز کرنے کی کوشش کی یا مجھے وقت نہیں دیا ناں تو میں پارس کے ساتھ بھی رخصت ہو جاؤں گی۔"

وہ سرخ ہوتی ناک اور تمتاتے گالوں پر سرخی لیے انگلی اٹھا کر خبردار کرنے لگی تو سفیر نے اس کی اسی انگلی میں اپنی انگلی پھنسالی۔

"آپ کو نظرانداز کون کافر کر رہا ہے۔ بھلا اتنی حسین بیوی نظرانداز کرنے کے قابل ہے؟ مجھ سے پوچھیں کہ میں نے کیسے ضبط کی طنابیں تھام رکھی ہیں۔ سرعام کوئی گستاخی نہ کر بیٹھوں اسی لیے گریز برتتا ہوں کہ نظر آپ پر پڑتے ہی ضبط ٹوٹتا محسوس ہوتا ہے۔"

وہ گہرے لہجے میں بول رہا تھا اور سحاب سن رہی تھی۔

"بس یہ شادیاں نمٹ جانے دیں۔ پھر اپ کے سارے شکوے میرے۔"

وہ محبت بھرے لہجے میں بولا تو سحاب کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

عشق نے غالب نکما کر دیا

ورنہ ہم بھی تھے بڑے کام کے

"بندہ اپ کے پاس کام سے آتا ہے اور پھر کام سے ہی جاتا ہے۔"

سحاب ہنس دی۔

"میری بات ہوئی ہے سمیع اور شیر سے۔ وہ لوگ اگے پیچھے بس پہنچنے ہی والے ہوں گے۔ پھولوں کی پتیاں اور باراتیوں کے لیے ہار وہاں ٹیبل پر رکھے ہیں۔ آپ بارات کے اسقبال کے لیے تیار رہیں۔ وہ لوگ کسی بھی وقت پہنچتے ہوں گے۔"

وہ اسے ہدایات دیتا عجلت میں پلٹ گیا تو وہ بھی مزنی اور حرا کی طرف بڑھ گئ۔

"ماشاللہ ممی دیکھیں سمیع بھائی کتنے ہینڈسم اور کول لگ رہے ہیں۔"

سمیع حیدر کو دلہا بنے دیکھ کر روشنی نے سعدیہ بیگم کو مخاطب کیا۔

"میرا بیٹا ہے ہی لاکھوں میں ایک ہے۔"

وہ بلائیں لینے لگیں۔

"روشنی سارا سامان گاڑی میں رکھوا دیا تھا ناں یاد سے۔"

انہوں نے استفسار کیا تو روشنی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"چلو شائنہ پہلے ہی دیر ہو گئ ہے۔ بچیوں سے بولوں جلدی سے نکلیں۔"

انہوں چھوٹی نند کو مخاطب کیا۔

"بچیاں تو تیار ہو کر نیچے جا چکی ہیں۔ میں گھر پہ ہی رکوں گی روشنی اکیلی ہے۔ اپ لوگ جائیں اور خیریت سے آیئے گا۔"

انہوں نے متانت سے کہا تو وہ سمجھ کر سر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ سمیع نے حماس کی انگلی تھامی اور باہر نکل گیا۔

"یہ کیسی عجیب رسم ہے بھابھی۔ میں تو سرمہ ڈال کر بھوت لگوں گا عین ممکن ہے کہ آپ کی بہن مجھے دیکھ کر چیخ اٹھے۔"

نوریز کو سرمے والی رسم کا علم ہوا تو وہ بدک ہی گیا۔ زائشہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"یہ رسم ہے۔ بھابھی دیور کو سرمہ لگاتی ہے اور بدلے میں دیور اسے نیگ دیتا ہے۔"

وہ اطمینان سے گویا ہوئی۔ صدمے سے نوریز کا منہ کھل گیا۔

"مطلب ایک تو میں اپنی آنکھیں کالی کرواؤں اور آپ کو اس کے پیسے بھی دوں۔ رہنے دیں بھئی میں خود ہی ڈال لوں گا۔"

وہ سرمہ دانی زائشہ کے ہاتھ سے اچک کر ڈریسنگ میز کی طرف بڑھ گیا تو ارد شہر کا قہقہہ لگا۔

"نیگ تو تمہیں دیناپڑے گا۔چاہے خود لگاؤ یا بیگم سے لگواؤ چاہے نہ لگواؤ۔بناپیسے کے میں تمہیں یہاں سے ملنے نہیں دوں گی۔"

وہ مزے سے بولی تو نوریز جھنجھلا گیا۔

"یہ کیا جگا ٹیکس آپ نے میرے پیچھے لگا دیا ہے۔"

نوریز کی کوفت سب کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گئی۔

"یہ لیں جب پیسے دینے ہیں تو سرمہ بھی آپ ڈالیں نیگ تو حلال کریں۔"

وہ تپ کر بولا تو زائشہ نے ہنس کر اس کی آنکھوں میں سرمہ ڈالا۔نوریز نے اس کے ہاتھ پر نیگ رکھا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔"

وہ شریر لہجے میں بولی۔

"احسان ہے آپ کا۔"

نوریز مصنوری طنز لیے بولا تو وہ مسکراہٹ دبا گئی۔

"اگر دیور اور بھابھی کی رسمیں پوری ہو گئی ہو تو چلیں۔"

اردشیر جو صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ دھرے بیٹھا تھا۔اٹھ کر کوٹ درست کرتا ہوا بولا تو

زائشہ نے اثبات میں سر ہلایا اور نوریز کے ہمراہ مہمانوں کو لیے وہ باہر نکل گئ۔اردشیر

ضروری سامان گاڑی میں رکھوایا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی مین روڈ پر ڈال دی۔

"میں تمہیں صرف اس شرط پر لایا ہوں کہ تم اپنا خیال رکھو گی اور زرا سی تکلیف پر مجھے کال کرو گی اور لاپرواہی ہرگز نہیں برتو گی۔"

بینکوئٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے ممتا کا روپ لیے اپنی حسین سی بیوی کو دیکھا جو آج کل مزید نکھرتی جا رہی تھی۔

"نہیں برتوں گی لاپرواہی مائے ڈیئر ہسبینڈ۔"

وہ کھلکھلا کر ہنسی ہوئی اندر بڑھنے لگی تو نہ معلوم کیسے اس کا پیر پھسلا اور اس سے قبل کے وہ منہ بل کر گر کر اپنا کوئی عظیم نقصان کرواتی خرم نے پھرتی سے اسے تھام کر خود میں بھینچا تھا۔اس کا دل بے طرح دھڑک رہا تھا۔مزینہ بہت بری طرح خوفزدہ ہو گئ تھی۔اس کا کوٹ مٹھی میں دبوچ کر وہ بالکل ساکت ہو گئ تھی۔

خرم اسے برائیڈل روم میں پارس کے پاس چھوڑ گیا تھا مگر اس نے جاتے ہوئے خرم کا کوٹ تھام لیا۔ اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔

"ڈونٹ وری! میں یہیں ہوں تمہارے پاس۔ کچھ نہیں ہوا ہے۔ اللہ کا بڑا کرم ہے۔ بس سنبھل کر چلنا۔ ساری فکریں چھوڑو اور شادی انجوائے کرو۔"

وہ اس کا گال تھپتھپا کر چلا گیا۔

تم دونوں تو ماشاللہ آج کل سے زیادہ پیاری لگ رہی ہو۔"

مزینہ بدقت مسکرائی۔

"اتنی دیر کر دی آنے میں۔ ہمیشہ سب سے پہلے پہنچنے والی آج آخر میں آئی ہے۔"

پارس ناراضگی سے گویا ہوئی۔

"شادی کے بعد زندگی بدل جاتی ہے اور ماں بننے پر تو اور بھی بہت سی تبدیلیاں آتی ہیں۔ میری طبیعت اجازت نہیں دے رہی تھی مگر صرف تمہاری خاطر آئی ہوں۔ میکے سے اگر اب کوئی رشتہ ہے تو وہ تمہارے گھر سے ہے۔ میری اگر کوئی چھوٹی بہن ہوتی تو وہ تمہاری طرح ہوتی۔"

وہ مسکرا کر بولی۔

"تمہاری محبت ہے مزینہ ورنہ پڑوسی نصیب سے اچھے ملتے ہیں۔"

پارس کے لہجے میں محبت ہی محبت تھی۔

باہر کہیں بارات آنے کا شور مچا تھا۔ رینا اور حرا ان کو معنی خیز نظروں سے دیکھتی باہر کو لپکی تھیں۔

"تم نہیں جاؤ گی باراتیوں کے استقبال کے لیے۔"

پارس نے اپنا جھومر ٹھیک کرتے ہوئے اسے دیکھا جو خاموش سی تھی۔

"نہیں! میں یہیں ٹھیک ہوں۔ پہلے ہی گرتے گرتے بچی ہوں۔ میرا تو ابھی تک دل بری طرح دھڑک رہا ہے۔ خدانہ کرے کچھ ہو جاتا تو۔"

وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔

"اللہ خیر! آنکھیں ادھار دے رکھی ہیں تم نے۔"

پارس نے اسے گھورا تو وہ اس کے انداز پر ہنس دی۔

"بس ان آنکھوں کو اب خرم کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔"

وہ مدھم لہجے میں مسکراہٹ لبوں پر سجائے مسرور سی بولی تو مزنی نے رشک سے اسے دیکھا۔

اتنا حسین اتفاق تھا کہ دونوں باراتیں ایک ساتھ پہنچی تھیں۔ بینکوئیٹ پر استقبال کے لیے رنگ برنگے انچل لیے چوڑیوں کو کھنکاتی ہنستی مسکراتی خوشبوئیں بکھیرتی لڑکیاں باراتیوں پر پھول نچھاور کر رہی تھیں۔ ساجدہ بیگم نے باری باری نوریز اور سمیع حیدر کی نظر اتاری پھر سعدیہ بیگم سے مل کر باراتیوں کے گلے میں رسم کے مطابق پھولوں کے ہار ڈالے۔ زوقرنین باراتیوں کے ساتھ ہی شریک ہوا تھا۔ حماس کو گود میں اٹھائے وہ نوریز اور سمیع حیدر کے ساتھ سٹیج کی طرف بڑھ گیا۔

حرا اور رینا ڈریسنگ روم میں ان کے پاس آئیں تو مزینہ وہاں سے جا چکی تھی۔

"دولہے بہت پیارے لگ رہے ہیں۔ ہم نے ویڈیو بھی بنائی ہے یہ دیکھو زرا۔ نوریز بھائی کی تو مسکراہٹ ہی نہیں تھم رہی اور ہمارے سمیع بھائی نے لگتا ہے ساری مسکراہٹیں تمہارے سنبھال کر رکھی ہیں۔"

رینا کی زبان فراٹے بھر رہی تھی۔

مزنی جھینپ کر رہ گئی۔

"لڑکیوں سٹیج پر جانے کی تیاری پکڑو۔ میں زائشہ اور سحاب کو بھیجتی ہوں۔"

ساجدہ بیگم انہیں باخبر کر کے باہر آئیں۔ سحاب انہیں کسی مہمان کے پاس کھڑی نظر آئی تھی۔ وہ چلتی ہوئیں اس کے نزدیک آ گئیں۔ سحاب نے مہمان خاتون سے معذرت کی اور ساجدہ بیگم کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تم اور زائشہ مزنی اور پارس کو سٹیج پر لے آؤ۔ رسموں میں بھی کافی وقت لگے گا۔ میرے خیال سے دیر کرنا ٹھیک نہیں ہے۔"

وہ بردباری سے بولیں۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں اپا کو کہتی ہوں۔"

وہ مسکرا کر کہتی زائشہ کو اشارے سے بلا کر برائیڈل روم میں لے آئی۔

"ماشاللہ"!

بے اختیار نظر پارس پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئی۔

"میری بہن اتنی بڑی ہو گئی پتا ہی نہیں چلا۔ آج بابا ہوتے تو تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔"

وہ آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کر کے اس کا ماتھا چوم گئی۔

پارس بھی نمدیدہ ہو گئی۔

"رونے سے میک اپ خراب ہو سکتا ہے اور خراب میک اپ دیکھ کر دلہا خوف سے بیہوش بھی ہو سکتا ہے۔"

سحاب نے سنجیدہ مسحول میں پھلجھڑی چھوڑی تو سب ہنس دیے۔

زائشہ نے اور سحاب نے پارس کو تھام رکھا تھا جبکہ رینا اور حرا نے مزنی کو۔

سٹیج پر نوریز اور سمیع حیدر بیٹھے خرم اور زوالقرنین کے ہاتھوں اپنی درگت بنوا رہے تھے۔

"کوئی بات نہیں آج تمہارا دن ہے کل ہمارا ہو گا۔"

نوریز نے اطمینان سے کہا تو وہ ہنس دیا۔

ساری لائٹس اچانک بند ہوئیں اور سپاٹ لائٹس کی روشنی میں پارس اور مزنی سہج سہج کر قدم اٹھاتی ہوئی سٹیج کے قریب آکر رکیں تو مبہوت ہوئے سمیع حیدر کو جیسے ہوش آیا۔ نوریز تو کتنے ہی لمحے اس پری پیکر سے نظریں نہیں ہٹا سکا تھا۔

خرم کی شریر کھانسی کے دورے پر وہ سیدھا ہوا۔

سمیع حیدر نے مزنی کے آگے ہاتھ پھیلایا تھا۔ جسے اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے تھام لیا تھا جبکہ پارس نے بڑے اعتماد سے نوریز کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما تھا۔ فوٹو گرافر نے دونوں کے یہ خوبصورت لمحے ہمیشہ کے لیے قید کر لیے تھے۔

زائشہ اور سحاب نے ان دونوں کو بیٹھنے میں ہیلپ کی۔ دونوں درمیان میں جبکہ سمیع حیدر اور نوریز دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔

سلامی کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ سب وگ سٹیج سے نیچے اتر گ ئے۔ صرف زائشہ اور سحاب ہی سٹیج پر موجود تھیں۔

سلامی کا سلسلہ رکا تو فوٹو سیشن شروع ہو گیا۔ مزنی تو چند پوز بنوا کر ہی تھک گئ تھی جبکہ فوٹو گرافر کے بتائے گ ئے حد درجہ بے باک پوزسن کر پارس کے کانوں سے دھواں نکلا

تھا۔ نوریز نے خود ہی چند تصویروں کے بعد فوٹو گرافر کو چلتا کیا تھا۔ دونوں کو اطمینان ہوا تھا۔

کھانا کھول دیا گیا تھا۔ پورے بینکوئیٹ میں اشتہا انگیز خوشبوئیں بکھری لڑی تھیں۔ صرف چمچ اور پلیٹوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

خرم نے بریانی رائتہ سلاد سیخ کباب ملائی بوٹی۔ چیزی نان۔ شاہی کڑھائی۔ ربڑی گاجر کا حلوہ غرض ساری ڈشز تھوڑی تھوڑی اس کی ٹیبل پر سجا دی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی ٹیبل پر وہ دونوں تنہا بیٹھے تھے۔

"شوہر ہو تو تمہارے جیسا۔"

مزینہ نے محبت پاش نظروں سے خرم کو دیکھا جو اس کی کریونگس کا خیال کرتے ہر چیز اٹھا لایا تھا بغیر اس بات کی پرواہ کیے کہ لوگ اسے نادیدہ کہیں یا کچھ اور۔

"مکھن لگانے میں تمہارا کوئی ثانی نہیں ہے۔"

وہ اپنی پلیٹ آگے کرتے ہوئے تاسف سے گویا ہوا۔

"یہ کیا۔ تم خود کھا رہے ہو۔ مجھے کھلاو۔ کب سے میں اور بے بی بھوکے ہیں۔ مجھے بہت شدید بھوک لگ رہی ہے۔"

وہ صدمے سے کہتی ناراضگی لہجے میں سموئے بولی۔ خرم اٹھ کر اس کے برابر والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور اسے چمچ سے کھلانے لگا۔

"اب اسی سے پیٹ بھر دو گے۔ مجھے تھوڑی تھوڑی ساری چیزیں کھانی ہیں۔ وہ سیخ کباب کھلاؤ رائتے کے ساتھ۔ اس کے بعد ملائی بوٹی تافتان کے ساتھ پھر دو تین چمچ گاجر کا حلوہ اس کے بعد چیزی نان کا ایک نوالہ پھر ربڑی اور اخر میں شاہی کڑھائی۔"

وہ اسے ٹوک کر ترتیب بتانے لگی۔

"میٹھا اینڈ میں کھاتے ہیں۔"

خرم نے اسے کھلاتے ہوئے نرمی سے اس کے لبوں سے ٹشو سے زراعت صاف کیے۔"

"میٹھا کھا کر دل متلی کرے گا اسی لیے بیچ میں چٹپٹی ڈش کھاؤں گی۔"

وہ مزے سے بولی تو خرم ہنس دیا۔

"ٹھیک سے کھا کیوں نہیں رہی ہیں۔ صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔"

سفیر نے سامنے بیٹھی سحاب کو ٹوکا جو بے دلی سے بریانی میں چمچ چلا رہی تھی۔

میرا دل نہیں کر رہا۔

وہ بیزاریت سے بولی اگر بتا دیتی کہ اس کی طبیعت صبح سے خراب ہے اور متلی ہو رہی ہے تو وہ اسے یوں تقریب انجوائے نہ کرنے دیتا۔

"کچھ اور کھانا ہے۔لا دوں؟"

اب کے وہ فکر مندی سے بولا تھا۔

"نہیں کسی بھی چیز کا دل نہیں کر رہا۔تم پریشان مت ہو۔جب دل کرے گا تو کھا لوں گی۔"

وہ بدقت مسکرائی۔

"مجھے اپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔"

وہ مشکوک ہوا۔

"تم میرے ساتھ رہا کرو طبیعت ٹھیک رہے گی۔"

وہ کہنی میز پر جمائے ہاتھ رخسار و پر رکھے مسکرائی۔

"تو پھر آپ کی طبیعت تو میں رات میں درست کرتا ہوں۔"

وہ ذو معنی لہجے میں بے باکی سے کہتا مسکراہٹ دبا گیا تو وہ جھنیپ گئی۔

کھانے کے بعد جوتا چھپائی کی رسم تھی جسے مزینہ نے بھرپور طریقے سے ادا کیا تھا۔ وہ نوریز کے قریب ہی کھڑی تھی۔ وہ باتوں میں مصروف تھا۔ اس نے زائشہ کو اشارہ کیا جو سمیع حیدر کے برابر میں اردشیر کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کا اشارہ پاتے ہی وہ جھکی۔

ادھر سے نوریز کے پیر سے کھوسہ کھینچ کر نکالتے جہاں اس نے نوریز کو ہقا بقا کر دیا وہیں زائشہ نے بھی پھرتی سے سمیع حیدر کا کھوسہ کھینچ کر گرفت میں لیتے اردشیر اور سمیع حیدر دونوں کے طبق روشن کر دیے تھے۔

"یہ چیٹنگ ہے۔"

نوریز احتجاج کرنے لگا۔

"اسے جوتا چھپائی کہتے ہیں۔"

مزینہ نے اسی کا کھوسہ اس کے سامنے لہراتے مزے سے اس کی معلومات بڑھائی۔

"آپ نے مجھے آج حیران کر دیا ہے۔آپ سے توقع نہیں تھی مجھے اتنی شوخل چنچل حرکتوں کی۔"

اردشیر ہنس رہا تھا۔

"پر مجھے اپنی بیوی سے پوری توقع تھی۔"

خرم سرد آہ خارج کرتا ہوا بالآخر مزینہ کو دیکھ کر ہنس دیا۔ شکر تھا کہ وہ کچھ دیر قبل والا چھوٹا سا حادثہ بھول گئی تھی۔

" چلیں نکالیں جوتا چھپائی۔"

وہ دونوں یک زبان ہو کر کھوسہ گھوماتے ہوئے مزے سے بولیں۔

"لیں یہ دوسرا بھی رکھ لیں۔میں تو بغیر جوتوں کے اچھا ہوں۔"

نوریز کے اطمینان پر جہاں خرم کا قہقہہ لگا وہیں مزینہ کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

بغیر جوتوں اور بغیر دلہن کے جاتے ہوئے خاصے اچھے لگیں گے۔"

درپردہ دی گئی دھمکی پر زوالقرنین نوریز کی حالت پر خاصا محظوظ ہوا تھا۔اردشیر بھی بری طرح ہنس دیا تھا۔

"تم بھی خواتین سے بحث کر رہے ہو۔مان لو اس حسین ترین مخلوق سے شکست کھانا آسان نہیں۔"

اردشیر نے زائشہ کی کمر میں بازو حمائل کرتے محبت سے کہا۔نوریز نے سیز فائر کر دیا تھا۔پھر جوتا چھپائی اور دودھ پلائی کی رسموں کے بعد یک لخت رخصتی کا شور اٹھا۔

مزنی اور پارس سفیر اور ساجدہ بیگم کی ڈھیروں دعائیں آنچل میں سمیٹ کر قرآن پاک کے سائے تلے اس آنگن سے رخصت ہو گئیں۔ساجدہ بیگم کی آنکھیں گرچہ بھیگی ہوئی تھیں مگر دل مطمئن تھا۔وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئی تھی۔

روشنی بیتابی سے سب کا انتظار کر رہی تھی۔گاڑیوں کے ہارن اور شور کی اواز پر اس کی مسکراہٹ کھل گئی۔وہ نیچے آئی اور دوسری طرف سے مزنی کو تھام کر لاونج میں بٹھایا۔مجبوراً سمیع کو بھی بیٹھنا پڑا۔

اتنی رسموں کے بعد تو مزنی کا دل چاہا ہے وہ کہیں غائب ہو جائے۔جسم تھکن سے چور تھا۔کمر تختہ بن گئی تھی۔اسے بے اختیار رونا آنے لگا۔اس کی حالت پر ترس کھا کر روشنی

نے مزید کوئی بھی رسم کرنے سے منع کر دیا تھا۔ پھر اس کی کزنوں نے اور اس نے مزنی کو اس کے کمرے میں پہنچایا۔

"تم آرام کرو۔ میں سمیع بھائی کو بھیجتی ہوں۔"

روشنی کہہ کر کمرے سے نکل گئی تو وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند گئی۔

جس لمحے وہ کمرے میں داخل ہوا۔ مدھم روشنیوں اور گلاب کی بھینی بھینی خوشبوؤں نے اس کا استقبال کیا تھا۔

وہ بھاری قدم اٹھاتا بیڈ پہ اس کے قریب بیٹھا۔ وہ پلکیں گرائے آنکھیں موندے بے حد حسین لگ رہی تھی۔ سمیع کا دل چاہا ان پلکوں کی نرمی کو محسوس کرے۔

ہاتھ بڑھا کر اس نے پلکوں کو چھوا تو ڈر کے مارے اس کی آنکھ کھل گئی پھر سمیع حیدر کو دیکھ کر وہ سیدھی ہوئی۔

"میری زندگی میں آنے کا بہت شکریہ۔"

اس کا حنائی ہاتھ تھام کر وہ لبوں سے لگا گیا۔ مزنی حیا سے سرخ پڑ گئی۔

"شکریہ تو مجھے آپ کا کرنا چاہیے۔آپ نے نہ صرف مجھے خود ترسی سے نکال کر میرا اعتماد بحال کیا بلکہ مجھے اتنے ڈھیر سارے رشتوں سے نوازہ۔میں خدا کے بعد آپ کا جتنا شکر کروں کم ہے۔"

وہ مدھم لہجے میں نظریں جھکائے گویا ہوئی۔

"اتنا خشک انداز۔"

سمیع ہنس دیا جبکہ اس کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ در آئی تھی۔پھر اس نے جیب سے مخملی ڈبیا نکال کر کھولی اور مزنی کی طرف بڑھائی۔

"یہ آپ کی منہ دکھائی کا تحفہ۔امید کرتا ہوں پسند آیا ہو گا۔"

ہیرے کی نازک سی انگوٹھی دیکھ کر مزنی کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں تھیں۔

"یہ بہت خوبصورت ہے۔"

وہ مسمرائز ہو کر رہ گئی۔

"مے آئے۔"

سمیع نے اجازت چاہی تو وہ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا گئی۔ سمیع نے ڈبیا سے انگوٹھی نکال کر اس کی انگلی کی زینت بنا دی۔

"تھینک یو سو مچ فار دس ونڈر فل گفٹ۔"

وہ انگوٹھی کو دیکھتی ہوئی بولی۔

"آپ چینج کر لیں۔ بہت تھک گئیں ہیں اور کل ولیمہ ہے۔ نیند پوری ہو گی تو کل تقریب میں فریش نظر آئیں گی۔"

اس نے گھڑی اتار کر ڈریسنگ میز پر رکھی۔

"مم مجھے نیند نہیں آ رہی۔ وہ تو بس یو نہی آنکھ لگ گئی تھی۔"

وہ گڑ بڑا کر بولی اور تیزی سے بیڈ سے اتر کر اس کے نزدیک آئی۔ اسے یہی لگا کہ سمیع کو اس کا سونا برا لگا۔ روایتی دلہنوں کی طرح اسے اس کے استقبال کے لیے جاگتے رہنا چاہیے تھا۔ اور وہ مر د تھا۔ کچھ خواہشیں تو اس کی بھی تھیں۔ یہی مزنی کی سوچ تھی مگر سمیع حیدر اس کی بات پر مسکراہٹ دبا گیا۔

"اپ کی آنکھیں چیخ چیخ کر نیند کو پکار رہی ہیں مزنی۔"

وہ اسے شانوں سے تھام کر گویا ہوا۔

"پتا نہیں کیوں مجھے نیند آ رہی ہے۔ آئی ایم ریئلی سوری۔ میں نے ہماری یہ خوبصورت رات ڈسٹروئے کر دینی ہے۔"

وہ روہانسی ہو گئی۔

"جسٹ ری لیکس مزنی۔ پوری زندگی پڑی ہے۔ کوئی پتھر پر لکیر تو نہیں کہ آج کی رات ہی ہم حسین بنا دیں۔ میاں بیوی میں سب اچھی چیز ہوتی ہے ایک دوسرے کو سمجھنا اور میں سمجھ سکتا ہوں کہ اپ کتنی تھک گئی ہیں۔ جب انسان تھک جاتا ہے تو کسی کام میں خوشی محسوس نہیں کرتا۔ میں چاہتا ہوں۔ آپ ساری تھکن اتار کر بالکل فریش ہو جائیں تاکہ کوئی رکاوٹ ہمارے ملن میں بدمزگی پیدا نہ کرے۔"

وہ دلکش لہجے میں کہتا مزنی کا دل موہ لے گیا۔ اس نے اپنے ماتھے پر اس کا لمس محسوس کیا۔ بہت خوبصورت احساس تھا۔

"ایک اچھا ہمسفر خدا کی نعمت ہوتا ہے اور آپ میرے لیے کسی نعمت سے کم نہیں ہیں۔"

مزنی نے اس کے کندھے سے سر ٹکا دیا تو سمیع نے اسے خود میں سمو لیا۔

زائشہ اسے نوریز کے کمرے میں چھوڑ گئی تھی۔اس کی ڈھیروں تاکیدیں سوچ کر وہ مسکرادی۔وہ بیک وقت جٹھانی اور بہن دونوں کا کردار ادا کر رہی تھی۔

اس نے گلابوں سے سجے اپنے کمرے کو دیکھا۔کس قدر رومان پرور ماحول تھا۔نوریز کی وارفتگی لوٹاتی نظریں سوچ کر ہی وہ جھینپ گئی۔کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز پر لب دبا گئی۔

نوریز نے احتیاط سے دروازہ بند کیا۔اس کے قدموں کی دھمک سے پارس کو اپنا دل بھی دھڑکتا محسوس ہوا۔

"السلام علیکم مسز"!

اس کی گھمبیر آواز کمرے میں گونج سی گئی۔

"وعلیکم السلام مسٹر ہسبینڈ"!

پارس نے مدھم لہجے میں مگر پر اعتمادی سے جواب دیا۔

"آج سارے پردے چاک ہو گئے ہیں۔"

اس کا گھونگھٹ اٹھا کر نوریز نے مسکراہٹ دبائی۔ ساتھ ہی وہ مبہوت رہ گیا۔ وہ اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ پلک تک جھپکانا مشکل امر ثابت ہو رہا تھا۔

پارس اس کی پر تپش نظروں پر دل تھام کر رہ گئی۔

"میری منہ دکھائی۔"

اس کی آواز وہ چونکا۔

"اوہ! یس یہ آپ کی منہ دکھائی۔"

پارس نے وہ خاکی لفافہ قدرے مشکوک ہو کر دیکھا پھر اسے چاک کیا اس میں سے دو ٹکٹ نکلے۔ جنہیں دیکھ کر بے ساختہ اس کی آنکھیں چھلک گئیں۔

"یہ۔۔۔! یہ دنیا کا بہترین تحفہ ہے نوریز۔ مہنگے سے مہنگا گولڈ اور ڈائمنڈ کا تحفہ بھی اس کے آگے اپنی وقعت کھو دیتا ہے۔"

اس کی آواز میں گھلی نمی کے باعث وہ بامشکل بول پائی تھی۔ عمرے کے ٹکٹ دیکھ کر وہ محبت بھری نظروں نوریز کو تک رہی تھی۔ وہ اس کی سوچ سے کہیں زیادہ اچھا ہمسفر ثابت ہوا تھا۔

"آپ کو تحفہ پسند آیا؟"

نوریز نے ٹکٹ لے کر دراز میں رکھے۔

"بالکل! مجھے پسند آیا۔"

وہ مسکرائی۔

"اور تحفہ دینے والا؟"

نوریز نے اسکا ہاتھ تھام کر محبت سے سہلایا۔ پارس حیا سے نظریں جھکا گئ۔

"وہ بھی۔"

نوریز کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"آپ جانتی ہیں مجھے آپ سے محبت کب ہوئی۔ تب جب اپ نے مجھ پر پھول کی پتیاں پرسائی تھیں۔"

وہ بتارہا تھا اور پارس دلچسپی سے سن رہی تھی۔ نوریز نے سر اس کی گود میں رکھا تو اس اچانک افتاد پر وہ سٹپٹائی ضرور تھی مگر نوریز بس اپنی کہے جا رہا تھا تو وہ چند ہی لمحوں میں خود کو کمپوز کر چکی تھی۔

"مجھے آپ سے محبت تو نہیں ہے۔ہاں! آپ اچھے لگتے ہیں۔آپ کا انداز فکر مجھ سے باتیں کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ ممکن ہے کہ مجھے آپ سے جلد ہی محبت ہو جائے۔"

وہ نظریں جھکائے بول کر لب دبا گئی۔

"آپ کو مجھ سے محبت کروانے کے لیے ابھی سے کوشش کرنی چاہیے۔"

وہ ذو معنی لہجے میں کہتا اٹھا۔نرمی سے پارس کو کھینچا تو وہ دھان پان سی اس کے سینے سے آن ٹکرائی۔آنے والے لمحوں کا سوچ کر اس کا دل زوروں سے دھڑکا تھا جبکہ نوریز کے لمس سے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ مہکتی رات میں چاندنی میں نہائے دونوں وجود ایک دوسرے میں گم ہو چکے تھے۔کمرے میں صرف سانسوں کی زیروبم سنائی دے رہی تھی۔

دلہن تو لوگوں نے ہزاروں دیکھی تھیں پر روشنی پر تو یوں ٹوٹ کر روپ چڑھا تھا کہ دیکھنے والی ہر آنکھ دنگ رہ گئی تھی۔وہ بے حد خوبصورت تھی مگر سولہ سنگھار کر لینے کے بعد حسین ترین لگ رہی تھی۔اس نے خود کو محض ایک بار آئینے میں دیکھا تھا اور پھر دھک سے رہ گئی تھی۔رمیز کی دلہن بنی تھی تو یہ روپ سروپ نہ تھا تو کیا یہ رونق یہ چمک یہ نکھار زوالقرنین کی محبت کی دین تھا۔

وہ پارلر میں بیٹھی یہی سوچ رہی تھی کہ سمیع حیدر کی کال پر اس تخیل کر سلسلہ ٹوٹا۔وہ انہیں لینے آچکا تھا۔انہیں لیے وہ سیدھا ہال پہنچا تھا جہاں زائشہ اور مزینہ نے انہیں رسیو کیا تھا۔

مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔ سمیع حیدر مزنی کے ساتھ کھڑا مہمانوں سے علیک سلیک کر رہا تھا۔مزنی بوٹل گرین کلر کی میکسی میں نیچرل سا میک اپ کیے ولیمے کی تقریب کی مناسبت سے پیاری لگ رہی تھی۔خود سمیع حیدر بھی گرے رنگ کے ڈنر سوٹ میں ملبوس ہینڈسم لگ رہا تھا۔

بارات پہنچ چکی تھی۔ساجدہ بیگم سفیر اور سحاب زوالقرنین کی طرف سے شرکت کر رہے تھے۔

زوالقرنین فان رنگ کی کندن کے کام والی نفیس شیروانی پہنے کسی ریاست کا شہزادہ لگ رہا تھا اور شہزادوں کی سی آن بان لیے وہ آج روشنی کو اپنے ساتھ لے جانے آیا تھا۔پھولوں کی بارش میں بھیگتے وہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے حماس کی انگلی تھامے سٹیج تک آیا تھا۔آج اس کی چھب ہی نرالی تھی۔کچھ پا لینے کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو رہی تھی۔

جس لمحے سپاٹ لائٹ کی روشنی میں اسے لایا گیا

زوالقرنین بے ساختہ اسے تھامنے کے لیے اپنی نشست سے اٹھا تھا۔ روشنی نے جالی دار گھونگھٹ سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔

یک لخت فضا میں تالیوں اور سیٹیوں کی آوازیں بلند ہوئی تھیں۔

نم پیشانی لیے ٹھنڈے پڑتے وجود کے ساتھ وہ جس لمحے زوالقرنین کے ساتھ بیٹھی۔ اس کا دل عجب لے پر دھڑکنے لگا۔ اسے رمیز یاد نہ رہا۔ اس کے حوالے سے کوئی پچھتاوا کوئی یاد کچھ بھی وہ محسوس نہیں کر پا رہی تھی۔ صرف ایک احساس تھا۔ جس کا نام زوالقرنین تھا۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ کل تک رمیز کو بھلانا پتھر میں جونک لگانے کے مترادف تھا اور آج پتھر میں جونک لگ گئی تھی تو کیا نکاح میں اتنی طاقت ہوتی ہے کو دو اجنبی دلوں کو جوڑ کر ایک دوسرے میں مدغم کر دے۔

وہ زوالقرنین کو دیکھتی گئی جس کے چہرے پر سکون اطمینان کچھ پا لینے کی چمک تھی۔ اس شخص نے روشنی کی خاطر اس کی محبت کی خاطر اس کی خوشی کی خاطر اپنے جذبات دل میں دفن کر دیے تھے کہ کہیں اس کی خوشیوں کو اس کی نظر ہی نہ لگ جائے مگر نظر تو لگ چکی

تھی اس کی نہیں شاید قسمت میں روشنی اور رمیز کا ساتھ ہی اتنا تھا یا پھر زوالقرنین کی محبت اس قدر زور آور تھی کہ روشنی کو اس کی زندگی میں کھینچ ہی لائی۔ وہ روشنی کے تلخ رویے۔ طنزیہ جملے اور کاٹ دار نظروں کے بدلے بھی اس کی راہوں میں لھول بچھانے کا خواہاں تھا۔ رمیز سے اسے محبت نہیں تھی۔ وہ صرف پسند تھی مگر آج ابھی اس لمحے اس پر ادراک ہوا تھا کہ اسے زوالقرنین سے محبت تھی۔ اس کے اور رمیز کے بیچ میں زوالقرنین نہیں بلکہ رمیز ان دونوں کے بیچ میں آیا تھا سو اسے جانا ہی تھا۔

وہ یک لخت ہلکی پھلکی ہو گئی۔

تصویر من میں بسی یار کی

تصبیح پڑھی تیرے پیار کی

دل یہ میرا تیرے دل سے جا ملا ہے

رب سے جس کو مانگا تو وہ سلا ہے

تقدیر جب سے تجھ سے جڑی ہے

جام محبت زہر عاشقی ہے

پوچھو نہ پوچھو نہ پوچھو نہ

ہم ستائے ہوئے ہیں

ستائے ہوئے ہیں

ستائے ہوئے ہیں

زوالقرنین کی نظر اس پر پڑی تو لبوں پر تبسم بکھر گیا۔ وہ تھوڑا سا اس کی طرف جھکا۔

"کیا میں اس قدر اچھا لگ رہا ہوں کہ آپ سے رخصتی کے بعد تک کا صبر بھی نہیں ہوا۔" وہ اس کے اس طرح دیکھنے پر چوٹ کر گیا۔ روشنی چونک کر نظریں جھکا گئ۔ اپنی اس بے اختیاری پر لب دبائے وہ خاموش رہی تو زوالقرنین مسکراہٹ دبا گیا۔

موسم کے تیور اچھے نہ تھے۔ سعدیہ بیگم نے جلدی مچائی تو تمام رسومات سمیٹ دی گئیں اور رخصتی کا شور بلند ہوا تو روشنی نے بے ساختہ زائشہ کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں ایک نئ شروعات کرنے جا رہی ہوں میرے اللہ۔ مجھے اتنی ہمت دینا کہ آج رات میں ماضی کی کتاب کے ورقوں پر لکھے ہر ہر لفظ کو زوالقرنین کی محبت میں بہا دوں۔ میں اپنے آج میں جینا چاہتی ہوں۔ میں زوالقرنین کے ساتھ خوش رہنا چاہتی ہوں۔ وہ شخص

محبتوں کا امین ہے۔ مجھ پر میرے وجود پر اس کا حق ہے۔ اتنا حوصلہ دینا کہ اس کی حق تلفی نہ کر پاؤں۔"

دو موتی اس کی آنکھ سے بہہ کر اس کی گود میں دھرے ہاتھوں کی حنائی ہتھیلیوں پر گرتے کہ اس قبل ہی زوالقرنین کی شفاف مردانہ ہتھیلی نے انہیں بے مول ہونے سے بچا لیا تھا

"یہ آنسو بہت قیمتی ہے روشنی۔ اسے تب بہائیے گا جب میں نہ رہوں۔"

اور روشنی کا دل گویا کسی نے مٹھی میں لیا تھا۔

وہ اس قدر شدت سے روئی تھی کہ ہر آنکھ اشکبار ہو گئی تھی اور اسے سمجھ نہ آیا تھا کہ کس جدائی کہ آنسو تھے۔ اس جدائی کے کہ جس کا تھوڑی دیر قبل زوالقرنین نے ذکر کیا تھا یا اس جدائی کے کہ جس پر ہر لڑکی اتنی ہی شدت سے روتی ہے۔

سمیع حیدر نے لاڈلی بہن کو خود سے لگایا۔ اس کی اپنی آنکھیں نم تھیں۔ ایک وہ وقت تھا کہ وہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی بیوگی کی چادر اوڑھ گئی تھی۔ سمیع حیدر جب جب اس کی ویران آنکھوں میں جھانکتا تھا تو دل شدت سے کرلاتا تھا اور ایک آج کا دن تھا کہ جب سے

اس کی شادی طے ہوئی تھی اس کی خوشنما آنکھوں میں ڈھیروں سپنے قندیل جلائے بیٹھے تھے۔

سمیع حیدر نے اس کے لرزتے کانپتے وجود کو زوالقرنین کے ساتھ گاڑی میں بٹھایا۔اس کی خاموش پیام دیتی نظریں زوالقرنین کو بہت کچھ سمجھا گئی تھی۔وہ اسے اطمینان دے کر قرآن پاک کے سائے تلے رخصت کروا کر گھر لے آیا تھا۔

زائشہ اور مزینہ ان کے ساتھ ہی آئی تھیں۔اسے زوالقرنین کے کمرے میں بٹھا کر وہ کچھ دیر اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی رہی تھیں پھر شوہروں کے بلاوے پر اسے نئی زندگی کی دعائیں دے کر واپس چلی گئیں۔اب وہ کمرے میں تنہا تھی۔کمرہ گلابوں سے سجا ہوا تھا۔اس کے بیڈ کے اطراف میں بھی گلاب اور موتیے کی لڑیوں سے پردے بنے ہوئے تھے۔کمرے میں موم بتیوں کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

وہ زوالقرنین کا انتظار کرتی رہی۔یہاں تک کے رات کے دو بج گ ئے۔اب اسے الجھن ہونے لگی تھی۔وہ اپنا بھاری کامدار لہنگا اٹھا کر بیڈ سے اتری ہی تھی کہ زوالقرنین کمرے

میں داخل ہوا۔ بڑے رف سے حلیے میں تھا۔ سفید شکوار قمیض پہنے۔ بازوؤں کو کہنیوں تک فولڈ کیے وہ اس کے نزدیک آکر رکا۔

"کہاں فرار ہو رہی ہیں مسز زوالقرنین"!

وہ اس کے چہرے پر پھونک مار کر متبسم لہجے میں مستفسر ہوا۔

"انہوں! میں فرار ہو کر جاؤں گی بھی کہاں۔ بس فرار ہونے والے کو ڈھونڈ رہی تھی۔"

اس کا کھنکتا لہجہ اور ہونٹوں کے گوشوں میں دبی مسکراہٹ نے زوالقرنین کے دل میں ٹھنڈی پھوار ڈال دی تھی۔

"مائے گڈنیس! آپ مجھے ڈھونڈ رہی تھیں۔"

وہ خوشگوار حیرت میں گھرا جیسے خود کو یقین دلا رہا تھا۔ روشنی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں اپ کے پاس ہوں روشنی۔ مجھے ڈھونڈنے کے بجائے آنکھیں بند کر کے بس یاد کر لیا کریں۔ ہمیشہ مجھے اپنے قریب پائیں گی۔ زوالقرنین آپ کی سانسوں میں بستا ہے۔"

اس نے روشنی کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے خود سے قریب کیا یوں کہ انچ بھر کا فاصلہ بھی نہ رہا اور بے ساختہ اس کے سرخ لبوں کو قید کر گیا۔ ان کی ساری سرخی چرا گیا۔

"آپ کی آنکھوں میں سمایا ہے۔"

لبوں کو آزادی بخشتا اب وہ اس کی آنکھوں کو اپنے لبوں سے چھو کر معطر کر گیا تھا۔

"ان پلکوں کو کبھی چھونے کی خواہش کی تھی میں نے سوچا نہیں تھا پورا وجود ہی میری دسترس میں ہو گا۔"

وہ اس کے صبیح پیشانی کو اپنے لمس سے مہکاتے اس کے لرزتے کانپتے وجود کو خود میں بھینچ گیا۔ وہ زوالقرنین کی شدت بھرے لمس پر گھبرا کر اس کے سینے میں چھپ گئ تھی۔ اس کے لمس میں سالوں کی تپش تھی جس میں تپ کر روشنی کو کندن بننا ہی تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا روشنی کہ آپ میری دسترس میں ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی خواب ہے۔ آنکھیں کھولوں گا تو آپ کا وجود تحلیل ہو جائے گا اگر یہ خواب ہے تو خدا کرے کبھی میری آنکھ نہ کھلے۔ میں ہمیشہ کے لیے سو جاؤں۔

وہ جذب کے عالم میں بول رہا تھا"

روشنی کے سر پر تھوڑی ٹکائے اسے خود میں بھینچے وہ بولا تو اس کے لہجے میں بولتی حسرتوں نے روشنی کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ اتنی شدید محبت کرتا تھا اس سے۔

وہ دھیرے سے اس سے الگ ہوئی۔ زوالقرنین کو لگا۔ وہ کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ اب کچھ ہی دیر میں غائب ہو جائے گی اور اس کی آنکھ کھل جائے گی مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔

روشنی نے اپنے حنائی سرد پیروں کو زوالقرنین کے پر حدت پیروں پر رکھا اور اس کے گردن کے گرد بازو ہمائل کیے۔ پھر پنجوں کے بل اونچا ہو کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ وہ ششدر رہ گیا۔ کئی لمحے بے یقینی کی نذر ہو گئے۔

"اگر اب بھی یقین نہ آیا تو میں زور سے کاٹ لوں گی۔"

وہ مصنوعی خفگی سے دھمکی آمیز لہجے میں بول کر پیچھے ہونے لگی تھی کہ زوالقرنین کی مسکراہٹ گہری ہوئی اور وہ اسے ایک جھٹکے سے بازوؤں میں اٹھا چکا تھا۔

"کیا کر رہے ہیں زوالقرنین۔ کہاں لے کر جا رہے ہیں۔"

وہ تشویش بھرے لہجے میں پوچھنے لگی۔

وہ اسے کچن میں لے آیا تھا اور کاؤنٹر پر بٹھا کر اس کا ہاتھ تھام کر لبوں سے چھوا تو وہ حیا سے سرخ پڑ گئی۔

"کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ گھر آنے کی خوشی میں منہ میٹھا کرنے کے بجائے تیکھا کرنا پسند کریں گی۔"

وہ گول گپے کی ڈش اور کھٹا پانی اور تین طرح کی چٹنیوں سے سجا تھال اس کے سامنے کرتا اسے خوشگوار حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ منہ پر رکھے خوشی سے چہک اٹھی۔

"مائے گاڈ زوالقرنین! یہ آپ نے میرے لیے بنائے ہیں۔ اتنی ٹف روٹین سے وقت نکال کر۔"

وہ پل پل حیران ہو رہی تھی۔

"جی بالکل! مادام آپ فرمائش کریں اور ہم پوری نہ کریں۔ ایسا تو ممکن نہیں۔ اپ کی خوشی کی خاطر زوالقرنین کو جان بھی دینی پڑے تو۔۔۔۔"!

"سٹاپ اٹ زوالقرنین! اپ کیسی فضول باتیں کر رہے ہیں۔ ادھر ہال میں بھی آپ نے مرنے کی بات کی تھی اور اب بھی اپ۔۔۔۔"!

وہ کچھ بول نہ سکی۔ گلے رندھ گیا تھا۔ آنسو پلکوں کی باڑ پھلانگ گ ئے تھے۔

زوالقرنین نے ٹرے سائیڈ پہ رکھی۔

"ابھی تو میں نے خوشیاں ٹھیک سے دیکھی بھی نہیں۔ابھی تو نئی زندگی شروع ہوئی ہے اپ کے ساتھ۔ میں اپ کے ساتھ ایک لمبی زندگی جینا چاہتی ہوں جہاں خوشیاں ہوں۔ میں ایک بار پھر سے سہاگن سے بیوہ نہیں بننا چاہتی۔"

وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ زوالقرنین نے اس نیچے اتارا اور اس کے آنسو صاف کیے۔

"آئی ایم ریئلی سوری۔ میں خود کو آپ کے لیے ہمیشہ سنبھال کر رکھوں گا کہ مجھے معلوم ہے مجھ سے آپ کی خوشیاں مشروط ہیں۔"

اس کے بالوں پر لب رکھتے وہ محبت سے لبریز لہجے میں گویا ہوا۔

"میرے گول گپے۔"

وہ سوں سوں کرتی پیچھے ہوئی۔

"یہ رہے آپ کے گول گپے۔"

زوالقرنین نے ڈائننگ ٹیبل پر ڈش رکھی۔ ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر اس کے سامنے رکھی اور خود بھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

وہ مزے سے پورا منہ کھول کر گول گپے کو پانی میں ڈپ کر کے چٹخارے لے کر کھا رہی تھی۔

"اچھے تھے ؟"

کھانے کے بعد اسے پانی دیتے وقت زوالقرنین نے پوچھا۔

"بہت مزے کے تھے۔ میری خواہش پوری کرنے کے لیے تھینک یو۔"

وہ مدھم سا مسکرائی۔

"تھینک یو میرے انداز میں کریں۔ اتنا تیکھا کھا کر پھیکا انداز۔"

وہ ائبرو اچکا کر مستفسر ہوا۔

روشنی اس کے ذو معنی لہجے اور بے باک نظروں سے خائف ہوتی اٹھنے لگی تو زوالقرنین نے پھرتی سے اس کی کلائی تھام کر روکا اور ویسے ہی بازوؤں میں بھر کر کمرے میں لے آیا جیسے لے کر گیا تھا۔ پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ بند کیا اور چلتا ہوا بیڈ کے نزدیک آ کر اسے احتیاط سے لٹایا تو اس کی بولتی آنکھوں سے لپکے جذبات اور آنے والے لمحوں کا سوچ کر وہ مزید ٹھنڈی پڑ گئی۔

زوالقرنین نے ساری موم بتیاں گل کردیں کیپ اس کے کمرے میں روشنی تھی تو اسے اب ان کی ضرورت نہیں تھی۔

زوالقرنین اس کے ہر نقش کو چھوتا اسے خود میں سمٹنے پر مجبور کرگیا تھا۔اس کی بڑھتی شدتیں اور اسکے شوریدہ جذبات کے آگے روشنی کو اپنا احتجاج بھی بے معنی لگا۔وہ اس لبوں سے خود کو سیراب کرتا سالوں کی تشنگی مٹا رہا تھا۔روشنی دم سادھے اس کی شدتیں سہہ رہی تھی۔باہر تواتر سے بارش برس رہی تھی اور اندر وہ زوالقرنین کی محبت کی بارش میں پور پور نہا گئ تھی۔کمرہ دونوں کی سانسوں سے معطر تھا۔

آؤ ہم تم کو بتائیں

محبت کس کو کہتے ہیں

کسی کو دیکھتے ہی دھڑکنوں میں سُر بکھر جائیں

چمک آنکھوں کی بڑھ جائے

کسی کی یاد میں شام وسحر کا فرق مٹ جائے

سلگتے رات کٹ جائے

تصور سے کسی کے چاندنی راتیں مہک اٹھیں

کسی کا ایک جملہ قوت گویائی بن جائے

کسی کی اک نگاہ شوخ ہی بینائی بن جائے

کسی کے بن جب اپنا آپ اور سب کچھ ادھورا ہو

نہ سورج میں تپش باقی رہے نہ چاند پورا ہو

کسی کو دیکھ کے اکثر دھڑکنا بھول جائے دل

ٹھہر جائے جو اس رخ پہ نظر پلٹنا بھول جائے دل

کسی کی دید کی خاطر جبیں سجدے میں جھک جائے

نظر وہ آئے تو بے ساختہ کہہ دے زباں

"اے کاش.... مولا وقت رک جائے"

کوئی خوشبو ہو گل ہو یا کوئی رنگ حنا ہو تو

کڑکتی دھوپ میں کوئی ابر یا سایہ گھنا ہو تو

کسی کی آواز میں روح بھی محو دعا ہو تو

کسی کا ساتھ اپنی ابتداء اور انتہا ہو تو

کوئی خود درد ہو، ہمدرد ہو اور خود دوا بھی ہو

کسی کا ہاتھ جب اپنے لیے دست شفا بھی ہو

پھر ایسے میں

یہ سب احساس، ساری کیفیتیں اور سلسلے مل کر

انوکھی شے بناتے ہیں

جسے کہتے بھی ہیں

سنتے بھی ہیں

اور سب سناتے ہیں

"محبت "اس کو کہتے ہیں

نوریز اور پارس ولیمے کے دوسرے روز ہی عمرے کے لیے روانہ ہو گ ئے تھے۔ ساجدہ بیگم بھی ان کے ساتھ ہی عمرہ کرنے گئ تھیں۔

خانے کعبہ کے سامنے فرش پر بیٹھے وہ اس وقت سجود کی حالت میں تھا۔اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔لب کپکپا رہے تھے۔اسے لگا تھا وہ اللہ کے گھر آ کر معافی مانگ لے گا مگر لب جیسے پیوست ہو کر رہ گئے تھے۔اس پر رقت طاری ہو گئی تھی۔

"یا اللہ تو تو عیبوں پر پردہ ڈالنے والا ہے۔تو بڑا غفور رحیم ہے۔مجھے معاف کر دے میرے مالک۔جوانی کے جوش میں آ کر کئی گناہ سرزد ہوئے ہیں مجھ سے۔میں بہک گیا تھا۔مجھے معاف کر دے۔میں تیرا ناتواں سا بندہ ہوں۔اس گناہ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔تو جانتا ہے اس بات کو چھپا کر میں خوش نہیں رہ سکتا۔میں اپنی بیوی کے ساتھ جو مجھ سے مخلص ہے کیسے کچھ چھپا کر ایک دوغلی زندگی شروع کر سکتا ہوں۔اسی لیے آج تجھ سے سب کہہ رہا ہوں جبکہ تو دلوں کے حال جانتا ہے۔میں اپنی بیوی کو ناراض نہیں کرنا چاہتا۔میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتا۔میں اسے سچ نہیں بتا سکتا کہ میں نے اس کے باپ کو مارنے کی کوشش کی تھی مگر نہ معلوم کون سی قوت تھی جس نے مجھے یہ انتہائی قدم اٹھانے سے روک لیا۔میں تیرا شکر گزار ہوں میرے اللہ۔تو نے مجھے ایک نہیں پوری انسانیت کے قتل سے بچا لیا۔"

اس کا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔

پارس نے اپنی سسکیاں روک لی۔ یہ انکشاف حیران کن تھا۔اس کی آنکھیں بے طرح برس رہی تھیں۔اسے اللہ نے اپنے در پر بلایا تھا۔یعنی اسے معاف کر دیا گیا تھا تو وہ کون تھی معاف کرنے یا نہ کرنے والی۔یک دم وہ ہلکی پھلکی ہو گئ۔معاف کرنے یا نہ کرنے والی ذات اس رب کی ہے۔بے شک وہ پردہ پوشی کا حکم دیتا ہے۔نوریز نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا تو وہ بھی کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔وہ بھی اس کا پردہ رکھنا چاہتی تھی۔

اس نے انسو خشک کیے۔

نوریز چہرے پر ہاتھ پھیر کر اب اس کے برابر میں بیٹھ گیا تھا۔پارس نے اس کے کندھے سے سر ٹکا دیا۔

"کیا مانگا؟"

پارس نے پوچھا۔

"زندگی میں سب کچھ تھا پارس۔صرف ایک چیز کی کمی تھی۔وہی مانگا۔"

پارس مسکرا دی۔

"اور آپ نے کیا مانگا؟"

نوریز نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"سکون مغفرت اور اپ کی لمبی صحت والی زندگی۔"

نوریز نے گہری سانس خارج کی۔

"چلیں۔امی انتظار کر رہی ہوں گی۔"

وہ کھڑا ہوا اور ہتھیلی پارس کے سامنے پھیلائی جسے اس نے بلا تردد کے تھام لیا۔

زائشہ اور اردشیر ہنی مون منانے شمالی علاقہ جات چلے آئے تھے۔یہاں کا موسم دلوں کو لبھانے والا بے حد خوبصورت اور دلکش تھا۔یہاں کے ہر ہر نظارے پر زائشہ کی نظر ٹھہر ٹھہر جاتی تھی۔اردشیر نے اسے ہر جگہ دکھائی تھی۔وہ پہلی بار کسی ایسی جگہ آئی تھی۔اردشیر کی ہمسفری میں وہ بے حد انجوائے کر رہی تھی۔اج بھی وہ لوگ جھیل میں بوٹنگ کر کے آ رہے تھے۔ٹھنڈ پہلے سے بڑھ گئ تھی۔زائشہ کے تو سردی سے دانت بجنے

لگے تھے۔ گھر پہنچتے پہنچتے انہیں شام ہو گئ تھی۔ ہر طرف سرمئ گھٹائیں چھا گئ تھیں۔ ابر کرم بس کسی بھی وقت برسنے کو بیتاب تھا۔

وہ کھڑکی کے قریب کھڑی تھی۔ کھڑکی پہ چھائی دھند کی نمی پر ہتھیلی کی مدد سے دل بنا رہی تھی۔ کاٹیج کے لاونج میں رکھے دو عدد صوفوں کے درمیان فائر پلیس میں کچھ لکڑیاں پڑی تھیں۔ اردشیر نے ان میں آگ لگا کر انہیں سلگایا۔ کچھ دیر کی محنت کے بعد بالآخر وہ کامیاب ہو گیا۔

"آجائیں زائشہ۔ میں نے آگ جلادی ہے۔ اب ٹھنڈ نہیں لگے گی۔"

اردشیر وہیں بیٹھے بیٹھے اسے آواز لگا رہا تھا۔ زائشہ نے ایک نظر کھڑکی پر لکھے دل کو دیکھا جس پر دوبارہ دھند کے باعث نمی چھا رہی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی ٹھنڈ کے مارے دونوں ہاتھ رگڑتی ہوئی اس کے قریب آ گئ جو صوفے پر بیٹھا ہاتھ سینک رہا تھا اور اس کے ٹانگوں پر نرم گرم لحاف پڑا ہوا تھا۔

"آجائیں ٹھنڈ ہو رہی ہے۔"

اردشیر نے نرم لحاف ہٹا کر اسے اپنے پاس بلایا۔ وہ اس وقت لیدر کی جیکٹ پہنے ہوئے تھی۔ سر پر اونی ٹوپی تھی۔ پھر بھی اسے ٹھنڈ لگ رہی تھی۔ وہ اردشیر کی گود میں بیٹھ کر سر اس کے سینے پر ٹکا گئی۔ اردشیر نے لحاف دونوں پر یوں اوڑھ لیا کہ زائشہ پوری طرح چھپ گئی۔ اس کی پرحدت انگلیوں لالمس اسے اپنی پشت پر اور بالوں پر محسوس ہو رہا تھا۔

"شیر۔"

زائشہ نے سر باہر نکالا۔

"جی".

اردشیر جی جان سے متوجہ ہوا تھا۔ اس کی سرخ پڑتی ناک یخ ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

"مجھے اب بھی ٹھنڈ لگ رہی ہے۔"

وہ ٹھنڈ پر قابو پاتی بامشکل بولی تھی۔

"اب تو صرف ایک حل ہے۔"

وہ ذو معنی لہجے میں گہری نظروں سے اسے دیکھتے گویا ہوا اور دھیرے سے اس کے لبوں کو چھو گیا تو زائشہ حیا سے مزید سرخ پڑ گئی۔

"مجھے ٹھنڈ لگ رہی ہے اور آپ کو مذاق سوج رہا ہے۔"

وہ اس کا کالر پکڑ کر خفگی سے گویا ہوئی۔

"آپ جانتی ہیں میں اس معاملے میں مذاق نہیں کرتا۔"

وہ لحاف نیچے پھینک کر اسے بازوؤں میں اٹھائے کھڑا ہوا اور کاٹیج کی سیڑھیاں چڑھ کر کمرے میں آگیا۔ کمرے کی گلاس وال پر بارش کے ننھے ننھے قطرے پڑنا شروع ہو گئے تھے۔

اردشیر نے اسے نیچے اتارا اور کمرے کا ہیٹر آن کیا پھر وہ زائشہ کی طرف متوجہ ہوا جو باہر برستی بارش کو پر شوق نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

اس نے دبے قدموں اس کے نزدیک آکر چپکے سے اسے اپنے حصار میں لیا اور اس کے کندھے کو چھوا تو وہ سرتاپا سرخ پڑ گئی۔

"شیر مجھے بارش میں بھیگنا ہے۔"

وہ اس کی گرفت سے نکلنے کی ناکام کوشش کرتی ہوئی جھنجھلا کر گویا ہوئی۔

"بیمار پڑ جائیں گی اور پھر نقصان بھی میرا ہی ہو گا۔اچھا خاصا ہنی مون ٹرپ برباد کرنا چاہ رہی ہیں آپ۔جانتی ہیں ناں کہ مجھے آپ کے جیسی پیاری سی جونیئر زائشہ چاہیے۔"

اس کے بالوں میں اپنی انگلیاں الجھائے وہ بوجھل لہجے میں گویا ہوا تو زائشہ کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔

"میں بیمار نہیں پڑوں گی اور پڑ گئی تو پکا دوا لے لوں گی۔"

وہ منتی لہجے میں بولی۔

"ٹھیک ہے۔"

بالآخر وہ مان گیا تو زائشہ خوشی سے کھل اٹھی۔اس سے قبل کہ وہ گلاس وال سرکا کر بالکنی میں جا کر بارش میں بھیگتی اردشیر نے برق رفتاری سے اس کی کلائی تھام کر اسے کھینچا تو توازن برقرار نہ رہا اور وہ دونوں ہی بیڈ پر کمرے کے بل گرے جبکہ زائشہ اس کے سینے پر گری تھی۔اس کے ہونٹ اردشیر کے گال سے مس ہو رہے تھے۔وہ لمحوں میں سرخ گلاب ہوئی تھی۔

"میں نے باہر برستی بارش میں نہیں اپنی محبت کی بارش میں بھیگنے کی بات کی تھی۔"

وہ اس کے بال کان کے پیچھے اڑس کر گہری پر تپش نظروں سے اسے دیکھ کر باور کروا گیا۔

شیہ چیٹنگ ہے۔"

وہ احتجاج میں چیخی تو اردشیر نے اس کے باقی مانندہ لفظ بڑی خوبصورتی سے چرا لیے۔ پرفسوں برستی تنہارات میں دو دل دھڑک رہے تھے۔

"جونیئر زائشہ کے لیے کچھ بھی۔"

وہ یک دم کروٹ بدل کر اس کے اوپر جھکا اور مدھم گھمبیر لہجے میں کہتا اسے سٹپٹانے پر مجبور کر گیا اور پھر ابر کرم کی طرح اس پر چھایا تو زائشہ کی ساری مزاحمت دم توڑ گئی۔

جواں رات کے سینے پہ دودھیا آنچل
مچل رہا ہے کسی خوابِ مرمریں کی طرح
حسین پھول حسین پتیاں حسین شاخیں
لچک رہی ہیں کسی جسمِ نازنیں کی طرح
فضا میں گھل سے گئے ہیں افق کے نرم خطوط
زمین حسین ہے خوابوں کی سرزمین کی طرح

تصورات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں
کبھی گمان کی صورت کبھی یقیں کی طرح
وہ پیڑ جن کے تلے ہم پناہ لیتے تھے
کھڑے ہیں آج بھی ساکت کسی امیں کی طرح
انہی کے سائے میں پھر آج دو دھڑکتے دل
خموش ہونٹوں سے کچھ کہنے سننے آئے ہیں
نہ جانے کتنی کشاکش سے کتنی کاوش سے
یہ سوتے جاگتے لمحے چرا کے لائے ہیں
یہی فضا تھی یہی رت یہی زمانہ تھا
یہیں سے ہم نے محبت کی ابتدا کی تھی
دھڑکتے دل سے لرزتی ہوئی نگاہوں سے
حضورِ غیب میں ننھی سی التجا کی تھی
کہ آرزو کے کنول کھل کے پھول ہو جائیں

دل و نظر کی دعائیں قبول ہو جائیں

تصورات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں

تم آرہی ہو زمانے کی آنکھ سے بچ کر

نظر جھکائے ہوئے اور بدن چرائے ہوئے

خود اپنے قدموں کی آہنٹ سے جھنپتی ڈرتی

خود اپنے سائے کی جنبش سے خوف کھائے ہوئے

تصورات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں

رواں ہے چھوٹی سی کشتی ہواوں کے رخ پر

ندی کے ساز پہ ملاح گیت گاتا ہے

تمہارا جسم ہر اِک لہر کے جھکولے سے

مری کھلی ہوئی باہوں میں جھول جاتا ہے

تصورات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں

میں پھول ٹانک رہا ہوں تمہارے جوڑے میں

تمہاری آنکھ مسرت سے جھکتی جاتی ہے
نہ جانے آج میں کیا بات کہنے والا ہوں
زبان خشک ہے آواز رکتی جاتی ہے
تصورات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں
مرے گلے میں تمہاری گداز باہیں ہیں
تمہارے ہونٹوں پہ میرے لبوں کے سائے ہیں
مجھے یقیں ہے کہ ہم اب کبھی نہ بچھڑیں گے
تمہیں گمان کہ ہم مل کے بھی پرائے ہیں
تصورات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں
مرے پلنگ پہ بکھری ہوئی کتابوں کو
ادائے عجز و کرم سے اُٹھا رہی ہو تم
سہاگ رات جو ڈھولک پہ گائے جاتے ہیں
دبے سروں میں وہی گیت گا رہی ہو تم

تصورات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں

ساحر لدھیانوی

اس نے اپنے کمرے کی بالکنی سے جھانک کر دیکھا۔

سفیر پورچ میں کھڑی گاڑی کا بونٹ کھولے اس پر جھکا ہوا شاید اس کا انجن ٹھیک کر رہا تھا۔ کل رات کی ہی بات تھی۔ وہ لوگ ڈنر ڈیٹ کے لیے نکلے تھے مگر تھوڑی دور جا کر گاڑی دغا دے گئ تھی۔ سحاب تو سخت بدمزہ ہوئی تھی۔ پھر وہ گاڑی کو دھکا لگا کر گھر تک لایا تھا۔ پہلے تو سحاب کو خوب غصہ آیا مگر اب رات والی سچویشن سوچ کر ایک دم اسے ہنسی آئی تو اور اتنی زور سے ہنسی تھی کہ نیچے کھڑے سفیر نے اس کی آواز پر بے ساختہ گردن موڑ کر نظریں اونچی کیے اسے دیکھا جو کھلتی دھوپ میں ان سنہری کرنوں کا حصہ معلوم ہو رہی تھی۔

"اس ہنسی کی کوئی خاص وجہ؟"

وہ کٹر پلاس ہاتھ میں لیے اس کی ہنسی کی طرف اشارہ کیے بولا تو سحاب نے منہ پر ہاتھ رکھا۔

"ویٹ ادھر آکر بتاتی ہوں۔"

وہ ہنسی ضبط کرتی نیچے آئی۔ سفیر گاڑی کے پاس ہی کھڑا اسے ائبرو اچکا کر دیکھ رہا تھا۔

سحاب نے لب دبا کر اس چہرے پر لگی کالک کو دو انگلیوں سے چھوا اور پھر وہ دونو انگلیاں اسے کے سامنے لہرائیں۔

"بالکل کالے بلے لگ رہے ہو۔"

وہ ایک بار پھٹ ہنسی اور شہادت کی انگلی اس کی ناک پر پھیر کر کالک ادھر بھی لگادی۔

"اب تو اور کیوٹ لگ رہے ہو۔"

مسکراہٹ دبا کر اس نے کندھے سے پھسلتا دوپٹہ درست کیا۔

"پھر تو میری بلی بھی کالی اور کیوٹ ہونی چاہیے؟"

وہ جو سفیر کو دیکھ کر ہنس رہی تھی اس کی ذو معنی بات پر نفی میں سر ہلاتی چیخی تھی اور قبل اس سے کہ جائے فرار ڈھونڈتی۔ سفیر نے پھرتی سے اسے کمر سے تھام کر اپنا چہرے اس کے چہرے سے رگڑا پھر ناک اس کی ناک سے رگڑی اور تھوڑا سا دور ہو کر اسے بغور دیکھا اور پھر زور سے ہنس دیا۔

"اب لگ رہی ہو کالی بلی۔وہ بھی کیوٹ سی۔"

اس کے گال کھینچ کر وہ مزے سے بولا جبکہ سحاب سیخ پا ہو گئ۔

"تم دو ٹکے کے کارمکینک۔کر دیاناں اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی گندا۔میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی شاور لیا تھااور کل ہی تو فیشل کروا کر آئی تھی۔تم نے سب ستیاناس کر دیا۔"

وہ غصے سے تیکھے لہجے میں کہتی ہتھیلیوں سے گال اور ناک صاف کرنے لگی تو ہاتھ بھی سیاہی مائل ہو گ ئے۔اس نے ناراضگی و غصے سے رخ موڑ لیا۔

غصے میں جو نکھرا ہے،اس حسن کا کیا کہنا

کچھ دیر ابھی ہم سے تم یوں ہی خفا رہنا

اس حسن کے شعلے کی تصویر بنالیں ہم

ان گرم نگاہوں کو سینے سے لگالیں ہم

پل بھر اسی عالم میں اے جانِ ادا رہنا

کچھ دیر ابھی ہم سے، تم یوں ہی خفا رہنا

یہ دہکا ہوا چہرہ، یہ بکھری ہوئی زلفیں

یہ بڑھتی ہوئی دھڑکن، یہ چڑھتی ہوئی سانسیں

سامانِ قضا ہو تم، سامانِ قضا رہنا

کچھ دیر ابھی ہم سے تم یوں ہی خفا رہنا

پہلے بھی حسیں تھیں تم، لیکن یہ حقیقت ہے

وہ حسن مصیبت تھا، یہ حسن قیامت ہے

اوروں سے تو بڑھ کر ہو، خود سے بھی سوا رہنا

کچھ دیر ابھی ہم سے تم یوں ہی خفا رہنا

ساحر لدھیانوی

وہ مدھم گھمبیر لہجے میں گنگناتا ہوا اس کی زلفوں سے چھیڑ خانیاں کر رہا تھا۔ سحاب نے ہاتھ جھٹک دیے۔ سفیر نے نرمی سے اس کے گالوں کو لبوں سے چھوا تو وہ حجاب آلود نظریں جھکا گئی۔ اب کیسی ناراضگی۔ کیسی خفگی۔ وہ اتنے خوبصورت طریقے سے مناتا تھا کہ وہ زیادہ دیر ناراض رہ نہیں پاتی تھی۔

"کوئی بات نہیں دوبارہ شاور لے لو۔"

اس نے گاڑی کا بونٹ گرایا اور پلٹ کر لان میں لگے والو کی طرف بڑھ گیا۔ سحاب اس کی کارستانی سے قطعی انجان تھی۔ مزے سے اچک کر گاڑی کے بونٹ پر بیٹھ گئ۔ اس کا دھیان سفیر کی طرف ہی تھا۔ اسے لگا وہ پودوں کو پانی دے گا مگر اس نے نزدیک آکر پائپ کا رخ ایک دم اس کی طرف کر دیا۔ اتنے تیز پریشر سے نکلتے پانی میں اس کا چہرہ نکھر کر صاف ہو گیا۔ وہ ہڑبڑا کر رہ گئ۔

"سفیر کے بچے میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔ بند کرو پانی۔"

وہ دونوں ہاتھ اگے کیے اپنا بچاو کرتی چیخی تو سفیر کی مسکراہٹ گہری ہو گئ۔

"سفیر کے بچے کو آنے میں ابھی سات ماہ باقی ہیں۔"

وہ پانی کا پائپ گھاس پر پھینکتے دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا جو ہاتھوں سے چہرہ صاف کر رہی تھی۔

وہ بونٹ سے اتری اور اس کے نزدیک آئی۔ سفیر کی گہری بے باک نظریں اس کے حسین بھیگے سراپے پر جمی ہوئی تھی۔ وہ اس قدر کھویا ہوا تھا کہ اسے گھاس سے پائپ اٹھاتے دیکھ نہ سکا۔ ہڑبڑایا تو تب جب پانی کی تیز دھار اسے لمحوں میں بھیگو گئ۔

"کہو میرے دو ٹکے کے کارمکینک مزہ آیا۔کھلے آسمان تلے شاور لینے میں۔"

وہ مزے سے طنزیہ لہجے میں بولی تو سفیر نے پھرتی سے اس کی کلائی تھام کر اسے خود میں بھینچ لیا۔

سحاب گھبرا کر پائپ چھوڑ دیتی مگر سفیر نے پائپ پکڑا اور قدرے اونچا کر کے دونوں پر پانی گرانے لگا۔اب ان دونوں کی ہنسی پورے لان میں گونج رہی تھی۔

"آئی لو و یو میرے دو ٹکے کے کارمکینک۔"

سحاب نے اس کی بیئرڈ پر لب رکھے۔

"آئی لو و یو ٹو اس دو ٹکے کے کارمکینک کی بیوی۔"

سحاب کی ہنسی چھوٹ گئی۔سفیر نے پائپ چھوڑا اور اس کے ہمراہ اندر بڑھ گیا۔

چار سال بعد

یہ منظر تھا کراچی کے نامور ہاسپٹل کے ایک کمرے کا جہاں ہاسپٹل کے بیڈ پر زائشہ اپنے پہلو میں ننھی زرقم کو لیے لیٹی ہوئی تھی۔اردشیر کو بیٹی کی جتنی خواہش تھی۔خدا نے اسے

اتنا ہی آزمایا تھا۔ آج چار سال بعد اسے باپ بننے کی خوشی ملی تھی۔ وہ رب کا جتنا شکر ادا کرتا کم تھا۔ خوشی اتنی بڑی تھی کہ کسی سے بھی رہا نہیں گیا تھا۔ سب خوشخبری ملتے ہی ہاسپٹل پہنچے تھے ننھی زرقم کو دیکھنے۔ اردشیر نے پورے شہر میں مٹھائیاں بانٹی تھیں۔ زائشہ کے صدقے دہے تھے۔

"مما یہ بے بی میلی ہے۔ اسے میلی گودی میں دال دیں۔"

مزینہ کے جڑواں بیٹے روہان اور ایشان اسے خوب تگنی کا ناچ نچاتے تھے۔ ایک تو پارس کی بیٹی پر فریفتہ تھا۔ بڑے حق سے کہتا تھا۔ پارس آنی کی بے بی صرف اس کی ہے اور اس کا دوسرا بیٹا زائشہ کی بیٹی پر حق جتا کر بیٹھا تھا۔

"پہلے خود گود سے اتر جاؤ پھر بے بی کو گود میں لینا۔ زمین سے اگے نہیں ہیں۔ ابھی سے لڑکیوں کے چکر میں پڑ گ ئے۔ نرالی اولاد ہے میری۔"

مزینہ نے بڑے سے دو منٹ چھوٹے بیٹے کو ڈپٹا۔

"نرالی تو ہونا ہے۔ تمہاری جو ہے۔"

روشنی نے اپنی دو سال کی ہادیہ کو زوالقرنین کی گود سے لیا جو مسلسل روئے جارہی تھی۔

"ممی زرقم میری ہے۔اس پر بس میرا حق ہے۔"

حماس نے آگے بڑھ کر زرقم کی پیشانی چومی۔اس کے طرز تخاطب پہ روشنی اور زائشہ میں معنی خیز نظروں کا تبادلہ ہوا جبکہ اپنی بے بی کو حماس کی گود میں دیکھ کر روہان بری طرح رو پڑا۔

"میلی بے بی تو لے لیا۔"

ماں کے کندھے میں منہ دیے وہ سسک اٹھا تو سب کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"تمہاری لڑکی نے میرا لڑکا بگاڑ دیا۔"

خرم نے بیٹے کو گود میں لے کر تاسف سے اردشیر کو دیکھا۔

"بیٹا باپ پر ہی گیا ہے۔"

اردشیر نے تگڑا جواب دیا تو ذوالقرنین اور سفیر کا قہقہہ گونج اٹھا۔ننھی ملائکہ دادو کی گود میں بیٹھی ٹکر ٹکر سب کو دیکھ رہی تھی۔سحاب نے جھک کر بیٹی کو چوم لیا۔

"چلو بس ہنسی ٹھٹھول بند کرو۔ میری بچی کو آرام کرنے دو۔ وہ سب کو ٹوک گئیں تو وہ کچھ دیر بیٹھ کر سب لوگ ایک ایک کر کے چلے گئے۔ ساجدہ بیگم بھی بیٹی کی پیشانی چوم کر روم سے باہر چلی گئیں۔

زائشہ نے اردشیر کی گود میں سکون سے آنکھیں موندے اپنی بیٹی کو دیکھا۔ جس کے کان میں اذان بھی اس کے بابا نے دی تھی اور نام بھی اس نے ہی رکھا تھا۔

" تھینکس ٹو گیونگ می جونیئر زائشہ۔"

وہ زرقم کو اس کے پہلو میں سلا کر اس کے نزدیک بیٹھا اور اس کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگایا۔

"یہ دنیا کا بہترین تحفہ ہے زائشہ۔"

وہ باری باری عقیدت سے اس کی آنکھوں کو چھو کر تشکر آمیز لہجے میں گویا ہوا۔

"اب بیٹی آ گئی ہے تو میری کوئی قدر ہی نہیں ہو گی۔"

وہ منہ بنا کر مصنوعی خفگی سے گویا ہوئی۔

"آپ کی قدر تو پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئ ہے اور میری آپ سے محبت میں ہر بڑھتے دن کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔اگر زر قم میری جان ہے تو آپ جان جاناں ہیں۔اپ اردشیر کی زندگی ہیں۔"

اس کی پیشانی سے پیشانی ٹکائے وہ گھمبیر بھاری لہجے میں کہہ رہا تھا۔زائشہ کے روم روم میں سکون واطمینان کی لہر دوڑ گئ۔

اس نے جھک کر زائشہ کی خوبصورت و بے داغ جبیں کو اپنے لمس سے مہکایا اور نرمی سے اس کے لبوں کو چھوتا وہ اسے معتبر کر گیا۔

رفتہ رفتہ وہ میری ہستی کا ساماں ہو گئے

پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں ہو گئے

دن بدن بڑھتی گئیں اس حسن کی رعنائیاں

پہلے گل پھر گلبدن پھر گل بداماں ہو گئے

آپ تو نزدیک سے نزدیک تر آتے گئے

پہلے دل پھر دلربا پھر دل کے مہماں ہو گئے

پیار جب حد سے بڑھا سارے تکلف مٹ گئے

آپ سے پھر تم ہوئے پھر تو کا عنواں ہو گئے

ختم شد